رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی مہمات

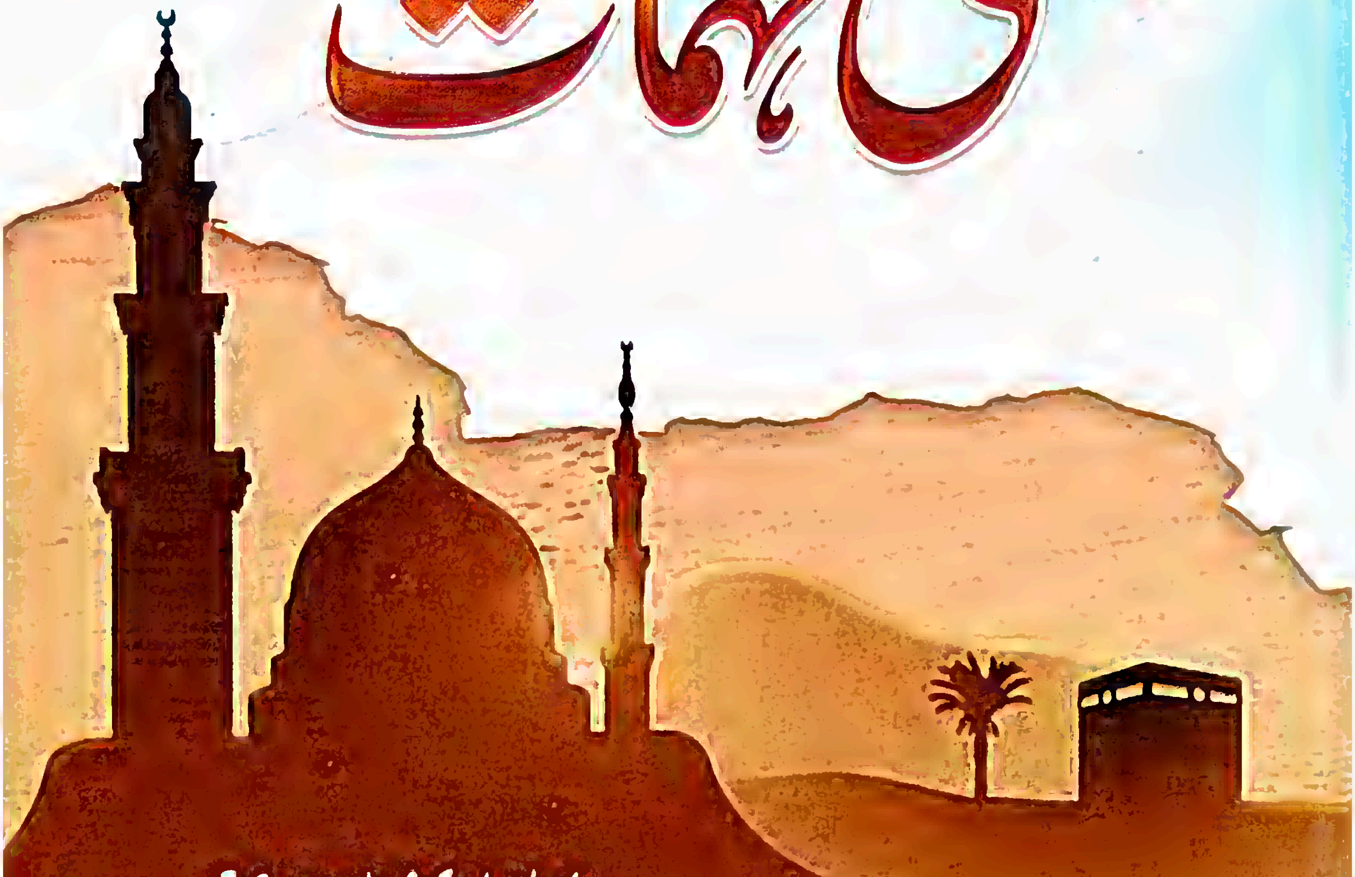

مولانا ندیم الواجدی

دار الکتاب دیوبند

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی
جنگی مہمّات

مولانا ندیم الواجدی

دار الکتاب دیوبند

تفصیلات

نام کتاب.................: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی مہمات

نام مصنف.................: مولانا ندیم الواجدی

طبع اوّل.................: جنوری ۲۰۲۴ء

صفحات.................: ۴۵۲

کمپیوٹر کتابت.................: محمد مستقیم سالک قاسمی مدھوبنی
یاسر ندیم کمپیوٹرس دیوبند

مطبع.................: یاسر ندیم آفسیٹ پریس دیوبند

باہتمام.................: واصف حسین مالک دار الکتاب دیوبند

ناشر

دار الکتاب دیوبند

DARUL KITAB

DEOBAND- 247554 U-P

9412557658 - 9997520332

nadimulwajidi@gmail.com

فہرست مضامین

پیش لفظ	۱۱	سریہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ	۴۰
اس وقت کی سیاسی صورت حال	۱۳	غزوۂ بدر	۴۴
یہود کی تیرہ بختی اور بدقسمتی	۱۴	مقام بدر	۴۶
میثاقِ مدینہ یا مملکت اسلامیہ کا		جنگ کا پس منظر	۴۷
دستور اساسی	۱۵	صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا ردعمل اور روانگی	۴۹
معاہدے کے کچھ اہم پہلو	۱۵	فوج کا معائنہ	۴۹
منافقین کی رَوِش	۱۸	وادیٔ الصَّفراء میں قیام	۵۰
مشرکین مکہ کی سازشیں	۲۰	بَسْبَس اور عدی رضی اللہ عنہما کی واپسی	۵۱
جہاد کی اجازت	۲۳	ابوسفیان کی حکمت عملی	۵۱
جہاد کا مقصد	۲۴	امیہ بن خلف کی شمولیت	۵۲
جہادِ اسلامی اور دنیا کی جنگیں	۲۸	ابوسفیان کے بچ کر نکلنے اور لشکر	
جہاد کی دو قسمیں	۳۰	قریش کے آنے کی خبر	۵۴
جہاد اسلامی کے آداب	۳۰	ذِفران سے بدر کی طرف	۵۶
غزوات و سرایا	۳۳	ابوسفیان کا خط	۵۸
سرایا کا آغاز	۳۶	قریش کو مشورے	۵۹
سریّہ حمزہ	۳۶	عاتِکہ اور جُہیم کے خواب	۶۰
سریہ عُبَیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ	۳۷	میدانِ بدر میں قیام	۶۲
سریہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	۳۷	چھپر کی تعمیر	۶۳
غزوۂ اَبواء	۳۸	میدانِ جنگ کا معائنہ	۶۴
غزوۂ بُواط	۳۹	مسلمانوں کا اطمینان اور رسول اللہ	
غزوۂ عُشیرہ	۴۰	کی شب بیداری	۶۴

دونوں لشکروں کی صف بندی ۶۶
قریش کو جنگ سے روکنے کی ایک اور کوشش ۶۸
جنگ کا آغاز ۶۸
جنگ زور پکڑ گئی ۷۰
ابوجہل مارا گیا ۷۱
اُمیہ بن خلف اور اس کے بیٹے کا انجام ۷۳
عبیدۃ بن سعید العاص کا قتل ۷۵
جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرکت ۷۵
مٹھی بھر سنگ ریزے اور مٹی ۷۶
مسلمانوں کی مدد کے لئے فرشتوں کا نزول ۷۶
ابلیس بھی جنگ میں شریک ہوا ۷۹
عکاشہ رضی اللہ عنہ کی تلوار اور رفاعہ رضی اللہ عنہ کا زخم ۸۰
مشرکین کو شکست فاش ۸۱
شہداءِ بدر کے اسمائے گرامی ۸۲
مقتولین بدر کا انجام ۸۲
مکہ پہنچی شکست کی خبر ۸۳
مدینے میں جشن کا سماں ۸۵
بدر میں تین دن تک قیام ۸۷
جنگی قیدیوں کے ساتھ روانگی ۸۸
زر فدیہ لے کر رہائی کا فیصلہ ۸۸
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تائید میں وحی الٰہی کا نزول ۸۹
قیدیوں کے ساتھ حسنِ سلوک ۹۱
قیدیوں کے متعلق مختلف احکامات ۹۲
حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا فدیہ ۹۳
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد کا معاملہ ۹۴
مالِ غنیمت کی تقسیم ۹۶
مالِ غنیمت میں غیر بدریین کا حصہ ۹۹
بدر کی فتح اور رومیوں کا غلبہ ۱۰۰
بنو قینقاع کی عہد شکنی ۱۰۲
مسلمان عورت کے ساتھ بدسلوکی ۱۰۳
مدینے سے بنی قینقاع کا اخراج ۱۰۴
عبد اللہ بن اُبی بن سلول کی درخواست ۱۰۵
غزوۂ سویق ۱۰۶
غزوۂ ذی اَمر ۱۰۷
ایک کافر نے حملہ کرنے کی کوشش کی ۱۰۸
کعب بن اشرف کا قصہ ۱۰۹
ابن سُنینہ یہودی کا قتل اور حویصہ بن مسعود کا اسلام ۱۱۷
غزوۂ بحران ۱۱۸
سریہ زید بن حارثہ ۱۱۸
ابو رافع یہودی ۱۱۹
غزوۂ احد کا پسِ منظر ۱۲۲

جنگ کی تیاری	۱۲۳	رسول اللہ کی شہادت کی افواہ	۱۵۰
قریش کی روانگی	۱۲۶	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جاں نثاری	۱۵۲
صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ	۱۲۶	حضور سلامت تھے	۱۵۵
لشکرِ اسلام کی روانگی	۱۲۸	میدان سے اُحد کی طرف	۱۵۷
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب	۱۲۹	اُبی بن خلف کا عبرت ناک انجام	۱۵۸
عبد اللہ بن اُبی کی واپسی	۱۲۹	زخمیوں کی دیکھ بھال	۱۵۹
منافقوں کی واپسی سے مسلمانوں کا جوش بڑھا	۱۳۱	کتنے مسلمان شہید ہوئے؟	۱۵۹
لشکر اسلام کا معائنہ	۱۳۲	ابوسفیان کی دھمکی	۱۶۰
حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ	۱۳۳	حضرت سعد بن الربیعؓ کی شہادت	۱۶۱
ایک اندھے کی اندھی دشمنی	۱۳۴	حضرت عبد اللہ بن جحشؓ کی شہادت	۱۶۲
ابودجانہ رضی اللہ عنہ کو تلوار ملی	۱۳۵	حضرت مُصعب بن عُمیر رضی اللہ عنہ	۱۶۳
لشکر اسلام کی صف بندی	۱۳۶	حضرت عبد اللہ بن عمرو بن حرامؓ کی شہادت	۱۶۴
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب	۱۳۷	حضرت خَیثمہ ابوسعدؓ کی شہادت	۱۶۶
مشرکین کی صف بندی	۱۳۹	حضرت عمرو بن جموحؓ کی شہادت	۱۶۶
جنگ سے پہلے انصار مدینہ کو ورغلانے کی کوشش	۱۴۰	حضرت اُصیرم رضی اللہ عنہ کی شہادت	۱۶۸
انفرادی مقابلے	۱۴۱	اعمال کا مدار نیتوں پر	۱۶۹
گھمسان کی جنگ	۱۴۳	مشرکین کی واپسی	۱۷۱
حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت	۱۴۴	شہداء کی تلاش اور تدفین	۱۷۱
حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ غَسیل الملائکہ	۱۴۷	شہداء کی نماز جنازہ اور غسل	۱۷۲
مسلمانوں کی فتح	۱۴۸	جبل احد؛ زیارت گاہ خلائق	۱۷۵
فتح کے بعد شکست	۱۴۸	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینے واپسی	۱۷۷

جنگ اُحد میں خواتین اسلام کا کردار	۱۷۸
عفوودرگزر اور لطف وکرم	۱۸۱
قرآن کریم میں غزوۂ احد کا ذکر	۱۸۲
رسول اللہ کی شہادت کی افواہ	۱۸۳
احد میں شکست کی حکمتیں	۱۸۴
غزوۂ حمراء الاسد	۱۸۷
واپسی پر ایک جاسوس کا قتل	۱۹۲
عبداللہ بن اُبی کی ذلت اور رسوائی	۱۹۳
غزوۂ اُحد کے بعد	۱۹۵
نبی اسد کی طرف صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی روانگی	۱۹۶
خالد بن سفیان ہذلی کے خلاف کاروائی	۱۹۷
عضل اور قارہ کی بدعہدی اور رجیع کا دردناک واقعہ	۲۰۰
بئر معونہ کا واقعہ	۲۰۶
حضرت عامر بن فُہیرہ رضی اللہ عنہ کی شہادت	۲۱۰
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صدمہ	۲۱۲
بنونضیر کی بدعہدی اور غداری	۲۱۳
بنونضیر پر حملے کا اعلان	۲۱۷
بنونضیر کا محاصرہ	۲۱۸
بنونضیر ڈر گئے	۲۱۹
بنونضیر جلاوطن کئے گئے	۲۱۹
غزوۂ ذات الرِّقاع	۲۲۲
غزوے کا سبب	۲۲۳
پہلی صلوٰۃ خوف	۲۲۳
ذات الرِّقاع کیوں کہتے ہیں	۲۲۴
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت کا ایک واقعہ	۲۲۵
دوسرا غزوۂ بدر	۲۲۶
غزوۂ دُومۃ الجندل	۲۲۹
غزوۂ بنی مُصطلِق	۲۳۱
غزوے کا سبب اور تاریخ	۲۳۱
روانگی اور یلغار	۲۳۲
عبداللہ بن اُبی کا کمینہ پن	۲۳۴
منافقین کی شرانگیزی کا ایک اور واقعہ	۲۳۵
غزوۂ خندق	۲۳۸
تاریخ وقوع میں اختلاف	۲۳۹
غزوۂ خندق کے محرکات	۲۴۰
مدافعت کی تیاری	۲۴۲
خندق کی کھدائی اور صحابہ کا جذبہ	۲۴۳
لشکرِ کفار کی آمد	۲۴۸
قرآن کریم کی منظر کشی	۲۴۹
صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا صلح سے انکار	۲۵۰

بنو قریظہ کا نقض عہد ۲۵۱
محاذ جنگ کی صورت حال ۲۵۳
دشمنوں کی صفوں میں گھس پیٹھ ۲۵۴
تیز ہواؤں کے جھکڑ ۲۵۷
حضرت حذیفہ بن یمانؓ کا واقعہ ۲۵۸
غزوہ بنی قریظہ ۲۵۹
رسول اللہ ﷺ سے پہلے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی روانگی ۲۶۰
پڑاؤ اور محاصرہ ۲۶۰
کعب بن سعد کی تقریر ۲۶۱
ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا ۲۶۲
حضرت ابولبابہؓ کی ندامت اور توبہ ۲۶۳
بنو قریظہ نے ہار مان لی ۲۶۵
حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ۲۶۵
فیصلے کا نفاذ ۲۶۷
حی ابن اخطب یہودی ۲۶۸
زُبیر بن باطا قرظی ۲۶۹
غزوۂ خندق کے بعد ۲۷۰
سریۂ بنی قرطاء ۲۷۱
ثمامہ بن اثال کی گرفتاری ۲۷۲
ثمامہ مکے میں ۲۷۳
غزوۂ بنی لحیان ۲۷۴
غزوۂ ذی قرد ۲۷۶
بخاری کی روایت ۲۷۸
غزوۂ ذی قرد کی تاریخ میں اختلاف ۲۷۹
سریۂ عکاشہ بن محصن ۲۸۰
سریۂ محمد بن مسلمہ ۲۸۱
سریۂ جموم ۲۸۱
سریۂ عیص ۲۸۲
سریۂ طرف ۲۸۳
سریۂ حسمی ۲۸۳
سریۂ دومۃ الجندل ۲۸۵
سریۂ فدک ۲۸۷
سریۂ ام قرفہ ۲۸۸
سریۂ عبداللہ بن رواحہ ۲۸۹
سریۂ کرز بن جابر الفہری ۲۸۹
صلح حدیبیہ اور فتح مبین کا مژدہ ۲۹۱
حدیبیہ کا محل وقوع ۲۹۱
صلح حدیبیہ کی تاریخ ۲۹۲
رسول اللہ ﷺ کا خواب ۲۹۲
عازمین سفر کی تعداد ۲۹۳
سفر کے لیے روانگی ۲۹۴
جاسوس کی روانگی ۲۹۵
راستے کی تبدیلی ۲۹۶
ایک معجزہ رونما ہوا ۲۹۷
قریش کو پیغام ۲۹۷

بیعت رضوان ۲۹۹
قریش کے نمائندوں کی آمد ۳۰۱
عروہ بن مسعود بھی پہنچے ۳۰۳
سہیل بن عمرو کی سفارت ۳۰۶
شرائط صلح ۳۰۸
مشرکین کا حملہ ۳۰۹
ابوجندل کی آمد اور واپسی ۳۱۰
مسلمانوں کا تأثر ۳۱۱
قربانی کرنے اور سر منڈانے کا حکم ۳۱۲
صلحِ حدیبیہ اور سورۂ فتح ۳۱۳
صلح حدیبیہ کے اثرات ۳۱۴
ابوبصیر کا قصہ ۳۱۹
مہاجر خواتینِ اسلام کی واپسی کا معاملہ ۳۲۳
غزوۂ خیبر کا پس منظر ۳۲۴
سورۂ فتح کا نزول ۳۲۷
خیبر کے لیے روانگی ۳۲۸
حضرت عامر بن الاکوعؓ کا قصہ ۳۳۱
مقام رجیع میں پڑاؤ ۳۳۲
خیبر کے قریب ۳۳۲
خیبر کے قلعے ۳۳۴
قلعۂ قموص کی فتح ۳۳۵
اموال غنیمت کی تقسیم ۳۳۸
یہود کو زمین کاشت کے لئے دی گئی ۳۳۹
زہر آلود بکری کا قصہ ۳۴۰
ایک دیہاتی کی شہادت ۳۴۳
اسود راعی کا قصہ ۳۴۴
ایک شخص ایسا بھی تھا ۳۴۵
وادیِ قریٰ ۳۴۶
وادیِ تیماء ۳۴۷
سریہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ۳۴۸
سریۂ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ۳۴۸
سریّہ بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ ۳۴۹
سریّہ حضرت غالب بن عبد اللہ کلبی رضی اللہ عنہ ۳۴۹
غالب بن عبد اللہ کی زیر قیادت ایک اور سریہ ۳۵۱
سریّہ بشیر بن سعد ۳۵۳
سریہ ابی حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ ۳۵۳
سریّہ محلم بن جثامہ رضی اللہ عنہ ۳۵۵
غزوۂ مؤتہ ۳۵۶
غزوۂ موتہ کا پس منظر ۳۵۷
لشکر کے امراء کا انتخاب اور ان کو آداب جنگ کی تلقین ۳۵۸
لشکر اسلامی کی روانگی ۳۵۹

لشکر اسلام ارض شام میں	۳۶۱	ابوسفیان بن حرب کی آمد اور قبول	
عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کی تقریر	۳۶۲	اسلام	۳۸۵
حضرت عبد اللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ		ابوسفیان رضی اللہ عنہ حیرت زدہ رہ گئے	۳۸۸
کی شہادت	۳۶۴	مکہ مکرمہ میں داخلہ	۳۹۰
حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا انتخاب	۳۶۵	خانۂ کعبہ میں داخلہ	۳۹۳
غزوۂ مُوتہ کے شہداء	۳۶۶	طواف اور استلام	۳۹۴
مدینے میں معجزہ رونما ہوا	۳۶۷	بابِ کعبہ پر خطبہ	۳۹۵
میدان جنگ سے ایک صحابی رضی اللہ عنہ		عام معافی کا اعلان	۳۹۷
کی آمد	۳۶۸	کوہِ صفا پر بیعت	۳۹۸
صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی شہادت اور		رؤساءِ مکہ کا قبول اسلام	۴۰۲
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنج وغم	۳۶۹	فتح مکہ کے بعد دوسرا خطبہ	۴۰۲
اسلامی فوج کی واپسی	۳۷۱	صنم خانوں کا انہدام	۴۰۵
غزوۂ ذات السّلاسل	۳۷۲	خالد بن ولید نے عُزّیٰ بت توڑا	۴۰۵
سریۂ سیف البحر	۳۷۶	ہُذیل کا بت سُواع	۴۰۶
فتحِ مکہ کا پس منظر	۳۷۸	قُدید کا بت منات	۴۰۷
مکہ مکرمہ جانے کی تیاری	۳۸۰	حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بنی مجزیمہ	
مدینہ منورہ سے روانگی	۳۸۰	میں	۴۰۷
مدینے میں زبردست نگرانی	۳۸۱	فتح مکہ ایک عظیم کامیابی	۴۰۹
مدینے سے روانگی	۳۸۲	غزوۂ حنین	۴۱۰
حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ملاقات	۳۸۲	اوطاس میں دشمنوں کا پڑاؤ	۴۱۱
ابوسفیان بن حارث اور عبد اللہ		دشمن کا اچانک حملہ	۴۱۲
ابن ابی امیہ کا قبولِ اسلام	۳۸۳	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ثبات قدمی	۴۱۳
		نصرت الٰہی کا نزول	۴۱۴

مسلمانوں کے فرار کی اصل وجہ اور	
نومسلموں کا ردعمل	۴۱۶
مشرکین کو شکست	۴۱۷
غزوۂ طائف	۴۲۰
مسلمانوں کی کاروائی	۴۲۲
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب	۴۲۳
واپسی کا اعلان	۴۲۳
معافی کا اعلان	۴۲۴
جعرانہ میں تقسیم غنائم	۴۲۴
ہوازن کا وفد جعرانہ میں	۴۲۶
غزوۂ حنین وطائف کے اثرات	۴۲۷
سریہ قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ	۴۲۹
سریہ ضحاک بن سفیان الکلابی رضی اللہ عنہ	۴۲۹
سریہ علقمہ بن مجزز المدلجی	۴۳۰
سریہ جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ	۴۳۱
سریہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ	۴۳۲
غزوۂ تبوک	۴۳۳
غزوے کا نام	۴۳۳
غزوۂ تبوک کا پس منظر	۴۳۶
صحابہ کو امداد و معاونت کی ترغیب	۴۳۹
نادار صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی حالت	۴۴۱
منافقین کا حال	۴۴۳
حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی نہیں گئے	۴۴۵
تبوک کے لیے روانگی	۴۴۶
قوم ثمود کی بستیاں	۴۴۷
لشکر اسلام تبوک میں	۴۴۸
ایلہ کے بادشاہ کی حاضری	۴۴۹
حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ	
دومۃ الجندل میں	۴۴۹
آخری غزوہ	۴۵۱

پیش لفظ

رسول اکرم ﷺ کی تریسٹھ سالہ حیات طیبہ سے اگر قبل از نبوت کے چالیس سال منہا کردئے جائیں تو تیس سال باقی بچتے ہیں، ان میں سے تیرہ سال مکہ مکرمہ میں گزرے، اس طویل مدت کا ہر لمحہ مظلومیت اور کس مپرسی کی داستان سناتا ہے، حکم ربانی کے بعد وطن کو خیر باد کہہ کر جناب رسول اللہ ﷺ اپنے مظلوم ساتھیوں کے ساتھ رات کے سناٹوں اور دن کی خاموشیوں میں یثرب ہجرت کر گئے، مدینہ طیبہ کا یہ دور اسلام کے پھلنے اور پھولنے کا دور ہے، کفار ومشرکین، نصاریٰ اور یہود نے اگر چہ رسول اللہ ﷺ کو یثرب کی وادیوں میں بھی چین وسکون سے نہیں رہنے دیا، آپ کی مبارک زندگی کے بے شمار شب وروز اونٹوں کی پشت پر گزرے اور تلواروں کی جھنکار میں بسر ہوئے، اللہ کے دین کو سربلند ہونا تھا، سو ہر کر رہا۔

بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کے ساتھ مل کر خود بھی جنگیں لڑی ہیں اور تنہا صحابہ کو بھی لڑنے کے لیے بھیجا ہے، مگر یہ تمام جنگیں دفاعی تھیں، اقدامی نہیں، یا تو دشمن مدینے پر چڑھ کر آیا، یا مدینے کی طرف حملہ کرنے کے لیے بڑھا، یا اس نے رسول اکرم ﷺ کے خلاف سازشوں کا جال بچھایا، یا معاہدوں کی خلاف ورزی کی، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ پرامن لوگوں پر آپ اچانک حملہ آور ہو گئے ہوں، پھر جن جماعتوں سے آپ کی جنگ ہوئی انہیں موقع دیا گیا کہ وہ یا تو اسلام قبول کرلیں یا جزیہ دے کر رہیں، یا یہ ملک چھوڑ کر چلے جائیں۔

غرض یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی جنگی مہمات بھی تاریخ انسانیت کی جنگوں میں امتیازی اہمیت کی حامل رہی ہیں، جس طرح آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے دوسرے تمام پہلو ہمارے لئے قابل اتباع ہیں، اسی طرح مغازی اور سرایا میں آپ کا طرز عمل بھی پوری دنیا کے لیے قابل تقلید نمونہ ہے، پیش نظر کتاب میں ہم نے آپ ﷺ کی مدنی زندگی میں لڑی گئی تمام جنگوں کی تفصیلات جمع کردی ہیں، اور ان جنگوں میں آپ کا طرز عمل کیا رہا ہے؟ اس موضوع کو بھی تشنہ نہیں چھوڑا ہے، موجودہ زمانے کے نام نہاد حکم راں، سیاسی قائدین اور فوجی جرنیل ان جنگوں کے آئینے میں اپنا چہرا دیکھ سکتے ہیں کہ آج کے دور میں جنگیں کس طرح لڑی جاتی ہیں اور حضور ﷺ نے کس طرح لڑی ہیں۔

جب بھی افواجِ اسلام جنگ کے لیے نکلتیں آپ انہیں ہدایت دیتے کہ اللہ کا ذکر

کرتے ہوئے نکلو، اتراتے ہوئے اور اکڑ دکھلاتے ہوئے نہ چلو، آپس میں جھگڑا مت کرو، تکلیف اور مصیبت میں صبر سے کام لو، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو، پھر جب معرکۂ کارزار گرم ہوتا اور تلواریں چمکتیں اس وقت کے لیے آپ کی یہ ہدایتیں ہوتیں کہ راہبوں اور گوشہ نشینوں کو کچھ مت کہنا، کھجور یا دوسرا کوئی پھل دار درخت مت کاٹنا، عمارتوں کو مت گرانا، عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور لڑائی سے دور رہنے والوں کو کچھ نہ کہنا، ان ہدایات کے آئینے میں موجودہ دور کی متمدن اقوام اور انسانیت کی ہم دردی کا نعرہ لگانے والی طاقتوں کی طرف سے مسلط کی جانے والی جنگوں کو دیکھا جاسکتا ہے، یہ خود ساختہ مہذب اور متمدن لوگ انسانی آبادیوں پر بم گراتے ہیں، عمارتیں تباہ کرتے ہیں، کارخانے، اسکول، کالج، ہسپتال، مساجد اور معابد سب گرادیتے ہیں، ان کے دلوں میں نہ کسی بچے کے لئے کوئی رحم ہوتا ہے، نہ بوڑھے کے لئے، نہ کسی عورت کے لئے ہمدردی ہوتی ہے اور نہ انہیں کسی بیمار اور معذور کا خیال آتا ہے۔

پیغمبر انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے نو برسوں میں پچیس غزوات میں شرکت فرمائی، صرف سات غزوات میں دو بہ دو جنگ کی نوبت آئی، ساٹھ سرایا بھی روانہ فرمائے، یہ تقریباً پچاسی جنگیں ہیں، ان میں جانبین کے مقتولین کی تعداد ایک ہزار اٹھارہ سے آگے نہیں بڑھی، یہ انتہائی حیرت انگیز بات ہے کہ اتنی جنگیں ہوئیں، مگر خون بہت کم بہا، جان و مال کی بربادی بہت کم ہوئی، اس کے مقابلے میں صرف پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں ہی چھ کروڑ چونسٹھ لاکھ سے زیادہ افراد قتل کئے گئے، جو خانماں برباد ہوئے ان کی تعداد الگ ہے، گذشتہ ستر سالوں میں نام نہاد بڑی طاقتوں نے کم زور اقوام کو جس طرح تباہ و برباد کیا ہے وہ ایک طویل داستان عبرت ہے۔

آپ کے ہاتھوں میں جو کتاب ہے اس میں دور نبوت کی انہی جنگوں کی تفصیلات پیش کی گئی ہیں، مجھے امید ہے کہ سیرت نبوی کے مطالعے سے دل چسپی رکھنے والے حضرات اس کتاب کی پذیرائی کریں گے، دُعا ہے اللہ تعالیٰ کتاب کو مقبول بنائے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، وما توفیقی إلا باللہ۔

ندیم الواجدی
دارالکتاب دیوبند
۱۰/ جنوری ۲۰۲۴ء

اس وقت کی سیاسی صورت حال

تعمیرِ مسجد اور قیامِ مواخات کے بعد ہجرت کے پانچویں مہینے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور اہم قدم اٹھایا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل یہاں بت پرست مشرکین اور اہل کتاب یہود رہتے تھے، مشرکین کے دو قبیلے تھے اوس وخزرج، ان کو بنوقیلہ بھی کہا جاتا تھا۔ یہود کے تین بڑے قبائل تھے، بنونظیر، بنوقینقاع اور بنوقریظہ۔ ان کے علاوہ بھی چھ سات چھوٹے چھوٹے قبیلے تھے۔ اوس وخزرج حالاں کہ بت پرست تھے، یہود کے مقابلے میں ان کو متحد ہونا چاہئے تھا مگر یہ ایک دوسرے کے ساتھ ہمیشہ حالت جنگ میں ہی رہا کرتے تھے۔ ان کے درمیان کئی بڑی بڑی جنگیں بھی برپا ہوئیں، جنہوں نے ان کو مادّی اور عددی ہر اعتبار سے برباد کر کے رکھ دیا۔ آخری جنگ بعاث نے تو بالکل ہی تباہ کر دیا، تمام بڑے بڑے سردار اور طاقت ور جنگ جو مارے گئے، معاشی اعتبار سے ان دونوں قبیلوں کی کمر ٹوٹ کر رہ گئی، نتیجۃً وہ سیاسی اعتبار سے بھی کمزور پڑ گئے اور معاشی طور پر بھی تباہ ہو گئے۔

یہود اپنے مکروفریب سے ان دونوں قبیلوں کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کرتے تھے اور انہیں جنگوں میں الجھا کر اپنا الوسیدھا کیا کرتے تھے، ایک وقت وہ آیا کہ یہ دونوں قبیلے یہود کے محتاج، دست نگر اور ماتحت ہو کر رہ گئے۔ اللہ نے ان کی قسمت میں خیر لکھ دی تھی، ان میں سے کچھ لوگ مکہ مکرمہ پہنچ کر مشرف بہ اسلام ہو گئے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رفاقت ونصرت کا معاہدہ کرنے میں کامیاب بھی ہو گئے۔ اس کے نتیجے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینے تشریف لائے، بیعتِ عقبہ کے بعد ایک سال تک ان لوگوں کے درمیان حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ موجود رہے، جنہوں نے اس قوم کی دینی، اخلاقی اور معاشرتی تربیت کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا، ان کی محنت کے نتیجے میں

دونوں قبیلوں کی بڑی تعداد نے اسلام قبول کیا اور ہر گھر میں یہ دین اپنی شعاعیں بکھیر نے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے ان دونوں قبیلوں کے باہمی معاملات میں کافی سدھار آیا، سب لوگ مل کر اسلام کے نام پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں یک جا ہوگئے، پھر مہاجرین کے ساتھ رشتۂ اخوت قائم ہوا، اس نئے رشتے نے ان کے اندر ایثار، ہم دردی، مواسات وغیرہ اخلاقی قدروں کو پروان چڑھایا، اوس وخزرج کے مزاج اور عمل میں یہ تبدیلیاں دیکھ کر یہود حیرت زدہ رہ گئے، انہیں اندازہ ہوگیا کہ اب ان کی سیاسی اور مذہبی برتری کا وقت گزر چکا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک وحدت بنا کر نئی طاقت بخش دی ہے۔

یہود کی تیرہ بختی اور بدقسمتی

یہ عجیب بات ہے کہ نبی آخر الزماں خاتم النبیین والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل وہ ان کی آمد کی پیشین گوئیاں کیا کرتے تھے، تورات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو بشارتیں آئی ہیں وہ تقریباً تمام یہودیوں کو از بر تھیں اور اس حوالے سے وہ بنی قیلہ کو ڈراتے دھمکاتے بھی رہتے تھے کہ جب وہ تشریف لائیں گے تو ہم ان کی قیادت میں جمع ہو کر تمہارا حشر خراب کردیں گے، یثرب سے تمہیں نکال دیں گے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن جب وہ تشریف لے آئے تو اس یقین کے باوجود کہ یہ وہی نبی ہیں جن کا ہم اور ہماری گزشتہ نسلیں ایک مدت سے انتظار کر رہی تھیں، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کردیا بلکہ معدودے چند خوش قسمت افراد کو چھوڑ کر تمام قبیلوں کے یہود آپ کی مخالفت بلکہ مخالفت سے بڑھ کر دشمنی پر اتر آئے، اندر ہی اندر سازشیں کرنے لگے، منافقین کے ساتھ مل گئے۔ مشرکینِ مکہ سے ربط ضبط بڑھانے لگے، افواہیں پھیلا کر لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکنے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر یہودیوں کی ان تمام حرکتوں پر تھی، اوس وخزرج کے لوگ بھی ان کی حقیقت سمجھ چکے تھے، اللہ کے رسول چاہتے تو وہ یہود کو ان کی اوقات یاد دلا دیتے مگر سیاسی حکمتِ عملی کا تقاضہ یہ تھا کہ فی الحال ان کے ساتھ نرم رویہ رکھا جائے اور انہیں

سدھرنے کا موقع دیا جائے، اسی حکمت عملی کے پیش نظر آپ نے مدینے کی تمام اکائیوں کو ایک مرکز کے تحت لانے کی کوشش کی اور ایک ایسا میثاق یا معاہدہ مرتب فرمایا جس کے سب پابند ہوں اور اس کی روشنی میں زندگی گزاریں۔

میثاقِ مدینہ یا مملکت اسلامیہ کا دستور اساسی

سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں اس معاہدے کو مختلف نام دیئے گئے ہیں، بہ ظاہر یہ ایک معاہدہ تھا لیکن درحقیقت یہ اس مملکت اسلامیہ کا بنیادی دستور تھا جو خدا کے فیصلے کے مطابق وجود میں آنے والی تھی، یہ معاہدہ اس لئے کیا گیا تاکہ مسلمانوں کو تحفظ ملے اور جو اسلامی ریاست وجود میں آنے والی تھی وہ اندرونی اور بیرونی خطرات سے محفوظ ہو، اسلام کا کام کسی رکاوٹ کے بغیر آگے بڑھے۔ یہودیوں کو اس لئے شامل کیا گیا کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کو اپنے وجود کے لئے خطرہ محسوس کر رہے تھے، اس معاہدے کے ذریعے ان کو یہ یقین دلانا تھا کہ اگر آپ لوگ اس معاہدے پر خلوصِ دل سے عمل کریں گے تو آپ کے لئے یہاں نہ کسی قسم کا کوئی خطرہ ہے اور نہ کسی طرح کی کوئی پریشانی، آپ پر کوئی زیادتی بھی نہیں ہوگی، آپ اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزارنے میں آزاد ہوں گے۔

معاہدے کے کچھ اہم پہلو

پورا معاہدہ ترپن دفعات پر مشتمل ہے، ہم نے یہاں ان تمام دفعات کا خلاصہ پیش کیا ہے۔ معاہدے کی کسی دفعہ سے بھی یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ کسی ایسے شخص کا لکھوایا ہوا ہے جو ابھی ابھی مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے یہاں آیا ہو، تحریر کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہوتا ہے، گویا حاکمیت اعلا اللہ کی ہے، پھر شروع ہی میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ اس تحریر کا لکھوانے والا کوئی عام انسان نہیں ہے بلکہ اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، پوری تحریر میں جہاں بھی اس کا موقع ہے اللہ اور اس کے رسول کی حاکمیت کا اعلان کیا گیا ہے، کسی بھی تنازع کی صورت میں یہ نہیں کہا گیا کہ اپنے جھگڑوں کے تم خود ذمہ دار ہو بلکہ صاف طور پر

یہ تلقین کی گئی ہے کہ تمہیں ہر ایسے معاملے کو اللہ اور اس کے رسول کی عدالت میں لے کر جانا ہوگا اور وہاں کا جو فیصلہ ہوگا اسے قبول کرنا ہوگا۔

اس تحریر کی بنیادی روح وہ ہے جو اسلام کی اصل روح ہے، یعنی دنیوی اعمال پر آخرت کے عذاب وثواب کا دارومدار ہے، جو جیسا کرے گا ویسا پائے گا، نیکوکاروں کو اجرِ عظیم سے نوازا جائے گا اور ظلم وتعدی کرنے والے اللہ کی پکڑ سے خود کو بچا نہیں پائیں گے۔ اس تحریر کے اصل مخاطب اہل ایمان ہیں، تبعاً غیر مسلموں (یہود وغیرہ) کو شامل کیا گیا ہے، البتہ پُر امن رہنے اور معاہدے کی پابندی کرنے کی صورت میں ان کو حفاظت کی ضمانت دی گئی ہے، ان کو مساوی حقوق دیئے گئے ہیں، اپنے مذہب پر عمل کرنے کی پوری چھوٹ دی گئی ہے، مگر بدلے میں ان پر کچھ ذمہ داریاں بھی ڈالی گئی ہیں اور وہ یہ کہ وفاداری کے ساتھ رہیں، عہد شکنی نہ کریں، اپنے علاقوں کی حفاظت کریں، جنگ کی صورت میں دشمن کا مقابلہ کریں، بہ قدر حصہ جنگ کے مصارف بھی برداشت کریں۔

اس معاہدے کی اہم بات یہ ہے کہ اس میں اگرچہ یہودیوں اور دوسرے غیر مسلموں کو بھی شریک رکھا گیا ہے، لیکن مرکزی حیثیت مسلمانوں کو حاصل ہے، چناں چہ دفعہ دو میں یہ واضح کردیا گیا ہے کہ یہ معاہدہ مہاجرین قریش اور یثرب کے مؤمنین کے مابین ہے اور ان کے درمیان بھی ہے جو ان کے تابع ہیں اور ان کے ساتھ جنگ میں شریک ہیں، گویا غیر مسلموں کو بہ طور تبعیت شامل کیا گیا ہے نہ کہ اصل حیثیت دے کر ان کی شمولیت ہوئی ہے، پھر پورے معاہدے میں ظلم، تعدی، اثم، معروف، منکر وغیرہ کی جو اصطلاحات بار بار استعمال کی گئی ہیں ان سے بھی یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ اس معاہدے کے اصل مخاطب اہل ایمان ہیں، اس کے علاوہ نزاعات اور اختلافات میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرنے کی شق معنی خیز ہے، اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ معاہدے میں حاکمیتِ اعلا ان کے سپرد کی گئی ہے جو اس کے اہل ہیں، یہ بھی ہوسکتا تھا کہ یہود کے مختلف قبیلوں کے بااثر لوگوں کو بھی کسی کمیٹی میں شامل کرکے حاکمیت اس کے سپرد کردی جاتی، لیکن ایسا نہیں کیا گیا کیوں کہ مستقبل میں مملکت اسلامیہ کا جو خاکہ

رسول اللہ ﷺ کے ذہن میں تھا ایسا کرنا اس کے منافی ہوتا۔

بہ ہر حال دنیائے انسانیت کا یہ پہلا تحریری معاہدہ ہے جو اختصار کے باوجود اپنے اندر پوری جامعیت رکھتا ہے۔ معاشرت، سیاست اور مدنیت کا کوئی پہلو، کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جسے اس معاہدہ میں نظر انداز کیا گیا ہو، آج سے چودہ سو سال پہلے اس معاہدے کو تحریری شکل دی گئی، عیسوی سن کے لحاظ سے یہ معاہدہ چھ سو بائیس میں لکھا گیا، مگر یورپ کے بعض مؤرخین کا تعصب دیکھئے کہ وہ اس تاریخی حقیقت کو نظر انداز کرتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ پہلا بین الاقوامی تحریری معاہدہ میگنا کارٹا کا ہے، حالاں کہ یہ اس واقعے کے ٹھیک چھ سو سال بعد بارہ سو پندرہ عیسوی میں انگلستان کے کنگ جان اول کے زمانے میں ہوا۔ مشہور مورخ اور سیرت نگار ڈاکٹر حمید اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس دستاویز کا ذکر کرتے ہوئے اپنی کتاب میں جو عنوان قائم کیا ہے وہ یہ ہے ''دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور'' وہ کہتے ہیں کہ یہ دستاویز ایک معاہدے کی شکل نہیں رکھتی بلکہ ایک فرض اور حکم کی صورت میں نافذ کی جاتی ہے، ان کا کہنا ہے کہ دستاویز کی ابتداء میں ھذا کتاب من محمد ﷺ کے الفاظ ہیں، سب لوگ جانتے ہیں کہ کتاب کے معنی فرض اور حکم کے ہیں، قرآن کریم میں بھی یہ لفظ اس مفہوم میں استعمال ہوا، جرمن، فرانسیسی، انگریزی اور ہسپانوی زبانوں میں بھی اس کے کم وبیش یہی معنی ہیں۔ (۱)

اس دستاویز کی اہمیت اس لئے بھی ہے کہ یہ حشو وزوائد سے پاک ہے اور اس کو غیر ضروری الفاظ سے بوجھل نہیں کیا گیا ہے اور نہ اس کو طویل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، امریکہ کو اپنے دستورِ اساسی کے اختصار پر بڑا ناز ہے کہ اس میں صرف سات ہزار الفاظ شامل ہیں، وہ اسے دنیا کا مختصر ترین دستور کہتے ہیں، حالاں کہ آج سے چودہ سو سال قبل اللہ کے آخری رسول ﷺ نے بالکل معجزاتی طور پر جو جامع، مؤثر اور مکمل دستور لکھوایا وہ صرف سات سو تیس الفاظ پر مشتمل ہے۔

یہ دستاویز یا معاہدہ کسی بھی اسلامی ریاست کا دستور اساسی بن سکتا ہے اور آج سے

(۱) عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص: ۸۴،۸۳۔

چودہ سو سال قبل اس کو یہی حیثیت دی گئی ہے، اس میں تمام باشندگان ریاست کے آئینی حقوق کا تحفظ کیا گیا ہے، ان افراد میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو ریاست کے سرکاری مذہب کی اتباع کرتے ہیں اور وہ بھی شامل ہیں جو دوسرے مذاہب سے جڑے ہوئے ہیں یعنی آج کی اصطلاح میں جن کو اقلیت کہا جاتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس دستور پر عمل کر کے دنیائے انسانیت آج بھی امن، فلاح، مساوات اور ترقی کا گہوارہ بن سکتی ہے۔

منافقین کی رَوِش

مسلمانوں کو بڑا خطرہ منافقین سے تھا، یہ ایک گروہ تھا جس میں مختلف قبیلوں سے تعلق رکھنے والے لوگ عبداللہ ابن اُبیّ کی قیادت میں جمع ہو گئے تھے، منافقین کا یہ ٹولہ بہ ظاہر ایمان لا چکا تھا، دکھاوے کے لئے یہ لوگ مسجد میں بھی آتے تھے، نمازیں بھی پڑھتے تھے، مشوروں میں بھی شرکت کرتے تھے، لیکن دل سے وہ بھی یہ چاہتے تھے کہ مسلمان اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر یہاں سے چلے جائیں اور ہم اس شہر میں پہلے کی طرح آزاد اور خود مختار ہو کر رہیں۔ ہم عبداللہ ابن اُبیّ بن سلول کا ذکر پہلے بھی کر چکے ہیں، یہ بدفطرت شخص اس گروہ کا سرغنہ تھا، تاریخ میں اس کے نام کے ساتھ رئیس المنافقین کا لاحقہ اسی لئے لگایا جاتا ہے کہ اسی نے منافقت کو پھلنے پھولنے کا موقع دیا اور اس شخص نے تمام منافقین کو اجتماعیت فراہم کی، اس کی ایک وجہ تھی کہ یہ شخص اپنی قوم میں صاحبِ عقل وخرد سمجھا جاتا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے اوس وخزرج کے لوگ یہ طے کر چکے تھے کہ اس شخص کو قوم کا بادشاہ بنا کر اس کی تاج پوشی کر دی جائے گی، تمام تیاریاں مکمل تھیں، ذہن سازی ہو چکی تھی، بس عمل کرنے کی دیر تھی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، آپ کی تشریف آوری نے سیاست کا رخ ہی تبدیل کر دیا، جو لوگ کل تک عبداللہ ابن اُبی کو اپنی قیادت وسیادت کا تاج سونپنا چاہتے تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیوانے بن گئے، اس صورت حال نے عبداللہ ابن ابی کے خوابوں کا محل مسمار کر دیا، وہ بادشاہ بنتے بنتے رہ گیا، زبان سے تو وہ کچھ کہہ نہیں سکتا تھا کیوں کہ دونوں قبیلوں کا سوادِ اعظم

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا حلقہ بہ گوش ہو چکا تھا، ان حالات میں اس شخص کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ بھی مسلمان بننے کا ڈھونگ کرے، سو اس نے سوانگ رچایا، مگر دل میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نفرت، حسد، کینہ اور دشمنی پالتا رہا، یہ عجیب بات ہے کہ اس کا بیٹا عبداللہ اور بیٹی جمیلہ صدق دل سے مسلمان ہو چکے تھے۔

یہاں ہم ایک واقعہ لکھتے ہیں، اس واقعے سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ عبداللہ ابن اُبی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر نفرت تھی، ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گدھے پر سوار ہو کر بنو حارث کی طرف تشریف لے گئے، راستے میں کسی جگہ کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے، ان میں زیادہ تعداد ان لوگوں کی تھی جو ابھی تک اسلام سے محروم تھے، کچھ یہودی بھی تھے اور ایک دو مسلمان بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ عبداللہ ابن اُبی ان سب لوگوں کا چودھری بنا بیٹھا تھا، اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے آئے۔ سواری کے گزرنے سے کچھ دھول اڑی، عبداللہ ابن اُبی نے کبر و نخوت سے اپنا منہ ڈھانپ لیا اور تیز و تند لہجے میں کہنے لگا کہ: دھول مت اڑاؤ، اس کے سخت لہجے کو نظر انداز کرتے ہوئے آپ وہاں ٹھہر گئے، آپ نے سب کو سلام کیا، قرآن کریم کی چند آیات تلاوت فرمائیں، عبداللہ ابن اُبی جو پہلے ہی خار کھائے بیٹھا تھا، کہنے لگا کہ: اگر آپ کی بات صحیح بھی ہو تب بھی یہ طریقہ مجھے پسند نہیں، آپ ہماری مجلسوں میں آکر ہمیں تبلیغ نہ کیا کریں، جو لوگ آپ کے پاس جائیں یہ باتیں ان کو سنا دیا کریں۔ جو مسلمان اس مجلس میں موجود تھے وہ عبداللہ ابن اُبی کی باتیں سن کر مشتعل ہو گئے اور اس پر ٹوٹ پڑے، ابن اُبی کے ساتھی بھی اس جھگڑے میں شامل ہو گئے، کچھ دیر تک یہ ہنگامہ چلتا رہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں فریقوں کو سمجھا بجھا کر بڑی مشکل سے ٹھنڈا کیا۔(۱) یہ صورت حال تھی مدینہ منورہ کے یہودیوں اور منافقوں کی، ان دونوں طبقوں سے کچھ بھی بعید نہیں تھا، وہ کسی بھی وقت اس نومولود اسلامی ریاست کے لئے خطرہ بن سکتے تھے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ان پر تھی اور قرآن کریم بھی ان کے مخفی احوال سے پردہ اٹھا رہا تھا۔

---

(۱) صحیح البخاری، ۱۴/۴۵، رقم الحدیث ۴۲۰۰۔

مشرکین مکہ کی سازشیں

دوسری طرف مشرکین مکہ تھے، یہ لوگ وہ چوٹ بھولنا نہیں چاہتے تھے جو ان کو ہجرت کے واقعے سے پہنچی تھی، وہ خواب میں بھی یہ بات نہیں سوچ سکتے تھے کہ یہ حقیر اور کم زور مسلمان ہماری آنکھوں میں دھول جھونک کر مکے سے نکل جائیں گے اور ان کو یثرب جیسی مضبوط پناہ گاہ اور اوس وخزرج جیسے بڑے قبیلوں کی مدد مل جائے گی۔ ایک طرح سے یہ مشرکینِ مکہ کی شکست تھی، وہ اپنی اس ذلت آمیز ہزیمت پر تلملاتے رہتے تھے اور اپنی بے بسی پر کف افسوس بھی ملتے رہتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کے بس میں کچھ تھا بھی نہیں۔ بہت جلد ان مشرکین پر یہ حقیقت بھی منکشف ہوگئی کہ مدینے میں سب لوگ ہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حامی ومددگار نہیں ہیں بلکہ ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ظاہری طور پر تو مسلمان ہوگئے ہیں مگر دل سے وہ اب بھی بت پرست ہیں، دوسری طرف یہودیوں کے بارے میں انہیں یہ طلاع ملی کہ فی الحال انہوں نے کسی سیاسی مصلحت کی وجہ سے اس معاہدے پر دستخط کردیئے ہیں جو مدینے میں طے پایا ہے، لیکن دل سے وہ بھی اس کی پابندی نہیں کررہے ہیں۔ موقع ملتے ہی وہ اس معاہدے سے دست بردار ہوسکتے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف برسرپیکار بھی ہوسکتے ہیں۔

منافقین اور یہود کی خاموش بغاوت کی خبریں مشرکین تک پہنچیں تو ان کی باچھیں کھل گئیں، وہ کب سے اس انتظار میں تھے کہ مسلمانوں کو ان کے کیے کی سزا دیں اور انہیں بتلادیں کہ وہ یثرب میں بھی محفوظ نہیں ہیں اور یہ کہ مکّے کے لوگ اتنے بزدل اور کم زور نہیں ہیں کہ ان کو اس طرح چھوڑ دیں اور ان کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہ کریں، فی الحال وہ خاموش تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کا ایک بڑا تجارتی قافلہ شام گیا ہوا تھا، مشرکین چاہتے تھے کہ یہ قافلہ ساز وسامان لے کر بہ حفاظت مکہ مکرمہ واپس پہنچ جائے، اس کے بعد منافقوں اور یہودیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں پر حملہ کیا جائے اور ان کو چھٹی کا دودھ یاد دلایا جائے۔

پیش بندی کے طور پر مشرکین نے اپنی کارروائیوں کا آغاز بھی کردیا تھا، سب سے پہلے انہوں نے اپنے حلیف قبائل سے رابطہ قائم کیا، انہیں مسلمانوں کے خلاف بھڑکا دیا، اورانہیں اس بات پر آمادہ کرلیا کہ وہ مسلمانوں کواپنے راستوں سے گزرنے نہ دیں، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان یثرب میں محدود ہوکر رہ گئے، بہت دنوں تک ان لوگوں کی آمد بھی بند رہی جو یمن کی طرف سے قبول اسلام کے لئے یا قبولِ اسلام کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے تھے، کیوں کہ مدینے میں داخل ہونے کے لئے ان قبیلوں سے گزرنا پڑتا تھا جو مشرکین مکہ کے حلیف تھے۔

عبداللہ ابن اُبیّ سے مشرکین مکہ کا رابطہ اس وقت سے تھا جب وہ ظاہری طور پر مسلمان نہیں ہوا تھا بلکہ علی الاعلان مشرک تھا۔ایک مرتبہ مشرکینِ مکہ نے اس کو خط لکھا کہ تم لوگوں نے ہمارے مفرور لوگوں کو پناہ دے رکھی ہے، ان لوگوں کو فوراً یثرب سے باہر نکالو، ورنہ ہم تم سے جنگ کرنے پر مجبور ہوں گے، تمہارے نوجوانوں کو قتل کردیں گے اور تمہاری عورتوں کو اٹھا لائیں گے، یہ خط پڑھ کر عبداللہ ابن اُبی نے اپنے مشرک ساتھیوں سے مشورہ کیا، تمام لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یثرب سے نکالنے پر متفق ہوگئے، اس ارادے سے ایک جگہ جمع بھی ہوگئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کواس کی خبر ملی تو آپ وہاں پہنچے اور انہیں مخاطب کرکے فرمایا کہ قریش کی دھمکی نے تم پر گہرا اثر ڈالا ہے، وہ لوگ تمہارے خلاف سازشیں نہیں کررہے ہیں بلکہ تم خود اپنے خلاف سازش کررہے ہو، تم ان کے بہکاوے میں آکر اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے جنگ کرنا چاہتے ہو۔ عبداللہ ابن اُبی اوراس کے ساتھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سن کر منتشر ہوگئے۔ (۱)

ایک اور واقعہ بھی پیش آیا، اس سے بھی قریش کے غم وغصے کا اور مستقبل میں ان کے عزائم کا اندازہ ہوتا ہے۔ سعد بن معاذ یثرب کی اہم شخصیت تھے، ایک مرتبہ وہ عمرہ کرنے کے لئے مکہ مکرمہ گئے، وہاں پہنچ کر وہ امیہ بن خلف کے مہمان بنے، انہوں نے اپنے میزبان سے کہا کہ میں بیت اللہ کا طواف کرنا چاہتا ہوں، کوئی وقت بھیڑ بھاڑ کا نہ ہو تو مجھے

(۱) صحیح البخاری۔

ہتلانا۔ امیہ بن خلف دو پہر کے وقت ان کو طواف کے لئے لے کر نکلا، راستے میں ابو جہل سے ملاقات ہوئی، ایک اجنبی شخص کو اس کے ساتھ دیکھ کر اس نے پوچھا اے ابو صفوان! تمہارے ساتھ یہ شخص کون ہے؟ اس نے جواب دیا سعد ہیں۔ یہ سنتے ہی ابو جہل مشتعل ہو گیا۔ کہنے لگا کہ تم یہاں آکر طواف کرنا چاہتے ہو اور بہ حفاظت یہاں سے نکلنے کا ارادہ رکھتے ہو، حالاں کہ تم نے ہمارے بے دینوں کو اپنے یہاں پناہ دے رکھی ہے، خدا کی قسم اے سعد اگر تیرے ساتھ یہ ابو صفوان نہ ہوتا تو تیرا یہاں سے بچ کر اپنے اہل وعیال کے پاس واپس جانا ممکن نہ تھا۔ سعد بھی کم نہ تھے، انہوں نے چلا کر کہا کہ کسی غلط فہمی میں نہ رہنا، خدا کی قسم اگر تم لوگوں نے مجھے طواف سے روکنے کی کوشش کی تو میں تمہیں اس سے زیادہ اہم چیز سے روک دوں گا، میں مدینے سے گزرنے والے تمہارے راستے بند کر دوں گا۔(۱)

اس طرح کے واقعات پیش آتے رہتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین مکہ کی سرگرمیوں کی اطلاعات ملتی رہتی تھیں، اس لئے آپ ہمہ وقت چوکنا اور مستعد رہتے تھے۔ یہ خطرہ بہ ہر حال موجود تھا کہ قریش اکٹھے ہو کر کہیں مدینے پر حملہ نہ کر دیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا دیں۔ ایک مرتبہ مکّے کے ایک رئیس کُرز بن جابر فہری نے مدینے کی چراگاہوں پر حملہ کر دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ ہانک کر لے گیا جو وہاں چر رہے تھے۔(۲)

اس طرح کے واقعات تشویش پیدا کرتے تھے اور قریش کی اس طرح کی سرگرمیوں سے ہر لحظہ یہ خطرہ رہتا تھا کہ وہ رات میں کسی وقت حملہ نہ کر دیں، ان حالات کے پیش نظر مسلمان ہر وقت حالت جنگ میں رہتے تھے، حد یہ ہے کہ وہ لوگ ہتھیار لگا کر سویا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی راتوں کو جاگ کر مدینے کی حفاظت فرمایا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ وہ رات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے پہرہ دیا کریں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین خود بھی

(۱) صحیح البخاری، ۱۱/۱۷۲، رقم الحدیث ۳۳۶۰۔ (۲) الاستیعاب ابن عبد البر، ۳/ ۱۳۱۰۔

بے حد محتاط رہتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت ان کی ترجیحات میں سرفہرست تھی۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات آپ (حفاظتی نقطۂ نظر سے) بیدار رہے اور فرمایا کاش میرے صحابہ میں سے کوئی نیک شخص میری نگرانی کرتا، اتنے میں ہتھیار کی سرسراہٹ سنی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کون ہے؟ آواز آئی، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، فرمایا: کس لئے آئے ہو؟ عرض کیا: یارسول اللہ مجھے آپ کے بارے میں ڈر ہوا، اس لئے آپ کی نگرانی کے لئے آگیا ہوں، آپ نے ان کے لئے دعا فرمائی، پھر آپ سو گئے۔(۱)

جہاد کی اجازت

یہ تھے وہ مشکل ترین حالات جن سے نومولود ریاستِ مدینہ کے مسلمان نبرد آزما تھے، ان حالات سے نکلنے کی بہ جز اس کے کوئی دوسری صورت نہ تھی کہ مسلمان خود اپنی حفاظت کے لئے آگے آئیں، دشمنوں کو اپنی طاقت کا احساس کرائیں اور ان کی ہر سازش ناکام کردیں، مشرکین برابر اپنی چالیں چل رہے تھے، ان کی جرأت یہاں تک بڑھ چکی تھی کہ وہ یثرب کی چراگاہوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ ہنکا کر مکہ لے گئے تھے، ان کی سازشوں کا سلسلہ لگاتار جاری تھا، مدینے کے منافقین کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کی ترغیب دی جارہی تھی، مدینہ منورہ کے راستوں میں پڑنے والے قبائل سے یہ عہد لیا جارہا تھا کہ وہ مسلمانوں کو اپنے قریب سے گزرنے کی اجازت نہ دیں۔ ان حالات میں اگر خاموشی اختیار کی جاتی تو مشرکین کے حوصلے بڑھ جاتے، وہ کسی بھی وقت مدینے پر حملہ آور ہو سکتے تھے، یہاں ان کے ہم نوا موجود تھے، منافق بھی اور یہودی بھی، یہ لوگ کسی بھی وقت مسلمانوں کے لئے خطرہ بن سکتے تھے، اپنی بقاء اور سلامتی کے لئے ضروری تھا کہ مسلمان دفاعی اور اقدامی جنگوں کے لئے تیاری کریں مگر یہ تیاری حکم الٰہی پر موقوف تھی، مکی زندگی میں تو ان کو یہ حکم دیا گیا تھا: فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا ''لہٰذا تم خوبصورتی کے ساتھ صبر سے کام لو۔''(۲)

مشرکین کے ظلم وستم سے تنگ آکر اس وقت کے مٹھی بھر مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) صحیح البخاری، ۱۰۱/۱۰، رقم الحدیث ۲۶۷۲۔ (۲) سورہ معارج: ۵۔

کی خدمت میں عرض گزار ہوتے یارسول اللہ! ہمیں لڑنے کی اجازت دیجئے۔ آپ فرماتے: اصبروا فانی لم أومر بالقتال.(۱) ''صبر کرو، مجھے قتال کا حکم نہیں دیا گیا۔''
مدنی زندگی میں صورت حال بدلی ہوئی تھی، یہاں مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تھی، کچھ نہ کچھ جنگی سازوسامان بھی ان کے پاس تھا، سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کے پاس ایک مضبوط ٹھکانہ تھا، مشرکین کی ریشہ دوانیوں سے نمٹنے کا واحد حل یہی تھا کہ ان کو اُن کی اوقات یاد دلائی جائے اوران پر یلغار کر کے ان کے غرور کا بت پاش پاش کر دیا جائے۔

بالآخر ایک روز جنگ کی اجازت مل ہی گئی، جہاد کا حکم ان آیات کے ذریعے نازل ہوگیا ''جن لوگوں سے جنگ کی جارہی ہے انہیں اجازت دی جاتی ہے کہ وہ اپنے دفاع میں لڑیں، کیوں کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور یقین رکھو کہ اللہ ان کو فتح دلانے پر پوری طرح قادر ہے، یہ وہ لوگ ہیں جنہیں صرف اس بات پر اپنے گھروں سے ناحق نکالا گیا ہے کہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے اور اگر اللہ لوگوں کے ایک گروہ (کے شر) کو دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہتا تو خانقاہیں، کلیسا اور عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے سب مسمار کر دی جاتیں اور اللہ ضرور ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس (کے دین) کی مدد کریں گے، بلاشبہ اللہ بڑی قوت والا، بڑے اقتدار والا ہے، یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں اور لوگوں کو نیکی کی تاکید کریں اور برائی سے روکیں اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے قبضے میں ہے۔(۲)

جہاد کا مقصد

یہ غلبے کی جنگ نہیں ہے بلکہ دفاع کی جنگ ہے، آیات میں واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ اجازت اس لئے دی جاری ہی ہے کہ تم پر بہت کچھ ظلم ہو چکا ہے، تمہیں بغیر کسی وجہ کے تمہارے گھروں سے نکال دیا گیا ہے، حالاں کہ تمہارا قصور کچھ بھی نہیں تھا، اس کے بعد اللہ رب العزت نے اپنی ازلی سنت کا حوالہ دیا ہے کہ اگر ہم ایک گروہ کے شر کو دوسرے

(۱) تفسیر آلوسی، ۲۲۴/۸، تفسیر البغوی، ۳۸۸/۵۔ (۲) الحج: ۳۹-۴۱۔

گروہ کے ذریعے ختم نہ کریں تو اللہ کا نام لینا مشکل ہو جائے، تمام عبادت گاہیں مسمار کردی جائیں، نہ گرجا گھر باقی بچیں، نہ معابد، مساجد، کلیسا اور خانقاہیں باقی رہیں، یہ فسادی لوگ اس طرح کے تمام عبادت خانے گرادیں اور اللہ کا نام لینے والوں کو بے گھر کردیں۔ ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ جنگ یا جہاد کی اجازت اس لئے دی گئی ہے تاکہ روئے زمین پر اللہ کا نام آزادی سے لیا جاسکے، اللہ کے باغی، اللہ کا نام لینے والوں کو، نماز اور زکوٰۃ کا نظام قائم کرنے والوں کو، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے والوں کو ظلم وتشدد کا نشانہ نہ بنائیں، ان کو اُن کے گھروں سے نہ نکالیں، اس سے صاف ظاہر ہے کہ جہاد کا مقصد یہ نہیں ہے کہ لوگوں کو زبردستی اسلام میں داخل کیا جائے، جہاد کے سلسلے میں یہ غلط پروپیگنڈہ ہے، آیات جہاد سے اس پروپیگنڈہ کی پورے طور پر تردید ہوتی ہے۔ علماء نے آیاتِ جہاد کی تفسیر مین جہاد کی غرض وغایت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سورۂ انفال میں مقاصدِ جہاد کے تحت لکھتے ہیں:

''کافروں کا زور نہ رہے کہ ایمان سے روک سکیں یا مذہبِ حق کو دھمکی دے سکیں، جیسا کہ تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی کفار کو غلبہ ہوا، مسلمانوں کا ایمان اور مذہب خطرہ میں پڑ گیا، اسپین کی مثال دنیا کے سامنے ہے کہ کس طرح قوت اور موقع ہاتھ آنے پر مسلمانوں کو تباہ کیا گیا ہے یا مرتد بنادیا گیا، بہ ہرحال جہاد وقتال کا اولین مقصد یہ ہے کہ اہل اسلام مامون ومطمئن ہوکر خدا کی عبادت کرسکیں اور دولتِ ایمان وتوحید کفار کے ہاتھوں سے محفوظ ہو، دوسرے باطل ادیان کی موجودگی میں جیسے خلفائے راشدین وغیرہم کے عہد میں ہوا، یا سب باطل مذاہب کو ختم کرکے جیسے نزول مسیح کے وقت ہوگا، بہ ہرحال یہ آیت اس کی واضح دلیل ہے کہ جہاد اور قتال خواہ ہجومی ہو یا دفاعی مسلمانوں کے حق میں اس وقت تک برابر مشروع ہے جب تک یہ دو مقاصد حاصل نہ ہوجائیں، اسی لئے حدیث میں آیا الجھاد ماضٍ الیٰ یوم القیامۃ. (جہاد قیامت تک جاری رہے گا)۔(۱)

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''جہاد کے حکم سے خداوند قدوس

(۱) تفسیر عثمانی، حواشی سورۂ انفال۔

کا یہ ارادہ نہیں کہ یک لخت کافروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے بلکہ مقصود یہ ہے کہ اللہ کا دین دنیا میں حاکم بن کر رہے اور مسلمان عزت کے ساتھ زندگی بسر کریں اور امن و عافیت کے ساتھ خدا کی عبادت اور اطاعت کر سکیں، کافروں سے کوئی خطرہ نہ رہے کہ وہ ان کے دین میں خلل انداز ہو سکیں، اسلام اپنے دشمنوں کے نفس وجود کا دشمن نہیں بلکہ ان کی ایسی شوکت وحشمت کا دشمن ہے کہ جو اسلام اور اہل اسلام کے لئے خطرہ کا باعث ہو۔"(۱)

ہمارے دور کے محقق عالم شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثانی لکھتے ہیں: "انہوں (صلیبیوں) نے یہ پروپیگنڈہ کیا کہ مسلمانوں میں جہاد اس لئے شروع کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعے لوگوں کو زبردستی بہ زورِ شمشیر مسلمان بنایا جائے کہ یا تو مسلمان ہو جاؤ ورنہ تمہیں ماردیں گے اور یہ جہاد درحقیقت اسلام کو پھیلانے کے لئے ایک زبردستی کا ذریعہ ہے اور اسی بات کو یہ کہہ کر تعبیر کیا گیا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا، ورنہ عقیدہ مان کر لوگ مسلمان نہیں ہوئے۔ بڑی شد و مد سے یہ پروپیگنڈہ شروع کیا گیا، حالاں کہ اس پروپیگنڈے کی کوئی حقیقت نہیں، اس لئے کہ خود قرآن کریم کا ارشاد ہے: لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ. "دین میں کوئی جبر نہیں ہے" دوسری جگہ فرمایا: فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر اختیار کرے) اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر جہاد کا منشا لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانا ہوتا تو جزیہ ادا کرنے اور غلام بنانے کی شق کیوں ہوتی، جزیہ ادا کرنے کی شق خود ظاہر کر رہی ہے کہ جہاد کے ذریعے لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانا مقصود نہیں اور مسلمانوں کی پوری تاریخ میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ مسلمانوں نے کسی علاقے کو فتح کرنے کے بعد وہاں کے لوگوں کو زبردستی مسلمان بننے پر مجبور کیا ہو، بلکہ ان کو ان کے دین پر چھوڑ دیا، اس کے بعد ان کو اسلام کی دعوت دی، جو لوگ مسلمان ہوئے وہ اسی دعوت کے نتیجے میں مسلمان ہوئے اور جو مسلمان نہیں ہوئے

(۱) سیرۃ المصطفی ۲/ ۲۶۔

ان کو بھی وہی حقوق دیئے گئے جو ایک مسلمان کو دیئے گئے، اس لئے یہ کہنا کہ تلوار کے ذریعے اسلام پھیلا، یا یہ کہنا کہ جہاد کا مقصد زبردستی لوگوں کو مسلمان بنانا ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔(۱)

آگے لکھتے ہیں: ''سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر جہاد کا مقصد کیا ہے؟ خوب سمجھ لیں کہ جہاد کا مقصد یہ ہے کہ کفر کی شوکت کو توڑا جائے اور اسلام کی شوکت قائم کی جائے اور اللہ کا کلمہ بلند کیا جائے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس بات کو تو برداشت کرلیں گے کہ اگر تم اسلام نہیں لاتے ٹھیک ہے، اسلام قبول نہ کرو، تم جانو، تمہارا اللہ جانے، آخرت میں تم سزا بھگتنا، لیکن تم اپنے کفر اور ظلم کے قوانین کو اللہ کی زمین پر نافذ کرو اور اللہ کے بندوں کو اپنا غلام بناؤ اور ان کو اپنے ظلم وستم کا نشانہ بناؤ اور ان پر ایسے قوانین نافذ کرو جو اللہ کے قوانین کے خلاف ہیں تو اس کی ہم تمہیں اجازت نہیں دیں گے۔(۲)

بہ ہر حال اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اسلام کا مقصدِ جہاد غیر مسلموں کو زبردستی مسلمان بنانا نہیں ہے، بلکہ اسلام کی شوکت قائم کرنا، اللہ کا کلمہ بلند کرنا اور وہ ماحول فراہم کرنا ہے جس میں بلا خوف وخطر اللہ کا نام لیا جاسکے اور اس کی عبادت کی جاسکے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ میں کوئی ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی جس سے ثابت ہو کہ کسی کو زبردستی مسلمان بنایا گیا ہو، مکی زندگی کی تو بات رہنے دیجئے، وہاں تو مسلمان مغلوب تھے، مدنی زندگی میں بھی جب کہ مسلمانوں کو پوری طرح غلبہ حاصل ہو چکا تھا، کسی کو زبردستی مسلمان بنانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ اسلام کی اشاعت اس کے صاف ستھرے عقیدۂ توحید کی رہین منت ہے، اس کی اشاعت میں تلوار کا کوئی کردار نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو عہد نبوی میں، خلفائے راشدین کے دور امارت میں، اور بعد کی حکومتوں میں نہ کسی کافر کا وجود ہوتا اور نہ کسی ذمی کا۔

(۱) تقریر ترمذی،۲/۲۰۲۔ (۲) تقریر ترمذی،۲/۲۰۳۔

جہادِ اسلامی اور دنیا کی جنگیں

جہاد کا مفہوم و مقتضی جنگ اور محاربہ ہے۔ قرآن کریم میں اسے جہاد فی سبیل اللہ اور قتال سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ جنگ و قتال کا سلسلہ اس کائناتِ ارضی میں ہمیشہ سے رہا ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔ باطل طاقتیں بھی اپنے مقاصد کی سربلندی کے لئے کبھی دفاعی اور کبھی اقدامی جنگیں لڑتی رہی ہیں، جس طرح غیر مذہبی جنگیں ایک تسلسل کے ساتھ جاری ہیں اسی طرح جہاد کا سلسلہ بھی جاری ہے، اس کا آغاز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، بلکہ اس کا سلسلہ آسمانی ادیان میں پہلے سے چلا آرہا ہے، آپ نے اس سلسلے کو برقرار رکھا ہے، بائبل میں مذہبی جنگوں کا ذکر موجود ہے۔ مثال کے طور پر سورۂ بقرہ میں ایک جنگ کا تذکرہ کیا گیا ہے جو جالوت جیسے ظالم و جابر حکمراں کے خلاف حضرت طالوت علیہ السلام نے لڑی اور اس کو اقتدار سے بے دخل کیا، اس جنگ میں حضرت داوٗد علیہ السلام بھی اپنے بچپن میں شریک تھے اور انہوں نے ہی جالوت کو کیفر کردار تک پہنچایا تھا۔ بعد میں وہ بھی نبوت سے سرفراز ہوئے اور ان کو حضرت طالوت علیہ السلام کی حکومت وراثت میں ملی۔

یہ حیرت انگیز بات ہے کہ اللہ کا نام بلند رکھنے والی جنگوں پر تو اعتراض کیا جائے اور جو جنگیں حقیر انسانی مقاصد کے لئے لڑی جارہی ہیں ان کا دفاع کیا جائے، ماضی کی بات چھوڑیئے، روم و فارس کے درمیان ان گنت جنگیں برپا ہو چکی ہیں، اس وقت بھی بڑی اور چھوٹی طاقتیں اپنے حقیر مقاصد کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرا رہی تھیں، آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے، بہت زیادہ وقت نہیں گزرا کہ جرمنی نے جرمن نسل کی برتری کے لئے دنیا پر دو عظیم جنگیں مسلط کیں، لاکھوں کروڑوں لوگ لقمۂ اجل بنے، روس نے محنت کشوں کی طبقاتی بالادستی کے عنوان سے اپنی عسکری طاقت و قوت کا بے دریغ استعمال کیا، اس کے نتیجے میں جو انسانی جانیں تلف ہوئیں اور جو مال و متاع ضائع ہوا اس کا اندازہ لگانا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ اسرائیل ستر سال سے بھی زیادہ مدت سے کم زور فلسطینیوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ رہا ہے اور ان کا ناطقہ بند کئے ہوئے ہے، دنیا کی بڑی طاقتیں نسل کشی کے اس

عمل میں نہ صرف اس کے ساتھ کھڑی ہیں بلکہ اس کو امداد بھی فراہم کر رہی ہیں، امریکہ محض اپنی چودھراہٹ قائم کرنے اور اسے برقرار رکھنے کے لئے دنیا کے مختلف خطوں میں مسلسل خون بہا رہا ہے، ہیروشیما اور ناگاساکی پر امریکہ کی بمباری اور ویتنام کی جنگ ابھی لوگ بھولے نہیں ہیں۔ ایران، عراق، لیبیا، شام اور افغانستان سب اس کے ہتھیاروں کے ذریعے بہائے گئے خون سے لالہ زار ہیں۔

معلوم ہوا کہ جنگیں لڑی جاتی ہیں اور آئندہ بھی لڑی جائیں گی، جہاد فی سبیل اللہ کو اسی تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے، یہ کوئی وحشیانہ عمل نہیں ہے، وحشیانہ عمل تو وہ ہے جو نسلی برتری، طبقاتی بالادستی اور اپنی چودھراہٹ برقرار رکھنے کے لئے کیا جارہا ہے۔ اسلام نے جنگ کی اجازت اس لئے دی ہے تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو، انسانی معاشرے میں اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی تعلیمات نافذ ہوں، اس کے ذریعے نہ مال وزر کمانا مقصود ہے اور نہ وطن وقوم کی حمایت، نہ اپنی طاقت کا اظہار، اگر ان مقاصد کے لئے مسلمان کسی جنگ کا حصہ بنتا ہے تو وہ جہاد ہے ہی نہیں، وہ محض ایک لڑائی ہے جو دو فریقوں کے درمیان لڑی جارہی ہے، جہاد وہ ہے جو محض اللہ کی رضا کے حصول کے لئے ہو اور اس میں کسی دنیاوی غرض کا شائبہ تک نہ ہو، بہ ہر حال جہاد زندگی کا ایک ایسا لازمی جزو ہے جسے اس سے الگ کیا ہی نہیں جاسکتا، مگر اس کے صحیح اور غلط ہونے کا پیمانہ وہی ہے جو بیان کیا گیا کہ اگر اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ہو تو جہاد ہے ورنہ وہ محض جنگ ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سے ایک مختصر اقتباس نقل کرکے ہم اس موضوع کو ختم کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ”جہاد کی مشروعیت اس وجہ سے ہے تاکہ روئے زمین پر فتنہ وفساد نہ رہے، امن عام ہوجائے، اللہ کا کلمہ بلند ہو اور کفر کا کلمہ ذلیل ورسوا ہو، نیز جہاد ان رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے مشروع کیا گیا ہے جو حق کی دعوت کے راستے میں داعیوں اور مبلغوں کو آڑے آتی ہیں، اسی طرح ان لوگوں کا ہاتھ پکڑنے کے لئے جہاد مشروع کیا گیا ہے جن کا نفس ان داعیان کو تکلیف دینے اور ان پر ظلم کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔“(۱)

(۱) تلخیص از رحمۃ اللہ الواسعۃ، ۵/۳۷۴۔

جہاد کی دو قسمیں

یوں تو جہاد اپنے مفہوم میں بڑی وسعت رکھتا ہے اور مفسرین ومحدثین وفقہاء نے اس وسعت کو پیش نظر رکھ کر زبان وقلم کے ذریعہ طاغوتی قوتوں سے مقابلہ کرنے کو بھی جہاد قرار دیا ہے۔ مال کے ذریعے مدد کرنا بھی جہاد ہے، نفس کو سرکشی سے روکنا بھی جہاد ہے، لیکن اصطلاحی معنی میں جہاد کی تعریف یہ ہے کہ اللہ رب العزت کے راستے میں قتال کرنے میں اپنی جان، مال، زبان اور دوسری چیزوں سے بھرپور کوشش کرنے کو جہاد کہتے ہیں۔(۱)

بنیادی طور پر جہاد کی دو قسمیں کی گئی ہیں (۱) دفاعی جہاد (۲) اقدامی جہاد۔

دفاعی جہاد یہ ہے کہ جو طاقتیں مسلمانوں سے ٹکرائیں، ان کو نقصان پہنچائیں، دعوت کے کام میں رکاوٹیں ڈالیں، اسلامی احکام پر عمل پیرا ہونے میں سدّ راہ بنیں، ایسی تمام طاقتوں سے مقابلہ کرنا اور لڑنا یہ دفاعی جہاد ہے، اور یہ فرض ہے۔ قرآن کریم میں ہے: يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ. (۲) ''اے ایمان والو! جب کافروں سے تمہارا آمنا سامنا ہو جائے جب کہ وہ چڑھائی کر کے آ رہے ہوں تو ان کو پیٹھ مت دکھاؤ۔''

اقدامی جہاد کا تعلق حالات کے تقاضوں سے ہے، اس میں پہلے اسلام کی دعوت دی جاتی ہے، پھر جزیہ کا مطالبہ ہوتا ہے، پھر قتال ہوتا ہے، فی الحال دنیا میں جہاں بھی جہاد ہو رہا ہے وہ دفاعی ہے، اقدامی نہیں ہے۔

جہاد اسلامی کے آداب

اسلام کے حکمِ جہاد کو موجودہ دور کی جنگوں پر قیاس نہ کیا جائے، جو نہ کسی ضابطے کی پابند ہیں، نہ کسی اصول کی، ان جنگوں کا حاصل محض تباہی اور بربادی ہے، انسانی جانوں کا ضیاع اور ان کے اموال کا اتلاف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جنگیں لڑیں اور جو جنگیں

(۱) البدائع والصنائع: ۶/ ۵۷۔ (۲) انفال: ۱۵۔

آپ کے عہد مبارک میں اور آپ کے بعد خلفائے راشدین کے دورِ مسعود میں لڑی گئیں وہ اس لئے نہیں لڑی گئیں کہ بے قصور لوگوں کی جان و مال کو کوئی نقصان پہنچے، کم زور اور نہتے لوگ جنگ کرنے والوں کا نشانہ بنیں، ہرے بھرے درخت کاٹے جائیں یا کھیتیاں اجاڑی جائیں، بلکہ اعلا مقاصد کے لئے لڑی گئیں، اس لئے جہاد کو بھی اصولوں اور ضابطوں کا پابند بنایا گیا اور اسے عبادت کا درجہ دیا گیا تا کہ کوئی افراط وتفریط نہ ہو، کوئی ظلم و تعدی نہ ہو، کہیں حد سے تجاوز نہ ہو۔

یوں تو جہاد سے تعلق رکھنے والے مضامین پر مشتمل بہت سی آیات قرآن کریم میں ہیں، مگر مستقل دو سورتیں بھی اس سلسلے میں نازل کی گئیں، جن میں سے ایک سورۂ انفال ہے، یہ سورت تقریباً سن دو ہجری کے آس پاس مدینہ منورہ میں نازل ہوئی، اس کے بیشتر مضامین جنگ بدر سے متعلق ہیں۔ ضمنی طور پر جہاد اور مال غنیمت کی تقسیم کے بہت سے احکام بھی بیان کئے گئے ہیں، اگلی سورت التوبہ بھی اسی کا تتمہ یا تکملہ ہے، اسی لئے اس کے آغاز میں نہ بسم اللہ نازل ہوئی اور نہ لکھی گئی۔ سورۂ انفال کی یہ چند آیات ملاحظہ کیجئے، ان میں جنگ کے لئے جانے والوں کو کچھ ہدایات دی گئی ہیں۔ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ. وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ.(۱) ''اے ایمان والو! جب تمہارا کسی گروہ سے مقابلہ ہو جائے تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرو تا کہ تمہیں کامیابی حاصل ہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو، ورنہ تم کم زور پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر سے کام لو، یقین رکھو کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جو اپنے گھروں سے اکڑتے ہوئے اور لوگوں کو اپنی شان دکھلاتے ہوئے نکلے تھے اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے روک رہے تھے، ان آیات میں حسبِ ذیل ہدایات موجود ہیں:

(۱) سورۂ انفال: ۴۵-۴۷۔

۱-جب جہاد کے لئے نکلو اللہ کا ذکر کرتے ہوئے نکلو۔

۲-اتراتے ہوئے اور اکڑ دکھاتے ہوئے نہ چلو۔

۳-اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

۴-آپس میں جھگڑا مت کرو۔

۶-تکلیف اور مصیبت میں صبر سے کام لو۔

۷-ان کافروں کی طرح مت ہو جانا جو اپنے گھروں سے اکڑتے ہوئے نکلتے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی صحابی کو کسی فوجی دستے کا امیر بناتے تو اسے وصیت فرماتے کہ وہ اپنے بارے میں اللہ سے ڈرتا رہے اور اپنے ساتھ جانے والے مسلمانوں کی خیر خواہی کرتا رہے، پھر آپ فرماتے: تم لوگ اللہ کی راہ میں، اللہ کے نام سے جہاد کرو، ہر اس شخص سے قتال کرو جو اللہ کا انکار کرتا ہے، جہاد کرو اور خیانت نہ کرو، بدعہدی نہ کرو، مثلہ نہ کرو، (یعنی لاش کا حلیہ نہ بگاڑو)، نہتے آدمی کو قتل نہ کرو، اور جب تم مشرک دشمنوں سے ملو تو ان کے سامنے تین باتیں رکھو، ان میں سے جس بات کو وہ مان لیں اسے تم قبول کرلو اور جنگ سے رک جاؤ، تم انہیں اسلام کی دعوت دو، اگر وہ تمہاری دعوت قبول کرلیں تو ان سے جنگ نہ کرو اور ان سے کہو کہ وہ یہاں سے دارِ ہجرت مدینے منتقل ہو جائیں، انہیں بتلاؤ کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو ان کا حق مہاجرین جیسا ہوگا اور ان پر ذمہ داری مہاجرین جیسی ہوگی اور اگر وہ وہاں سے منتقل ہونے سے انکار کردیں تو ان سے کہو کہ پھر ان کی حیثیت عام دیہاتی مسلمانوں کی سی ہوگی، ان کا حکم عام اہل ایمان کا ہوگا، ان کو مال غنیمت یا مال فئی سے کچھ نہیں ملے گا، مگر اس صورت میں ملے گا جب وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد کریں گے، اگر وہ دعوت اسلام قبول کرنے سے انکار کردیں تو ان سے جزیہ کا مطالبہ کرو، اگر وہ مان جائیں تو قبول کرلو اور جنگ نہ کرو اور اگر انکار کردیں تو اللہ سے مدد مانگو اور جہاد کرو۔(۱)

(۱) سنن الترمذی، ۵/۲۹۴، رقم الحدیث، ۱۳۲۸، صحیح مسلم، ۹/۱۵۰، رقم الحدیث ۳۲۶۱، سنن ابی داؤد ۷/۱۹۳، رقم الحدیث ۲۲۴۵، سنن ابن ماجہ ۸/۳۹۱، رقم الحدیث ۲۸۴۹۔

جنگ پر جانے والوں کو اس طرح کی ہدایات بھی دی جاتیں۔

۱- راہبوں اور گوشہ نشینوں کو کچھ مت کہو۔

۲- کھجور یا اور کوئی پھل دار درخت نہ کاٹو۔

۳- عمارتوں کو مت گراؤ۔

۴- عورتوں، بچوں، بوڑھوں، بیماروں اور لڑائی سے دور رہنے والوں کو کچھ نہ کہو۔(۱)

یہ مختصر نمونے ہیں، ان ہدایات کے جو مجاہدین کو دی جاتی تھیں، ان کے آئینے میں موجودہ دور کی متمدن اقوام اور انسانیت کی ہم دردی کا نعرہ لگانے والی طاقتوں کی طرف سے مسلط کی جانے والی جنگوں کو دیکھا جاسکتا ہے۔ وہ مہذب اور متمدن لوگ انسانی آبادیوں پر بم برساتے ہیں، عمارتیں تباہ کر دیتے ہیں، کارخانے، معابد، مساجد، اسکول، کالج سب گرا دیتے ہیں، عام لوگوں کو، بچوں کو، بوڑھوں کو، عورتوں کو، بیماروں کو سب کو ہلاک کر ڈالتے ہیں۔ ان کے دلوں میں نہ کسی کے لئے کوئی رحم ہوتا ہے، نہ کسی طرح کی کوئی ہم دردی، نہ انہیں انسانیت کا خیال آتا ہے، نہ اقوام متحدہ کے منشور کا، نہ خود اپنے جنگی قوانین کا، بس بے دریغ بم برساتے ہیں اور لمحوں میں ہنستے کھیلتے شہر برباد کر کے اپنی بغلیں بجاتے ہیں اور اسلام کے نظامِ جہاد پر تنقید کر کے خوش ہوتے ہیں۔

غزوات وسرایا

جہاد کی اجازت کے ساتھ ہی فوجی اور عسکری مہمات کا سلسلہ شروع ہوگیا، مدینہ منورہ میں تیر اندازی اور گھڑ دوڑ کے مسابقے ہونے لگے، سیاسی رابطے قائم کئے جانے لگے، اسی دوران خبر رسانی کا سلسلہ بھی شروع ہوا، کیوں کہ اس کے بغیر دشمنوں کی نقل و حرکت اور ان کی تیاریوں کا اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے۔ اُن دنوں مکہ مکرمہ کے تجارتی قافلے شام کی طرف جانے کے لئے مدینہ منورہ کے قریب سے گزرا کرتے تھے۔ ایک ماہر فوجی قائد اور سیاسی مدبر کی حیثیت سے آپ ان قافلوں پر نگاہ رکھتے، ان کی آمد و رفت کے

(۱) معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ۱۴/۱۵، ۳۰۱۵، رقم ۵۶۴۵۔

راستے اور وقت کے بارے میں، نیز ان قافلوں میں شامل افراد کی تعداد کے بارے میں اپنے مخبروں کے ذریعے معلومات حاصل کرتے، کبھی یہ معلومات وحی کے ذریعے بھی حاصل ہوجاتی تھیں، اس کے بعد آپ مجاہدین کے دستے روانہ فرماتے، کبھی ان دستوں میں صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہوتے اور کبھی آپ بھی ان کے ساتھ تشریف لے جاتے، اس طرح غزوات وسرایا کا آغاز ہوا۔

اس سے پہلے کہ ہم ابتدائی مہمات کی تفصیل میں جائیں یہ بتلادیں کہ محدثین اور سیرت نگاروں نے غزوات وسرایا میں فرق کیا ہے۔ اگرچہ دونوں پر عسکری مہمات کا اطلاق ہوتا ہے، غزوات ''غزوہ'' کی جمع ہے، اس سے مراد وہ سیاسی، عسکری یا تبلیغی اسفار ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفسِ نفیس شرکت فرمائی۔ سَرَایا ''سریّہ'' کی جمع ہے، اس کا اطلاق اس مہم پر ہوتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے عمل میں آئی ہو، مگر اس میں خود عملی طور پر آپ نے حصہ نہ لیا ہو، یعنی آپ اس مہم میں بہ ذاتِ خود تشریف نہ لے گئے ہوں۔ مدنی زندگی میں بہت سے غزوات ہوئے، متعدد سرایا ترتیب دیئے گئے، ان کی تعداد میں کچھ اختلاف بھی ہے۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح روایت کے مطابق غزوات کی تعداد انیس ہے، جب کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یہ تعداد اکیس بیان کی ہے۔ بعض روایات میں یہ تعداد ستائیس تک بتلائی گئی ہے۔ اسی طرح سرایا کی تعداد بھی بعض کتابوں میں اڑتیس، بعض میں سینتالیس اور بعض میں چھپن بتلائی جاتی ہے۔ اس اختلاف کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ بعض اوقات ایک ہی سفر یا ایک ہی زمانے میں متعدد مقامات پر مہم جوئی کی گئی، کسی نے ایک سفر یا ایک زمانے کی دو تین مہمات کو ایک ہی شمار کیا اور کسی نے ہر ایک کو الگ الگ گنا۔ (۱)

ذیل کی تفصیلات سے ان مہمات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جن میں سے کچھ کو غزوہ اور کچھ کو سریہ کہا گیا ہے۔

---

(۱) تاریخ امت مسلمہ، ۱/۲۳۵۔

۱-اپنے دفاع یا دشمن کو مغلوب کرنے کے لئے کیا گیا سفر جس میں جنگ بھی ہوئی ہو، مثلاً غزوۂ حنین، غزوۂ خیبر۔
۲-اپنے دفاع یا دشمن کو مغلوب کرنے کے لئے سفر کیا گیا ہو مگر جنگ نہ ہوئی ہو، مثلاً غزوۂ تبوک۔
۳-سفر میں جنگ کا ارادہ نہ ہو مگر جنگ سے سابقہ پڑ گیا ہو، مثلاً غزوۂ بدر۔
۴-بغاوتوں کے استیصال کی مہمات، مثلاً غزوۂ بنی قینقاع، غزوۂ بنی قریظہ۔
۵-سرحدوں کی حفاظت کے لئے گشت کرنے والے دستے، اکثر سرایا اسی قسم کے تھے۔
۶-تبلیغی اور تعلیمی وفود جن کے ذمے دشمن کی خبر رسانی یا اپنے کسی حلیف کی مدد بھی ہو، مثلاً سریہ رجیع۔
۷-تبلیغی اور تعلیمی سفر جس میں کوئی معاہدہ ہوا ہو، مثلاً غزوۂ وَدّان، غزوۂ بُواط۔
۸-وہ سفر جس میں دشمن سے خطرہ یا نقصان لاحق ہوا ہو، مثلاً غزوۂ ذات الرِّقاع۔
۹-دشمن کو مرعوب کرنے کے لئے کیا گیا سفر، مثلاً غزوۂ بنی لحیان، غزوۂ حمراء الاسد، غزوۂ بدر الموعِد۔
۱۰-کسی ڈاکہ زنی یا جارحیت کے ردّ عمل میں کی گئی کارروائی، مثلاً غزوۂ ذو قرد، غزوۂ سَفوان۔
۱۱-دشمن کی مخبری کے لئے کیے گئے اسفار، مثلاً سریہ عبداللہ بن جحش۔
۱۲-دشمن کی ناکہ بندی کے لئے کیے گئے اسفار، مثلاً سریہ ابوعبیدہ بن الجراح، سریہ ذو قردہ۔
۱۳-کسی قوم سے معاہدے کے لئے کیا گیا سفر، مثلاً غزوۂ ابواء، غزوۂ بُواط، غزوۂ عُشیرہ۔
۱۴-عبادت کے لئے کیا گیا سفر جس میں کسی قوم سے معاہدہ ہوا ہو، مثلاً

صلح حدیبیہ۔ (صلح حدیبیہ کو بھی غزوہ شمار کیا جاتا ہے)

۱۵- دشمن کے کسی خاص آدمی کو قتل کرنے کے لئے خصوصی مہم، مثلاً سریہ محمد بن مسلمہ، سریہ عبداللہ بن عتیک۔ (۱)

سرایا کا آغاز

کفر و اسلام کے درمیان پہلی باقاعدہ جنگ میدان بدر میں لڑی گئی، اسے غزوۂ بدر الکبریٰ بھی کہا جاتا ہے، لیکن اس سے پہلے اطراف کے قبائل میں مختلف مقاصد کے تحت سرایا بھیجے گئے، ذیل میں ان سرایا کے متعلق مختصراً کچھ عرض کیا جاتا ہے۔

سریّہ حمزہ

جہاد کی اجازت و مشروعیت کے بعد پہلا سریہ ہجرت کے سات ماہ بعد رمضان المبارک میں روانہ ہوا۔ رسول اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو تیس مہاجرینِ قریش کا سپہ سالار بنایا اور ان کو سفید علم عطا فرمایا، علم بردار حضرت ابومرثد الغنوی رضی اللہ عنہ تھے۔ اطلاع ملی تھی کہ تین سو افراد پر مشتمل مشرکین کا ایک تجارتی قافلہ شام سے مکے کی طرف واپس آرہا ہے، اس قافلے میں ابوجہل بن ہشام بھی شامل ہے۔ فوجی دستے کو ہدایت دی گئی کہ وہ سیف البحر کے مقام پر پہنچ کر اس قافلے کا راستہ روکنے کی کوشش کرے، فریقین کا آمنا سامنا ہوا، دونوں نے لڑائی کے لئے ہتھیار نکال لئے اور صفیں قائم کرلیں، لیکن جنگ نہیں ہوئی، کیوں کہ مجدیّ بن عمرو بن الجہنی بیچ میں آگیا، یہ شخص دونوں فریقوں کا حلیف تھا، اس نے سمجھا بجھا کر دونوں فریقوں کو جنگ نہ کرنے پر آمادہ کرلیا، جنگ تو نہیں ہوسکی لیکن مشرکین تک یہ پیغام ضرور چلا گیا کہ اب مدینے کی طرف آنے جانے والے راستے ان کے لئے کچھ زیادہ محفوظ نہیں ہیں۔ دوسرا پیغام یہ گیا کہ مخالفین کی کثرتِ تعداد سے مسلمان مرعوب ہونے والے نہیں ہیں۔ تیس مجاہد تین سو دشمنوں کے مقابلے میں تن کر کھڑے ہوگئے، اگر مجدی بن عمرو الجہنی نہ ہوتا تو

(۱) رحمۃ للعالمین، ۲/۴۵۴، ۴۵۶۔

جنگ یقینی تھی۔(۱)

سریہ عُبَیدۃ بن الحارث رضی اللہ عنہ

اسی سال شوال کے مہینے میں ایک اور فوجی دستہ رَابغ بھیجا گیا، یہ علاقہ جُحفہ سے دس میل کے فاصلے پر وادی ثُمرّہ کے قریب واقع ہے۔ اطلاع ملی تھی کہ وہاں دوسو مشرکینِ مکہ ابوسفیان کی قیادت میں جمع ہیں، حافظ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عکرمہ بن ابی جہل مشرکین کی قیادت کر رہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساٹھ مہاجرین کو حضرت عبیدۃ بن الحارث رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ان کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ اس سریہ کا عَلم (جھنڈا) بھی سفید تھا اور حضرت مِسطح رضی اللہ عنہ بن اُثاثہ بن عبدالمطلب بن عبدِ مناف اسے اٹھائے ہوئے تھے۔ دشمنوں سے آمنا سامنا ہوا مگر جنگ کی نوبت نہیں آئی، البتہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف ایک تیر پھینکا، یہ پہلا تیر تھا جو مسلمانوں کی جانب سے دشمنوں پر پھینکا گیا۔(۲)

سریہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

اسی سال ذی قعدہ کے مہینے میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بیس مہاجرین کا سپہ سالار بنا کر ضرّار بھیجا گیا۔ یہ ایک وادی ہے جو جُحفہ کے قریب واقع ہے، وہاں قریش کا ایک قافلہ ٹھہرا ہوا تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اس قافلے سے تعرض کریں، البتہ ضرّار سے آگے نہ جائیں، کئی دن کی مسافت کے بعد جب یہ فوجی دستہ متعینہ مقام پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ مشرکین کا قافلہ وہاں سے کوچ کر چکا ہے۔ مجاہدین کے لئے واپسی کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا، کیوں کہ انہیں ضرار سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں تھی، اس دستے کا عَلم بھی سفید رنگ کا تھا، اسے حضرت مقداد بن حرب رضی اللہ عنہ اٹھائے ہوئے تھے۔(۳)

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ۵۹۵/۱، طبقات بن سعد، ۶/۲، البدایہ والنہایہ، ۲۳۸/۲، تاریخ الطبری، ۲۵۹/۲۔ (۲) سیرت ابن ہشام، ۵۹۵/۱، طبقات بن سعد، ۷/۳۔ (۳) سیرت بن ہشام، ۶۰۰/۱، طبقات بن سعد، ۷/۲۔

غزوۂ ابواء

یہ پہلا غزوہ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے بہ نفس نفیس شرکت فرمائی، اسے غزوۂ وَدّان بھی کہا جاتا ہے۔ اَبواء ایک بڑا قصبہ ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان وَدّان کے قریب واقع ہے۔ مدینہ منورہ سے اس کا فاصلہ ایک سو ستر کلومیٹر اور مکہ مکرمہ سے اس کی دوری دو سو کلومیٹر ہے۔ ابواء اس زمانے میں بڑی سبز وشاداب وادی تھی، نہروں اور کنوؤں کی کثرت کی وجہ سے یہاں کی زمینیں سونا اگلتی تھیں، اس زمانے میں بنوحمزہ اس وادی پر قابض تھے۔ اطلاع ملی تھی کہ قریش کا ایک قافلہ مقام ابواء سے گزرے گا، آپ ﷺ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ کا والی متعین فرمایا اور خود ساٹھ مہاجرین کے ساتھ قریش کے قافلے سے تعرض کرنے کے لئے ابواء کی جانب روانہ ہوئے، وہاں دشمنوں سے آمنا سامنا ہوا، مگر لڑائی کی نوبت نہیں آئی، البتہ بنوحمزہ کے سردار مَخْشِیّ بن عَمرو ضَمْرِی رضی اللہ عنہ سے اس طرح کا ایک معاہدہ ہوا کہ مسلمان اور بنوضمرہ ایک دوسرے پر حملہ نہیں کریں گے اور نہ ایک دوسرے کے دشمنوں کی مدد کریں گے۔ اس غزوہ کا علم سفید تھا، جسے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اٹھائے ہوئے تھے۔ (۱)

یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان تمام غزوات وسرایا میں صرف مہاجرین نے حصہ لیا، انصار صحابہ میں سے کسی کی شرکت کے ذکر سے تاریخ وسیرت کی کتابیں خالی ہیں، اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین پر اعتماد نہیں تھا، یا یہ کہ خدانخواستہ وہ کم زور اور بزدل تھے، بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ مہاجرین اپنے قریشی بھائیوں سے اچھی طرح واقف تھے اور وہ ان سے ان کے انداز میں لڑ سکتے تھے، پھر یہ کہ انصار بھائی اپنے اپنے مشغلوں میں لگے ہوئے تھے، ان پر مہاجرین کی ذمہ داری بھی آپڑی تھی، فی الحال ان حالات میں ان کو جنگی مہمات میں شریک کرنے سے نقصان کا اندیشہ تھا، مہاجرین کے پاس بہ ظاہر کوئی ایسا کام بھی نہیں تھا جس میں مصروف رہتے ہوں، اس کے علاوہ مہاجرین کی عدم موجودگی میں مدینہ منورہ کی حفاظت جس طرح انصار کر سکتے تھے مہاجرین نہ کرپاتے، کیوں کہ

(۱) سیرت بن ہشام، ۵۹۱/۱، طبقات بن سعد، ۸/۲، رتاریخ الطبری، ۲۵۹/۲۔

بہ ہر حال وہ اس شہر کے رہنے والے تھے اور یہاں کے حالات ومقامات سے ان کی گہری واقفیت تھی، جب کہ مہاجرین ابھی نئے نئے یہاں وارد ہوئے تھے۔ ان تمام مصلحتوں کی وجہ سے ہجرت کے پہلے سال جو جنگی مہمات ترتیب دی گئیں ان میں صرف مہاجرین کو شامل کیا گیا، البتہ ہجرت کے دوسرے سال سے انصار کی شرکت کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔

غزوۂ بواط

ہجرت کا دوسرا سال شروع ہوا، ماہ ربیع الاول میں یہ خبر مدینہ منورہ پہنچی کہ قریشیوں کا ایک قافلہ جس میں سو افراد شامل ہیں پچیس اونٹ لے کر بواط سے گزرنے والا ہے۔ یہ ایک گاؤں کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے شام جانے والے راستے پر واقع ہے۔ اسی راستے پر تبوک بھی ہے، مدینہ منورہ کے شمال مغرب میں بواط چالیس کلومیٹر دور ہے اور ینبع سے اس کا فاصلہ ایک سو تیس کلو میٹر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو مدینے کا والی مقرر فرمایا اور خود دو سو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی جماعت کو ساتھ لے کر بواط کی طرف کوچ کیا۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سفید رنگ کا پرچم اٹھائے آگے چل رہے تھے، بواط پہنچ کر معلوم ہوا کہ قافلہ اس جگہ سے گزر کر آگے بڑھ چکا ہے، مشرکین کی اس جماعت میں مشہور دشمن اسلام امیہ بن خلف بھی موجود تھا۔ (۱)

بواط سے واپسی پر دس روز ہی گزرے تھے کہ ایک دن مکہ مکرمہ کا ایک سردار کرز بن جابر فہری مدینہ منورہ کے مضافات سے مسلمانوں کے اونٹ وغیرہ جانور پکڑ کر لے گیا۔ آپ کو اطلاع ملی تو آپ نے مدینہ منورہ کا انتظام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا اور خود صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ کرز بن جابر کا تعاقب کرنے کے لئے بدر کی طرف جانے والے راستے پر تیزی کے ساتھ آگے بڑھے۔ اس دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سفید جھنڈا اٹھا رکھا تھا، مقام سفوان پر پہنچ کر آپ رک گئے، کرز ہاتھ نہیں لگا، آپ واپس مدینے تشریف لے آئے۔ (۲) اس غزوے کو غزوۂ بدر الاولی (بدر کا پہلا غزوہ) بھی کہا جاتا ہے۔ بعض

(۱) سیرت ابن ہشام، ۶۰۰/۱، طبقات بن سعد، ۹/۲، تاریخ الطبری، ۲۶۰/۲، البدایہ والنہایہ، ۳۶۱/۲۔ (۲) طبقات بن سعد، ۹/۲، سیرت بن ہشام، ۶۰۱/۲۔

سیرت نگاروں نے غزوۂ عشیرہ کو بدر کا پہلا غزوہ قرار دیا ہے۔اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

غزوۂ عشیرہ

اسی سال کے تیسرے مہینے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشیرہ کی طرف سفر فرمایا، یہ جگہ ینبع کے قریب واقع ہے، آپ کو اطلاع ملی تھی کہ مشرکین مکہ کا ایک تجارتی قافلہ شام کی طرف جانے والا ہے، آپ نے اس تجارتی قافلے کو روکنے اور اسے واپس بھیجنے کا ارادہ فرمایا۔ حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ کو مدینے منورہ کا حاکم اور والی مقرر فرما کر آپ عشیرہ جانے والے راستے پر روانہ ہوئے۔ مدینہ منورہ سے عشیرہ کا فاصلہ اسی کلومیٹر ہے۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سفید رنگ کا پرچم اٹھائے ہوئے تھے۔ اس غزوے میں ایک سو پچاس اور بعض روایات کے مطابق دو سو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے حصہ لیا۔ پورے قافلے میں صرف تیس اونٹ تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین باری باری ان پر سوار ہوتے تھے، باقی حضرات پیدل چلا کرتے تھے۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اپنے جذبے اور شوق سے شریک سفر ہوئے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرما دیا تھا کہ جس کا دل چاہے ساتھ جائے اور جس کا نہ چاہے وہ مدینے میں ہی رہے۔ عشیرہ میں اس وقت بنومدلج کے خاندان آباد تھے، مسلمانوں کا قافلہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں یہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ قریش کا تجارتی قافلہ شام کی طرف جا چکا ہے، یہ وہی قافلہ ہے جس کو واپسی میں روکا گیا اور جس کے نتیجے میں غزوۂ بدر پیش آیا، اسی لئے بعض مؤرخین نے غزوہ عشیرہ کو غزوۂ بدر الاولیٰ کہا ہے، اس سفر میں بنومدلج سے باہمی تعاون اور نصرت کا تحریری معاہدہ ہوا، یہ لوگ پہلے ہی سے بنوضمرہ کے حلیف تھے۔(۱)

سریۂ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بارہ مہاجر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین پر مشتمل ایک دستہ ہجرت کے سترہویں مہینے میں رجب المرجب کی پہلی تاریخ کو وادیٔ نخلہ کی

(۱) سیرت ابن ہشام، ۵۹۸/۱، طبقات ابن سعد، ۱۰۰۹/۱۔

جانب روانہ ہوا۔ ان لوگوں کے پاس کل چھ اونٹ تھے، دو آدمیوں کے حصے میں ایک اونٹ آیا، جس پر یہ لوگ باری باری سوار ہوا کرتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دستے کے امیر حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو ایک مکتوب سپرد فرمایا جو بند تھا اور حکم دیا کہ اس کو ابھی نہ پڑھا جائے بلکہ دو دن کی مسافت طے کرنے کے بعد یہ خط کھولا جائے اور اس کے مضمون سے تمام ساتھیوں کو مطلع کیا جائے اور انہیں واپس جانے یا ساتھ رہنے کا اختیار دیا جائے۔ چنانچہ دو دن کا فاصلہ طے کرنے کے بعد یہ قافلہ کسی جگہ ٹھہرا، وہاں یہ مکتوب گرامی کھولا گیا، اس میں لکھا تھا کہ جب تم اس تحریر کو پڑھو تو آگے بڑھتے چلے جاؤ، یہاں تک کہ طائف اور مکہ کے درمیان مقام نخلہ پر پہنچ جاؤ، اس جگہ قیام کرو اور قریشی قافلے کا انتظار کرو۔

خط پڑھنے کے بعد حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں سے کہا کہ میں تو حکم بجالاؤں گا، البتہ میں تم پر زبردستی نہیں کرتا، جو شوقِ شہادت رکھتا ہے وہ میرے ساتھ آگے چلے اور جو موت کو ناپسند کرتا ہے وہ واپس چلا جائے۔ تمام رفقاءِ قافلہ نے سمعنا واطعنا کہا اور آگے کی طرف روانہ ہو گئے۔ ابھی یہ لوگ راستے ہی میں تھے کہ فرع نامی علاقے میں کسی جگہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کا اونٹ گم ہو گیا، یہ دونوں اونٹ کی تلاش میں پیچھے رہ گئے، باقی دس حضرات نے منزل کی طرف اپنا سفر جاری رکھا۔

یہ قافلہ وادیٔ نخلہ پہنچ کر رک گیا اور حکم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق قریشی قافلے کا انتظار کرنے لگا۔ کچھ ہی وقت گزرا تھا کہ ایک قافلہ وہاں پہنچا، اس میں عمرو بن حضرمی، عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ، اس کا بھائی نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ، حکم بن کیسان وغیرہ تھے۔ یہ ایک تجارتی قافلہ تھا، جو کشمش وغیرہ کھانے پینے کی اشیاء اور کچھ دوسرا تجارتی سامان لے کر مکّے واپس ہو رہا تھا، مسلمانوں نے مشورہ کیا کہ رجب کا مہینہ چل رہا ہے، جو ان مہینوں میں سے ایک ہے جن میں جنگ وجدال ممنوع ہے۔ اگر اس قافلے سے تعرض کرتے ہیں تو یہ ان مہینوں کے احترام کے منافی ہے اور جنگ نہیں کرتے تو قافلہ ہاتھ سے نکل جائے گا

اور یہ لوگ حرم کی حدود میں داخل ہو کر مامون و محفوظ ہو جائیں گے۔ یہاں یہ واضح کر دیں کہ یوں تو سال کے بارہ مہینے ہیں اور تمام مہینے اللہ کے بنائے ہوئے ہیں، مگر ان میں چار مہینے ایسے ہیں جو اپنے اندر ایک خاص طرح کی فضیلت اور تقدس رکھتے ہیں، یہ چار مہینے ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم الحرام اور رجب المرجب۔ اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں بھی ان چار مہینوں کی تعظیم کی جاتی تھی اور ان میں قتال کو حرام سمجھا جاتا تھا۔ اسلام نے بھی ان مہینوں کی حرمت باقی رکھی اور ان میں قتال کو حرام قرار دیا، اس کا ذکر قرآن کریم میں اس طرح آیا ہے: اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُم.(۱) ”مہینوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ ہے۔ جو اللہ کی کتاب کے مطابق اس دن سے چلی آتی ہے جس دن اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تھا، ان میں سے چار محترم مہینے ہیں“ ان چاروں کو حرمت والا دو لحاظ سے کہا گیا ہے۔ ایک تو اس لئے کہ ان مہینوں میں قتل وقتال حرام ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ مہینے متبرک اور واجب الاحترام ہیں، ان میں عبادات کا ثواب بھی زیادہ ملتا ہے۔ بعد میں پہلا حکم یعنی قتل وقتال کا حرام ہونا منسوخ ہو گیا، دوسرا باقی ہے۔(۲)

جس وقت حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو قریش کا قافلہ نظر آیا، رجب کی آخری تاریخ تھی اور وہ لوگ حدودِ حرم سے انتہائی قریب تھے، مشکل یہ تھی کہ رجب ان مہینوں میں سے ایک ہے جن میں اس وقت جنگ کرنے کی اجازت نہیں تھی، ایک دن گزرنے کے بعد یہ مشکل ختم ہو سکتی تھی، مگر قریش کے قافلے کو ایک دن کی مہلت دینے کی گنجائش نہیں تھی، کیوں کہ وہ کچھ آگے بڑھ کر حدودِ حرم میں داخل ہو جاتے اور حدودِ حرم میں داخل ہونے والوں پر حملہ نہیں کیا جاتا۔ صورتِ حال پیچیدہ تھی، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں سے مشاورت کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ کفار کو جانے نہ دیا جائے، چناں چہ ان حضرات میں سے کسی نے ایک تیر چلایا جو عمرو بن حضرمی کے جا کر لگا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اس کے مرنے سے قافلے میں بھگ دڑ مچ گئی، نوفل بھاگ نکلا، عثمان

(۱) التوبہ: ۳۶۔ (۲) تفسیر معارف القرآن، ۴/۳۷۴۔

اور حکم قیدی بنا لئے گئے، جو ساز و سامان ان کے پاس تھا اُسے مسلمانوں نے اپنے قبضے میں لے لیا۔

ابو عمرو حضرمی کا قتل اسلام میں پہلا قتل تھا، عثمان اور حکم دو ایسے شخص ہیں جو مسلمانوں کے پہلے قیدی تھے، اسی سال مالِ غنیمت کا حصول بھی پہلی مرتبہ ہوا۔ مسلمانوں کا یہ چند نفری قافلہ دونوں قیدیوں اور قافلے والوں کا سامان لے کر مدینہ منورہ پہنچا اور قافلے والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام واقعات عرض کئے، آپ نے یہ بات پسند نہیں فرمائی کہ یہ قتال رجب میں کیا گیا، چنانچہ آپ نے مالِ غنیمت کو ہاتھ نہیں لگایا، دوسری طرف قریش مکہ نے بھی واویلا کرنا شروع کر دیا کہ محمد اور ان کے ساتھی تو حرمت والے مہینوں میں بھی جنگ کرتے ہیں۔ اس صورت حال سے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی سخت پریشان ہوئے اور انہیں یہ ڈر ستانے لگا کہ کہیں اُن کا یہ اقدام اللہ اور اس کے رسول کی ناراضگی کا سبب نہ بن جائے، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ.(۱) ''لوگ آپ سے حرمت والے مہینوں کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس میں جنگ کرنا کیسا ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ اس میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے، مگر لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنا، اس کے خلاف کفر کی روش اختیار کرنا، مسجد حرام میں بندش لگانا، اس کے باسیوں کو وہاں سے نکال کر باہر کرنا اللہ کے نزدیک زیادہ بڑا گناہ ہے اور فتنہ قتل سے بھی زیادہ سنگین ہے۔''

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مشرکین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ جو بات تم کہہ رہے ہو یعنی حرمت والے مہینے میں قتال کرنا گناہ ہے، واقعی یہ گناہ کی بات ہے مگر جو تم لوگ کر رہے ہو، اللہ کا انکار، جو لوگ اس کے راستے پر چلنا چاہتے ہیں ان کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرنا، مسلمانوں کو ان کے

(۱) البقرہ: ۲۱۷۔

گھروں سے نکالنا، بیت اللہ کے طواف سے روکنا، یہ سب تو اور بھی بڑے گناہ ہیں، کیوں کہ یہ اعمالِ فتنہ ہیں اور فتنہ قتل سے بھی زیادہ بڑا گناہ اور انتہائی قابلِ مذمت فعل ہے۔(۱) مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ہتک حرمت کی تلافی توبہ سے ممکن ہے، مگر کافروں کا علاج بغیر ان کے مارے اور ذلیل کئے دوسری طرح نہیں ہوسکتا، اس لئے مسلمانوں کو اس حرکت سے رنجیدہ اور بددل نہ ہونا چاہئے اور کافروں کو دوسرے کے درد سے نظر ہٹا کر اپنے ہیضے اور طاعون کی فکر کرنی چاہئے۔''(۲)

قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت کے نزول کے بعد مسلمان مطمئن ہوگئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مالِ غنیمت قبول فرمالیا، اس میں سے خُمس نکال کر جواز روئے قرآن کریم اللہ اور اس کے رسول کا حصہ ہے، باقی تمام سامان ان مجاہدین میں تقسیم کردیا گیا جنہوں نے معرکہ سر کیا تھا، دونوں قیدی مسلمانوں کی تحویل میں رہے۔ مشرکین کی طرف سے فدیہ لے کر قیدیوں کی واپسی کا مطالبہ ہوا، آپ نے فرمایا ہمارے دو آدمی (سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان) واپس نہیں آئے ہیں، ہوسکتا ہے کہ تم نے انہیں قتل کردیا ہو یا وہ تمہارے قبضے میں نہ ہوں۔ جب تک وہ دونوں واپس نہیں آئیں گے ہم تمہارے دونوں قیدی واپس نہیں کریں گے، کچھ دنوں کے بعد سعد و عتبہ واپس آگئے، تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدیہ لے کر دونوں قیدیوں کو رہا کردیا۔ عثمان مکّے چلا گیا اور کفر کی حالت میں مرگیا۔ حکم مسلمان ہوگئے، مدینے میں رہے اور بئرِ معونہ کے دن شہید ہوگئے۔(۳)

غزوۂ بدر

اب آیئے اس جنگ کے ذکر کی طرف جسے غزوۂ بدر کہتے ہیں، اس کو بدر الکبریٰ بھی کہا جاتا ہے کیوں کہ واقعۃً نتائج کے لحاظ سے یہ بہت بڑی جنگ تھی، اس جنگ میں مسلمانوں نے محض نصرتِ الٰہی کی بہ دولت کفارِ مکہ پر غلبہ حاصل کیا، بڑے بڑے سردارانِ قریش کتے بلیوں کی طرح چن چن کر مارے گئے، مکہ مکرمہ کا شاید ہی کوئی گھرانہ ایسا ہوگا

(۱) زاد المعاد، ۳/۱۴۳۔ (۲) تاریخ اسلام عاشقی، ص: ۱۶۵۔ (۳) سیرت ابن ہشام، ۱/۶۰۴، البدایہ والنہایہ، ۲/۳۶۶، طبقات ابن سعد، ۲/۱۰۔

جہاں کا کوئی نہ کوئی فرد اس جنگ میں کام نہ آیا ہو یا گرفتار نہ کیا گیا ہو، مسلمانوں کے پاس نہ افرادی قوت تھی اور نہ اسلحہ تھا، نہ گھوڑے اور اونٹ تھے، ان کے مقابلے میں کفار کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی اور ان کے پاس اسلحہ بھی بہت تھا، مگر مسلمان محض اپنے عقیدے کی قوت اور اللہ ورسول پر اپنے پختہ ایمان کی بہ دولت دشمن پر غالب آ گئے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ پر اپنے فوائد میں لکھا ہے:

"بدر کا معرکہ فی الحقیقت مسلمانوں کے لئے بہت ہی سخت آزمائش اور عظیم الشان امتحان تھا، وہ تعداد میں تھوڑے تھے، بے سروسامان تھے، فوجی مقابلے کے لئے تیار ہو کر نہ نکلے تھے، مقابلے میں ان سے تگنی تعداد کا لشکر تھا، جو پورے ساز وسامان کے ساتھ کبر و غرور کے نشے میں سرشار ہو کر نکلا تھا، پھر ایسی صورت پیش آئی کہ کفار نے پہلے سے اچھی جگہ اور پانی پر قبضہ کر لیا، مسلمان نشیب میں تھے، ریت بہت زیادہ تھی، جس میں چلتے ہوئے پاؤں دھنستے تھے، گرد وغبار نے الگ پریشان کر رکھا تھا، پانی نہ ملنے سے ایک طرف غسل اور وضو کی تکلیف، دوسری طرف تشنگی ستا رہی تھی، اسی وقت اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتِ کاملہ سے زور کا مینہ برسایا، جس سے میدان کی ریت جم گئی، غسل اور وضو کرنے اور پینے کے پانی کی افراط ہو گئی، گرد وغبار سے نجات ملی، دشمن کا لشکر جس جگہ تھا وہاں کیچڑ اور پھسلن سے چلنا پھرنا دشوار ہو گیا، جب یہ ظاہری پریشانیاں دور ہو گئیں تو حق تعالیٰ نے مسلمانوں پر ایک قسم کی غنودگی طاری کر دی، آنکھ کھلی تو دلوں سے سارا خوف وہراس جاتا رہا۔" (۱)

حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ یوم بدر کے متعلق لکھتے ہیں: "یہ غزوہ غزواتِ اسلام میں سب سے بڑا غزوہ ہے، اس لئے کہ اسلام کی عزت وشوکت کی ابتداء اور علیٰ ہذا کفر اور شرک کی ذلت ورسوائی کی ابتدا اسی غزوے سے ہوئی۔ اور اللہ جل جلالہٗ کی رحمت سے اسلام کو بلا ظاہری اور مادی اسباب کے محض غیب سے قوت حاصل ہوئی اور کفر وشرک کے سر پر ایسی کاری ضرب لگی کہ کفر کے دماغ کی ہڈی چور چور ہو گئی، میدانِ بدر جس کا شاہد عدل اب تک موجود ہے اور اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے اس

(۱) فوائد عثمانی، ص: ۲۳۶۔

دن کو یوم الفرقان فرمایا، یعنی حق اور باطل میں فرق اور امتیاز کا دن، بلکہ یہ مہینہ ہی فرقان تھا، یعنی رمضان المبارک تھا، جس میں حق جل وعلا نے قرآن مجید اور فرقانِ حمید کو نازل فرما کر حق اور باطل، ہدایت اور ضلالت کا فرق واضح فرمایا اور پھر اسی مہینے میں روزے فرض فرمائے تاکہ محبین ومخلصین، عاشقین ووالہین کا امتحان فرمائے کہ کون اس کا محبّ صادق ہے کہ صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک اس کی محبت میں سخت سے سخت گرمی میں شدائد کو برداشت کرتا ہے اور کون محبّ کاذب ہے کہ اپنے پیٹ اور جڑوں کا زرخرید غلام ہے۔ غرض یہ کہ یہ مہینہ ہی فرقان کا ہے کہ اس میں مختلف حیثیات اور متعدد جہات سے مخلص اور غیر مخلص کا فرق ظاہر اور نمایاں ہو جاتا ہے۔ (۱)

مقام بدر

یہ جنگ جس مقام پر لڑی گئی وہ شروع ہی سے بدر کے نام سے شہرت رکھتا ہے، کہتے ہیں کہ بنو کنانہ کا ایک شخص جس کا نام بدر بن نخلہ تھا اس جگہ آکر رہا، اسی کے نام سے یہ جگہ مشہور ہوگئی۔ عہد جاہلیت میں یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا، آبادی بھی بڑی مختصر تھی، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قبیلۂ بنو غفار کے ایک شخص بدر بن قریش نے آنے جانے والوں کے لئے یہاں ایک کنواں بنوایا تھا، یہ کنواں اسی کے نام سے مشہور ہو گیا، پھر اس کے ارد گرد آباد ہونے والے گاؤں کا نام بھی بدر پڑ گیا۔ مدینہ منورہ سے اس کا فاصلہ ایک سو پچاس کلو میٹر اور مکہ مکرمہ سے اس کی دوری تین سو بیس کلو میٹر ہے۔ بدر عہد جاہلیت میں بھی اپنی الگ شناخت رکھتا تھا، کیوں کہ شام کی طرف سے آنے جانے والے کارواں اس کنویں کی وجہ سے یہاں پر پڑاؤ ڈالا کرتے تھے، بعد میں یہاں بازار بھی لگنے لگا، اسلام میں اس جگہ کی اہمیت تاریخی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے نصرت کا جو وعدہ کیا تھا وہ درحقیقت اسی سرزمین پر پورا ہوا، قرآن کریم کی سورۂ آل عمران اور سورۂ انفال میں اس بستی کا ذکر اس کے نام کے ساتھ موجود ہے، جو کم اہم بات نہیں ہے۔ یہ مقام اب جدید طرزِ زندگی کی سہولتوں سے آراستہ ایک خوب صورت اور بڑا شہر بن چکا ہے مگر نام آج بھی اس کا بدر ہی ہے۔

(۱) سیرۃ المصطفیٰ ۲/۵۸۔

جنگ کا پس منظر

معرکہ بدر کا پس منظر یہ ہے کہ رمضان المبارک دو ہجری کے ابتدائی دنوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی کہ قریش کا ایک بڑا تجارتی قافلہ ابوسفیان کی قیادت میں شام سے مکے واپس جارہا ہے، یہ وہی قافلہ ہے جس کو روکنے اور واپس مکہ بھیج دینے کے ارادے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس عشیرہ کا سفر فرمایا تھا، جب آپ یہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ قریش کا تجارتی قافلہ شام کی طرف جا چکا ہے، آپ واپس مدینے تشریف لے آئے تھے، اب یہی قافلہ سامان لے کر واپس ہورہا تھا، اس میں ایک ہزار اونٹ انواع واقسام کے سامان سے لدے ہوئے تھے، جس کی مالیت پچاس ہزار دینار سے کم نہیں تھی، مکے کا شاید ہی کوئی گھر ایسا ہو جس کا سامان اس قافلے میں موجود نہ ہو، صرف چالیس افراد اس قافلے کی حفاظت اور نقل وحمل پر مامور تھے۔

اس اطلاع کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو جمع کر کے اس قافلے کی آمد کے بارے میں بتلایا اور فرمایا کہ تم لوگ اس قافلے کا پیچھا کرو، شاید اللہ تعالیٰ اس کی دولت تمہیں دلا دیں۔

حافظ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے یہ الفاظ لکھے ہیں: ”هذه عير قريش فيها اموالهم فاخرجوا اليها لعل الله ينفلكموها“ یہ قریش کا قافلہ ہے، اس میں ان کے اموال ہیں، تم اس کی طرف نکلو، شاید اللہ تعالیٰ یہ مال تمہیں دلوا دے۔(۱)

بعض سیرت نگاروں نے یہاں معذرت خواہانہ انداز اختیار کیا ہے، اور اس جملے کی بڑی تاویلیں کی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں یہ خواہش نہیں تھی کہ قافلے کو بغیر کسی اعلانِ جنگ کے لوٹ لیا جائے، حالاں کہ وہ لوگ یہ مانتے ہیں کہ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے دلوں میں یہ خواہش تھی کہ موقع اچھا ہے، افرادِ قافلہ کم ہیں اور مال واسباب بہت ہے، میں نہیں سمجھتا کہ اس طرح کی کسی تاویل کی کوئی ضرورت ہے۔ مسلمان قریش کے ساتھ مسلسل

(۱) السیرۃ النبویہ، ۱/۱۴۱۱۔

جنگ کی حالت میں تھے، مکہ میں تیرہ برس گزرے، انہوں نے کیا کچھ نہیں کیا، مسلمانوں کو سخت تکلیفیں پہنچائیں، شدید اذیتیں دیں، ان کے ہاتھوں مسلمان شہید بھی ہوئے، پھر انہوں نے ایسے حالات پیدا کئے کہ مسلمانوں کو مکہ چھوڑنا پڑا، ان کے مکانات وہیں رہ گئے، کاروبار وہیں رہ گئے، زمینیں وہیں رہ گئیں، بعد میں مشرکین نے ان کے مکانوں پر قبضہ بھی کرلیا بلکہ بہت سے مکانات فروخت بھی کردیئے۔ بعض مسلمان مال دار تھے، ان کا اچھا خاصا کاروبار تھا، ایسے لوگوں کو اس وقت تک مکے سے باہر جانے نہیں دیا گیا جب تک ان کے مال پر قبضہ نہیں کرلیا گیا۔ اس طرح کی کارروائیوں میں تمام مشرکین مکہ شریک تھے۔ یہ حضرات اپنی جانیں بچا کر چھپتے چھپاتے مدینے آگئے، تب بھی ان کی ریشہ دوانیاں جاری رہیں، مدینے کے یہودیوں اور مشرکین کو خطوط لکھ کر بھڑکاتے رہے، انہیں بغاوت پر اکساتے رہے، مدینہ منورہ کے قریب جو قبائل آباد تھے ان کو بھی یہی پٹی پڑھاتے رہے کہ مسلمان تمہارے ساتھ ایسا کریں گے، ویسا کریں گے، تم ان کا بائیکاٹ کرو، ان کو آنے جانے کا راستہ نہ دو۔ کرز بن جابر فہری نے تو حد ہی کردی کہ مسلمانوں کے جانور مدینے کے مضافات سے کھول کرلے گیا، اس صورت میں کیا اس قافلے پر شب خوں مارنا اور ان کو بھگا کر یا ان سے لڑ کر ان کا مال و زر چھین لینا کسی بھی طور پر غلط ہوسکتا ہے؟

مسلمان یہ بھی مانتے تھے کہ قریش آئندہ بھی خاموش بیٹھنے والے نہیں ہیں، وہ مدینے پر حملہ ضرور کریں گے، یہ مال واسباب جو اس قافلے میں ہے مکے پہنچے گا اور اسی کے سہارے وہ ہمارے خلاف محاذ آرائی کریں گے، یہ تمام ایک ہزار اونٹ ہمارے خلاف جنگی کاروائیوں میں استعمال ہوں گے، مستقبل کی پیش بندی کے نقطۂ نظر سے بھی یہ ضروری تھا کہ اس قافلے کو اس کے مال واسباب سمیت آگے نہ بڑھنے دیا جائے، اس لئے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو یہ مشورہ دیا، یا یہ حکم دیا تو اس میں غلط بات کیا ہے؟ جہاد کی مشروعیت کے بعد آپ مسلسل چھاپہ مار کاروائی کررہے تھے اور مختلف مقامات پر فوجی دستے روانہ فرما رہے تھے، اس قافلے کے خلاف کارروائی بھی اسی مہم کا ایک حصہ تھی۔

صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا ردعمل اور روانگی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے قافلے کی واپسی کی خبر سنی تو وہ پُر جوش ہوگئے، بڑی عجلت کے ساتھ تیاری ہوئی، کیوں کہ وقت کم تھا، تاخیر کرنے سے یہ قافلہ گزر بھی سکتا تھا، اس لئے جو شخص جس حال میں تھا اسی حال میں نکل پڑا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد حکم کے طور پر بھی نہیں تھا کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نکلیں بلکہ اختیاری تھا کہ جو نکلنا چاہے وہ نکل پڑے، اس کے باوجود تین سو تیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین ساتھ چلنے کے لئے تیار ہوگئے، صرف دو گھوڑے تھے، ایک حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا، اور دوسرا حضرت مقداد بن اسود کندی رضی اللہ عنہ کا، ستر اونٹ تھے، کسی پر دو آدمی اور کسی پر تین افراد باری باری سوار ہوا کرتے تھے۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، ان کے بیٹے اُسامہ رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام کبشہ رضی اللہ عنہ کے حصے میں ایک اونٹ تھا۔ حضرات ابوبکر وعمر اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم اجمعین ایک اونٹ پر باری باری سوار ہوا کرتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ شریک تھے۔ ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ ہم پیدل چلیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر سوار رہیں، مگر آپ فرماتے کہ تم مجھ سے زیادہ طاقت ور نہیں ہو اور میں تم سے زیادہ اجر وثواب سے بے نیاز نہیں ہوں، ان تیاریوں کے ساتھ یہ قافلہ آٹھ رمضان المبارک سن دو ہجری کو اپنی منزل کی طرف روانہ ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عدم موجودگی میں حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ کو امامت کی ذمہ داری تفویض فرمادی تھی، مگر مدینے سے ڈیڑھ کلومیٹر دوری طے کرنے کے بعد بئر ابی عنبہ پر ٹھہر کر آپ نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو مدینے کا حاکم بنا کر واپس کر دیا۔(۱)

فوج کا معائنہ

مدینہ منورہ سے نکلنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بئر عنبہ کے مقام پر قیام فرمایا اور اپنے فوجی لشکر کا معائنہ کیا، آپ نے اپنے تمام ساتھیوں کو دیکھا، جو کم عمر لڑکے ساتھ آ گئے

(۱) سیرت بن ہشام، ۱/۶۱۲۔

تھے ان کو واپس کیا، ان بچوں میں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ، رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ، براء بن عازب رضی اللہ عنہ، زید بن ارقم رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ انہی میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی تھے، ان کی عمر سولہ برس تھی، وہ لوگوں کی آڑ میں چھپتے پھر رہے تھے، بڑے بھائی نے اُن کو چھپتے دیکھ کر پوچھا یہ تم کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا مجھے ڈر ہے کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے قافلے میں دیکھ کر واپس نہ کردیں، میں اللہ کے راستے میں نکلنا چاہتا ہوں، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ مجھے شہادت سے نوازدے۔ ان کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا، آپ نے ان کو واپس جانے کا حکم دیا، عمیر رضی اللہ عنہ رونے لگے، ان کا شوق اور جذبہ دیکھ کر آپ نے انہیں ساتھ چلنے کی اجازت دے دی۔ اس کے بعد تین سو تیرہ افراد کا یہ کارواں روانہ ہوا، سفید علَم حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں تھا، وہ آگے چل رہے تھے، دو بڑے جھنڈے اور تھے، جن میں سے ایک کا نام عقاب تھا جسے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اٹھائے ہوئے تھے۔ دوسرا جھنڈا حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اٹھا رکھا تھا، اس کا نام الانصار تھا، پسِ کارواں حضرت قیس بن ابی صعصعہ رضی اللہ عنہ چل رہے تھے۔(۱)

وادیٔ الصُّفراء میں قیام

مختلف جگہوں پر رکتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے یہ قافلۂ اسلام وادیِ صُفراء تک پہنچ گیا، یہاں آپ نے پڑاؤ ڈالا اور ابوسفیان کے قافلے کی معلومات لینے کے لئے بَسبَس بن عمرو الجہنی رضی اللہ عنہ اور عدی بن ابی الرغباء رضی اللہ عنہ کو آگے کی طرف روانہ فرمایا، صفراء کے نام سے یہ ایک مشہور وادی ہے جو مدینہ منورہ کے مغرب میں واقع ہے، اس کا طول لگ بھگ ایک سو بیس کلومیٹر ہے، بدر سمیت بہت سی تاریخی بستیاں اسی وادی میں واقع ہیں۔ یہ وادی اپنی ہری بھری کھیتیوں، سرسبز و شاداب باغات اور پانی کے شیریں چشموں کے لئے بھی شہرت رکھتی ہے۔(۲)

(۱) سیرت بن ہشام، ۱/۶۱۳،۱، البدایہ والنہایہ، ۵/۲۶۔ (۲) معجم البلدان، ۵/۱۹۳۔

بسبس اور عدی رضی اللہ عنہما کی واپسی

یہ دونوں حضرات قریش کے تجارتی قافلے کی سُن گن لینے کے لئے نکلے تھے، بدر کے مشہور کنویں کے پاس انہوں نے اپنی سواری روکی، کچھ دیر وہاں ٹھہرے، دو عورتیں کنویں سے پانی بھر رہی تھیں، اور ایک دوسرے سے باتیں بھی کر رہی تھیں، ان میں سے ایک نے دوسری سے اپنی رقم کی واپسی کا مطالبہ کیا، دوسری نے کہا کہ یہاں عن قریب قافلہ پہنچ جائے گا، میں اس میں کام کر کے تمہارا قرض ادا کردوں گی۔ یہ دونوں حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو دونوں عورتوں کی بات چیت سے آگاہ کیا، جس قافلے کا وہ دونوں عورتیں ذکر کر رہی تھیں بہ ظاہر وہ یہی قافلہ تھا جس کی تلاش میں مسلمان یہاں پہنچے تھے۔(۱)

ابوسفیان کی حکمت عملی

ابھی بسبس بن عمر رضی اللہ عنہ اور عدی بن ابی الرغباء رضی اللہ عنہ کنویں کے پاس سے چلے ہی تھے کہ ابوسفیان وہاں پہنچ گیا، اس وقت مجدی بن عمرو الجہنی کنویں کے پاس موجود تھا، ابوسفیان نے اس سے پوچھا کہ تم نے یہاں کسی اجنبی مسافر کو تو نہیں دیکھا، مجدی نے لاعلمی ظاہر کی، وہاں اونٹ کی مینگنیاں پڑی ہوئی تھیں، ابوسفیان نے انہیں اٹھا کر دیکھا اور توڑا تو ان میں کھجور کی گٹھلیاں تھیں، وہ سمجھ گیا کہ یثرب کی طرف سے یہاں کوئی آیا تھا، یقیناً وہ شخص میرے قافلے کی ٹوہ لینے آیا ہوگا، ویسے بھی اسے کچھ دوسرے ذرائع سے یہ اطلاعات مل رہی تھیں کہ مسلمان بڑی تعداد میں یثرب سے چل پڑے ہیں اور ان کا ارادہ ہمارے قافلے کو لوٹنے کا ہے۔ ابوسفیان الٹے پاؤں اپنے پڑاؤ پر پہنچا، وہ تیزی کے ساتھ یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا، چنانچہ وہ اپنے قافلے کو لے کر ساحل کی طرف چلا گیا اور وہاں سے مکے پہنچ گیا، راستے سے اس نے ایک شخص کو جس کا نام ضمضم بن عمرو غفاری تھا اجرت دے کر مکہ مکرمہ روانہ کیا اور اس کے ذریعے قریش کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ وہ فوراً کوچ

(۱) زاد المعاد، ۳/۱۳۶، سیرت بن ہشام، ۱/۶۱۳۔

کریں اور اپنا قافلہ بچائیں، محمد اور ان کے ساتھی قافلے کو لوٹنے کے ارادے سے نکل کھڑے ہوئے ہیں۔

ضمضم نے مکہ پہنچ کر اس وقت کے طریقے کے مطابق اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے، اپنے دونوں کان زخمی کر لئے اور ایک اونچی پہاڑی پر کھڑے ہو کر اس نے قریش کے لوگوں کو آواز لگانی شروع کی، اس کی چیخ و پکار سن کر لوگ اپنے گھروں سے نکل آئے، وہ چلا چلا کر کہہ رہا تھا: اے مکّے والو! تمہارا کارواں لٹنے کے قریب ہے، محمد وہاں پہنچنے والے ہیں، اٹھو، نکلو، چلو۔ قریش میں بھگ دڑ مچ گئی، جیسا کہ عرض کیا گیا کہ اس قافلے میں ہر گھر کا سرمایہ لگا ہوا تھا، اس لئے ہر شخص نے اپنی ذمہ داری محسوس کی، آناً فاناً تیاری کی گئی، بنو عدی کے علاوہ ہر قبیلے کے لوگ نکل کھڑے ہوئے، اشرافِ مکہ میں سے کوئی ایسا شخص نہ تھا جو نکلا نہ ہو، صرف ابولہب رہ گیا، اس نے اپنی جگہ عاصم بن ہشام کو بھیجا جس پر ابولہب کے چار ہزار دینار قرض تھے، نو سو پچاس سواروں کا یہ قافلہ اس شان کے ساتھ پابہ رکاب ہوا کہ ان میں چھ سو سے زیادہ افراد سر سے پاؤں تک زرہ پہنے ہوئے تھے، ہر شخص مسلح تھا، تیر، کمان، نیزے اور تلواریں بڑی تعداد میں تھیں، سات سو اونٹ بھی ساتھ تھے، ڈھول تاشے بھی تھے، گانے والی عورتیں بھی ہمراہ تھیں، سامانِ عیش وطرب بھی تھا، ایسا لگ رہا تھا جیسے محاذِ جنگ پر نہ جا رہے ہوں بلکہ تفریح کے لئے نکلے ہوں۔ قرآن کریم نے ان کے قافلے کی منظر کشی کچھ اس طرح کی ہے: وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّ رِئَاءَ النَّاسِ. (۱) ”اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو اپنے گھروں سے اکڑتے ہوئے اور لوگوں کو اپنی شان دکھاتے ہوئے نکلے تھے۔ (۲)

امیہ بن خلف کی شمولیت

مکہ مکرمہ کا رئیس اور اسلام کے دشمنوں میں سے ایک بڑا دشمن اُمیّہ بن خلف نہیں چاہتا تھا کہ وہ مسلمانوں سے لڑنے کے لئے جائے، کیوں کہ اسے اپنے یثربی دوست سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی پیش گوئی یاد تھی۔ یہ واقعہ پہلے بھی مختصر طور پر لکھا گیا ہے کہ امیہ بن خلف

(۱) الانفال: ۵۷۔ (۲) زاد المعاد، ۳/۱۳۶۔

اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ گہرے دوست تھے، امیہ شام کی طرف جاتا یا اس کا یثرب جانا ہوتا تو وہ سعد بن معاذؓ کے گھر پر قیام کرتا، سعد عمرے یا حج کے لئے آتے تو وہ امیہ کے یہاں ٹھہرتے۔ ایک مرتبہ وہ عمرے کے لئے آئے، حسب معمول امیہ بن خلف کے مہمان بنے۔ اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے ہجرت کر کے مدینے تشریف لے جاچکے تھے، سعد نے اکیلے میں بیت اللہ کے طواف کی خواہش ظاہر کی تو امیہ انہیں لے کر چلا، راستے میں ابوجہل مل گیا، اس نے کبر ونخوت سے پوچھا: اے ابوصفوان! تمہارے ساتھ یہ اجنبی کون ہے؟ اس نے بتلایا کہ یہ میرے دوست سعد ہیں، یثرب سے آئے ہیں، اتنا سننا تھا کہ ابوجہل آگ بگولا ہوگیا، کہنے لگا تم نے ہمارے بھگوڑوں کو اپنے یہاں پناہ دے رکھی ہے اور تم یہاں طواف کر کے سلامت نکل جانا چاہتے ہو، وہ سعد کو طواف سے روکنا چاہتا تھا، سعد نے نڈر ہوکر جواب دیا اے ابوالحکم! زیادہ نہ اکڑ، اگر تو نے مجھے طواف سے روکنے کی کوشش کی تو میں شام جانے کے لئے تیرا راستہ بند کردوں گا۔ حضرت سعد کو بلند آواز سے بولتے دیکھ کر امیہ نے کہا کہ تم ابوالحکم سے اونچی آواز میں بات مت کرو، یہ یہاں کے سردار ہیں۔ سعد نے کہا اے امیہ! بس کر، خدا کی قسم میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے خود یہ بات سنی ہے کہ تو حضور کے اصحاب کے ہاتھوں قتل کیا جائے گا۔

امیہ کو سعد رضی اللہ عنہ کی یہ بات یاد تھی، اس لئے وہ قریش کے لشکر میں شریک ہوکر جانا نہیں چاہتا تھا، اسے ڈر تھا کہ کہیں میری موت ہی مجھے وہاں نہ لے کر جا رہی ہو، وہ جانتا تھا کہ محمد کبھی جھوٹ نہیں بولتے، جس وقت سعد نے اسے یہ بات بتلائی تھی امیہ کا رنگ فق ہوگیا تھا۔ روایت میں ہے کہ سعد کی بات سن کر امیہ ڈر گیا، قریب تھا کہ مارے خوف کے اس کا پیشاب نکل جائے۔(۱) امیہ کو سعد رضی اللہ عنہ کی یہ بات یاد تھی اس لیے اس نے معذرت پیش کی، بہانے تراشے، مگر ابوجہل جان کو آگیا، کہنے لگا کہ آپ قوم کے سردار ہیں، اگر آپ نہ نکلے تو دوسرے بہت سے لوگ گھر بیٹھ جائیں گے، اس نے یہاں تک کہا کہ آپ پریشان نہ ہوں، میں ایک تیز رفتار گھوڑے کا انتظام کئے دیتا ہوں، آپ جہاں بھی خطرہ

(۱) فتح الباری، ۲۸۶/۱۱، رقم الحدیث ۳۲۵۶۔

محسوس کریں اس پر بیٹھیں اور واپس آجائیں۔ ابوجہل کے اصرار، منت، خوشامد اور دھمکی کے بعد امیہ کے پاس اس کے علاوہ کوئی راستہ نہ بچا کہ وہ بھی ہتھیار لے کر نکل پڑے، گھر پہنچا، بیوی سے کہا میرا سامانِ سفر تیار کرو، بیوی نے کہا کیا آپ کو اپنے یثربی بھائی کی بات یاد نہیں رہی؟ کہنے لگا کہ میں کچھ دور تک ساتھ جاؤں گا، پھر واپس آجاؤں گا، میرا ارادہ آگے تک جانے کا نہیں ہے۔ روایات میں ہے کہ وہ ڈرا سہما نکلا، ہر منزل پر جہاں بھی ٹھہرنا ہوتا اپنا اونٹ قریب ہی رکھتا تا کہ بھاگنے میں آسانی ہو، مگر موت کشاں کشاں اسے میدان بدر کی طرف لے گئی اور وہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے ہاتھوں کتے کی موت مارا گیا۔(۱)

ابوسفیان کے بچ کر نکلنے اور لشکر قریش کے آنے کی خبر

اسلام کے یہ تین سو تیرہ مجاہدین اپنے قائد اور پیغمبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں وادیٔ صفراء سے نکل کر شاہ راہِ بدر پر آئے، راستے میں ایک جگہ پڑتی ہے جس کا نام ہے ذِفران، جب یہ لشکر اس وادی میں خیمہ زن ہوا تو مخبروں کے ذریعے یہ اطلاع ملی کہ ابوسفیان صاف بچ کر نکل گیا ہے، اس نے راستہ بدل دیا تھا، اور اب اس کا قافلہ محفوظ تھا، دوسری طرف اسے یہ خبر بھی ملی کہ قریش کا ایک بڑا لشکر قافلے کی حفاظت کے ارادے سے روانہ ہوا ہے، مگر ان کی تیاریوں سے نہیں لگتا کہ وہ صرف قافلے کی حفاظت کے لئے نکلے ہیں، ایسا لگتا ہے وہ جنگ کرنا چاہتے ہیں، کیوں کہ مسلمان جنگ کی نیت سے نہیں نکلے تھے، نہ زیادہ افراد تھے، نہ ان کے پاس اونٹ اور گھوڑے تھے اور نہ اسلحہ تھا، عجلت میں جس کے جو ہاتھ لگا وہ لے کر نکل پڑا، نئی صورت حال میں مشورہ کرنا ضروری تھا، خود آپ کا ارادہ واپسی کا نہیں تھا بلکہ آپ چاہتے تھے کہ اس لشکر کا مقابلہ کیا جائے، اگر وہ لوگ اس ارادے سے آرہے ہیں تو ان کا سامنا ہونا چاہئے، مگر آپ اپنے ساتھیوں کی رائے بھی جاننا چاہتے تھے، پہلے آپ مہاجرین کی طرف متوجہ ہوئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سمیت تمام مہاجرین نے جن کی تعداد ستتر تھی جنگ کا مشورہ دیا، آپ نے دوبارہ پوچھا،

(۱) صحیح البخاری، ۱۱/۳۶۱، رقم الحدیث ۳۳۶۰۔

انہوں نے دوبارہ بھی یہی عرض کیا کہ ہم جنگ کرنے کے لئے تیار ہیں، آپ نے تیسری مرتبہ دریافت کیا، انصار صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین جن کی تعداد دو سو چھتیس تھی سمجھ گئے کہ روئے سخن ہماری طرف ہے، آپ ہماری رائے اور ہماری مرضی جاننا چاہتے ہیں۔

سب سے پہلے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور نہایت ادب سے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم آپ پر ایمان لائے ہیں، ہم نے آپ کی تصدیق کی ہے اور اس بات کی شہادت دی ہے کہ جو کچھ آپ لے کر تشریف لائے ہیں وہی حق ہے، ہم نے آپ سے سمع وطاعت کا عہد کیا ہے، وعدے کئے ہیں، میرے خیال سے یارسول اللہ! آپ مدینہ منورہ سے کسی اور مقصد کے لئے نکلے تھے، اب اللہ تعالیٰ نے دوسری صورت پیدا فرمادی، اب جیسی آپ کی مرضی ہو ویسا کریں، جس سے تعلق رکھنا چاہیں اس سے تعلق رکھیں، جس سے قطع تعلق کرنا چاہیں اس سے تعلق ختم کردیں، جس سے چاہیں صلح کریں اور جس سے چاہیں دشمنی کریں، ہمارے پاس جو کچھ مال ودولت ہے اس میں سے جتنا چاہیں آپ ہم سے لے لیں اور جس قدر چاہیں ہمارے پاس چھوڑ دیں، جو مال آپ ہم سے لیں گے وہ اس مال سے زیادہ بہتر ہوگا جو آپ ہمارے پاس چھوڑیں گے۔ اگر آپ ہمیں برک الغماد (یہ ایک علاقہ ہے جو مدینے سے کافی دور بحر احمر کے ساحل پر واقع ہے) لے جانا چاہیں تو ہم آپ کے ساتھ چلیں گے، اس ذات برحق کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، اگر آپ ہمیں یہ حکم دیں گے کہ ہم اس سمندر میں کود پڑیں تو ہم کود پڑیں گے، ہم میں سے کوئی شخص بھی پیچھے رہنے والا نہیں ہے، ہم دشمنوں سے لڑنے کو برا نہیں سمجھتے، ہم لڑائی کے وقت صبر کرتے ہیں اور مقابلے میں سچے ہیں، ہم اللہ تعالیٰ سے یہ امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہم سے وہ چیز دکھلائے گا، جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی، آپ ہمیں لے کر چلیئے۔" (۱)

اس کے بعد حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس کام کا حکم دیا ہے اسے انجام دیں، ہم آپ کے ساتھ ہیں، خدا

(۱) مسند احمد بن حنبل، ۳۸۹/۱، رقم الحدیث، ۳۶۹۸، زاد المعاد، ۱۳۶/۳۔

کی قسم ہم بنی اسرائیل جیسے نہیں ہیں، جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ آپ اور آپ کا رب جا کر لڑیں، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں، ہم تو یہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کا رب قتال کریں، ہم بھی آپ کے ساتھ قتال کریں گے۔ یہ الفاظ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابونعیم اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔ بخاری شریف میں تو یہ الفاظ ہیں: **لكنا نقاتل عن يمينك و عن شمالك ومن بين يديك ومن خلفك.** ''ہم تو آپ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے ہو کر لڑیں گے۔'' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو اس پورے قصے کے راوی ہیں کہتے ہیں کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک خوشی سے گل نار ہو گیا، آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو آگے بڑھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تمہارے لئے خوش خبری ہے، اللہ تعالیٰ نے مجھ سے یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ کافروں کی دو جماعتوں میں سے ایک جماعت کو تمہیں سونپ دے گا، یہ بھی فرمایا کہ مجھے وہ جگہیں دکھلا دی گئی ہیں، جو قوم قریش کے (ہلاک ہو کر) گرنے کی جگہیں ہیں۔ (۱)

ذِفران سے بدر کی طرف

اب مسلمانوں کا یہ کارواں جس میں نیا جوش اور نیا ولولہ پیدا ہو گیا تھا۔ ذفران سے بدر کی طرف گام زن ہوا، یہ جگہ وادیٔ الصُّفراء سے کچھ پہلے اوپر کی جانب ہے، اس کا پانی وادیِ صفراء میں گرتا ہے، گویا آپ وادیٔ صفراء سے نکل کر وادی ذِفران میں تشریف لے گئے اور وہاں سے بدر کی طرف آگے بڑھے۔ (۲) ذِفران پہنچ کر آپ نے مناسب سمجھا کہ قریش کے قافلے کے متعلق معلومات حاصل کر لی جائیں، اور یہ بھی معلوم کر لیا جائے کہ یہاں کے لوگ بھی موجودہ صورتِ حال کے متعلق کچھ جانتے ہیں، یا یہاں کے لوگ بالکل اندھیرے میں ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لیا اور آگے تشریف لے گئے، کسی جگہ ایک بوڑھا شخص پھرتا ہوا نظر آیا، آپ نے اس سے قریش کے لشکر کے متعلق پوچھا کہ کیا اسے اس کی کچھ خبر ہے کہ وہ کہاں تک پہنچ چکا ہے، پھر اپنے

(۱) صحیح البخاری، ۱۲/۳۴۸، رقم الحدیث ۳۶۵۸۔ (۲) وفاء الوفاء، ۱۰۲۴/۳۔

متعلق معلوم کیا کہ اسے محمد اور ان کے ساتھیوں کے متعلق کچھ معلوم ہے، بوڑھے نے کہا کہ جب تک آپ لوگ مجھے اپنے متعلق کچھ نہیں بتلائیں گے میں کچھ نہیں بولوں گا، آپ نے اس سے فرمایا تم بتلادو ہم بھی بتلادیں گے۔ بوڑھے نے کہا کہ کیا یہ بدلہ ہوگا، آپ نے فرمایا: ہاں۔ بوڑھے نے کہا مجھے پتہ چلا ہے کہ محمد اور ان کے اصحاب فلاں دن مدینے سے چلے ہیں، اگر یہ بات صحیح ہے تو وہ آج فلاں جگہ ہوں گے، یہ جگہ وہی تھی جہاں مسلمانوں کا لشکر اس وقت ٹھہرا ہوا تھا، بوڑھے نے یہ بھی بتلایا کہ قریش فلاں دن مکّے سے نکلے ہیں، اگر یہ بات صحیح ہے تو وہ لوگ آج فلاں جگہ ہوں گے، یہ جگہ بھی وہی تھی جہاں آج مشرکین کا لشکر ٹھہرا ہوا تھا، گویا بڑے میاں کی معلومات صحیح تھیں اور اس کا اندازہ بھی درست تھا۔ بوڑھے نے کہا میں نے تمہیں بتلا دیا، اب تم اپنے متعلق بتلاؤ تم کون ہو؟ آپ نے فرمایا: ہم پانی سے ہیں، پھر آپ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو لے کر واپس ہو گئے۔ (۱)

اسی دن شام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور دوسرے چند نوجوان صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو بدر کے کنویں کے پاس بھیجا کہ وہاں جائیں اور کفار کے متعلق معلومات کر کے آئیں کہ بدر سے کتنی دور ہیں اور اس وقت کہاں ہیں، ان کی تعداد کتنی ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ حضرات وہاں پہنچے، اتفاق سے قریش کے دو غلام کنویں پر پانی بھرتے ہوئے ملے، یہ نوجوان صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین ان دونوں کو پکڑ کر لے آئے، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے ان سے پوچھا کہ تم لوگ کون ہو اور وہاں کیا کر رہے تھے؟ انہوں نے کہا کہ ہم قریش کو پانی پلانے والے ہیں، صحابہ کو یقین نہیں آیا، وہ سمجھے کہ یہ دونوں ابوسفیان کے آدمی ہیں اور خود کو قریش کا آدمی ظاہر کر رہے ہیں، اس کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے انہیں مارنا شروع کر دیا، جب وہ خوب پٹ گئے تو کہنے لگے کہ ہاں! ہم ابوسفیان کے آدمی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیر کر ارشاد فرمایا کہ جب یہ لوگ سچ بول رہے تھے تو تم نے ان کو مارا اور اب یہ جھوٹ بول رہے ہیں تو تم نے ان کو چھوڑ دیا۔ خدا کی قسم انہوں

(۱) سیرۃ ابن ہشام، ۱/۲۱۴۔

نے سچ کہا تھا، یہ واقعی قریش کے آدمی ہیں۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے پوچھا کہ تم مجھے قریش کے بارے میں بتلاؤ، انہوں نے کہا کہ وہ جو دور اونچی پہاڑی نظر آرہی ہے قریش کا قافلہ اس کے پیچھے ٹھہرا ہوا ہے، اس پہاڑی کا نام عقنقل ہے، آپ نے دریافت فرمایا وہ لوگ تعداد میں کتنے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ بہت زیادہ ہیں، آپ نے پوچھا کتنی تعداد میں ہیں، کہنے لگے ہم نہیں جانتے۔ آپ نے پوچھا: وہ لوگ روزانہ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟ کہنے لگے کسی روز دس، کسی دن نو۔ آپ نے فرمایا: وہ ہزار اور نو سو کے درمیان ہیں (کیوں کہ ایک اونٹ سو آدمیوں کو کفایت کر جاتا ہے)

آپ نے ان سے قریش کے سرداروں کے نام بھی دریافت فرمائے، انہوں نے جواب میں عرض کیا عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوالبختری بن ہشام، حکیم بن حزام، نوفل بن خویلد، حارث بن عامر بن نوفل، نضر بن الحارث، زمعہ بن الاسود، ابوجہل بن ہشام، امیہ بن خلف، نبیہ بن الحجاج، منبہ بن الحجاج، سہیل بن عمرو، عمرو بن عبدود، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "هذه مكة قد ألقت اليكم افلاذ اكبادها." مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو تمہارے آگے ڈال دیا ہے۔(۱)

ابوسفیان کا خط

ابوسفیان بدر کے قریب آیا لیکن جیسے ہی اسے یہ معلوم ہوا کہ مسلمان اس کے تعاقب میں ہیں وہ اپنے قافلے کو لے کر ساحل سمندر کی طرف چلا گیا اور وہاں سے بہ حفاظت مکے پہنچ گیا۔ جب اسے یہ یقین ہوگیا کہ اب مسلمان اس کے قافلے تک پہنچ نہیں پائیں گے اس نے قریش کو خط لکھا کہ قافلہ محفوظ ہے، مسلمان بہت دور رہ گئے ہیں، اب آپ لوگوں کو آنے کی ضرورت نہیں ہے، مکے واپس چلے جائیں، اس وقت قریش کا لشکر جحفہ میں تھا، مکہ مکرمہ سے اس وادی کا فاصلہ تقریباً ایک سو اسی کلومیٹر ہے، ابوجہل نے خط پڑھا، مگر واپسی کے لئے تیار نہیں ہوا، کہنے لگا کہ ہم بدر ضرور جائیں گے، وہاں کچھ روز قیام

(۱) دلائل النبوة للبیہقی ۳/۴۲، رقم الحدیث ۸۹۰، سیرت ابن ہشام ۱/۶۱۹۔

کریں گے، قرب وجوار کے جو لوگ ہمارے پاس آئیں گے ہم ان کی ضیافت کریں گے، اس طرح عربوں پر ہماری دھاک بیٹھ جائے گی۔ اَخنَس بن شُرَیق نے بھی واپسی کا مشورہ دیا، مگر ابوجہل اور اس جیسے لوگوں نے یہ مشورہ بھی نہیں مانا، اخنس ناراض ہوگیا، وہ اور اس کے قبیلے بنوزہرہ کے لوگ جُحفہ سے ہی واپس چلے گئے، کسی بھی زہری نے غزوۂ بدر میں حصہ نہیں لیا، بعد میں وہ لوگ اپنے اس فیصلے پر فخر کیا کرتے تھے۔ بنوہاشم بھی واپس ہونا چاہتے تھے، مگر ابوجہل نے دباؤ ڈال کر انہیں روک لیا، البتہ طالب بن اَبی طالب اور کچھ دوسرے لوگ مکے چلے گئے۔ (۱)

قریش کو مشورے

کچھ اور لوگوں نے بھی جو لشکر میں شامل تھے قریش کو واپسی کا مشورہ دیا، مگر ابوجہل نہیں مانا، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ جب مسلمان اور مشرکین آمنے سامنے آگئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر عتبہ بن ربیعہ پر پڑی، وہ ایک سرخ اونٹ پر سوار تھا، آپ نے ارشاد فرمایا: اگر قریش میں سے کوئی خیر پر ہوگا تو وہ اس سرخ اونٹ والے کے پاس آجائے گا، اس کی بات مانے گا اور ہدایت پائے گا۔ عتبہ بن ربیعہ اپنی قوم سے کہہ رہا تھا: اے لوگو! مسلمانوں کے بارے میں میری بات مان لو، اگر تم نے ان سے جنگ کی اور یہ لوگ مارے گئے تو تمہیں باقی پوری زندگی ندامت کا احساس ستائے گا، تم میں سے ہر شخص دوسرے شخص کو اپنے باپ یا اپنے بھائی کے قاتل کے روپ میں دیکھے گا۔ میری بات مانو، واپس چلو۔ ابوجہل نے یہ بات سنی تو کہنے لگا اللہ تم کو ہلاک کرے، یہ تو محمد اور ان کے ساتھیوں کو دیکھ کر ڈر گیا، حالاں کہ وہ ہمارے ہاتھوں ہلاک ہونے والے ہیں، ذرا جنگ تو ہونے دو۔ عتبہ نے جواب دیا کہ تجھے بہت جلد پتہ چل جائے گا کہ کون بزدل ہے اور کون مفسد ہے، خدا کی قسم! میں ایسی قوم کو دیکھ رہا ہوں جو مار مار کر تمہیں بے حال کردے گی، ان کے سر ایسے ہیں جیسے اژدہوں کے سر ہوں، ان کے چہرے تلواروں کی طرح چمک رہے ہیں۔ (۲)

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ۱/۴۲۰، البدایہ والنہایہ، ۳/۲۶۷۔ (۲) مجمع الزوائد، ۶/۷۶۔

حکیم بن حزام اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، وہ بھی اس لشکر میں تھے، کہتے ہیں کہ جب جنگ کے حالات پیدا ہو گئے اور دونوں فوجوں نے پڑاؤ ڈال لیا تو میں عتبہ بن ربیعہ کے پاس گیا اور اس سے کہنے لگا کہ اے ربیعہ! کیا تم جنگ ٹلا کر آج کے دن کو یادگار نہیں بنا سکتے۔ زندگی بھر تم اس دن کو یاد رکھو گے، عتبہ نے کہا: کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟ میں نے کہا: یہ جنگ تم صرف عمرو بن الحضرمی کے خون کا بدلہ لینے کے لئے لڑنا چاہتے ہو، یہ قبیلہ تمہارا حلیف ہے، میری رائے میں تم اس کی دیت دے کر لوگوں کو واپس مکے لے جاؤ۔ عتبہ کہنے لگا کہ میں دیت دینے کے لئے تیار ہوں، تم ابو حنظلہ یعنی ابو جہل کو اس پر راضی کرلو، میں اس کے پاس آیا مگر اس نے مجھے بھی برا بھلا کہا اور عتبہ کو بھی، عمرو بن الحضرمی کا بھائی عامر بن الحضرمی اس وقت ابو جہل کے قریب ہی کھڑا ہوا تھا، وہ اس سے کہنے لگا کہ دیکھو تمہارا حلیف عتبہ خود دیت دے کر جنگ ٹالنا چاہتا ہے، حالاں کہ تمہارا دشمن تمہارے سامنے موجود ہے اور تم خود اس سے اپنے بھائی کے خون کا بدلہ لے سکتے ہو۔ اٹھو اور اپنے بھائی کا انتقام لو، ابو جہل کی باتیں سن کر عامر بھی جوش میں آ گیا اور عربوں کے دستور کے مطابق اپنے سرین کھول کر اور انہیں پیٹ پیٹ کر واعمراہ، واعمراہ کرنے لگا، اس کی چیخ پکار سے لشکر میں تازہ جوش پھیل گیا، اس طرح حکیم بن حزام اور عتبہ بن ربیعہ کی تمام کوششیں رائیگاں چلی گئیں۔ (۱)

عاتِکہ اور جُہیم کے خواب

مکہ مکرمہ میں جنگ کی تیاری چل ہی رہی تھی کہ دو لوگوں نے خواب دیکھے، دونوں ہی خواب اہل مکہ کو مستقبل کے خطرات سے آگاہ کرنے والے تھے، مگر اس وقت ابو جہل پر خون سوار تھا، اس نے ان خوابوں کی ذرا پرواہ نہ کی، بلکہ وہ پوری قوم کے جذبات مشتعل کر کے انہیں ڈرا دھمکا کر بدر کی طرف لے جانے میں کامیاب ہو گیا۔

عاتکہ بنت عبد المطلب: رسول اللہ ﷺ کی پھوپی ہیں، انہوں نے خواب دیکھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے قریش کو آگاہ کیا، پھر وہ جبل اَبی قُبیس پر چڑھا اور وہاں سے اس نے

(۱) سیرت ابن ہشام، ۱/۶۲۰۔

ایک بڑی چٹان نیچے کی طرف گرائی، جو ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی، اس کے ذرات بکھر گئے اور قریش کے تمام گھروں میں داخل ہوگئے۔ عاتکہ نے اپنا خواب اپنے بھائی عباس کو سنایا، انہوں نے کسی اور کو بتایا۔ ایک دوسرے سے ہوتے ہوئے خواب کی یہ بات ابو جہل تک پہنچ گئی۔ اس نے عباس کو بلا کر کہا کہ میں یہ کیا سن رہا ہوں، پہلے تمہارے مرد نبی ہو رہے تھے، اب عورتیں بھی نبی بن رہی ہیں اور اس طرح کے خواب پھیلا رہی ہیں۔ (۱) اس وقت تک حضرت عاتکہ اسلام نہیں لائی تھیں، بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ آپ کی کوئی پھوپی مشرف بہ اسلام نہیں ہوئیں، لیکن اکثر مصنفین ان کے اسلام کا ذکر کرتے ہیں۔ حافظ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ، مؤرخ بلاذری رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ وہ مسلمان ہوگئی تھیں۔ انہوں نے ہجرت بھی کی اور بقیع میں مدفون ہیں۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ انہوں نے اسلام قبول کیا، ہجرت بھی کی، یہ وہی خاتون ہیں جنہوں نے جنگ بدر میں قریش کی ہلاکت کا خواب دیکھا تھا، اسی خواب کی وجہ سے ان کا بھائی ابولہب جنگ بدر میں شریک نہیں ہو سکا۔ (۲)

اسی طرح کا خواب جُہیم بن الصلت نے بھی دیکھا، یہ شخص لشکر میں شامل تھا، جب یہ لشکر مقام جُحفہ میں پہنچا تو ایک رات جُہیم نے خواب دیکھا کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار ہو کر آیا اور سامنے آ کر رک گیا، اس کے ساتھ ایک اونٹ بھی تھا، وہ شخص کہنے لگا کہ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابو الحکم بن ہشام، امیہ بن خلف اور فلاں فلاں شخص قتل کر دیا گیا، اس نے ان تمام لوگوں کے نام لئے جو جنگ بدر میں قتل کئے گئے، پھر اس نے اپنے اونٹ کو چابک مارا اور اسے فوج میں چھوڑ دیا، اس کے خون کی چھینٹیں فوج کے ہر خیمے میں پہنچیں، ابو جہل کو اس خواب کا علم ہوا تو کہنے لگا کہ لو دیکھو، بنو مطلب میں بھی ایک نبی پیدا ہوگیا ہے، کل اسے معلوم ہو جائے گا کہ کون مقتول ہے اور کون زندہ ہے۔ (۳)

(۱) سیرت ابن ہشام، ۱/۴۲۱۔ (۲) سیر اعلام النبلاء، ۲/۲۷۲۔ (۳) سیرت ابن ہشام، ۱/۴۲۱۔

میدانِ بدر میں قیام

اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ قریش کا لشکر بدر کے آخری سرے پر واقع عقنقل پہاڑی کے پیچھے آکر ٹھہر گیا ہے، آپ نے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو کوچ کا حکم دیا تاکہ مسلمان بھی میدانِ بدر کے قریب پہنچ جائیں، یہ اس لئے بھی ضروری تھا کہ اس میدان میں پانی کے کئی کنویں تھے اور ایک کنواں تو کافی بڑا اور گہرا تھا، اس کا پانی بھی نہایت ٹھنڈا اور شیریں تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا قافلہ وہاں سے روانہ ہوا اور بدر سے کچھ فاصلے پر پہنچ کر ٹھہر گیا، وہاں سے پانی کے کنویں کچھ دور تھے، ابھی مشرکین وہاں نہیں تھے مگر یہ خطرہ بہ ہر حال تھا کہ کہیں وہ لوگ عقنقل ٹیلے سے اتر کر اس میدان پر قبضہ نہ کرلیں۔

ایک صحابی حباب بن المنذر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! اس جگہ پر ہمارا قیام محض اتفاقاً ہوا ہے، یا اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہاں اترنے اور ٹھہرنے کا حکم دیا ہے۔ اس صورت میں تو ہم نہ یہاں سے آگے بڑھ سکتے ہیں اور نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: نہیں؛ یہ میری رائے ہے اور جنگی تدبیر کے تحت میں نے یہاں قیام کا حکم دیا ہے۔

حضرت حباب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! میرے خیال سے یہ جگہ ہمارے لئے موزوں نہیں ہے۔ آپ آگے تشریف لے چلیں اور قریش کے لشکر کے قریب جو کنواں ہے اس کے پاس ٹھہریں، ہم اس کنویں پر قابض ہوجائیں گے اور باقی کنوؤں کو مٹی سے بھر کر انہیں ناقابل استعمال بنادیں گے۔ اس طرح ہمیں پانی ملے گا اور وہ پانی سے محروم رہیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رائے پسند فرمائی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو اس مقام کی طرف چلنے کا حکم دیا جس کی نشان دہی حباب رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔ رات کے وقت وہاں پہنچ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے دشمن کے قریب واقع کنویں پر قبضہ کرلیا اور اس کے پاس ایک بڑا حوض بناکر اسے پانی سے لبریز کردیا، باقی کنوؤں کو مٹی سے بھر کر ناقابل استعمال بنادیا۔

یہ جگہ جہاں مسلمانوں نے قیام کیا تھا پانی کے لحاظ سے تو مناسب بلکہ بہتر تھی، مگر وہاں کی زمین ریتیلی تھی، چلتے ہوئے پاؤں دھنستے تھے، خدا کی شان دیکھئے، اس رات اس قدر بارش ہوئی کہ ریتیلی زمین سخت ہوگئی، اس پر چلنا پھرنا آسان ہوگیا، دوسری طرف

جہاں مشرکین تھے بارش کی وجہ سے وہاں پانی جمع ہوگیا، کیوں کہ وہ جگہ نشیب میں تھی، وہاں کی مٹی نرم تھی، اس کی وجہ سے وہاں کیچڑ ہوگیا، چلنے پھرنے میں دشواری ہونے لگی۔

مسلمانوں نے پانی جمع کرنے کے لئے جو حوض بنایا تھا اسے دیکھ کر مشرکین کے خیموں میں غصے اور تشویش کی لہر پیدا ہوگئی، ایک مشرک نے جس کا نام اسود بن عبدالاسد تھا، اپنے قائدین ابوجہل وغیرہ سے کہا کہ میں یہ حوض توڑ دوں گا۔ چنانچہ وہ شخص رات کے اندھیرے میں چھپتا چھپاتا حوض کے قریب آگیا، مسلمانوں نے اسے پہچان لیا اور اس کو قتل کر دیا، یہ پہلا شخص تھا جو مسلمانوں کے ہاتھوں بدر میں قتل ہوا۔(۱)

چھپر کی تعمیر

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اگرچہ کم عمر تھے، مگر اپنے قبیلے کے اجتماعی کاموں میں پیش پیش رہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر حد درجہ اعتماد تھا، اصابت رائے میں مشہور تھے۔ جب یہ تمام امور انجام پاگئے اور یہ یقین ہوگیا کہ آنے والی صبح میں یہ میدان ایک فیصلہ کن جنگ کا گواہ بنے گا تب جنگ کی تیاریوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ تجویز پیش کی کہ میدان جنگ میں کسی اونچی جگہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیام فرمائیں اور وہاں سے جنگ پر نظر رکھیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے یہ بھی عرض کیا: یارسول اللہ! وہاں اس ٹیلے پر ہم آپ کے لئے ایک چھپر نہ بنادیں، جس میں آپ ٹھہر جائیں اور ہم میں سے کچھ لوگ آپ کی حفاظت پر مامور ہوں، اگر ہم فتح سے ہم کنار ہوئے تب تو کوئی بات ہی نہیں، اگر خدانخواستہ جنگ میں شکست سے دوچار ہوئے تو وہ حفاظتی دستہ آپ کو لے کر روانہ ہوجائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تجویز کی تحسین فرمائی اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو دعائے خیر سے نوازا، چناں چہ وہاں ایک پہاڑی پر کھجور کی شاخوں اور پتوں سے چھپر بنا دیا گیا، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفیق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ قیام فرمایا، اس چھپر سے جنگ کا پورا میدان نظر آتا تھا، آپ دونوں طرف کی فوجوں کو دیکھ رہے تھے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تلوار لے کر چھپر کے باہر کھڑے ہوگئے۔(۲)

(۱) سیرت ابن ہشام، ۶۲۰/۱، البدایہ والنہایہ ۱۶۷/۳۔ (۲) اسد الغابہ، ۱۴۳/۲، تاریخ الاسلام للذہبی، ۱۷۹/۱۔

جس جگہ پر یہ چھپر بنایا گیا تھا وہاں ترکوں نے اپنے دور حکومت میں ایک مسجد بنادی تھی، الحمد للہ وہ مسجد آج تک موجود ہے بلکہ سعودی حکومت نے اس مسجد کو شہید کر کے نہایت خوبصورت اور کشادہ مسجد تعمیر کردی ہے، لوگ بدر کی زیارت کے لئے جاتے ہیں، وہ اس مسجد میں نماز پڑھنا اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ راقم السطور کو بھی اس مسجد میں حاضری کا اور دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اس مسجد سے آج بھی میدانِ بدر صاف نظر آتا ہے اور وہ کنواں بھی نظر آتا ہے جس میں مشرکین کی لاشیں پھینک دی گئی تھیں۔

میدانِ جنگ کا معائنہ

جس دن معرکۂ بدر ہونا تھا اس کی شب میں آپ نے میدانِ بدر کا معائنہ فرمایا، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ لے کر میدانِ جنگ کی طرف چلے تاکہ مشرکین مکہ کی قتل گاہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ چنانچہ آپ اپنی مبارک انگلی سے اشارہ کر کے فرماتے کہ یہاں فلاں شخص قتل ہوگا، یہ فلاں شخص کے قتل ہونے کی جگہ ہے، وہاں فلاں شخص ہلاک ہو کر گرے گا، آپ نے ایک ایک جگہ کی تعیین کی اور مقتولین کے نام بھی لئے۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ایسا ہی ہوا جیسا آپ نے فرمایا۔ اس میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آیا۔(۱)

مسلمانوں کا اطمینان اور رسول اللہ کی شب بیداری

کفار کا لشکر بڑا تھا، وہ لوگ زبردست طریقے پر مسلح بھی تھے، مسلمان تعداد میں کم تھے اور تقریباً نہتے تھے، ان حالات میں گھبراہٹ پیدا ہونا طبعی امر تھا، اس لئے جنگ سے مسلمانوں کے دلوں میں ایک طرح کی تشویش اور پریشانی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس کا علاج یہ فرمایا کہ ان پر غنودگی طاری کردی، اس کا اثر یہ ہوا کہ ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہوگئی اور ہر طرح کا خوف جاتا رہا۔ قرآن کریم نے جنگ سے پہلے کی اس تدبیر الٰہی کا بہ طور

(۱) صحیح مسلم، ۱۴/۳۶، رقم الحدیث، ۵۱۲۰۔

احسان ذکر کیا ہے: اِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَ يُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهِ وَ يُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَ يُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ. (۱) ''یاد کرو جب تم پر سے گھبراہٹ دور کرنے کے لئے وہ اپنے حکم سے تم پر غنودگی طاری کر رہا تھا اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا، تاکہ اس کے ذریعے تمہیں پاک کرے، تم سے شیطان کی گندگی دور کرے، تمہارے دلوں کی ڈھارس بندھائے اور اس کے ذریعے تمہارے پاؤں اچھی طرح جمادے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بدر کی جنگ سے پہلے کے اپنے دو انعامات کا ذکر فرمایا ہے، ایک تو یہ کہ بارانِ رحمت کا نزول ہوا، جس سے وہ ریتیلی زمین جس پر چلنا دشوار تھا سخت ہوگئی اور پاؤں جما کر چلنے میں آسانی ہوگئی، پانی وافر مقدار میں جمع ہو گیا جس سے وضو اور غسل کی سہولت ہوگئی، شیطانی وسوسے بھی ختم ہوگئے۔ دوسرا انعام یہ ہوا کہ مسلمانوں پر غنودگی کی سی کیفیت طاری ہوگئی، جب یہ کیفیت ختم ہوئی تو مسلمانوں کے دل پوری طرح مطمئن تھے، کسی طرح کا کوئی خوف یا کسی قسم کی کوئی گھبراہٹ ان کے دلوں میں نہیں تھی، اطمینان وسکون کی اس کیفیت کے بعد اس رات مسلمان اطمینان اور سکون کے ساتھ سوئے جس کی صبح جنگ ہونے والی تھی، البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام رات جاگتے رہے اور نماز اور دعا میں مشغول رہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ روایت فرماتے ہیں کہ بدر کی رات ہم میں سے کوئی شخص ایسا نہ تھا جو سویا نہ ہو، صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام رات جاگتے رہے اور سپیدۂ سحر نمودار ہونے تک دعا اور گریہ وزاری میں مشغول رہے، جیسے ہی فجر کا وقت ہوا آپ نے آواز دی ''الصلاةُ عِبادَ الله'' اللہ کے بندو نماز کے لئے اٹھ جاؤ، آپ کی آواز سنتے ہی تمام لوگ بیدار ہوگئے، ایک درخت کی جڑ کے پاس کھڑے ہو کر آپ نے نماز پڑھائی، نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اللہ کے راستے میں جان کا نذرانہ پیش کرنے کی ترغیب تھی۔ (۲)

(۱) الانفال: ۱۱۔ (۲) کنز العمال ۴/ ۹۸، بہ حوالہ سیرۃ المصطفی ۲/ ۷۴۔

دونوں لشکروں کی صف بندی

جمعہ کا دن تھا، رمضان المبارک کی سترہویں تاریخ تھی، دن چڑھے دونوں طرف کی فوجیں میدان میں پہنچ گئیں، مشرکین کا لشکر پہاڑی کے پیچھے تھا، وہ لوگ پہاڑی کے پیچھے سے اتراتے ہوئے اکڑتے ہوئے اوپر چڑھے، پھر نیچے اترے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا اور یہ دعا فرمائی: اے اللہ! قریش کے یہ لوگ جو کبر و غرور اور اپنی شان و شوکت کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہاں آئے ہیں یہ تیرا مقابلہ کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں، یہ لوگ تیرے رسول کی تکذیب کرتے ہیں، اے اللہ میں تجھ سے تیری اس مدد کا خواست گار ہوں جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے، اے اللہ تو ان کو ہلاک کر۔(١)

اس کے بعد آپ میدان میں تشریف لائے، تمام صحابہ صفیں بنا کر کھڑے ہوئے تھے، آپ نے ایک فوجی کمانڈر کی طرح ان کا معائنہ فرمایا، تیر آپ کے دست مبارک میں تھا، ایک صحابی تھے حضرت سواد بن غزیہ الانصاری رضی اللہ عنہ ان کا سینہ صف سے قدرے باہر کی طرف نکلا ہوا تھا، آپ نے تیر ان کے سینے پر رکھ کر انہیں پیچھے ہٹایا، وہ صحابی درد سے کراہنے لگے اور کہنے لگے یا رسول اللہ! آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے، آپ کو اللہ نے حق و انصاف کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، آپ مجھے اس کا بدلہ دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت شکم مبارک سے کپڑا اٹھا کر فرمایا: اے سواد! اپنا بدلہ لے لو، وہ صف سے نکلے اور انہوں نے آپ کے شکم مبارک پر بوسہ دے کر عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، شاید یہ آخری ملاقات ہو، میں چاہتا ہوں کہ راہِ خدا میں جامِ شہادت نوش کرنے سے پہلے میرے لب آپ کے جسم اطہر سے مس ہو جائیں، یہ سن کر آپ خوش ہوئے اور آگے بڑھ گئے۔

جب تمام صفیں درست ہوگئیں تو آپ اپنے رفیق و صدیق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ اس چھپر میں تشریف لے گئے جو ایک اونچے ٹیلے پر آپ کے لئے بنا دیا گیا تھا، وہاں جا کر آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے اور یہ دعا فرمائی، اے اللہ تو

(١) دلائل النبوۃ للبیہقی ٣/٣٠، رقم ٨٧٤۔

نے مجھ سے فتح ونصرت کا جو وعدہ کیا ہے اسے پورا فرما، اے اللہ! اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو روئے زمین پر قیامت تک کوئی تیری عبادت کرنے والا نہیں ہوگا۔(۱)

جنگ کا میدان گرم ہوگیا، دونوں طرف سے تیروں کی بارش ہونے لگی، فضا میں تلواریں چمکنے لگیں، گھوڑوں کی ہنہناہٹ سے فضائے بدر گونجنے لگی، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ بارگاہِ الٰہی میں اٹھے ہی رہے، آپ رو رہے تھے، گڑگڑا رہے تھے، آپ پر بے خودی کی سی کیفیت طاری تھی، یہاں تک کہ جو چادر آپ نے زیب تن فرما رکھی تھی وہ بار بار شانوں سے سرک رہی تھی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی کھڑے ہوئے تھے بار بار آپ کے شانے ڈھانپ رہے تھے اور یہ کہتے جارہے تھے: بس کیجئے، حضور! آپ کے رب نے آپ کی بات سن لی ہے، اس نے آپ سے جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا کرے گا، اسی حالت میں آپ پر ہلکی سی نیند طاری ہوگئی، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو بھی کچھ لمحوں کے لئے اونگھ آگئی، پھر آپ نے اپنا سر اٹھا کر ارشاد فرمایا: اے ابوبکر! خوش ہوجاؤ، یہ جبرئیل اپنے گھوڑے کی باگ تھامے آچکے ہیں، اس کے سامنے والے دانتوں پر دھول لگی ہوئی ہے، ایک روایت میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ الفاظ مروی ہیں کہ ان کے گھوڑے پر جنگی ساز وسامان لدا ہوا ہے۔(۲)

اس سے پہلے بھی اونگھ کا ذکر آیا ہے، ہم نے ایک آیت کا بھی حوالہ دیا ہے، جس میں نُعاس (اونگھ) اور بارانِ رحمت دونوں کا ایک ساتھ ذکر ہے، اس سے ایسا لگتا ہے کہ میدان جنگ میں اترنے سے قبل بارش بھی ہوئی جس سے ریتیلی زمین سخت ہوگئی اور پاؤں جمنے لگے اور کچھ نیند بھی طاری ہوئی جس سے دلوں کی وحشت اور خوف دور ہوگیا، بہ ظاہر یہ واقعہ جنگ سے پہلے کا ہے، اس کی تائید حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ تمام لوگ سکون کی نیند سوئے، بخاری کی روایت میں عین حالت جنگ میں بھی اونگھ کا ذکر ہے، ہوسکتا ہے دو مرتبہ اونگھ طاری ہوئی ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ بارش جنگ سے پہلے ہوئی ہو اور اونگھ جنگ کے دوران آئی ہو۔

(۱) صحیح مسلم، ۹/۲۰۴، رقم الحدیث ۳۳۰۹۔ (۲) صحیح البخاری، ۱۲/۳۸۹، رقم الحدیث ۳۶۹۴، سیرت ابن ہشام، ۱/۶۲۶۔

قریش کو جنگ سے روکنے کی ایک اور کوشش

جب دونوں طرف کی فوجیں میدانِ بدر میں ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوگئیں تو ابوجہل نے عمیر بن الوہب الجمحی سے کہا کہ وہ میدان کا ایک چکر لگائے اور دیکھے کہ مسلمانوں کی تعداد کتنی ہے؟ وہ شخص اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر مسلمانوں کی طرف آیا اور ایک چکر لگا کر واپس چلا گیا، اپنے لشکر میں واپس جا کر اس نے بتلایا کہ ان کی تعداد تین سو کے آس پاس ہے۔ ان کے پاس ستر اونٹ اور دو گھوڑے ہیں، میں دور تک دیکھ کر آرہا ہوں، ان کے پیچھے کوئی نہیں ہے، نہ کوئی کہیں چھپا ہوا ہے اور نہ کوئی کسی جگہ گھات لگائے بیٹھا ہے۔ بس جو کچھ ہیں یہی ہیں، مگر اے قریش! میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ یثرب کی اونٹنیاں موت کو ڈھوئے پھر رہی ہیں، اُن کے پاس ان کی تلواروں کے سوا کچھ نہیں ہے اور نہ ان کے پاس کوئی جائے پناہ ہے، کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ وہ خاموشی کے ساتھ جنگ کے منتظر ہیں، وہ بول نہیں رہے ہیں، مگر سانپوں کی مانند اپنی زبانوں کو اپنے ہونٹوں پر پھیر رہے ہیں، خدا کی قسم ان میں سے کوئی شخص اس وقت تک قتل نہیں ہوگا جب تک وہ ہمارے کسی آدمی کو ہلاک نہیں کردے گا، اگر تم اتنے ہلاک ہو جاؤ جتنے وہ لوگ ہیں تو پھر اس کے بعد تمہاری زندگی کا کیا حال ہوگا۔(۱)

جنگ کا آغاز

کہاں تو عتبہ ابن ربیعہ کا یہ حال تھا کہ وہ ابوجہل کو جنگ سے باز رہنے کی نصیحت کر رہا تھا اور ایک سرخ اونٹ پر سوار ہو کر مشرکین کے لشکر میں تقریر کرتا پھر رہا تھا اور کہاں یہ حال کہ وہ مشرکین کی پہلی صف میں تھا اور سب سے پہلے وہی مقابلے کے لئے نکلا، دراصل ابوجہل نے اسے اس قدر عار دلائی کہ وہ جنگ میں خود کو شرکت سے باز نہ رکھ سکا، حالاں کہ وہ یہ جانتا تھا کہ جو کچھ ہو رہا ہے غلط ہو رہا ہے اور یہ جنگ قریش کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہونے والی ہے۔

(۱) البدایہ والنہایہ، ۳/۳۲۹، تہذیب سیرۃ بن ہشام، ۱/۱۹۵۔

بہ ہر حال دونوں طرف کی فوجیں کچھ فاصلے سے صفیں بنا کر کھڑی ہیں، اتنے میں عتبہ ابن ربیعہ اپنے بھائی شیبہ ابن ربیعہ اور بیٹے ولید بن عتبہ کو لے کر لشکر کفار سے نکل کر مسلمانوں کے سامنے آیا اور للکار کر کہنے لگا کہ پہلے ہم سے مقابلہ کرو، اگر کوئی ہے تو سامنے آئے، اس کے جواب میں تین انصاری نوجوان عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ، عوف بن عفراء رضی اللہ عنہ اور معوّذ بن عفراء رضی اللہ عنہ اہل اسلام کی صفوں سے نکل کر ان کے سامنے آگئے۔ عتبہ نے پوچھا تم کون ہو؟ عبداللہ وغیرہ نے جواب دیا ہم انصار سے تعلق رکھتے ہیں، کہنے لگا ہمیں اپنے برابر کے لوگ چاہئیں، ہمارے بھائی بھتیجوں کو بھیجو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ٹیلے سے یہ منظر دیکھ رہے تھے، آپ نے ان تینوں کو واپسی کا حکم دیا اور آواز لگائی اے عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ اٹھو، اے حمزہ رضی اللہ عنہ اٹھو، اے علی رضی اللہ عنہ اٹھو، آپ کی آواز سنتے ہی یہ تینوں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین عتبہ وغیرہ کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے، اب مقابلہ برابری کا تھا، یہ بھی قریش سے تعلق رکھتے تھے اور وہ بھی قریش کے تھے، عمروں میں بھی برابری تھی، عتبہ بوڑھا تھا، اس کے مقابلے میں عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ آئے، جن کی عمر اس وقت پینسٹھ برس کی تھی، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ستاون سال کے تھے، شیبہ ان کے ہم عمر رہا ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پچیس برس کے جوان تھے۔ عتبہ کا بیٹا ولید بھی جوان العمر تھا، ان تینوں حضرات نے اپنے چہرے اور سر ڈھانپ رکھے تھے، عتبہ نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے اپنے نام بتلائے، کہنے لگا ہاں اب ٹھیک ہے، تم ہماری ٹکر کے ہو۔ اس کے بعد مقابلہ شروع ہوا، حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ نے عتبہ پر حملہ کر دیا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شیبہ پر پل پڑے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ولید کو لپٹ گئے، تینوں حضرات نے اپنے اپنے حریف پر جلدی ہی قابو پالیا، شیبہ کا تو ایک ہی وار میں کام تمام ہو گیا، ولید کو بھی سنبھلنے کا موقع نہ ملا، وہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حملوں کی تاب نہ لا کر ڈھیر ہو گیا۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کا حملہ بھی زبردست تھا، مگر عتبہ بن ربیعہ بھی کم نہ تھا، اس کی شمشیر زنی مشہور تھی، ان دونوں میں دیر تک مقابلہ جاری رہا، دونوں کے بدن لہولہان ہو گئے، آخر حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ زخموں سے چور ہو کر گر گئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں گرتے ہوئے دیکھا، تیزی کے ساتھ

عتبہ کی طرف لپکے اور چشم زدن میں اس کا کام تمام کردیا۔لوگ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اٹھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے، ان کا پورا جسم زخموں سے چھلنی تھا، انہوں نے پاؤں مبارک پر اپنا سر رکھ کر عرض کیا: یارسول اللہ! کیا میں شہید ہوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں تم شہید ہو۔ یہ سن کر وہ مطمئن ہو گئے اور انہوں نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔(۱)

جنگ زور پکڑ گئی

اس انفرادی مقابلے کے بعد گھمسان کا رن پڑنے لگا، تلواریں چمکنے لگیں، تیر برسنے لگے، پہلا تیر جو دشمن کی طرف سے چلایا گیا وہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت مِهجع رضی اللہ عنہ کے لگا، وہ شہید ہو گئے۔ حضرت حارثہ بن سراقہ انصاری رضی اللہ عنہ حوض سے پانی پی رہے تھے ایک تیر ان کے لگا، وہ بھی شہید ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بہادر جوانوں کو جوش دلا رہے تھے اور فرما رہے تھے: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے جو شخص آج کے دن ان مشرکوں کا مقابلہ کرے گا، حوصلے اور صبر کے ساتھ لڑے گا اور پیٹھ نہیں پھیرے گا، اللہ تعالیٰ اسے جنت عطا فرمائیں گے۔ ایک صحابی جن کا نام حضرت عمیر بن ہمام رضی اللہ عنہ تھا، مجاہدین کی آخری صف میں تھے، وہ اس وقت اپنے تھیلے سے کھجوریں نکال نکال کر کھا رہے تھے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنی تو عرض کیا: یارسول اللہ! کیا میں آگے بڑھ کر لڑنے والوں میں شامل ہوسکتا ہوں اور جنت کا حق دار بن سکتا ہوں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں تم جنت کے مستحق ہوسکتے ہو۔ یہ سن کر انہوں نے اپنے کندھے سے تھیلا اتار کر پھینکا اور یہ کہتے ہوئے دشمن کی طرف بڑھے کہ میرے اور جنت کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ میں شہید ہو جاؤں، وہ دشمنوں کی صف میں گھس گئے اور کئی لوگوں کو قتل کر کے شہید ہو گئے۔(۲)

(۱) مسند احمد بن حنبل، ۲/۴۱۰، رقم الحدیث ۹۰۴، الکامل فی التاریخ، ۱/۲۸۴۔ (۲) مصنف ابن ابی شیبہ، ۸/۳۲۹، صحیح البخاری، ۹/۳۸۱، رقم الحدیث ۲۵۹۸، صحیح مسلم، ۹/۵۰۰، رقم الحدیث ۳۵۲۰۔

ابو جہل مارا گیا

جنگ اپنے شباب پر تھی، ادھر دو کم عمر نوجوان ابو جہل کی تلاش میں سرگرداں تھے، وہ چاہتے تھے کہ یہ بد بخت انسان ان کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچے، صحابی رسول حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بدر کے دن میں جنگ کے میدان میں تھا، میں نے دو نوجوانوں کو دیکھا، ان میں سے ایک میرے بائیں جانب اور دوسرا دائیں جانب تھا، ایک کا نام مُعاذ اور دوسرے کا نام مُعَوِّذ تھا، دونوں عفراء کے بیٹے تھے، ان میں سے ایک مجھ سے کہنے لگا: چچا جان! کیا آپ ابو جہل کو پہچانتے ہیں، میں نے کہا: ہاں! میں اسے اچھی طرح پہچانتا ہوں، مگر تمہیں اس سے کیا کام ہے؟ کہنے لگا: میں نے سنا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہتا ہے، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر وہ مجھے مل جائے تو اس سے پہلے کہ وہ میری نظروں سے اوجھل ہو میں اس کا قصہ تمام کردوں، ان کا یہ شوقِ شہادت اور جذبۂ جہاد دیکھ کر میری تمنا ہوئی کاش یہ دونوں میرے قریب ہی رہیں، اتنے میں مجھے ابو جہل نظر آیا جو لوگوں میں گھومتا پھر رہا تھا، میں نے ان دونوں لڑکوں سے کہا: لو دیکھو، تمہارا شکار، اتنا سنتے ہی دونوں تیر کی طرح نکلے اور تلوار سے اس پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔(۱)

ابو جہل کے قتل کے سلسلے میں دو روایتیں اور بھی ہیں، ایک روایت میں یہ ہے کہ ابو جہل کو مُعاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ اور مُعاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔(۲) معاذ بن عمرو بن جموح نے اس کے قتل کی تفصیل بھی بیان کی ہے کہ انہوں نے ابو جہل کی اپنڈلی پر زور سے تلوار ماری، جس سے اس کی ٹانگ کٹ گئی اور وہ زمین پر گر گیا، ابو جہل کے بیٹے عکرمہ نے یہ منظر دیکھا تو تیزی سے آیا اور معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کے کاندھے پر زور سے تلوار ماری، اس کی ضرب سے معاذ کا بازو کٹ کر لٹک گیا، مگر وہ اسی حال میں لڑتے رہے، جب لٹکا ہوا بازو زیادہ تکلیف دینے لگا تو انہوں نے ایک جھٹکے سے وہ بازو اپنے کاندھے سے الگ کر کے پھینک دیا اور جب تک جنگ جاری رہی، وہ اسی طرح لڑتے رہے۔(۳)

(۱) صحیح البخاری، ۱۰/۳۹۳، رقم الحدیث ۲۹۰۸۔ (۲) حوالہ سابق۔ (۳) سیرت ابن ہشام، ۶۳۵/۱۔

دوسری روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی ہے جو جا کر دیکھے اور آ کر بتلائے کہ ابو جہل کا کیا حال ہوا ہے؟ یہ سن کر حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ میدان میں گئے، دیکھا کہ ابو جہل زمین پر گرا پڑا ہے اور سسک رہا ہے، اس کو اس حال پر عفراء کے دونوں بیٹوں نے پہنچایا تھا۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ابو جہل کی داڑھی پکڑ کر کھینچی اور اس کے سینے پر پیر رکھ کر کہا: اے دشمنِ خدا! اللہ تجھے رسوا کرے اور ذلت سے ہم کنار کرے۔ ابو جہل نے آنکھیں کھولیں اور کہنے لگا کہ اے بکریوں کے چرانے والے، تو نہایت بلند مقام (میرے سینے) پر بیٹھا ہوا ہے۔ میں نے کہا تمام تعریفیں اس ذات پاک کے لئے ہیں جس نے مجھے تیرے سینے پر چڑھ کر بیٹھنے کی قدرت عطا کی۔ اس نے پوچھا: کون غالب رہا؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول غالب رہے۔ اس نے کہا: اب تیرا کیا ارادہ ہے؟ میں نے کہا: تیرا سر قلم کروں گا۔ کہنے لگا: یہ میری تلوار لے، اس سے میرا سر دھڑ سے جدا کرنا، یہ بہت تیز ہے۔ اس سے تیرا مقصود بھی پورا ہوگا اور میرا سر شانوں کے پاس سے کاٹنا تا کہ دیکھنے والوں کو ہیبت ناک معلوم نہ ہو اور محمد سے کہنا کہ میرے دل میں گزشتہ دنوں کی بہ نسبت آج تمہارے لئے بغض اور عداوت زیادہ ہے، اس کے بعد میں نے اس کا سر قلم کیا اور اسے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور آپ کے قدموں میں ڈال دیا۔ آپ نے ابو جہل کا کٹا ہوا سر دیکھ کر پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی، پھر فرمایا: "هذا فرعون هذه الامة" یہ اس امت کا فرعون تھا۔ (۱)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر نام نہاد ابو جہل کو قتل کرنے کا شرف کس نے حاصل کیا؟ اس سلسلے میں شارحین حدیث نے مختلف روایات کے درمیان جمع وتطبیق سے کام لیا ہے، چناں چہ مشہور شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مُعاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ اور مُعوّذ بن عفراء رضی اللہ عنہ نے ابو جہل پر ایک ساتھ حملہ کیا اور اسے شدید طور پر زخمی کر دیا، پھر معوذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ اُدھر سے گزرے، انہوں نے ابو جہل پر

(۱) مسند امام احمد بن حنبل، ۹/۶۰، رقم الحدیث ۴۰۲۵، صحیح السیرۃ النبویہ، ص: ۲۴۲۔

زبردست وار کیا اور اسے ڈھیر کر دیا، یہ لوگ اسے مردہ سمجھ کر واپس ہو گئے، لیکن وہ زندہ تھا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کا حال جاننے کے لئے قتل گاہ میں آئے تو اس وقت تک اس میں زندگی کی رمق باقی تھی۔ انہوں نے اس سے بات بھی کی، اس حالت میں بھی اس کی انانیت اور سرکشی برقرار تھی۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کا سر کاٹ کر لے گئے۔ (۱) شارح مسلم امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مُعاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ، مُعوذ بن عفراء رضی اللہ عنہ اور معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہ بن جموح تینوں ابوجہل پر حملہ کرنے میں شریک تھے۔ زیادہ مہلک وار معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کیا، اس لئے مقتول کی زرہ انہیں دی گئی۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا سر تن سے جدا کیا، اس لئے اس کی تلوار انہیں دی گئی۔ (۲) حافظ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے کہ زیادہ کاری وار حضرت معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کئے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تلوار پر لگے خون کی کیفیت دیکھ کر یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ ابوجہل معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی ضرب سے اس حال کو پہنچا ہے، اسی لئے انہیں مقتول کی زرہ انعام دی گئی، دوسرے بہت سے محدثین نے بھی اس کی صراحت کی ہے۔ (۳)

اُمیہ بن خلف اور اس کے بیٹے کا انجام

بدر کے دن مسلمان کفار و مشرکین کو چن چن کر قتل کر رہے تھے، یہ صورت حال دیکھ کر مکہ کے اشراف جو اپنے وطن میں فرعون اور نمرود بنے رہتے تھے سراسیمگی کی حالت میں اِدھر اُدھر بھاگے پھر رہے تھے، انہی میں امیہ بن خلف اور اس کا بیٹا علی بن امیہ بھی تھے، یہ دونوں بھی جان بچانے کے چکر میں پریشان نظر آ رہے تھے، اچانک حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ پر ان کی نظر پڑ گئی، وہ اس وقت مقتولین کی زرہیں نکال کر لے جا رہے تھے، امیہ نے انہیں آواز دے کر بلایا اور کہا کہ اے ابن عوف، ان زرہوں کے چکر میں مت پڑو، ہم تمہارے لئے ان زرہوں سے بہتر ہیں، اس کا مقصد یہ تھا کہ تم زرہیں پھینک دو اور ہمیں قیدی بنا کر لے چلو، اس طرح ہم قتل ہونے سے بچ جائیں گے اور تمہیں

(۱) فتح الباری، ۷/۲۹۶۔ (۲) شرح مسلم للنووی، ۱۲/۶۳۔ (۳) عمدۃ القاری، ۱۵/۶۶، المستدرک للحاکم، ۱۳/۲۸۱، رقم الحدیث ۵۸۲۴، مسند احمد، ۴/۹۵، رقم الحدیث، ۵۸۲۴۔

فدیہ مل جائے گا، جوان زرہوں سے کہیں زیادہ بہتر ہوگا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں امیہ کے دوست تھے، وہ کہتے ہیں ہم دونوں نے کسی وقت میں یہ معاہدہ بھی کیا تھا کہ وہ مکہ مکرمہ میں ان کی حفاظت کرے گا اور میں مدینہ منورہ میں اس کی جان بچاؤں گا۔ اس لئے جب اس نے مجھ سے فریاد کی تو میں نے زرہیں پھینک دیں اور ان دونوں کا ہاتھ پکڑ لیا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی وہیں کہیں موجود تھے، انہوں نے دیکھا کہ امیہ اور اس کا بیٹا علی؛ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر جا رہے ہیں تو وہ چیخ اٹھے، برادران انصار ادھر آؤ، یہ دیکھو امیہ کو، اگر آج یہ بچ گیا تو میری خیر نہیں نہیں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے اس قدر غضب ناک ہونے کی وجہ یہ تھی کہ مکہ مکرمہ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ اسی کے غلام تھے، اسلام لانے کی پاداش میں وہ ان پر ظلم ڈھاتا تھا یہاں تک کہ انہیں چلچلاتی دھوپ میں گرم ریت پر لٹا دیتا تھا اور ان سے ترکِ اسلام کا مطالبہ کرتا رہتا تھا، مگر حضرت بلال رضی اللہ عنہ صبر واستقامت کے ساتھ یہ ظلم سہتے اور اَحد اَحد کہتے رہتے، آج اسے اس حال میں دیکھا تو ان کا خون کھول اٹھا، اس وقت کے وہ سارے مناظر ان کی نگاہوں کے سامنے آگئے جب امیہ ایک خون خوار اور وحشی درندے کی طرح ان کو اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنایا کرتا تھا۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ساتھ انہیں دیکھ کر وہ انصار کو مدد کے لئے پکارتے ہوئے آگے بڑھے، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دہائی دی کہ ان لوگوں پر حملہ نہ کرو، یہ اس وقت میرے قیدی ہیں، مگر انہوں نے ایک نہ سنی، یہی کہتے رہے کہ اگر آج یہ بچ گیا تو میری خیر نہیں۔ سب نے مل کر دونوں باپ بیٹوں پر حملہ کر دیا، بیٹا تو پہلے ہی حملے میں گر گیا، امیہ کو زمین پر لٹا کر عبدالرحمٰن اس کے اوپر لیٹ گئے، لوگوں نے آگے پیچھے اور نیچے سے اس کے بدن پر اس قدر کچوکے لگائے کہ وہ بھی مر گیا، اس دھینگا مشتی میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا پاؤں بھی زخمی ہوگیا، اس طرح حضرت بلال رضی اللہ عنہ جو ایک کم زور غلام تھے اپنے وقت کے مغرور ومتکبر اور انتہائی طاقت ور انسان سے اپنا بدلہ لینے میں کامیاب ہوگئے۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو جب بھی یہ واقعہ یاد آتا تو کہتے،

اللہ بلال رضی اللہ عنہ پر رحم کرے، اس نے مجھے زخمی بھی کر دیا اور مجھے میری زرہوں اور قیدیوں سے بھی محروم کر دیا۔ (۱)

عبیدۃ بن سعید العاص کا قتل

اس شخص کو حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے کیفر کردار تک پہنچایا، یہ شخص بدر والے دن سر سے پاؤں تک لوہے میں چھپا ہوا تھا، اس کی صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں، اپنے اس لباس میں وہ پہچانا بھی نہیں جا رہا تھا، گھمنڈ میں آ کر کہنے لگا: میں ابو ذات الکرش ہوں، یہ اس کی کنیت تھی، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے تاک لگا کر اس کی آنکھ میں نیزہ مارا، میرا نیزہ اس کی آنکھ میں گڑ گیا اور وہ مر گیا، پھر میں نے اپنا نیزہ نکالنا چاہا تو وہ اندر تک گڑا ہوا تھا۔ میں نے پورا زور لگا کر اسے نکالا، نیزہ تو نکل گیا مگر طاقت لگانے کی وجہ سے اس کے کنارے مڑ گئے، بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے وہ نیزہ بہ طور یادگار اپنے پاس رکھنے کے لئے طلب فرمایا، میں نے پیش کر دیا۔ آپ کی وفات کے بعد وہ نیزہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے اپنے دورِ خلافت میں اس نیزے کو جنگ بدر کی یادگار کے طور پر اپنے پاس رکھا۔ (۲)

جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرکت

جس وقت جنگ زوروں پر تھی اور اسلام کے شیر مشرکین پر تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر میدان بدر میں تشریف لے آئے اور صف اعداء پر بڑھ بڑھ کر حملے کرنے لگے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جنگ بدر کے شدید لمحات میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اوٹ لے رہے تھے، یعنی آپ اس قدر بے جگری سے لڑ رہے تھے کہ بعض اوقات مشرکین کے حملوں سے بچنے کے لئے ہم آپ کے پیچھے چلے جاتے تھے۔ (۳)

---

(۱) صحیح البخاری، ۸۷/۸، رقم الحدیث ۲۱۳۷، البدایہ والنہایہ، ۱۳۲/۵۔ (۲) صحیح البخاری ۳۹۲/۱۲، رقم الحدیث ۳۶۹۷۔

(۳) مسند امام احمد بن حنبل، ۱۲۵/۲، رقم الحدیث ۶۱۹۔

مٹھی بھر سنگ ریزے اور مٹی

عین اس وقت جب جنگ پورے شباب پر تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا اور مناجات سے فارغ ہو کر میدان جنگ میں تشریف لائے اور وہاں سے تھوڑی سی خاک اور کچھ سنگ ریزے اٹھا کر شاہت الوجوہ پڑھتے ہوئے دشمن کی طرف پھینکے، اللہ تعالیٰ نے وہ کنکریاں دشمنوں میں سے ہر ایک کی آنکھ میں ڈال دیں، جس سے ان میں افراتفری مچ گئی۔ قرآن کریم میں اس واقعے کی طرف مندرجہ ذیل آیت کریمہ کے ذریعے اشارہ کیا گیا ہے: وَمَارَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى.(۱) ''(اے پیغمبر) جب تم نے ان پر مٹی پھینکی تھی تو وہ آپ نے نہیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھی'' حقیقت یہ ہے کہ اللہ اگر چاہتا تو خود بھی ان کی آنکھوں میں دھول مٹی اور کنکر ڈال کر انہیں ناکارہ بنا سکتا تھا، لیکن اس نے یہ کام خود نہیں کیا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے کرایا، حالاں کہ وہ چاہتا تو اپنے دشمنوں کو اپنی قدرت سے خود بھی ہلاک کر سکتا تھا مگر اس کا دستور یہ ہے کہ وہ تکوینی امور بھی کسی ظاہری سبب کے ذریعے انجام دلواتا ہے اور یہاں مسلمانوں کو اس لئے ذریعہ بنایا گیا کہ ان کو اجر وثواب حاصل ہو، دوسرے وہ کافروں کو بھی یہ دکھانا چاہتا تھا کہ جن اسباب اور وسائل پر انہیں ناز ہے وہ سب ان لوگوں کے ہاتھوں خاک میں مل سکتے ہیں جنہیں تم کم زور سمجھتے ہو۔ مذکورہ آیت کے باقی حصے میں پہلی وجہ بیان کی گئی ہے کہ اہل ایمان کو اجر وثواب حاصل ہو اور اس سے اگلی آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ کافروں کی ساری تدبیریں اور ساری سازشیں تار عنکبوت کی طرح بکھرنے والی ہیں۔(۲)

مسلمانوں کی مدد کے لئے فرشتوں کا نزول

قرآن کریم کی آیات اور بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی مرویات سے ثابت ہوتا ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے مسلمانوں کی مدد فرمائی، دراصل مسلمان اپنی تعداد کی کمی اور بے سروسامانی کی وجہ سے کچھ ڈرے ہوئے تھے اور یہ

(۱) الانفال: ۱۷۔ (۲) آسان ترجمہ وتفسیر توضیح القرآن، ۱/۵۲۷۔

ایک فطری بات تھی، اللہ کے رسول ﷺ کو بھی اس کا احساس تھا، بدر میں پہنچنے کے بعد آپ کا تمام وقت دعا میں گزرا، عریش (چھپر) میں تشریف فرما ہونے کے بعد بھی آپ لگاتار دعا میں مشغول رہے، آپ اس وقت اتنی محویت اور استغراق کے ساتھ دعا مانگ رہے تھے کہ بار بار چادر آپ کے مبارک شانوں سے ڈھلک کر نیچے گر جاتی تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جو قریب کھڑے ہوئے تھے یہ چشم تر یہ منظر دیکھ رہے تھے، آپ کی چادر بھی بار بار آپ کے کاندھوں پر ڈال رہے تھے اور تسلی و تشفی بھی دے رہے تھے، اسی وقت وحی نازل ہوئی اور آپ کو دعا کی قبولیت کا مژدہ سنایا گیا۔ فرمایا: اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ. (۱) ''یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری فریاد کا جواب دیا کہ میں تمہاری مدد کے لئے ایک ہزار فرشتوں کی کمک بھیجنے والا ہوں، جو لگاتار آئیں گے۔''

پھر فرشتے اتارے گئے اور ان کو اللہ رب العزت کی طرف سے یہ پیغام ملا کہ ''میں تمہارے ساتھ ہوں، اب تم مؤمنوں کے قدم جماؤ، میں کافروں کے دلوں پر رعب طاری کردوں گا، پھر تم گردنوں کے اوپر وار کرو اور ان کی انگلیوں کے ہر ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ۔'' (۲)

آسمان سے ایک ہزار فرشتے بدر کے میدان میں اترے اور انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ مل کر جنگ میں حصہ لیا، لیکن فرشتوں کی جنگ میں شرکت کی نوعیت وہی رہی جو انسانوں کی انسانوں کے ساتھ ہوتی ہے، یہ کسی مافوق الفطرت ہستی کی شرکت نہیں تھی، ورنہ ایک فرشتہ ہی کافروں کی پوری فوج کو تہس نہس کر دیتا۔ دراصل یہ جنگ ان تین سو تیرہ صحابہ کی تھی اور انہیں کو یہ جنگ لڑنا تھی اور غلبہ حاصل کرنا تھا، البتہ کیوں کہ اللہ کو ان کی فتح منظور تھی اس لئے ان کی بے سروسامانی اور قلتِ تعداد کی بنا پر ایک ہزار فرشتے بھیجے گئے تا کہ وہ مسلمانوں کے قدم جمائیں اور کہیں ضرورت ہو تو ان کی مدد بھی کریں۔ قرآن میں اس حقیقت کا اظہار اس طرح فرمایا گیا ہے: وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ. (۳) ''اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر کے موقع پر ایسی حالت میں تمہاری مدد کی تھی جب

(۱) الانفال: ۹۔ (۲) الانفال: ۱۲۔ (۳) آل عمران: ۱۲۳۔

تم بالکل بے سروسامان تھے" اردو کے بعض مترجمین نے اذلۃ کا ترجمہ "کمزور" سے بھی کیا ہے یعنی اس وقت تمہاری مدد کی جب تم کم زور تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ بدر کے دن ایک انصاری صحابی کسی مشرک کا پیچھا کر رہے تھے کہ اچانک انہیں کوڑا پڑنے کی آواز سنائی دی، اس کے ساتھ ہی انہوں نے کسی کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا کہ اے حیزوم آگے بڑھ، اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ جس مشرک کا وہ پیچھا کر رہے تھے، وہ منہ کے بل زمین پر گر پڑا ہے، اس کی ناک ٹوٹ گئی ہے اور چہرا پھٹ گیا ہے، اُن صحابی نے اس حیرت انگیز واقعے کا ذکر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، آپ نے فرمایا: تم سچ کہتے ہو، وہ تیسرے آسمان کا فرشتہ تھا، حیزوم اس کے گھوڑے کا نام ہے۔(۱)

اس روایت کے راوی بھی حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں کہ جنگ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے ارشاد فرمایا: یہ دیکھو! جبرئیل گھوڑے کی باگ تھامے ہوئے آرہے ہیں، اس کے اوپر جنگی ساز وسامان لدا ہوا ہے۔(۲)

اسیرانِ بدر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی گرفتار کر کے لائے گئے، انہیں ایک انصاری صحابی نے پکڑا تھا، جب انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں پیش کیا گیا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اس شخص نے گرفتار نہیں کیا، بلکہ ایک ایسے شخص نے پکڑا ہے جس کے بال دونوں کنپٹیوں کی طرف سے گرے ہوئے تھے اور وہ ایک چتکبرے گھوڑے پر سوار تھا، اتنا خوب صورت انسان مجھے لوگوں میں کہیں نظر نہیں آیا، انصاری صحابی کہنے لگے، یارسول اللہ! انہیں تو میں پکڑ کر لایا ہوں، آپ نے فرمایا: بس چپ کرو، اللہ تعالیٰ نے ایک بلند مرتبہ فرشتے کے ذریعے تمہاری مدد کی ہے۔(۳)

اسی طرح کا قصہ حضرت داؤد مازنی رضی اللہ عنہ صحابی کا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں ایک مشرک کو مارنے کے لئے اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا کہ اچانک اس کا سرتن سے جدا ہو کر

(۱) صحیح مسلم، ۹/۲۱۴، رقم الحدیث ۳۳۰۹۔ (۲) صحیح البخاری، ۱۲/۳۸۹، رقم الحدیث ۳۶۹۴۔ (۳) مسند احمد بن حنبل، ۲/۴۱۰، رقم الحدیث ۹۰۴۔

زمین پر گر پڑا، حالاں کہ میری تلوار اس کی گردن تک پہنچی بھی نہیں تھی۔(۱)

اس طرح کے متعدد واقعات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی مدد کرنے اور ان کا حوصلہ بڑھانے کے لئے فرشتے زمین پر اترے، البتہ انہوں نے جنگ میں بہ راہِ راست شرکت نہیں کی، چند واقعات کو چھوڑ کر باقی قتل اور قید کے جتنے بھی واقعات ہیں ان میں بنیادی کردار صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین ہی نے ادا کیا۔

ابلیس بھی جنگ میں شریک ہوا

شیطان لعین اس فیصلہ کن جنگ سے خود کو کیسے الگ رکھ سکتا تھا، سو وہ شریک ہوا، بلکہ اس نے تو مکہ مکرمہ سے مشرکین کے لشکر کی روانگی سے پہلے انہیں خوب بھڑکایا، ان کی ہمت بڑھائی اور انہیں یہ یقین دلایا کہ میں خود تمہارے شانہ بہ شانہ جنگ میں شرکت کروں گا۔قرآن کریم نے جنگ میں ابلیس کی شرکت کی تصدیق کی ہے۔فرمایا: اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے کہ جب شیطان نے ان (کافروں) کو یہ سمجھایا کہ ان کے اعمال بڑے خوش نما ہیں اور یہ کہا تھا کہ آج انسانوں میں کوئی نہیں ہے جو تم پر غالب آسکے اور میں تمہارا محافظ ہوں، پھر جب دونوں گروہ آمنے سامنے آئے تو وہ ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹا اور کہنے لگا ''میں تمہاری کوئی ذمہ داری نہیں لے سکتا، مجھے جو کچھ نظر آرہا ہے وہ تمہیں نظر نہیں آرہا ہے، مجھے اللہ سے ڈر لگ رہا ہے اور اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔(۲)

مفسرین لکھتے ہیں کہ جب مشرکین جنگ کے ارادے سے روانہ ہونے لگے تو انہیں یہ خطرہ لاحق ہوا کہ ان کے پیچھے ان کے گھروں پر قبیلہ بکر کے لوگ حملہ نہ کردیں، جن سے ان کی پرانی دشمنی چلی آرہی تھی، اس سلسلے میں مشرکین کے مشورے جاری تھے کہ شیطان؛ قبیلہ بکر کے سردار سُراقہ بن مالک کی صورت شکل اختیار کرکے ان کی مجلس میں آیا اور ان کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہنے لگا کہ تم انتہائی طاقت ور ہو، لڑنے بھڑنے میں ماہر ہو اور تعداد میں بھی بہت ہو، تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا، اس لئے تم اطمینان سے جاؤ اور میرے قبیلے کی طرف سے بھی مطمئن رہو، ہمارا کوئی ارادہ تمہیں نقصان پہنچانے کا نہیں

(۱) مسند احمد بن حنبل، ۴۸/۲۹۵،رقم الحدیث ۲۲۶۶۲_(۲) الانفال: ۴۸۔

ہے، میں خود تمہارا محافظ ہوں اور تمہارے ساتھ چلوں گا، مشرکین سراقہ کی اس بات سے مطمئن ہو گئے، وہ تمام راستے ساتھ رہا اور لوگوں کا حوصلہ بڑھاتا رہا، جنگ کے دوران بھی اس نے اپنا کام جاری رکھا، لیکن جب جنگ کے میدان میں اُسے فرشتے نظر آئے تو اس کی روح فنا ہو گئی اور وہ الٹے پیروں بھاگنے لگا، اس وقت حارث بن ہشام اس سے چمٹا ہوا تھا، سراقہ نے اس کے سینے پر دو ہتڑ مار کر اس کو دھکیلا اور میدان سے بھاگ کھڑا ہوا، حارث نے چیخ کر کہا: اے سراقہ تم کہاں بھاگے جا رہے ہو، تم تو یہ وعدہ کر کے آئے تھے کہ ہمارے ساتھ رہو گے اور ہمارا ساتھ دو گے، ابلیس نے بھاگتے بھاگتے کہا کہ میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے ہو، روایات میں ہے کہ ابلیس نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا، وہ اتنا خوف زدہ تھا کہ فرشتوں کی مار سے بچنے کے لئے سمندر میں کود گیا، بعد میں جب مشرکین میدانِ جنگ سے واپس لوٹے تو انہوں نے سراقہ سے شکوہ کیا کہ تم نے ہمیں بڑا دھوکہ دیا، سراقہ نے اس پورے واقعے سے انکار کیا اور کہا کہ نہ میں جنگ سے پہلے تمہاری مجلس میں گیا، نہ میں تمہارے لشکر میں تھا اور نہ میں نے جنگ میں کوئی حصہ لیا، خدا کی قسم مجھے اس سلسلے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔(۱)

عکاشہ رضی اللہ عنہ کی تلوار اور رفاعہ رضی اللہ عنہ کا زخم

جنگ بدر کا ہر واقعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کی روشن دلیل اور آپ کی پیغمبرانہ بصیرت وعزیمت کا شاہ کار ہے، اس غزوے میں بہت سے حیرت انگیز واقعات بھی پیش آئے، کئی واقعات گزشتہ صفحات میں آپ پڑھ بھی چکے ہیں، دو اور ایمان افروز واقعات نذر قارئین ہیں۔

ایک صحابیؓ ہیں حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ، غزوۂ بدر میں شریک تھے، لڑتے ہوئے ان کی تلوار ٹوٹ گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منظر دیکھا تو انہیں درخت سے ایک شاخ توڑ کر دی اور فرمایا لو، اس سے لڑو، انہوں نے وہ شاخ اپنے ہاتھ میں لی اور اسے حرکت دی تو وہ ایک لمبی، نہایت سفید، چمک دار تلوار بن گئی۔ اس تلوار کے ذریعے وہ

(۱) زاد المعاد، ۳/۱۴۲، تفسیر طبری، ۱۳/۷، تفسیر ابن کثیر، ۴/۳۷۔

غزوۂ بدر میں بھی لڑے اور بعد میں بھی لڑتے رہے، یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسی تلوار کے ذریعے مرتدین سے لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔(۱)

ایک اور صحابی ہیں حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ، جنگ بدر میں لڑ رہے تھے، دشمن کی طرف سے ایک تیر آیا اور ان کی آنکھ چھوتا ہوا نکل گیا۔ خود کہتے ہیں کہ میں اپنی آنکھ پکڑے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے اپنا لعاب دہن میرے زخم پر لگایا، اور میرے لئے دعا فرمائی، میری آنکھ کی تکلیف اسی وقت ختم ہوگئی اور بعد میں بھی کبھی نہیں ہوئی۔(۲)

مشرکین کو شکست فاش

وہی ہوا جو ہونا تھا، جس کی دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی اور جس کا وعدہ اللہ نے کیا تھا، حالاں کہ کفار ومشرکین کو اپنی تعداد اور قوت وشوکت پر بڑا گھمنڈ تھا، خاص طور پر ابوجہل تو مسلسل ڈینگیں مارتا رہتا تھا اور یہ دعوے کرتا رہتا تھا کہ ان مٹھی بھر لوگوں کو تو ہم چیونٹیوں کی طرح مسل کر رکھ دیں گے، لیکن معاملہ اس کے برعکس ہوا، وہ خود چیونٹیوں کی طرح مسل کر رکھ دیئے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی اور دنیا نے دیکھ لیا کہ فتح و شکست مادی قوت پر منحصر نہیں ہے، خدا چاہے تو کم زور اور نہتے لوگ بھی فاتح بن سکتے ہیں۔ غزوۂ بدر میں یہی ہوا۔ مسلمانوں کے محض چودہ مجاہدین شہید ہوئے، جب کہ ستر مشرکین مارے گئے، ان میں گیارہ مکہ کے سرغنہ اور سرکردہ لوگ تھے اور یہ وہ لوگ تھے جو دارالندوہ میں اس لئے جمع ہوئے تھے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی منصوبہ سازی کریں، ابولہب جنگ میں شریک نہیں ہوا، وہ بھی بہت جلد مر گیا۔ اس کو جسم کے گلنے اور سڑنے کی بیماری لگی، گھر والوں نے بھی اسے بے یار ومددگار اور تنہا مرنے کے لئے چھوڑ دیا، مرنے کے بعد تین دن تک اس کی لاش یوں ہی پڑی سڑتی رہی، بالآخر کرائے کے آدمیوں نے اس کو کسی گڑھے میں پھینک کر اس پر مٹی ڈالی، اس جنگ میں ستر افراد قید

(۱) سیرت ابن ہشام، ۱/۶۳۷۔ (۲) البدایہ والنہایہ، ۲/۴۴۸۔

ہوئے، باقی فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

شہداءِ بدر کے اسمائے گرامی

چودہ شہدائے بدر میں سے چھ مہاجرین تھے اور آٹھ انصار، ان تمام حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں:

مہاجرین: (۱) عبیدہ بن الحارث (۲) عمیر بن ابی وقاص (۳) ذو الشمالین بن عبد عمر بن نضلة (۴) عاقل بن البکیر (۵) مهجع مولی عمرو بن الخطاب (٦) صفوان ابن بیضاء۔

انصار: (۱) سعد بن خیثمہ (۲) مبشر بن عبد المنذر بن زنبر (۳) یزید بن الحارث (۴) عمیر بن الحمام (۵) رافع بن المعلّی (٦) حارثہ بن سراقہ بن الحارث (۷) معوذ بن الحارث (۸) عوف بن الحارث رضی اللہ عنہم اجمعین۔

ان سب حضراتِ شہداء کو مقامِ بدر ہی میں ایک اونچی سی جگہ پر دفن کر دیا گیا۔ فی الحال یہ ایک بڑا قبرستان ہے، اسے قد آدم سے بھی زیادہ اونچی دیواروں سے گھیر دیا گیا ہے، زائرین میں سے کوئی اندر نہیں جا سکتا، جھانکنے کی بھی کوئی صورت نہیں ہے۔ راقم کو اس مقام کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے، دیوار کے ایک کونے میں کسی نے چند اینٹیں اوپر نیچے کر کے رکھی تھیں، ان پر کھڑے ہو کر میں نے پورے احاطے پر نظر ڈالی اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیں، کافی فاصلے پر مٹی کا بڑا سا ڈھیر نظر آیا، اسی ڈھیر کے نیچے شہداءِ اسلام ابد تک کے لئے سوئے ہوئے ہیں، پوری بستی میں ایک عجیب طرح کی سکینت اور عجیب طرح کا نور محسوس ہوتا ہے، خاص طور پر اس جگہ کی نورانیت اور روحانیت کا کیا کہنا جہاں شہداء بدر مدفون ہیں۔ مدینہ منورہ کے ایک بہت ہی معتبر شخص نے بتلایا کہ آج بھی بدر میں کبھی کبھی راتوں کے سکوت میں گھوڑوں کی ٹاپیں سنی جاتی ہیں۔

مقتولین بدر کا انجام

بالآخر جنگ اختتام کو پہنچ گئی، جن کو بھاگنا تھا وہ بھاگ گئے، جن کو گرفتار ہونا تھا وہ پا بہ جولاں ایک طرف کو بٹھا دیئے گئے، مقتولین کی لاشیں جو پورے میدان میں

بکھری پڑی تھیں اکٹھی کی گئیں، رسول اکرم ﷺ ان تہائے مردہ کے پاس تشریف لائے اور ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: تم لوگ اپنے نبی کے بڑے ہی برے رشتے دار تھے، تم نے مجھے جھٹلایا، دوسروں نے میری تصدیق کی، تم نے مجھے اکیلا چھوڑ دیا، دوسروں نے میری مدد کی، تم نے مجھے وطن سے نکال دیا، دوسروں نے مجھے پناہ دی۔(۱)

اس کے بعد آپ ﷺ نے ان کی لاشوں کو ایک کنویں میں پھینکنے کا حکم دیا، چنانچہ تعمیلِ حکم میں مقتولین کی تمام لاشیں ایک کنویں میں پھینک دی گئیں، امیہ بن خلف کی لاش زرہ میں پڑی پڑی پھول گئی تھی، جب اسے اٹھانے کی کوشش کی گئی تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی، اس لئے اس کی لاش وہیں چھوڑ دی گئی اور اس پر مٹی اور پتھر ڈال دیئے گئے۔ اس کے بعد آپ نے کنویں کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا: اے عتبہ ابن ربیعہ، اے شیبہ ابن ربیعہ، اے فلاں شخص، اے فلاں شخص: کیا تم نے اپنے رب کے وعدے کو سچا پایا ہے، ہم نے تو اپنے رب کا وعدہ سچا پایا ہے۔ حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ مرے ہوئے لوگوں سے کیوں خطاب فرما رہے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم میری بات ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو، فرق صرف یہ ہے کہ وہ جواب نہیں دے سکتے۔(۲)

مکہ پہنچی شکست کی خبر

مکہ مکرمہ کے مشرکین پر شکست کی خبر بجلی بن کر گری، اوّلِ لحظہ میں تو انہیں یقین ہی نہیں آیا کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ محمد اور اس کے ساتھی جو انتہائی کم زور ہیں ہمارے بہادروں پر غالب آجائیں، مگر جب شکست کی خبریں تواتر کے ساتھ پہنچیں تو انہیں یقین کرنا ہی پڑا، سب سے پہلے یہ خبر حیسُمان بن عبداللہ خزاعی کے ذریعے ملی، جیسے ہی وہ مکّے پہنچا، لوگوں نے اسے گھیر لیا اور پوچھنے لگے: وہاں کی کیا خبر ہے؟ تم نے ہمارے لوگوں کو کس حال میں چھوڑا ہے؟ اس نے کہا کہ تمام سردارانِ قریش اور زعماءِ قوم قتل کردیئے گئے۔

(۱) سیرت ابن ہشام، ۶۳۹/۹۔ (۲) صحیح مسلم، ۳۷/۱۴، رقم الحدیث ۵۱۲۱، سنن النسائی، ۲۱۵/۷، رقم الحدیث ۲۰۴۸، صحیح البخاری، ۳۷۵/۱۲، رقم الحدیث ۳۶۸۲۔

لوگوں نے پوچھا: تم کن سرداروں کی بات کر رہے ہو؟ اس نے نام لینے شروع کیے، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوالحکم بن ہشام، امیہ بن خلف، زمعۃ بن الاسود، نبیہ بن الحجاج، منبہ بن الحجاج، ابوالبختری بن ہشام، ابھی یہیں تک پہنچا تھا کہ صفوان بن امیہ نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے لوگوں سے کہا کہ میرے خیال سے تو اس کی عقل ماری گئی ہے، وہ ہوش میں نہیں ہے، اس سے میرا نام لے کر پوچھو کہ اس کا انجام کیا ہوا، لوگوں نے پوچھا: اچھا صفوان ابن امیہ کے بارے میں کچھ کہو، حیسمان نے کہا وہ تو زندہ حطیم میں بیٹھا ہوا ہے، البتہ اس کا باپ بھی مارا گیا ہے اور بھائی بھی۔ (۱)

حضرت ابورافع جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزادہ کردہ غلام ہیں، وہ ان دنوں مکہ مکرمہ ہی میں تھے اور عباس بن عبدالمطلب کی خدمت میں رہتے تھے، کہتے ہیں کہ اسلام ہمارے گھر میں داخل ہو چکا تھا، میں نے اسلام قبول کر لیا تھا، عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی اہلیہ ام الفضل رضی اللہ عنہا بھی مسلمان ہو گئیں تھیں، عباس رضی اللہ عنہ بھی مسلمان تھے، مگر انہوں نے اپنا اسلام چھپا رکھا تھا، ایک تو اس وجہ سے کہ وہ قوم میں بڑی عزت اور حیثیت کے مالک تھے، اسلام لانے کی خبر سے ان کی یہ حیثیت متاثر ہو سکتی تھی۔ دوسرے اس لئے کہ ان کا بڑا سرمایہ لوگوں میں بہ طور قرض پھیلا ہوا تھا، اس کے ڈوبنے کا خطرہ بھی تھا، ابورافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابولہب نے بدر کی جنگ میں شرکت نہیں کی تھی، بلکہ اپنی جگہ عاص بن ہشام کو بھیجا تھا، جب جنگ ختم ہو گئی اور قریش کے شکست کی خبریں ہمارے کانوں تک پہنچیں تو ہمیں بے حد خوشی ہوئی اور ہمارے چہرے فخر و مسرت سے کھل اٹھے۔

وہ کہتے ہیں کہ میں ایک کم زور انسان تھا، محنت مزدوری کر کے پیٹ پالتا تھا، عباس رضی اللہ عنہ کے گھرانے کی خدمت میں لگا رہتا تھا، ایک روز میں زمزم کے کنویں کے پاس بیٹھا ہوا پیالے بنا رہا تھا، ام الفضل بھی وہاں بیٹھی ہوئی تھیں، ہم لوگ شکست کی خبروں پر تبصرہ کر رہے تھے اور بے حد خوش تھے، اتنے میں ابولہب وہاں آیا اور زمزم کے اوپر جو خیمہ

(۱) سیرت ابن ہشام، ۱/۶۰۶۔

تنا ہوا تھا اس کی طناب کے پاس بیٹھ گیا، میری پشت اس کی پشت کی طرف تھی، لوگوں نے اسے وہاں بیٹھا ہوا دیکھا تو اس سے کہنے لگے کہ یہ ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب بدر سے آیا ہے، ابولہب نے اس سے کہا: یہاں میرے پاس آکر بیٹھو، خدا کی قسم تمہارے پاس وہاں کی کچھ خبریں ضرور ہیں، ابوسفیان نے کہا: خدا کی قسم جب جنگ چھڑی تو انہوں نے (مسلمانوں) نے ہمیں جس طرح چاہا ہنکایا، جس طرح چاہا مارا، جس طرح چاہا ہماری مشکیں کسیں، اللہ کی قسم ہم نے سفید چہرے والے لوگوں کو دیکھا جو زمین و آسمان کے درمیان چتکبرے گھوڑوں پر سوار تھے، نہ وہ کسی کو چھوڑ رہے تھے اور نہ کوئی ان کے سامنے ٹک رہا تھا، ابورافع کہتے ہیں کہ میں فرط مسرت سے بول اٹھا کہ یہ عام انسان نہیں بلکہ فرشتے تھے۔ ابولہب میری بات سن کر آگ بگولہ ہو گیا اور مار مار کر مجھے بے حال کر دیا، میں ایک کم زور شخص تھا، ام الفضل رضی اللہ عنہا میرے دفاع میں اٹھیں انہوں نے ابولہب کو دھکا دے کر اُسے میرے اوپر سے اٹھایا اور اس کے سر پر دو ہتھڑ مار کر کہنے لگیں کہ اگر اس کا مالک (عباس) یہاں نہیں ہے تو تُو اسے کم زور اور بے سہارا سمجھ کر پیٹ رہا ہے۔ ابورافع کہتے ہیں کہ اس واقعے کے کچھ روز بعد ابولہب طاعون میں مبتلا ہو کر کتے کی موت مر گیا۔(۱)

بہ ہر حال شکست کی خبروں نے تمام مشرکین مکہ کو غم واندوہ اور مایوسی میں مبتلا کر دیا، ہر گھر پر سوگ کی سی کیفیت طاری ہو گئی، در و دیوار سے ماتم اور نوحوں کی آوازیں آنے لگیں۔ ابوسفیان جو اس تجارتی قافلے کا سرغنہ تھا اس خبر سے سکتے میں رہ گیا، اس نے قسم کھائی کہ وہ اس شکست کا بدلہ ضرور لے گا، اس کی بیوی ہندہ بھی اپنے باپ، بھائی اور چچا کے غم میں واویلا کرنے لگی اور کہنے لگی کہ میں حمزہ اور علی رضی اللہ عنہما سے ان تینوں کی موت کا بدلہ ضرور لوں گی۔(۲)

مدینے میں جشن کا سماں

جنگ کے خاتمے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن رَوَاحہ رضی اللہ عنہ اور زید بن حارِثہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ روانہ کیا تاکہ وہ دونوں وہاں جا کر مسلمانوں کو جنگ میں

(۱) سیرت ابن ہشام، ۶۰۶/۱۔ (۲) سیرت ابن ہشام، ۶۰۷/۱۔

فتح یابی کی خوش خبری سنادیں، مسلمانانِ مدینہ کو یہ خبر مل چکی تھی کہ اس وقت اہل اسلام اور کفار کے لشکر آمنے سامنے ہیں اور جنگ برپا ہونے والی ہے، فتح و نصرت کی دعائیں ہورہی تھیں، مگر تشویش بھی تھی کیوں کہ مسلمان تعداد میں کم تھے اور وہ جنگ کے ارادے سے نہیں نکلے تھے، ان کے کان کسی خبر کے منتظر تھے اور نگاہیں بدر سے آنے والے راستے پر ٹکی ہوئی تھیں کہ یہ دونوں قاصد تیز رفتاری کے ساتھ مدینے پہنچ گئے، عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے مدینے کے بالائی علاقوں میں جا کر فتح کی خوش خبری سنائی اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے نشیبی حصوں میں یہ خبر پہنچائی کہ ہم جیت گئے ہیں۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں ہی تھے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اہلیہ بنت رسول حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی اسی لئے غزوۂ بدر میں شریک نہ ہوسکے تھے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ جو چھوٹے بچے تھے وہ بھی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں لگے ہوئے تھے، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جس وقت فتح کی خبر مدینے پہنچی ہم لوگ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو جنت البقیع میں دفن کرکے واپس آرہے تھے، عجیب موقع تھا، ایک طرف تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم المرتبت صاحب زادی کی وفات کا حادثہ تھا اور وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم موجودگی میں، یقینی طور پر اس بات کا احساس ہر دل میں رہا ہوگا۔ دوسری طرف ٹھیک ان کی تدفین کے وقت مسرت انگیز خبر پہنچی کہ مسلمان کفار پر غالب آچکے ہیں، حضرت اسامہ کہتے ہیں کہ جب میں اپنے والد زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو وہ مسجد نبوی میں کھڑے ہوئے تھے اور ان کے چاروں طرف لوگوں کا ہجوم تھا، وہ کہہ رہے تھے لوگو! عتبہ مارا گیا، شیبہ مارا گیا، ابوجہل مارا گیا، انہوں نے بہت سے مشرکوں کے نام لئے، میں نے کہا: ابا جان! کیا یہ سچ ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں: اے بیٹے: خدا کی قسم یہ سچ ہے۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ میں لوگوں کی آوازیں سن کر گھر سے باہر آیا تو دیکھا کہ میرے والد زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ فتح و کامرانی کے واقعات بیان کر رہے تھے، خدا کی قسم! مجھے ان کی بات کا یقین نہیں ہوا، جب تک ہم نے قیدیوں کو اپنی

آنکھوں سے نہیں دیکھ لیا، ہم یہی سمجھتے رہے کہ شاید وہ ہمیں تسلی دے رہے ہیں اور شکست کی خبریں چھپا رہے ہیں۔ دوسری طرف عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ ایک گھوڑے پر سوار یہ آواز لگا رہے تھے، اے گروہِ انصار! خوش ہو جاؤ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خیریت سے ہیں، بہت سے مشرکین قتل کر دیئے گئے ہیں اور بہت سے قیدی بنا لئے گئے ہیں۔

عاصم ابن عدی کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں! اللہ کی قسم، کل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیدیوں کو لے کر تشریف لائیں گے، عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے ایک ایک انصاری کے دروازے پر پہنچ کر یہ خوش خبری سنائی۔

بدر میں تین دن تک قیام

جنگ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام رفقاء سمیت تین دن میدانِ بدر میں ٹھہرے رہے، جیسا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے پتہ چلتا ہے۔

بہ ظاہر تین دن تک بدر میں قیام کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ تمام رفقاء جنہوں نے جنگ میں جی جان سے محنت کی اور مشقت برداشت کی تھوڑا استالیں اور آرام کرلیں، اس کے بعد لمبا سفر ہے، اس دوران آرام کرنے کا زیادہ موقع نہیں ملے گا۔ دوسرے شہداء کی تدفین کے لئے بھی وقت درکار تھا، کچھ صحابہ زخمی بھی تھے، ان کی مرہم پٹی بھی ضروری تھی، مالِ غنیمت بھی اکٹھا کرنا تھا، مشرکین کی زرہیں، تلواریں، تیر اور دوسرے ہتھیار میدان میں بکھرے پڑے تھے، ان کو سمیٹنا بھی تھا۔ پہاڑی کے پیچھے ان کے جانور اور سامانِ سفر وغیرہ تھا، جسے وہ چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ یہ سب اموالِ غنیمت تھے، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے ذریعے یہ تمام سامان جمع کرایا اور عبداللہ ابن کعب الانصاری رضی اللہ عنہ کو اس کا ذمہ دار بنا کر یہ تمام مال ان کے سپرد کر دیا۔ ستر کے قریب قیدی تھے، ان کو دیکھنا بھی تھا کہ وہ کون لوگ ہیں اور کس کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے، ان کو ساتھ لے کر جانا بھی تھا، اس کا انتظام بھی کرنا تھا، ان تمام امور کی انجام دہی کے لئے بدر میں کچھ دنوں تک ٹھہرے رہنا وقت کا تقاضا تھا، اس لئے آپ نے تین روز تک وہاں

قیام فرمایا، اس کے بعد مدینے کی طرف روانہ ہوئے۔

جنگی قیدیوں کے ساتھ روانگی

تین دن کے بعد روانگی ہوئی، تمام قیدی صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی تلواروں کے سائے میں ساتھ تھے، راستے میں مقامِ صفراء پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ نضر بن الحارث بن علقمہ بن کلدہ کو قتل کر دیا جائے، یہ ان ستر قیدیوں میں سے ایک تھا، عرق الظّبیہ میں قیام کے دوران آپ نے ایک اور قیدی عتبہ ابن ابی مُعیط کو قتل کرا دیا، دونوں کو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کیفر کردار تک پہنچایا۔

کئی شب و روز سفر کرتے ہوئے اور مختلف وادیوں اور قبیلوں سے گزرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قافلہ فتح و کامرانی کے جھنڈے لہراتا ہوا مدینہ منورہ پہنچا، دشمنوں پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی، بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا، عبداللہ ابن اُبی منافق اور اس کے ساتھی بھی جنگ بدر میں اس بے مثال کامیابی سے ڈر کر بہ ظاہر مسلمان ہو گئے۔(۱)

زرفدیہ لے کر رہائی کا فیصلہ

اس جنگ میں قریش کے ستر افراد مارے گئے اور ستر ہی قید بھی ہوئے، ان قیدیوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس بن عبدالمطلب، چچازاد بھائی عقیل بن ابی طالب اور داماد ابوالعاص بن الربیع بھی تھے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے مشورہ کیا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ مطلب یہ تھا کہ ان کو مار ڈالا جائے یا ان کو زرفدیہ لے کر رہا کیا جائے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ سب لوگ آپ کے چچازاد بھائی اور خاندان کے لوگ ہیں، میری رائے ہے ان کو فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت سے نواز دے اور یہ لوگ کفار کے خلاف ہماری قوت اور

(۱) زاد المعاد، ۳/۱۴۵۔

طاقت بن جائیں۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میری رائے تو یہ ہے کہ ان لوگوں کی گردنیں اڑادی جائیں، یہ کفروشرک کے سرغنہ اور گروہ مشرکین کے لیڈر اور پیشوا ہیں، ان کو چھوڑنا صحیح نہ ہوگا، ہم میں سے جو جس کا رشتہ دار اور قریبی ہے وہ اس کو قتل کرے، عقیل کو علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کردیا جائے، وہ اس کی گردن اڑادیں، عباس رضی اللہ عنہ کو حمزہ کے سپرد کردیا جائے اور فلاں شخص کی گردن میرے ہاتھ میں دی جائے۔(۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دونوں طرح کے موقف آ گئے، آپ کچھ دیر خاموش رہے، اس کے بعد آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق فیصلہ کیا کہ جنگی قیدیوں کو زرفدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ ظاہر ہے زرفدیہ کی وصولی میں وقت لگتا اس لئے آپ نے ان تمام ستر قیدیوں کو مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے حوالے کردیا کہ وہ انہیں اپنے گھر لے جائیں اور ان کی اچھی طرح دیکھ بھال کریں۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بھی یہ چاہتے تھے کہ قیدیوں کے ساتھ ہمدردی کا سلوک نہ کیا جائے، بلکہ ان کو قتل کردیا جائے، کیوں کہ زرِ فدیہ دے کر یہ آزاد ہوجائیں گے اور واپس جاکر پھر مسلمانوں کے لئے دردسر بنیں گے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے زبان سے تو کچھ نہ کہا مگر ان کے چہرے سے یہ صاف ظاہر تھا کہ انہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی رائے پسند نہیں آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا: اے سعد! شاید تمہیں لوگوں کی رائے سے اتفاق نہیں ہے؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں! یارسول اللہ: اللہ تعالیٰ نے پہلی بار مشرکین کو ذلیل ورسوا کیا ہے، میرے نزدیک ان کو قتل کرنا فدیہ لے کر چھوڑنے کے مقابلے میں زیادہ بہتر ہے، تاکہ مسلمانوں کا دبدبہ قائم رہے اور مشرکین کو دوبارہ سر ابھارنے کی ہمت نہ ہو۔(۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تائید میں وحی الٰہی کا نزول

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فیصلے کے بعد کہ قیدیوں کو زرفدیہ لے کر رہا کردیا جائے، یہ آیت نازل ہوئی: مَاكَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي

(۱) صحیح مسلم، ۹/۲۱۴، رقم الحدیث ۳۳۰۹۔ (۲) الکامل فی التاریخ، ۱/۲۸۴۔

الْاَرْضِ. تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْآخِرَةِ. وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ.(۱) ''یہ بات کسی نبی کے شایانِ شان نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی رہیں، جب تک وہ زمین میں (دشمنوں کا) خون اچھی طرح نہ بہا چکا ہو، (جس سے ان کا رعب پوری طرح ٹوٹ جائے) تم دنیا کا ساز وسامان چاہتے ہو اور اللہ (تمہارے لئے) آخرت (کی بھلائی) چاہتا ہے اور اللہ صاحب اقتدار بھی ہے اور صاحب حکمت بھی۔'' اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مفسرین نے لکھا ہے کہ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی رائے یہی تھی کہ ان قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے، فدیہ اس مال کو کہتے ہیں جو کسی جنگی قیدی کو چھوڑنے کے عوض طلب کیا جائے، کیوں کہ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین ایسا ہی چاہتے تھے اور مسلمانوں کو مال کی ضرورت بھی تھی، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فیصلہ فرمایا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اس میں ایک گونہ عتاب ہے اور اللہ رب العزت کی طرف سے اظہار ناراضگی ہے۔

اس ناراضگی کی وجہ یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ جنگ بدر کا مقصد یہ تھا کہ کفار ومشرکین کو ان کے کئے کی سزا ملے، انہوں نے بے قصور مسلمانوں کو سالہا سال تک اذیتیں دیں، یہاں تک کہ انہیں وطن سے نکالا اور اب بھی ان کو چین سے نہیں رہنے دیتے، ان کی سرکوبی بے حد ضروری تھی، جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ موقع عنایت فرمادیا، ضرورت اس بات کی تھی کہ ان کی طاقت اور شوکت کا پوری طرح خاتمہ ہو اور ان کا غرور خاک میں ملے، ان کے ساتھ نرمی کا کوئی معاملہ نہیں ہونا چاہئے تھا، ان کی تو گردنیں اڑائی جاتیں تاکہ دوسرے بھی ان کے عبرت ناک انجام سے سبق حاصل کرتے، فدیہ دے کر یہ اپنے گھر واپس چلے جائیں گے، وہاں جاکر یہ پھر مسلمانوں کے لئے خطرہ بنیں گے۔

بہ ہر حال فدیہ لینے کا فیصلہ ہو چکا تھا، اس پر عمل بھی ہوا، فدیہ لینے پر یہ ناراضگی بھی وقتی تھی اور اس مصلحت کی وجہ سے تھی جو بیان کی گئی، بعد میں جنگی قیدیوں کے بدلے میں فدیہ لینے کی اجازت دے دی گئی، جیسا کہ سورہ محمد کی آیت (۴) میں ہے ''اور جب ان

(۱) الانفال: ۶۷۔

لوگوں سے تمہارا مقابلہ ہو جنہوں نے کفر اختیار کر رکھا ہے تو گردنیں مارو، یہاں تک کہ جب ان کی طاقت کچل چکو تو مضبوطی سے گرفتار کرلو، پھر چاہے احسان کر کے چھوڑ دو، یا فدیہ لے کر" بہ ہر حال بعد کی جنگوں میں فدیہ لینے کی اجازت دے دی گئی اور فدیہ لئے بغیر محض احسان کے طور پر رہا کرنے کی اجازت بھی مرحمت فرمادی گئی۔(۱)

قیدیوں کے ساتھ حسنِ سلوک

اسلام رحمت وشفقت، عدل وانصاف، ہم دردی اور غم گساری کا مذہب ہے، اور پیغمبر اسلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں، آپ کی ہر تعلیم اور آپ کے ہر عمل میں صفتِ رحمت پنہاں ہے، یہی وجہ ہے کہ بدر سے جو قیدی یہاں مدینے لائے گئے ان کو فرار ہونے سے تو روکا گیا، لیکن ان پر بے جا ظلم وتشدد روا نہ رکھا گیا، بعثت نبوی سے قبل اسیرانِ جنگ کے ساتھ نہایت برا سلوک کیا جاتا تھا، جوانوں کو قتل کر دیا جاتا یا انہیں اپاہج اور معذور بنا دیا جاتا، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو غلام بنا کر ان سے بیگار لی جاتی تھی اور ان پر تشدد کیا جاتا تھا، آج بھی نام نہاد متمدن قوموں کا یہی وطیرہ ہے، وہ اپنے قیدیوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک کرتے ہیں اور خود کو انسانی حقوق کا علم بردار اور ٹھیکے دار کہتے ہیں۔ عراق میں ابوغریب کے قید خانے اور کیوبا کے مشرقی ساحل پر واقع امریکہ کے زیر انتظام علاقے گوانتانا موبے کے عقوبت خانے ان قوموں کی "انسانیت نوازی" کے جیتے جاگتے ثبوت ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیرانِ جنگ کے ساتھ جو حسن سلوک کیا اسے تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی، مدینے تشریف لانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے حوالے کر دیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ اپنی حیثیت اور گنجائش کے مطابق دو دو، چار چار قیدی اپنے گھر لے جائیں اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔(۲) یہ حکم مسلمانوں کے اس وصف کی عملی تفسیر تھی جس کا ذکر قرآن نے کیا ہے: وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا(۳) "اور وہ اللہ کی محبت کی خاطر مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔

(۱) تفسیر طبری، ۱۴/۵۸، ۶۲، تفسیر بغوی ۳/۴۷، ۴۷۶-(۲) البدایہ والنہایہ، ۳/۳۰۶-(۳) الدھر: ۸-

ایک قیدی تھے، ابوعزیز بن عمیر، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں، وہ ایک انصاری صحابی کے گھر میں قید رکھے گئے تھے، کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت کے بعد کہ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا میری میزبانی کا یہ حال تھا کہ وہ خود تو کھجوروں پر گزارا کرتے اور مجھے گیہوں کی روٹی کھلاتے۔(۱) ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ہمیں صبح وشام کھانے میں روٹی ملتی تھی اور وہ لوگ خود کھجور سے پیٹ بھرا کرتے تھے، ولید ابن مغیرہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ وہ ہمیں اٹھا کر باہر لے جاتے اور ہمیں ٹہلاتے بھی تھے۔(۲)

بدر کے قیدیوں کو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے ذرا کس کر باندھ دیا، وہ لوگ بے چین رہتے تھے اور ان میں سے کوئی رونے بھی لگتا تھا، ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے رونے کی آواز سنی یہ آواز سن کر تمام رات سو نہیں پائے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو معلوم ہوا تو انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بندش ڈھیلی کردی، غالباً وہی رو رہے ہوں گے۔ حضور کو علم ہوا تو آپ نے فرمایا سب کی بندشیں ڈھیلی کرو، اسی طرح آپ کو یہ بھی پسند نہیں تھا کہ ایک خاندان کے کئی لوگوں کو الگ الگ رکھا جائے، فرماتے تھے جو شخص قید میں بچوں کو ان کی ماں سے جدا کرے گا قیامت کے روز اللہ اسے اس کے احباب سے جدا کرے گا۔(۳) اس حسن سلوک کا نتیجہ یہ نکلا کہ بعض قیدیوں نے قید کے دوران ہی اسلام قبول کرلیا، جیسے ابوعزیز رضی اللہ عنہ نے اپنے میزبان کی مہمان نوازی سے متاثر ہو کر کلمہ پڑھا، سائب بن عبید رضی اللہ عنہ نے فدیہ ادا کر کے رہائی پائی، مگر وہ اپنے گھر والوں کے پاس واپس نہیں گئے بلکہ مسلمان ہو کر وہیں رہ گئے۔

قیدیوں کے متعلق مختلف احکامات

قیدیوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے، آپ کے چچا زاد بھائی عقیل بن ابی طالب بھی تھے اور آپ کے داماد ابوالعاص رضی اللہ عنہ بھی تھے، اور بھی

(۱) مجمع الزوائد، ۶/۸۶، المعجم الکبیر للطبرانی، ۱۶/۲۴۸، رقم الحدیث ۲۴۸۔ (۲) کتاب المغازی، للواقدی، ۱/۱۱۹۔ (۳) اصح السیر: ۹۸۔

بہت سے لوگ تھے، ان سب کی رہائی کے تعلق سے اس وقت کی مصلحت اور حالات کے مطابق الگ الگ احکامات جاری ہوئے، بعض کو قتل بھی کیا گیا، جیسا کہ عتبہ بن ابی معیط اور نضر بن الحارث کو بدر سے واپسی پر راستے ہی میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، کیوں کہ وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت عداوت رکھتے تھے، ان کا زندہ رہنا مصلحت کے خلاف تھا، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی رائے بھی یہی تھی کہ ان کو زندہ نہ رہنا چاہئے۔ بعض لوگوں کو فدیہ لے کر آزاد کر دیا گیا، بعض کو فدیہ لئے بغیر چھوڑا گیا، کچھ لوگوں سے مال کے بجائے کام لیا گیا، پھر آزادی دی گئی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا فدیہ

قریش نے اپنے اپنے متعلقین کا فدیہ روانہ کیا، بہت سے لوگ رہا ہو کر چلے گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بھی فدیہ دینے کے لئے کہا، انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں تو مسلمان ہو چکا تھا، آپ نے فرمایا: آپ کے ایمان کا حال تو اللہ ہی جانتا ہے اور اگر ایسا ہی ہے تو اللہ آپ کو اس کی جزا دے گا۔ بہ ظاہر تو ایسا معلوم نہیں ہوتا کہ آپ مسلمان ہیں، آپ اپنا فدیہ دیں اور اپنے دو بھتیجوں نوفل بن الحارث بن عبدالمطلب اور عقیل بن ابی طالب بن عبدالمطلب اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو، کا فدیہ بھی دیں، انہوں نے عرض کیا؛ یارسول اللہ! میرے پاس اتنا مال کہاں ہے؟ میں تو غریب آدمی ہوں، آپ نے فرمایا: اچھا وہ سونا کہاں ہے جو آپ اپنی بیوی ام الفضل رضی اللہ عنہا کو دے کر آئے ہیں کہ اگر میں واپس نہ آسکوں تو یہ سونا میرے بیٹوں عبداللہ، عبیداللہ، قاسم اور فضل وغیرہ پر خرچ کر دینا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ بات سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ حیرت زدہ رہ گئے، کیوں کہ اس بات کا علم انہیں تھا یا ان کی اہلیہ ام الفضل کو، کسی تیسرے کو پتہ ہی نہیں تھا کہ وہ اپنی بیوی کو سونا دے کر آئے ہیں، وہ بے ساختہ پکار اٹھے یارسول اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ حضرت عبدالمطلب کی والدہ یعنی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دادی انصار مدینہ میں سے تھیں، اس رشتے سے وہ انصار کے بھانجے تھے، چنانچہ اس رشتے کے حوالے سے انصار نے عرض کیا کہ عباس ہمارے

بھانجے ہیں، آپ اپنے چچا کی حیثیت سے نہیں بلکہ ہمارا بھانجا ہونے کی وجہ سے ان کا فدیہ معاف کردیجئے، مگر آپ اس پر راضی نہیں ہوئے، بلکہ ان پر سو اوقیہ فدیہ لگایا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔ عقیل اور نوفل پر اسّی اسّی درہم لگائے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ نے مجھ پر بیس اوقیہ زیادہ رکھے ہیں، رشتہ داری کا تقاضا تو یہ تھا کہ آپ کم رکھتے یا کم از کم برابر ہی رکھتے، اس پر قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی: يٰأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِيْ اَيْدِيْكُمْ مِنَ الْاَسْرٰى اِنْ يَعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِمَّا اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ.(۱) ''اے نبی! آپ ان قیدیوں سے جو آپ کے قبضے میں ہیں کہہ دیجئے کہ (تم اس فدیئے پر کچھ افسوس نہ کرو) اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں کچھ بھلائی دیکھے گا تو جو تم سے لیا گیا ہے اس سے کہیں زائد اور بہتر مال تم کو عطا کردے گا۔''

بعد میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ کاش مجھ سے اور زیادہ فدیہ لے لیا گیا ہوتا، اس لئے کہ اللہ نے مجھے اس سے کہیں زیادہ اور بہتر مال عطا فرمایا، سو اوقیہ کے بدلے میری ملکیت میں سو غلام آئے، جو سب کے سب تجارت میں لگے اور مال کما کر مجھے دیتے رہے۔(۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد کا معاملہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ ہی میں رہ گئی تھیں، انہیں ان کے شوہر ابو العاص بن الربیع نے اپنے پاس ہی روک لیا تھا، حالاں کہ وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، مگر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بھی نہیں تھے، کبھی نہیں سنا گیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں کوئی نازیبا بات کہی ہو، یا کسی مسلمان کو برا کہا ہو، یا اسلام مخالف مشوروں میں حصہ لیا ہو، جنگ بدر میں شریک ہوئے، کیوں کہ قوم کا دباؤ تھا، مگر انہوں نے جنگ میں بڑھ چڑھ کر حصہ نہیں لیا، نہ ان کی آواز سنی گئی، نہ ان کی کوئی رائے سامنے آئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد کی حیثیت سے ان

(۱) الانفال: ۷۰۔ (۲) فتح الباری، ۷/۳۲۱، مسند احمد، ۷/۱۷۳، رقم الحدیث ۳۱۴۔

کی شخصیت اہمیت کی حامل تھی، لیکن انہوں نے خود کو نمایاں نہیں کیا، گرفتار ہونے والوں میں یہ بھی تھے، ان سے بھی زر فدیہ طلب کیا گیا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ان کو قید سے چھڑانے کے لئے اپنا ہار بھیج دیا، یہ وہ ہار تھا جو ان کی والدہ مرحومہ ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے شادی کے موقع پر ان کو دیا تھا، یہ ایک قیمتی ہار تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ ہار پیش ہوا تو آپ کا دل بھر آیا، آپ کو رفیقۂ حیات حضرت خدیجہ یاد آگئیں، ان کی طویل رفاقت اور اس دوران ان کی بے مثال قربانیاں نگاہوں کے سامنے آگئیں، پھر یہ ہار عزیز از جان بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کا تھا، جو اس وقت اپنے مشفق والد سے سیکڑوں میل دور دیارِ کفر میں ایک مشرک کے گھر میں زندگی بسر کر رہی تھیں، یہ سب واقعات آپ کو بے قرار کر گئے، آنکھوں میں پانی بھر آیا، دوسری طرف عدل کا تقاضا یہ تھا کہ سب قیدیوں کے ساتھ برابری کا معاملہ ہو، قرابت داری کی وجہ سے کسی کے ساتھ خصوصی برتاؤ نہ کیا جائے، اگرچہ آپ کو مکمل اختیار تھا اور آپ اپنے اس اختیار سے کام لے کر فدیہ لئے بغیر اپنے داماد کو رہا بھی کر سکتے تھے، مگر آپ نے ایسا نہیں کیا، بلکہ صحابہ سے فرمایا: اگر تم مناسب سمجھو تو زینب رضی اللہ عنہا کے قیدی کو چھوڑ دو اور اس کا ہار بھی واپس کر دو، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض یا رسول اللہ! آپ جیسا چاہیں، ہم تو آپ کی خوشی سے خوش ہیں۔ (۱) ابو العاص رہا کر دیئے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے وعدہ لیا کہ وہ زینب رضی اللہ عنہا کو مدینے بھیج دیں گے، انہوں نے وعدہ کیا، ابو العاص کی روانگی کے ٹھیک ایک ماہ بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ ایک انصاری صحابی کو مکے کی جانب بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ وہ بطنِ یاجج میں جا کر ٹھہریں، زینب رضی اللہ عنہا وہاں آئیں گی، ان کو لے کر یہاں آنا، یہ دونوں حضرات سفر پر روانہ ہو گئے، اُدھر ابو العاص نے اپنی اہلیہ محترمہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تمہیں اپنے ابا جان کے پاس مدینے جانا ہے، تیاری کرو، مقررہ وقت پر ابو العاص کے بھائی کنانۃ بن الربیع ایک اونٹ لے کر آئے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو لے کر روانہ ہوئے، اہل مکہ ابھی

(۱) سنن ابی داؤد، ۳۰۶/۷، رقم الحدیث ۲۳/۷۔

تک اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے تھے، انہیں جیسے ہی یہ پتہ چلا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی مدینے جارہی ہیں، چند لوگ جن میں ہبار بن الاسود پیش پیش تھا، تعاقب میں روانہ ہوئے، ہبار نے ایک تیر مارا، جو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ہودج پر لگا، وہ حمل سے تھیں، خوف اور صدمے سے ان کا حمل ضائع ہوگیا، کنانہ نے ان لوگوں کو پیچھے آتے ہوئے دیکھا تو وہ تیر کمان سنبھال کر کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا کہ اگر کوئی آگے بڑھا تو میں تیر چلادوں گا، اتنے میں ابوسفیان وہاں آگیا، اس نے قریش کو سمجھایا اور کنانہ سے بھی کہا کہ بدر کا زخم ابھی تازہ ہے، تم علی الاعلان زینب کو لے کر نکلے ہو، ابھی واپس چلو، کسی دن خاموشی کے ساتھ نکلنا، کنانہ کے بات سمجھ میں آگئی، اس وقت تو وہ زینب کو لے کر واپس ہوگیا، مگر چند روز بعد رات میں وہ زینب کو لے کر روانہ ہوا اور انہیں بطن یأجج میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کردیا۔ ابوالعاص چھ سال مکے میں تنہا رہے، بعد میں مسلمان ہوگئے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کا نکاح برقرار رہا۔(۱)

مالِ غنیمت کی تقسیم

مشرکین قریش قتل بھی ہوئے، گرفتار بھی کئے گئے اور اپنا قیمتی سامان چھوڑ کر بھی بھاگے، مقتولین اور گرفتار شدگان کی زرہیں، ان کا اسلحہ وغیرہ بھی مسلمانوں کو مالِ غنیمت کے طور پر ہاتھ لگا، جنگ کے خاتمے کے بعد بہت سے صحابہ کو مال غنیمت سمیٹنے اور اسے ایک جگہ لاکر جمع کرنے کا کام سونپا گیا، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی ایک جماعت بھاگنے والوں کے تعاقب میں رہی اور انہیں دور تک کھدیڑ کر واپس لوٹی، کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت پر مامور کئے گئے، اس خیال سے کہ کوئی ہزیمت خوردہ اور مایوسی کا شکار مشرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے کی طرف نہ آنکلے، اس طرح تین جماعتیں ہوگئیں، تینوں کی ذمہ داریاں مختلف تھیں، مگر اہم تھیں، جو لوگ میدانِ جنگ میں بکھرا ہوا یا کفار کے خیموں میں پڑا ہوا سامان اکٹھا کررہے تھے، انہیں یہ گمان ہوا کیوں کہ ہم یہ سامان جمع کر

(۱) سنن ابی داؤد، ۳۰۶/۷، رقم ۲۳۱۷، دلائل النبوۃ للبیہقی، ۱۶۶/۳، رقم الحدیث ۲۰۱۷۔

رہے ہیں، اس لئے اس پر ہمارا حق ہے، دوسری طرف دشمنوں کی تلاش میں نکلے ہوئے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا خیال تھا کہ ہمارا کام بھی اہم تھا، ہم دشمنوں کو دور تک بھگانے میں کامیاب رہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت پر مامور دستے کا کہنا یہ تھا کہ سب سے اہم کام تو یہ تھا کہ آپ کی ذات گرامی کو کوئی گزند نہ پہنچے اور یہ اہم کام ہم نے انجام دیا ہے۔(۱) یہ پہلی جنگ تھی، اور اس وقت تک مالِ غنیمت کی تقسیم کے سلسلے میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا، ہوسکتا ہے قبائلی جنگوں میں یہ صورتِ حال رہی ہو کہ جس کے جو ہاتھ لگے وہ اسی کا ہے، مالِ غنیمت کی تقسیم کے سوال پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں جو بحث ہوئی وہ اس وقت کے ماحول کی مناسبت سے بالکل صحیح تھی۔

اختلافِ رائے کے اس پس منظر میں سورۂ انفال کی پہلی آیت نازل ہوئی، اس میں ایک طرف تو یہ واضح کردیا گیا کہ جو مالِ غنیمت تم لوگوں کے ہاتھ لگا ہے، وہ سب اللہ اور اس کے رسول کا ہے، لہٰذا تم لوگ اس معاملے سے خود کو الگ رکھو، جھگڑا کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو، تمام صحابہ نے جو مال واسباب جمع کیا تھا وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کردیا، آپ نے چند صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو اس سامان کا محافظ، نگراں اور ذمہ دار بنا کر آگے روانہ کردیا۔

اس سفر میں اسی سورت کی ایک اور آیت نازل ہوئی، الحمد للہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اطاعت اور استغناء کے امتحان میں کامیاب ہوچکے تھے، سب کے ذہن میں یہ بات بیٹھ چکی تھی کہ اس مال پر ہمارا کوئی حق نہیں ہے کیوں کہ یہ تو اللہ اور اس کے رسول کا ہے، مگر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی بہادری، جاں نثاری اور جاں فشانی کا تقاضا یہ تھا کہ انہیں محروم نہ رکھا جائے، اس لئے مناسب موقع پر یہ حکم نازل ہوا کہ اس مال کو اللہ کے بیان کردہ ضابطے کے مطابق تقسیم کردیا جائے، وہ آیت جو مالِ غنیمت کی تقسیم کے سلسلے میں نازل ہوئی یہ ہے: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی

(۱) مسند احمد بن حنبل، ۳۲۴/۵، رقم الحدیث ۲۲۷۶۲۔

الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ.(۱) ”اور (اے مسلمانو) یہ بات جان لو کہ تم جو کچھ مالِ غنیمت حاصل کرو، اس کا پانچواں حصہ، اللہ اور رسول اور ان کے قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا حق ہے۔“

مقام صُفراء میں پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچواں حصہ رکھ کر باقی چار حصے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں تقسیم فرمادئے، آیت میں جس خُمس (پانچویں حصے) کا بیان ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ کے لئے ہونے کا مطلب بالکل واضح ہے کہ جو کچھ ہے وہ اللہ ہی کی ملکیت ہے، باقی اس میں سے ایک حصہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص ہے، وہ جس طرح چاہیں اسے خرچ کریں، دوسرا حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کو دیا جائے گا، کیوں کہ اسلام کے ابتدائی دور میں ان کی قربانیاں بہت ہیں، باقی تین حصے یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہیں، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ سب کو برابر دیا جائے گا بلکہ امام وقت یعنی سربراہ حکومت اسلامیہ کو اختیار ہے کہ وہ جس مصرف میں چاہے اور جتنا چاہے خرچ کرے، یہ ایسا ہی ہے جیسے قرآن کریم میں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان کئے گئے ہیں، مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ زکوٰۃ ان تمام صارف میں خرچ کی جائے بلکہ کسی ایک مصرف میں بھی زکوٰۃ خرچ کردی گئی تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے جو ایک مشہور صحابی ہیں سورۂ انفال کے متعلق سوال کیا گیا کہ وہ کس پس منظر میں نازل ہوئی، انہوں نے فرمایا ہم بدریین میں مالِ غنیمت کو لے کر اختلاف ہوگیا تھا اور کچھ آوازیں بھی بلند ہوگئی تھیں (عموماً بحث کے دوران ایسا ہوجاتا ہے) اس وقت اللہ رب العزت نے یہ مال ہم سے واپس لے لیا اور یہ حکم نازل فرمایا کہ اب اس پر تمہارا کوئی حق نہیں ہے، یہ اللہ اور اس کے رسول کا ہے (مگر بعد میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تمام مال مسلمانوں کے مابین برابر تقسیم کردیا۔(۲)

(۱) الانفال: ۴۱۔(۱) مسند احمد بن حنبل، ۳۲۲/۵، رقم الحدیث، ۲۲۷۴۷۔

مال غنیمت میں غیر بدریین کا حصہ

کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین ایسے بھی تھے جو بدر کی جنگ میں شریک نہیں ہوئے مگر ان کو مالِ غنیمت میں سے حصہ دیا گیا، یہ وہ لوگ تھے جو کسی مجبوری کے تحت جنگ میں شرکت نہ کر سکے تھے، مثال کے طور پر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، ان کی اہلیہ محترمہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ بیمار تھیں، ان کی تیمارداری کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مدینے میں رہنا ضروری تھا، اسی طرح حضرت اُسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی جنگ میں شرکت کے متمنی تھے، وہ گھر سے نکل بھی چکے تھے، ان کو راستے سے واپس کیا گیا، ایک تو اس لئے کہ وہ ابھی کم عمر تھے اور دوسرے اس لئے کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی دیکھ بھال کا حکم دیا تھا۔(۱)

اسی طرح ایک اور صحابی حضرت اُمامہ رضی اللہ عنہ بھی جنگ میں شریک نہ ہو سکے کیوں کہ ان کی والدہ بیمار تھیں، اور وہ نکلنے کے لیے پوری طرح مستعد بھی تھے، ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے جو ابوامامہ رضی اللہ عنہ کے ماموں ہوتے ہیں ان سے کہا کہ تم مت جاؤ، اپنی والدہ کے پاس رہو اور ان کی خدمت کرو، ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، آپ یہاں رکیں، آپ میری والدہ کے بھائی ہیں، آپ کو ان کی دیکھ بھال کرنی چاہیے، دونوں کا معاملہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت عالیہ میں پیش ہوا، آپ نے ابوامامہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ رکیں اور اپنی والدہ کی تیمارداری کریں۔ اس طرح ابو بردہ رضی اللہ عنہ چلے گئے اور ابوامامہ رضی اللہ عنہ مدینے میں رہ گئے۔(۲)

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین ان دنوں کچھ اور طرح کی مہمات میں مصروف تھے، وہ بھی غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے، حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت کی ذمہ داری دے کر راستے سے واپس بھیج دیا تھا، عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کو مدینے کے بالائی علاقے میں ذمہ دار بنایا گیا تھا، وہ وہاں مصروف تھے، حارث بن حاطب رضی اللہ عنہ قبیلۂ بنی عمرو بن عوف میں دعوتی مہم پر تھے، حارث بن الصِّمہ رضی اللہ عنہ راستے میں گر گئے تھے، ان کی

(۱) دلائل النبوۃ للبیہقی، ۳۱۸/۶۳، رقم الحدیث، ۹، ۳۲۷۔ (۲) مجمع الزوائد، ۸۱/۳۔

ہڈی ٹوٹ گئی تھی، انہیں بھی واپس بھیج دیا گیا تھا۔ حضرت بن جبیر رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر پتھر آپڑا تھا، ان کو بھی مقام صُفرا سے واپس کر دیا گیا تھا۔ سعد بن مالک رضی اللہ عنہ راستے میں فوت ہو گئے تھے، ایک صحابی تھے صبیح رضی اللہ عنہ ان کو بیماری کی وجہ سے واپس ہونا پڑا تھا۔ ان تمام لوگوں کو مال غنیمت میں سے پورا پورا حصہ دیا گیا، جنگ کے دوران چودہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے جام شہادت نوش کیا تھا، ان کے اہل وعیال کو بھی مالِ غنیمت دیا گیا، شہداء کی تکریم اور ان کے پس ماندگان کی دل جوئی و دل بستگی کا یہ پہلا نمونہ ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیائے انسانیت کے لئے پیش فرمایا۔(۱)

بدر کی فتح اور رومیوں کا غلبہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے مجاہد رفقاء واصحاب رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ مدینے تشریف لائے تو ایک بڑی خوش خبری آپ کی منتظر تھی، اور وہ ایرانیوں پر رومیوں کے غلبے کی خبر تھی، اس خبر سے فتح بدر کی خوشی دوچند ہوگئی، اس خبر کے پس منظر کو سمجھنے کے لیے ہمیں چھ سال قبل از ہجرت کی طرف جانا ہوگا، ان دنوں دنیا کی دو بڑی طاقتوں کے درمیان جنگ جاری تھی، یہ سن چھ سو پندرہ عیسوی کا زمانہ ہے، اور شام کا علاقہ میدان جنگ بنا ہوا ہے، ایک طرف ایرانی سلطنت تھی، دوسری طرف رومن امپائر تھا، اس کا دارالحکومت موجودہ استنبول یا قدیم قسطنطنیہ تھا، شام، فلسطین اور ایشیائے کوچک کے علاقے سب اسی میں شامل تھے، یہ دونوں ہی غیر مسلم حکومتیں تھیں، اور بہ ظاہر ان میں سے کسی کی فتح وشکست سے مسلمانوں کو کوئی دل چسپی نہیں ہونی چاہئے تھی، مگر ان میں اہلِ فارس یعنی ایرانی آتش پرست مشرکین تھے، اس بنا پر مشرکینِ مکہ کا جھکاؤ ایرانیوں کی طرف تھا اور وہ یہ چاہتے تھے کہ اس جنگ میں ایران کو فتح حاصل ہو، دوسری طرف رومی تھے جو عیسائی مذہب کے پیروکار ہونے کی حیثیت سے اہل کتاب تھے، یہ لوگ نسبتاً مسلمانوں سے قریب تھے، کیوں کہ بہت سے اصولِ دین جیسے رسالت، وحی، آخرت وغیرہ پر یہ لوگ بھی مسلمانوں کی طرح ایمان رکھتے تھے، اس لیے مسلمان چاہتے تھے کہ اس جنگ میں رومی ایرانیوں پر غالب آئیں، مگر ہوا یہ

(۱) السیرۃ النبویہ لابی الشہبہ، ۲/۱۷۶۔

کہ رومی شکست کھا گئے، قیصر روم قسطنطنیہ میں محصور ہو کر رہ گیا، باقی تمام علاقے ایرانیوں کے قبضے میں چلے گئے۔

اہل فارس کے غلبے کی خبر سن کر مشرکین مکہ خوشی سے جھوم اٹھے، اس واقعے سے انھوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا یا یہ نیک فال لی کہ ایک دن ہم بھی محمد اور ان کے ساتھیوں پر غالب آئیں گے، دوسری طرف مسلمانوں میں مایوسی پھیل گئی، اس وقت سورۂ روم کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جن میں یہ پیشین گوئی کی گئی تھی کہ چند سال بعد رومی پھر غالب آجائیں گے۔

اس میں شک نہیں کہ قرآن ایک زندہ معجزہ ہے، حالاں کہ اہل فارس رومی سلطنت پر غالب آچکے تھے، مگر ان حالات میں بھی وہ یہ پیش گوئی کر رہا ہے کہ ایرانیوں کی یہ فتح عارضی ہے، بہت جلد اُن کی یہ فتح شکست میں تبدیل ہوگی اور رومی ایرانیوں پر غلبہ حاصل کرلیں گے، قرآن کریم نے لفظ بِضع سے اس کی مدت بھی بیان فرمادی، اس کا اطلاق تین سے دس تک کی تعداد پر ہوتا ہے، گویا رومی اگلے چند سالوں میں ایران کو شکست دے کر پھر غالب آجائیں گے، ایسا ہی ہوا، نو سال بعد یہ پیش گوئی سن چھ سو چوبیس عیسوی میں پوری ہوگئی، اور رومیوں نے ایرانیوں پر فتح حاصل کرلی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے یقین کا یہ حال تھا کہ جیسے ہی انھوں نے رومی غلبے کی پیش گوئی کرنے والی آیات سنیں وہ کفار کے مجمع میں پہنچے اور وہاں جا کر انھوں نے یہ اعلان کیا کہ اے اہل مکہ! تم اس عارضی فتح سے خوش مت ہونا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ خبر دی ہے کہ بہت جلد پانسہ پلٹے گا اور رومی ایرانیوں پر غلبہ حاصل کرلیں گے، اُبی ابن خلف بھی وہاں موجود تھا، اس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سو سو اونٹ کی شرط لگائی کہ اگر نو سال کے اندر رومی غالب نہ آئیں تو تم سو اونٹ مجھے دینا، اور غالب آگئے تو سو اونٹ میں تمھیں دوں گا، اس دوران ہجرت ہوگئی، جنگ بدر بھی واقع ہوگئی، اُبی ابن خلف مارا گیا، نو سال سے پہلے ہی روم و فارس میں پھر جنگ چھڑی اور رومی غالب آگئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شرط کے سو اونٹ اُبی ابن خلف کے بیٹوں سے وصول کرلیے، اس وقت تک

قمار کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی، اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ ان اونٹوں کو صدقہ کردو۔ (۱)

بنو قَیْنُقاع کی عہد شکنی

مدینہ منورہ میں اس وقت یہودیوں کے تین بڑے قبیلے آباد تھے، ان میں سے ایک قبیلہ بنو قَیْنُقاع تھا، جو خزرج کا حلیف سمجھا جاتا تھا، دو قبیلے بنو النَّضِیر اور بنو قُرَیظہ تھے، یہ دونوں قبیلے اَوس کے حلیف تھے، (۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تشریف آوری کے بعد ان تینوں قبیلوں سے مصالحت کرنے میں پہل فرمائی، ان کے ساتھ امن کا معاہدہ کیا، جس میں یہ عہد بھی شامل تھا کہ دونوں فریق ایک دوسرے کے دشمنوں کا ساتھ نہیں دیں گے، اور بیرونی حملہ آوروں کے خلاف دونوں مل کر لڑیں گے، اسی دوران غزوۂ بدر پیش آیا، مسلمانوں کی غیر متوقع اور شاندار فتح سے یہودی بوکھلا گئے، ابھی تک تو وہ مصلحتاً خاموش تھے اور اپنے طرز عمل سے یہ ظاہر کررہے تھے کہ وہ معاہدۂ امن کی خلوصِ دل کے ساتھ پاس داری کررہے ہیں، لیکن فی الحقیقت وہ اپنے دل میں نفرت، حسد، کینہ اور عداوت کی آگ سلگائے بیٹھے تھے، جنگ بدر میں بے مثال کامیابی کے بعد مسلمانوں کو جو قوت اور شوکت حاصل ہوئی اس نے اس آگ کو مزید بھڑکا دیا، دن بہ دن ان کی خباثتیں ظاہر ہونے لگیں، پہلے وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف در پردہ سازشیں کرتے تھے، اب کھل کر کرنے لگے، انہوں نے معاہدۂ امن سے نکلنے کا اعلان تو نہیں کیا لیکن ان کی ہر ہر حرکت اور ہر ہر عمل سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ عہد شکنی اور بدعہدی پر آمادہ ہیں۔

جب صورت حال زیادہ سنگین ہوگئی یا یہ کہئے کہ پانی سر سے اونچا ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جمع فرمایا اور انہیں نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہ بغاوت سے باز آجائیں، معاہدے کی پابندی کریں، خود بھی امن سے رہیں اور ہمیں بھی سکون سے رہنے دیں۔

بنو قینقاع مدینے کے مضافات میں کسی جگہ رہتے تھے، اس علاقے کا نام ہی ان

(۱) تفسیر خازن: ۳/۳۸۶، تفسیر قرطبی: ۱۴/۳۔ (۲) تفسیر ابن کثیر: ۱/۱۷۶۔

کے نام سے معروف ہوگیا تھا، عام طور پر ان کا پیشہ سونے چاندی کے زیورات بنانا تھا، کچھ لوگ لوہے وغیرہ سے گھریلو ساز وسامان اور آلاتِ حرب بھی تیار کیا کرتے تھے، بہادر اور جری تھے، خود ان کی اپنی فوج تھی، جو سات سو جوانوں پر مشتمل تھی، بنو قینقاع کو اپنے جوانوں پر بڑا ناز تھا، غالبًا اسی لیے انھوں نے سرکشی اور بغاوت کی طرف قدم بڑھایا تھا، اس طرح بنو قینقاع کے یہودی نقضِ عہد کے اوّلین علم بردار بن گئے، اور اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کے حالات پیدا کرنے میں سبقت کرنے والے بھی یہی لوگ قرار پائے۔(۱)

روایات میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہ ذات خود ان کے محلّے میں تشریف لے گئے، انہیں جمع کیا اور ان کو رشد وہدایت کی تلقین فرمائی، آپ نے ارشاد فرمایا: اے قوم یہود! اللہ سے ڈرو، ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی ایسا عذاب نازل ہو جائے جیسا عذاب بدر والے دن قریش پر آیا تھا، اسلام قبول کرلو، تم جانتے ہو اور تمہاری کتابوں میں بھی لکھا ہوا ہے کہ میں اللہ کا نبی اور اس کا رسول ہوں، اللہ تعالیٰ نے تمہاری قوم سے یہ عہد لے رکھا ہے کہ تم مجھ پر ایمان لاؤ گے اور میری نبوت ورسالت کا اعتراف کرو گے، یہود آپ کا وعظ سن کر غصّے سے تلملا اٹھے، اور کہنے لگے: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس مغالطے میں مت رہیں کہ ہم بھی قریش جیسے بزدل اور ناتجربہ کار ہیں، آپ ان کی ناتجربہ کاری سے فائدہ اٹھا کر ان پر غالب آگئے، ہم سے سابقہ پڑا تو آپ یہ بات جان لیں گے کہ ہم بزدل نہیں ہیں بلکہ شیر دل مرد ہیں۔(۲)

مسلمان عورت کے ساتھ بدسلوکی

اس دوران ایک انتہائی قابل مذمت واقعہ یہ پیش آیا کہ یہودیوں نے اپنے محلّے میں ایک مسلمان خاتون کے ساتھ بدتہذیبی کا مظاہرہ کیا اور اس کی بے حرمتی کی، ہوا یوں کہ مدینے کی ایک مسلمان خاتون اپنے زیورات بنوانے یا لینے کے لیے کسی یہودی سُنار کی

(۱) دلائل البیہقی: ۳/۴/۱۷۴، عیون الاثر: ۲/۴۴۔ (۲) سنن أبی داود: ۳، ۱۵۴، رقم الحدیث: ۳۰۰۱، تفسیر الطبری: ۳/۱۲۸، سیرۃ ابن ہشام: ۳/۱۰۔

دکان پر گئی، اور دکان مالک سے بات چیت کرنے لگی، اتنے میں ایک دوسرا یہودی چپکے سے آیا، اور ایک کانٹا اس عورت کی پشت کے لباس سے اٹکا دیا، جب وہ عورت واپس جانے کے لیے کھڑی ہوئی تو کانٹے کی وجہ سے اس کا لباس سرک کر نیچے کی طرف آ گیا، جس کی وجہ سے وہ برہنہ ہوگئی، یہ دیکھ کر دکان دار اور آس پاس کے یہودی ہنسنے لگے، عورت اپنی بے آبروئی کا یہ منظر دیکھ کر غصے سے تلملا اٹھی اور چیخنے چلانے لگی، اس کی چیخ وپکار سن کر ایک مسلمان جو پہلے سے بازار میں موجود تھا وہاں آ گیا، اس نے دکان دار کو قتل کر دیا، یہودیوں نے انتقاماً اس مسلمان کو قتل کر ڈالا، مقتول مسلمان کے ورثاء اور اہل خاندان یہ معاملہ لے کر مسلمانوں کے پاس پہنچے، اہل اسلام میں اس بدترین واقعے سے غصہ اور ناراضگی پھیل گئی، دوسری طرف بنو قینقاع کے یہودیوں نے یہ اعلان کر دیا کہ وہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیے گئے معاہدے کے پابند نہیں رہے۔(۱)

مدینے سے بنی قینقاع کا اخراج

بنو قینقاع کے یہود کا یہ متکبرانہ لب ولہجہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا، ان کی سرزنش ضروری تھی، اور سرزنش بھی ایسی جس سے یہودیوں کے دوسرے قبیلوں کو سبق ملتا، چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابولبابہ ابن عبدالمنذر انصاری رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ کی ذمہ داریاں تفویض کر کے بنو قینقاع کے علاقے کی طرف کوچ فرمایا، مسلمانوں کو دیکھ کر یہ بدباطن اور عہد شکن یہودی قلعے کے اندر چلے گئے اور اس کا دروازہ بند کر کے بیٹھ گئے، یہ واقعہ پندرہ شوال کا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے افواج اسلام کو حکم دیا کہ وہ اس وقت تک قلعے کا محاصرہ جاری رکھیں جب تک یہودی قلعے سے باہر نہ نکلیں، حالات سے مجبور اور پریشان ہو کر سولہویں دن ذی القعدہ کی پہلی تاریخ کو یہودی دروازہ کھول کر باہر آ گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ پیر باندھنے کا حکم دیا۔

---

(۱) سیرت ابن ہشام: ۳/۸۔

عبداللہ بن اُبی بن سلول کی درخواست

جس وقت یہودیوں کی مُشکیں کسی جارہی تھیں، رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی بن سلول نے یہ درخواست کی کہ ان کے ساتھ رحم وکرم کا معاملہ کیا جائے، کیوں کہ یہ میرے حلیف ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی درخواست پر توجہ نہیں دی، اس نے پھر درخواست کی، آپ نے پھر اعراض فرمایا، عبداللہ بن اُبی طیش میں آگیا، اور انتہائی گستاخانہ انداز میں اس نے اپنا ہاتھ آپ کے گریبان پر ڈال دیا، اس کی اس حرکت سے آپ غضب ناک ہوگئے، یہاں تک کہ غصّے کی وجہ سے آپ کا چہرۂ مبارک سُرخ ہوگیا، آپ نے فرمایا: اے عبداللہ! تیرا ناس ہو، میرا گریبان چھوڑ دے، اس نے ہٹ دھرمی دکھلاتے ہوئے کہا میں آپ کا گریبان اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک آپ مجھ سے ان کو رہا کرنے کا وعدہ نہیں کریں گے، خدا کی قسم اس قوم کے چار سو ننگے سر والوں اور تین سو زرہ پوشوں نے میرا دفاع کیا ہے، آپ ایک دن میں انہیں ہلاک کردینا چاہتے ہیں، ابن اُبی منافق کے حد درجہ اصرار کے بعد آپ نے بربنائے مصلحت ان کی مُشکیں کھلوادیں، مگر اس کے ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ اب اِن سرکشوں اور باغیوں کو مدینے میں رہنے کی اجازت نہیں دی جائے گی، انہیں یہاں سے جانا ہوگا، عبداللہ بن اُبی نے یہ بات مان لی، اس طرح تمام یہودی اپنے اہل وعیال کے ساتھ مدینے سے چلے گئے۔(۱)

بنو قینقاع کے یہودیوں کی جان اس شرط پر بخشی گئی تھی کہ وہ اپنا مال واسباب چھوڑ کر یہاں سے جائیں، ان کے جانے کے بعد مسلمانوں نے ان کے غنائم اکٹھے کیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد بن مَسلَمہ رضی اللہ عنہ کو غنائم کا نگراں مقرر کیا اور واپس مدینے تشریف لے آئے۔

عبداللہ بن اُبی جلا وطنی اور اخراج کے آخری لمحے تک ان کا ہمنوا اور ہمدرد بنا رہا، اس کی کوشش تھی کہ یہودیوں کو جلا وطنی کی جو سزا دی گئی ہے وہ معاف کردی جائے، اور اگر انہیں جلا وطن ہی کرنا ضروری ہے تو کم از کم انہیں اپنا مال ومتاع ساتھ لے کر جانے کی

(۱) تاریخ الطبری: ۲/۴۹، الطبقات الکبری: ۲/۲۹، عیون الاثر: ۲/۴۴۴۔

اجازت دی جائے، یہ درخواست لے کر وہ آپ کے در دولت پر حاضر ہوا، ایک انصاری صحابی عویم بن مساعدہ رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے، انھوں نے اسے روک دیا، اور کہا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت نہیں دیں گے میں اس وقت تک تمہیں اندر نہیں جانے دوں گا، یہ سن کر ابن اُبی نے حضرت عویم رضی اللہ عنہ کو دھکا دیا انھوں نے بھی اس پر سختی کی، اور اس قدر زور سے اس کو دھکا دیا کہ اس کا چہرہ دیوار سے ٹکرا کر زخمی ہو گیا، منافقوں کے سردار کی یہ درگت دیکھ کر اس کے حلیف یہود کہنے لگے: اے ابو الحُباب بس کرو، رہنے دو، ہم ایسے گھر میں رہنا نہیں چاہتے، جس میں آپ کا یہ حال کر دیا گیا ہو، اس قصے کے بعد یہودیوں نے مدینے میں رہنے کی امید چھوڑ دی اور شام کی طرف روانہ ہو گئے۔(۱)

دوسری طرف حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بھی بنو قینقاع کے حلیف تھے، لیکن انھوں نے یہودیوں سے علی الاعلان براءت اور بے زاری کا اظہار کیا، حالاں کہ عبد اللہ بن اُبی نے انہیں یاد بھی دلایا کہ تم یہود کے حلیف ہو، تمہیں ان کا ساتھ دینا چاہئے، مگر انھوں نے کسی بھی طرح کی مدد کرنے سے صاف انکار کر دیا، اس کے بعد وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آپ کے دشمنوں سے بری اور بے زار ہوں، اور اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان کی طرف آتا ہوں اور انہی کو اپنا حلیف بناتا ہوں، اور کفار کی دوستی سے مکمل طور پر اپنی براءت کا اظہار کرتا ہوں۔(۲)

غزوۂ سویق

یکم ذوالحجہ کو یہ واقعہ پیش آیا، اور پانچ ذی الحجہ کو آپ ایک اور غزوے کے لیے روانہ ہو گئے، اس غزوے کی تفصیل یہ ہے کہ بدر میں زندہ بچ جانے والے مشرکین جب مکے پہنچے اور وہاں پہنچ کر انھوں نے بدر کے واقعات سنا کر رونا پیٹنا شروع کیا تو ابو سفیان نے قسم کھائی کہ جب تک وہ مدینے پر حملہ نہیں کرے گا اس وقت تک غسلِ جنابت نہیں کرے گا، چناں چہ اس نے دو سو ساتھیوں کو لے کر مدینے کا راستہ پکڑا، مدینے پہنچ کر وہ

(۱) الطبقات الکبریٰ: ۲/ ۲۸۔ (۲) البدایہ والنہایہ: ۴/ ۵۔

اوراس کے تمام رفقاء بنونضیر میں پہنچے، سلام بن مشکم نے ان کا استقبال کیا، اور رات میں ان کی ضیافت کی، صبح کو یہ لوگ اپنی منزل کی طرف روانہ ہوئے، مدینہ منورہ سے باہر عریض نامی علاقے میں ایک انصاری صحابی اپنے نوکر کے ساتھ باغ میں پانی دے رہے تھے، ابوسفیان اوراس کے ساتھیوں نے ان دونوں کو قتل کردیا، رسول اللہ ﷺ کو اس واقعے کی اطلاع ہوئی، آپ نے اپنے جاں نثار صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ ان کو پکڑنے کی کوشش کی، مگر وہ لوگ یہ بزدلانہ حرکت کرکے وہاں سے جاچکے تھے، اس لیے ہاتھ نہ آسکے، اپنا بوجھ کم کرنے کے لیے ان لوگوں نے ستو کے کٹے اور تھیلے اسی باغ میں چھوڑ دیئے، رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا کہ ستو کے یہ تھیلے جو بڑی تعداد میں تھے اٹھالئے جائیں گویا یہ مال غنیمت تھا جو اس غزوے میں ہاتھ آیا، پانچ روز کے بعد آپ مدینے واپس تشریف لائے، اس غزوے کو غزوۃ السویق اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں مالِ غنیمت کے طور پر ستو سے بھرے ہوئے تھیلے ملے۔(۱)

غزوۂ ذی اُمر

غزوۂ سویق سے واپسی کے بعد آپ ﷺ نے ذی الحجہ کا پورا مہینہ مدینے ہی میں گزارا، اس کے اختتام پر یا محرم کے آغاز میں آپ کو یہ اطلاع ملی کہ بنوغطفان کے دو قبیلے بنوثعلبہ اور بنومُحارِب نجد میں جمع ہورہے ہیں، ان کا ارادہ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا ہے، اس اطلاع کے بعد آپ ﷺ نے تیاری کا حکم دیا اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام مقرر فرماکر نجد کی طرف کوچ فرمایا، اس سفر میں چار سو پچاس صحابہ آپ کے ہمراہ تھے، کچھ پیدل اور کچھ سوار، مسلمانوں کے لشکر کی خبر پاکر دشمن بھاگ کھڑے ہوئے، صرف ایک شخص ہاتھ آیا، اس کا نام جبار تھا اور وہ بنوثعلبہ سے تعلق رکھتا تھا، لوگوں نے اسے آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کردیا، رسول اللہ ﷺ نے اس سے کچھ دیر تنہائی میں گفتگو کی، اور اس پر اسلام پیش کیا، جسے اس نے قبول کرلیا، آپ نے اسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا کہ وہ اس کو دین کی تعلیم دیں، رسول اللہ ﷺ نے بنوغطفان کے

(۱) تاریخ الطبری: ۲/ ۵۰، الکامل فی التاریخ: ۲/ ۳۹، ۴۰۔

علاقے میں مہینہ بھر تک قیام فرمایا، اس طویل عرصے میں کوئی ایک شخص بھی مقابلے کے لیے نکل کر نہیں آیا، طویل انتظار کے بعد آپ واپس مدینے تشریف لے آئے، غزوۂ ذی امر کو غزوۂ غطفان بھی کہا جاتا ہے، اور بعض مؤرخین نے اسے غزوۂ أنمار بھی لکھا ہے، ذُو اَمَر مدینے سے کچھ فاصلے پر ایک وادی ہے جو نخیل نامی بستی کے قریب واقع ہے۔(۱)

ایک کافر نے حملہ کرنے کی کوشش کی

اس سفر میں ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک دن بارش ہوگئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے کپڑے بھیگ گئے، آپ نے اپنے کپڑے نکال کر دھوپ میں پھیلا دئے اور صحابہ سے ذرا دور ہٹ کر ایک درخت کے نیچے آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے، گاؤں والے یہ منظر دیکھ رہے تھے، اور یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ آپ درخت کے نیچے تنہا لیٹے ہوئے ہیں اور سو رہے ہیں، جب کہ آپ کے رفقاء دور ہیں اور بکھرے ہوئے ہیں، انھوں نے اپنے سردار دُعثور بن حارث سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نقصان پہنچانے کا یہ بہترین موقع ہے، تم جاؤ اور ان کو قتل کردو، دعثور کی بہادری کا دور دور تک شہرہ تھا، لیکن اس کا یہ اقدام انتہائی بزدلی کا غماز تھا، کیا کسی تنہا شخص پر حملہ کرنا جب کہ وہ غیر مسلح ہو اور سویا ہوا بھی ہو، بہادری اور شجاعت کی دلیل ہے۔

قوم کے اکسانے پر دعثور بن حارث ایک تیز دھار والی تلوار لے کر اس جگہ جا پہنچا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محو استراحت تھے، آپ کی تلوار درخت پر لٹکی ہوئی تھی، آپ آنکھیں بند کئے ہوئے لیٹے تھے، آپ کو احساس ہوا کہ کوئی شخص دبے پاؤں قریب آکر کھڑا ہو گیا ہے آپ نے آنکھیں کھول کر دیکھا ایک شخص ہاتھ میں تلوار لئے کھڑا ہے، اس نے للکارتے ہوئے کہا کہ اے محمد! بتاؤ، تمھیں اب کون بچائے گا، آپ نے لیٹے لیٹے فرمایا: مجھے میرا اللہ بچائے گا، یہ سن کر دعثور کے ہاتھ کانپنے لگے، تلوار اس کے ہاتھ سے چھٹ کر نیچے گر گئی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھا کر انہیں پکڑا دی، اس واقعے کا ان پر اس قدر اثر ہوا کہ وہ اسی وقت کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگئے، قبیلے میں واپس پہنچے تو لوگوں نے پوچھا: کیا ہوا، تم ناکام

(۱) تاریخ الطبری: ۵۲/۲، الطبقات الکبری: ۳۴/۲۔

کیسے رہ گئے، تم تو محمد کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے کے ارادے سے گئے تھے، کہنے لگے: میں نے ایک طویل القامت شخص کو دیکھا، میرا خیال ہے وہ فرشتہ تھا، اس نے میرے سینے پر اس زور سے مکا مارا کہ میں پیٹھ کے بَل نیچے گر پڑا، لوگو! میں مسلمان ہو چکا ہوں اور یہ گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، تم لوگ بھی ایمان لے آؤ، قرآن کریم کی سورۂ المائدہ آیت گیارہ میں اسی واقعے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔(۱)

بخاری اور مسلم میں بھی اسی طرح کا ایک واقعہ مذکور ہے، مگر یہ واقعہ کسی دوسرے غزوے میں پیش آیا تھا، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں، فرماتے ہیں کہ ہم لوگ غزوۂ ذات الرقاع میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام کی نیت سے درخت کے سائے میں لیٹ گئے، ہم ذرا دور تھے، آپ کی تلوار مبارک بھی درخت پر لٹکی ہوئی تھی، اتنے میں ایک مشرک وہاں آیا، اور آپ کی تلوار ہاتھ میں لے کر کہنے لگا: کیا آپ کو مجھ سے ڈر لگ رہا ہے، آپ نے فرمایا: نہیں، کہنے لگا: آپ کو مجھ سے کون بچائے گا، آپ نے فرمایا: اللہ میری حفاظت کرنے والا ہے۔(۲) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ دو قصے الگ الگ ہیں، پہلے قصے میں دعثور مسلمان ہو گئے تھے، یہ شخص مسلمان نہیں ہوا۔(۳)

کعب بن اشرف کا قصہ

سیرت کی تمام کتابوں میں یہ قصہ نہایت اہمیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور تفصیل کے ساتھ بھی، اس قصے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی جاں نثاری، بہادری اور بیدار مغزی کے کئی پہلو نمایاں ہوتے ہیں، کعب بن اشرف قبیلہ طی کی شاخ بنونبہان سے تعلق رکھتا تھا، ایام جاہلیت میں اس کا باپ کسی قتل کا مرتکب ہو گیا تھا، قصاص یا دیت سے بچنے کے لیے اس نے مدینے کا رخ کیا، اور یہاں آکر بنونضیر کا حلیف بن گیا، اس نے عقیلہ بنت حقیق نامی ایک عورت سے شادی کی، جس کا نسبی تعلق بنونظیر سے تھا، کعب بن اشرف اسی عورت

(۱) اسد الغابہ: ۲/۲۰۰، البدایہ والنہایہ: ۴/۴۔ (۲) صحیح البخاری: ۵/۱۱۵، رقم الحدیث: ۴۱۳۶، صحیح مسلم: ۱/۵۷۶، رقم الحدیث: ۸۴۳۔ (۳) فتح الباری: ۷/۴۲۷۔

کے بطن سے ہے، بہترین شاعر تھا، اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنا پر وہ تجارت میں بھی کامیاب رہا، اور یہود کی سیادت وقیادت بھی اس کے حصے میں آئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینے تشریف آوری کے بعد جو حالات وواقعات رونما ہوئے اور جس طرح لوگ جوق در جوق اسلام کے دامنِ رحمت میں پناہ لینے لگے اس وقت اس نے بھی کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کرلیا تھا، مگراس کا یہ اسلام کسی خاص مصلحت کی بنا پر تھا، دل سے وہ اب بھی پکّا یہودی تھا، اور اسلام دشمنی اس کے رگ وپے میں بسی ہوئی تھی، بس وہ حالات کی وجہ سے اس کا اظہار نہیں کرپاتا تھا۔

غزوۂ بدر کے وقوع سے پہلے اس کا خیال یہ تھا کہ اس جنگ میں مسلمان ختم ہوجائیں گے اور اہل مکہ کو فتح ملے گی، لیکن نتیجہ اس کے برعکس نکلا، مسلمان کامیابی سے ہم کنار ہوئے اور مشرکین مکہ کو ذلت آمیز شکست سے دوچار ہونا پڑا، بہت سے بڑے بڑے سردارانِ قریش اس جنگ میں مارے گئے، کعب بن اشرف کو مسلمانوں کی فتح اور مشرکین مکہ کی شکست سے بڑا صدمہ پہنچا، بدر میں فتح ونصرت کی خبریں مدینے پہنچیں تو وہ یہ کہتا پھرتا تھا کہ کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان بہادروں کو قتل کرسکتے ہیں جن کا نام مقتولین کی حیثیت سے لیا جارہا ہے، اور اگر یہ سچ ہے تو پھر زمین کا باطن اس کے ظاہر سے بہتر ہے، یعنی مرکر زمین میں سما جانا زندہ رہنے کے مقابلے میں زیادہ اچھا ہے، جس وقت مسلمان بدر کے اموال غنیمت اور قیدیوں کے ساتھ مدینے میں داخل ہورہے تھے وہ مکہ مکرمہ جانے کے لیے تیار بیٹھا تھا، بہ ظاہر تو اس کا مقصد مقتولین بدر کے متعلقین اور بچے کھچے سردارانِ قریش سے مل کر اظہار تعزیت کرنا تھا، لیکن درحقیقت وہ انہیں یہ سمجھانے آیا تھا کہ وہ اس شکست سے دل برداشتہ نہ ہوں بلکہ حوصلہ رکھیں اور ایک نئی جنگ کے لیے تیار رہیں، اس نے اہل مکہ کو اپنے مرثیوں سے جو اس نے مقتولین بدر کے غم میں کہے تھے خوب رُلایا، اور خود بھی دھاڑیں مار مار کر رویا، وہ ایک ایک قبیلے میں جاتا، اور اس قبیلے کے مقتول جوانوں کے مرثیے پڑھتا، اس طرح اس نے چند دن مکے میں گزارے اور اہل مکہ کو یہ یقین دلا کر واپس لوٹا کہ اگر وہ لوگ مدینے پر حملہ آور ہوئے تو مدینے کے یہود اندر سے بغاوت کردیں

گے اور اس جنگ میں ان کی بھرپور مدد کریں گے۔

مدینے واپس آکر اس نے کھلم کھلا اسلام اور مسلمانوں کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا، وہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخیاں کرتا رہتا تھا، آپ کو گندے اور فحش کلمات سے یاد کرتا یا ہجو پر مشتمل اشعار کہہ کر انہیں پورے مدینے میں پھیلاتا، مسلم خواتین کے متعلق بھی اس کے تبصرے انتہائی شرم ناک ہوتے، ابتداءً شاعر اسلام حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اس کے ہجو کا جواب دیتے، اور مدح رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل قصیدے کہتے، جن میں کعب کی ہفوات کا جواب بھی ہوتا، لیکن کعب نے جو جنگ چھیڑی تھی یہ اس کا پائے دار حل نہیں تھا، اس کو ایسے جواب کی ضرورت تھی جو اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیتی، اور وہ قیامت تک کے لیے اللہ ورسول کے ساتھ گستاخی کرنے والوں کے لیے نشان عبرت بن جاتا۔

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے مخاطب ہو کر فرمایا: کون ہے جو کعب بن اشرف کو اس کی اوقات یاد دلائے اور اس کا کام تمام کر دے، یہ سن کر ایک صحابی محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، بخاری شریف میں یہ واقعہ ایک مستقل باب کے تحت ذکر کیا گیا ہے، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں اس بد بخت کو قتل کر دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں یہ کام انجام دوں گا، آپ مجھے اتنی اجازت دیجیے کہ اگر میں مصلحت کے تحت آپ کی شانِ اقدس میں کوئی ایسی ویسی بات کہہ دوں تو اس پر اللہ کے یہاں کوئی مواخذہ نہ ہو اور نہ آپ ناراض ہوں، آپ نے فرمایا: تم کہہ سکتے ہو۔(۱)

ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ کعب بن اشرف مدینے کا اہم ترین شخص تھا، مال داری میں بھی قبیلہ بنونضیر میں اس کا کوئی ہم پلّہ نہیں تھا، اس نے اس علاقے میں جہاں یہ قبیلہ آباد تھا ایک نہایت مضبوط قلعہ تعمیر کرایا تھا، چودہ سو سال گزر جانے کے باوجود

(۱) صحیح البخاری: ۵/۹۰، رقم الحدیث: ۴۰۳۷، صحیح مسلم: ۳/۱۴۲۵، رقم الحدیث: ۱۸۰۱۔

اس قلعے کے کھنڈرات آج بھی موجود ہیں، مدینہ منورہ کے جنوب مشرق میں بطحان ڈیم کے راستے میں دائیں طرف یہ قلعہ واقع ہے، گرینائٹ پتھروں سے بنا ہوا ہے، دو ہزار مربع میٹر پر پھیلا ہوا یہ قلعہ بیس بڑے کمروں اور آٹھ برجیوں پر مشتمل تھا، اب بھی اس قلعے کی چار میٹر اونچی دیواریں موجود ہیں، سعودی حکومت نے لوہے کے مضبوط جنگلوں سے اس کو گھیر دیا ہے، آثار قدیمہ اور تاریخی واقعات سے دل چسپی رکھنے والے لوگ اس قلعے کو دیکھنے کے لیے جاتے ہیں، اس میں ایک کنواں بھی اپنی اصلی حالت میں موجود ہے، اگرچہ اس کا پانی خشک ہو چکا ہے، کعب بن اشرف کی رہائش اسی قلعے میں تھی۔

اجازت ملنے کے بعد محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ تن تنہا اس کے قلعے میں پہنچے، اس سے ملاقات کی، اور اپنی کچھ اقتصادی پریشانیوں کا ذکر کیا، انھوں نے کعب بن اشرف سے کہا کہ میں تمہارے پاس کچھ قرض لینے کے لیے آیا ہوں، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صدقہ مانگ مانگ کر ہمیں کنگال کر دیا ہے، ہم اس شخص سے پریشان ہو چکے ہیں، یہ سن کر کعب بن اشرف کی باچھیں کھل گئیں، وہ چاہتا ہی یہ تھا کہ محمد کے ساتھیوں میں سے کچھ لوگ ان کے خلاف کھڑے ہوں، محمد بن مسلمہ کی زبان سے یہ باتیں سن کر اس کی دلی مراد بر آئی، وہ پُر جوش ہو گیا اور کہنے لگا، واقعی! محمد ہیں ہی ایسے، مجھے یقین ہے تم ان سے عاجز آ چکے ہوں گے، اگر ابھی تک نہیں آئے تو بہت جلد تم ان سے عاجز آ جاؤ گے، محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: عاجز تو ہیں مگر کیا کریں، حالات غیر یقینی سے ہیں، ہم انہیں چھوڑ بھی نہیں سکتے، کیوں کہ ایسا کرنا مصلحت کے خلاف ہوگا، معلوم نہیں اونٹ کس کروٹ بیٹھے، فی الحال تو میں سخت پریشان ہوں، میرے جیسے کچھ لوگ اور بھی ہیں، ہم ضرورت لے کر تمہارے پاس آئے ہیں، اگر کچھ غلہ وغیرہ بہ طور قرض دے دو تو تمہارا بڑا احسان ہوگا۔

کعب بن اشرف نے کہا قرض تو میں تم لوگوں کو ضرور دوں گا، لیکن تم کو میرے پاس کچھ نہ کچھ رہن رکھنا ہوگا، محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا چیز رہن رکھی جائے، اس بد باطن نے کہا ایسا کرو کہ تم اپنی عورتوں کو میرے پاس چھوڑ دو، جب میرا قرض واپس کرد تب اپنی عورتوں کو واپس لے جانا، محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا بھلا ہم اپنی عورتوں کو

تمہارے پاس کیسے چھوڑ سکتے ہیں، تم مدینے کے حسین ترین لوگوں میں سے ہو، اس نے کہا اگر عورتوں کو رہن نہیں رکھ سکتے تو اپنے بیٹوں کو رہن رکھ دو، محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ بھی ہمیں منظور نہیں، ہم اپنے بیٹوں کو کیسے رہن رکھ سکتے ہیں، یہ ہمارے لیے باعث ننگ وعار ہوگا، ہمارے مرنے کے بعد بھی لوگ ہمارے بچوں کو راستوں میں روک روک کر یہ کہا کریں گے کہ تم وہی ہو جو چند کلو غلّے کے بدلے میں رہن رکھے گئے تھے، اگر تم مناسب سمجھو تو ہمارے ہتھیار اپنے پاس رکھ لو، میں اور میرے ساتھی اپنے ہتھیار لا کر تمہارے پاس جمع کرا دیں گے، ہم تمہارا قرض لوٹا کر یہ ہتھیار واپس لے جائیں گے، اس قصے کے راوی کہتے ہیں کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے یہ تجویز جان بوجھ کر رکھی تھی، اس کے قلعے میں ہتھیار لے کر جانے کی یہی ایک صورت تھی، ورنہ عام حالات میں یہ ممکن نہ تھا کہ کوئی شخص کسی کے گھر میں ہتھیار لے کر پہنچے۔

کعب بن اشرف نے یہ تجویز منظور کر لی، ایک دو دن کے بعد محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اپنے تین ساتھیوں کے ساتھ کعب بن اشرف کے قلعے میں پہنچے، یہ ایک چاندنی رات تھی، کعب اپنی نئی نویلی دلہن کے ساتھ محو استراحت تھا کہ اس کے کانوں میں ابو نائلہ رضی اللہ عنہ کی آواز پڑی، ان کا اصل نام سلکان بن سلامہ رضی اللہ عنہ ہے، کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی ہیں، ان کی آواز سنتے ہی کعب اپنے بستر سے اٹھا، اور باہر کی طرف جانے لگا، اس کی بیوی نے کہا کہ میں اس آواز میں خون کی بو محسوس کر رہی ہوں، تم اس طرح رات کے وقت تنہا باہر مت جاؤ، تمہارے ہزاروں دشمن ہیں، کعب نے کہا کہ میں کیسے نہ جاؤں، مجھے ابو نائلہ رضی اللہ عنہ نے آواز دی ہے، جو میرا رضاعی بھائی ہے، ویسے بھی مردوں کو جب آواز دی جاتی ہے تو ان کی مردانگی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس آواز پر لبیک کہیں، کعب باہر گیا، ابو نائلہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ، عباد بن بشر رضی اللہ عنہ، حارث بن اوس رضی اللہ عنہ اور ابو عمیس بن جبر رضی اللہ عنہ بھی تھے، یہ سب اپنے اپنے ہتھیار لے کر آئے تھے تا کہ کعب کے پاس گروی رکھوا کر کچھ غلّہ وغیرہ حاصل کر سکیں، کعب نے ان کو خوش آمدید کہا اور انہیں لے کر قلعے میں آیا۔

کعب اس وقت چادر اوڑھے ہوئے تھا، اس کے بدن سے خوشبو آرہی تھی، محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تمہارے جسم سے جس طرح کی خوشبو آرہی ہے میں نے ایسی خوشبو آج تک نہیں سونگھی، کعب نے بہ طور فخر کہا کہ میرے پاس عرب کی ایک ایسی عورت ہے جو ہر وقت خوشبوؤں سے مہکتی رہتی ہے، تمہارے آنے سے پہلے میں اسی کے پاس تھا، محمد بن مسلمہ نے اس کی طرف توصیفی نظروں سے دیکھا اور کہا کہ اگر تم اجازت دو تو میں تمہارا سر سونگھ لوں، یہ دل فریب خوشبو تمہارے سر کے بالوں میں بسی ہوئی ہے، اس نے اجازت دے دی، محمد بن مسلمہ نے اس کا سر پکڑ کر اپنی طرف کیا اور اسے اچھی طرح سونگھا، کچھ دیر تک یہ سب لوگ محل کے باغیچے میں ٹہلتے رہے اور چاندنی رات سے لطف اندوز ہوتے رہے، ابھی یہ لوگ ٹہل ہی رہے تھے اور کعب بن اشرف سے اس کی شاعری سن رہے تھے کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اس سے پھر کہا کہ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں ایک مرتبہ اور آپ کا سر سونگھ لوں، یہ کچھ عجیب طرح کی خوشبو ہے جو مجھے بے خود کئے دے رہی ہے، کعب نے فخر و مسرت سے ان کی طرف دیکھا اور اپنا سر پھر نیچے کی طرف جھکا دیا، تیسری مرتبہ بھی محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے یہی خواہش کی، اس مرتبہ بھی کعب نے ان کی خواہش پوری کرنے میں بخل سے کام نہیں لیا، اس بار سب نے اس کا سر سونگھا، جب محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کا نمبر آیا تو انھوں نے اس کے سر کو اچھی طرح جکڑ لیا اور اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا کہ وہ اس کا کام تمام کر دیں، چناں چہ انھوں نے اس پر خنجروں سے حملہ کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا، واقدی کی روایت ہے کہ ان حضرات نے اس کا سر تن سے جدا کیا اور اسے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔(۱)

حافظ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اس قصے میں یہ بھی لکھا ہے کہ جس رات محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء نے کعب بن اشرف کے قلعے کی طرف جانے کا منصوبہ بنایا تھا اس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو رخصت کرنے کے لیے اس مقام تک تشریف لائے جہاں آج جنت البقیع واقع ہے، آپ نے ان حضرات کو رخصت کرتے ہوئے فرمایا: اللہ

(۱) صحیح البخاری: ۵/۹۰ رقم الحدیث: ۴۰۳۷، الواقدی کتاب المغازی: ۱/۱۹۵۔

کے نام پر قدم اٹھاؤ، پھر یہ دعا فرمائی، اے اللہ! ان کی مدد فرما، اس کے بعد آپ اپنے گھر تشریف لے گئے، اس رات آفتاب پوری طرح روشن تھا، اور ہر طرف چاندنی بکھری ہوئی تھی، یہ لوگ کعب کے قلعے تک پہنچے، ابونائلہ رضی اللہ عنہ نے اسے آواز دی، اس کے بعد وہی قصہ ہے جو ابھی مذکور ہوا۔

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب ساتھیوں کی تلواروں سے پوری طرح کام نہیں چلا تو میں نے اپنی لمبی تلوار نکالی اور اس کے پیٹ میں گھونپ دی، جو اس کے جسم کے پار ہوگئی، اللہ کا دشمن پوری طاقت سے چیخنے لگا، یہاں تک کہ زمین پر گر گیا، اس دوران ہم میں سے کسی کی تلوار سے حارث بن اوس رضی اللہ عنہ کا ایک پاؤں زخمی ہوگیا، ہم کعب کے قلعے سے بہ حفاظت باہر نکل آئے، وہاں سے ہم بنوامیہ بن زید سے ہوتے ہوئے بنوقریظہ کی طرف آئے، وہاں سے بُعاث پہنچے، پھر حَرَّۃ العِریض تک پہنچ کر رُک گئے، ہمارے زخمی ساتھی حارث بن اوس آہستہ آہستہ آرہے تھے، ہم نے کچھ دیر ان کا انتظار کیا، جب وہ ہمارے پاس پہنچ گئے، ہم نے انہیں گود میں اٹھایا اور انہیں لے کر رات کے آخری پہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے، ہم نے آپ کو کعب کے قتل کی خوش خبری سنائی، آپ نے حارث رضی اللہ عنہ کے زخم پر اپنا لعاب دہن لگایا، جس سے ان کا زخم صحیح ہوگیا، اس کے بعد ہم سب اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہوگئے۔

صبح جب لوگوں میں کعب کے قتل کی خبر عام ہوئی تو یہودیوں میں خوف وہراس پھیل گیا، جو لوگ دشمنی میں بہت زیادہ آگے بڑھے ہوئے تھے انہیں اپنی موت سامنے نظر آنے لگی۔(۱) اس واقعے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرمادیا کہ جو یہودی کھلم کھلا اسلام دشمنی پر آمادہ نظر آئے، یا وہ نقض عہد کا مرتکب ہو اسے قتل کردیا جائے۔(۲) بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو دیکھ کر فرمایا: افلحت الوجوہ ان چہروں نے فلاح پائی اور کامیاب ہوئے۔ان لوگوں

(۱) سیرت ابن ہشام: ۳/۱۴، ۱۵۔ (۲) زاد المعاد: ۳/۱۴۸۔

نے جواباً عرض کیا: وجھك یارسول اللّٰه. سب سے پہلے آپ کا چہرۂ مبارک یارسول اللہ۔ اس کے بعد ان لوگوں نے کعب کا کٹا ہوا سر آپ کے قدموں میں ڈال دیا، آپ نے الحمدللہ کہا اور اللہ کا شکر ادا فرمایا۔ (۱) صبح کو جب کعب کے قتل کی خبر پھیلی تو یہودیوں کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، وفد میں شامل لوگوں نے بہ طور شکایت عرض کیا کہ آپ کے ساتھیوں نے ہمارے سردار کو اس اس طرح قتل کر دیا ہے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ مسلمانوں کو ایذائیں پہنچاتا تھا، اور لوگوں کو ہمارے قتل پر اکساتا رہتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے سامنے کعب کے کرتوت کھول کھول کر بیان فرمائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سن کر یہود خاموش ہو گئے، ان سے کوئی جواب نہ پڑا اور واپس چلے گئے، البتہ آپ نے ان سے ایک نیا عہد نامہ اس مضمون کا لکھوایا کہ آئندہ کوئی یہودی اس طرح کی حرکت نہیں کرے گا۔ (۲)

ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ کعب بن اشرف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت پر بلایا، اور کچھ لوگ ایسے متعین کر دئے جو موقع دیکھتے ہی آپ پر حملہ کر دیں اور نعوذ باللہ آپ کو قتل کر دیں، آپ اس کے گھر تشریف لے گئے، ابھی بیٹھے ہی تھے کہ جبرئیل امین نے تشریف لا کر اس سازش کا راز فاش کر دیا، آپ اسی وقت وہاں سے اٹھے، اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے پروں کے سائے میں باہر تشریف لائے، اس طرح کعب کی سازش ناکام ہو گئی۔ (۳)

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کعب بن اشرف کے قتل کی وجوہات اور اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ ”روایات حدیث سے کعب بن اشرف کے قتل کے جو وجوہ اور اسباب معلوم ہو سکے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں دریدہ دہنی اور سب وشتم اور گستاخانہ کلمات کا زبان سے نکالنا۔

(۲) آپ کے ہجو میں اشعار کہنا (۳) غزلیات اور عشقیہ اشعار میں مسلمان

---

(۱) فتح الباری: ۱۱/ ۳۶۷۔ (۲) فتح الباری: ۱۱/ ۳۶۵۔ (۳) فتح الباری: ۱۱/ ۳۶۴۔

عورتوں کا بہ طور تشبیب ذکر کرنا۔(۴) غداری اور نقض عہد (۵) لوگوں کو آپ کے مقابلے کے لیے ابھارنا اور اکسانا اور ان کو جنگ پر آمادہ کرنا، (۶) دعوت کے بہانے آپ کے قتل کی سازش کرنا (۷) اور دین اسلام پر طعن کرنا، لیکن قتل کا سب سے قوی سبب آپ کی شان اقدس میں دریدہ دہنی اور سب وشتم اور آپ کی ہجو میں اشعار کہنا ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الصارم المسلول علی شاتم الرسول میں صفحہ ۷۰ تا ۹۱ میں اس پر مفصل کلام کیا ہے۔(۱)

ابن سُبَینہ یہودی کا قتل اور حُوَیصہ بن مسعود کا اسلام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعلان واجازت کے بعد کہ اگر آج کے بعد کسی یہودی نے معاہدے کی خلاف ورزی کی یا کسی طرح کا فتنہ وفساد پھیلانے کی کوشش کی یا اللہ اور اس کے رسول کو سب وشتم کیا تو اسے قتل کر دیا جائے، ایک صحابی نے جن کا نام مُحیصہ رضی اللہ عنہ بن مسعود تھا ابن سُبینہ یہودی کو قتل کر ڈالا، مقتول بڑا تاجر تھا، بہت سے لوگ اس کے ساتھ مل کر تجارت کرتے تھے، وہ شخص اپنے شرکاء تجارت کا بڑا خیال رکھتا تھا، بہ ظاہر وہ اچھے معاملات کا حامل ملنسار اور ہمدرد قسم کا آدمی تھا، لیکن اسلام اور رسول اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت ومخالفت اس کے رگ وپے میں سرایت کئے ہوئے تھی، محیصہ رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی حُویصہ بن مسعود جو ایک عمر رسیدہ انسان تھے اور ابھی تک حلقہ بہ گوشان اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے، ابن سُبینہ کے قتل سے اس قدر برافروختہ ہوئے کہ انھوں نے اپنے چھوٹے بھائی کو یہ کہہ کر مارنا شروع کر دیا کہ اے اللہ کے دشمن تو نے اسے کیوں مار ڈالا، تیرے پیٹ پر جو چربی چڑھی ہوئی ہے تجھے معلوم ہے اس میں سے زیادہ تر چربی اس کے کھانے کھا کھا کر بنی ہے، مُحیصہ رضی اللہ عنہ نے کہا: بھائی! مجھے اس کے قتل کا حکم جس شخص نے دیا تھا وہ اگر مجھے آپ کے قتل کا حکم دیتے تو میں آپ کو بھی قتل کر دیتا، انھوں نے حیرت سے اپنے چھوٹے بھائی کی طرف دیکھا اور یہ کہا کہ کیا واقعی تو محمد کے کہنے پر مجھے قتل کر دے گا، محیصہ رضی اللہ عنہ نے بلا خوف وخطر جواب دیا، بالکل! اگر وہ مجھے حکم دیں گے تو میں آپ کی

(۱) سیرۃ المصطفی: ۲/۱۸۹، ۱۸۰۔

گردن اڑا دوں گا، حویصہ اپنے بھائی کا یہ جذبہ، اسلام پر اس کی ثبات قدمی اور رسول اللہ ﷺ کے تئیں اس کی محبت و عقیدت اور جاں نثاری کا یہ حال دیکھ کر بے حد متاثر ہوئے، اور یہی واقعہ ان کے قبول اسلام کا سبب بن گیا۔(۱)

غزوۂ بُحران

رابغ شہر سے سو کلو میٹر کی دوری پر جبل بُحران واقع ہے، یہ غزوہ اسی پہاڑ کے نشیبی علاقے کی طرف منسوب ہے، ربیع الثانی سن تین ہجری میں آپ بحران تشریف لے گئے اور جمادی الاولیٰ تک یہیں مقیم رہے، آپ کو خبر ملی تھی کہ بنو سلیم کے جنگ جو جبل بحران کے قریب وادی حجر میں جمع ہو رہے ہیں، آپ نے تین سو جاں باز صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا انتخاب کیا اور ان کی قیادت کرتے ہوئے اس وادی میں تشریف لائے، وہاں پہنچنے سے ایک رات پہلے بنو سلیم کے کسی شخص نے آکر یہ اطلاع دی کہ بنو سلیم کا جماوڑا ختم ہو چکا ہے، رسول اللہ ﷺ نے خبر دینے والے شخص کو گرفتار کرنے کا حکم دیا اور اسے لے کر بحران کا قصد فرمایا، وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ دشمن واقعی راہ فرار اختیار کر چکا ہے، آپ نے قیدی کو رہا فرمادیا، لیکن اسلامی فوجیں وہاں کچھ روز ٹھہری رہیں تاکہ آس پاس کے قبائل کو معلوم ہو جائے کہ مسلمان غافل نہیں ہیں، وہ عقابی نظر رکھتے ہیں، دشمن کی کوئی حرکت ان کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہے، کچھ روز وادی بحران میں ٹھہر کر آپ مدینہ منورہ واپس تشریف لے گئے۔(۲)

سریہ زید بن حارثہ

بدر کے میدان میں ذلت آمیز شکست کے بعد مشرکین مکہ کے دل میں ڈر اور خوف بیٹھ گیا تھا، اگرچہ ان کا جذبۂ انتقام ابھی سرد نہ ہوا تھا، وہ کچھ عجیب سی کیفیت سے دو چار تھے، ایک طرف تو وہ یہ چاہتے تھے کہ بدر کی شکست کا بدلہ لیں، اور پوری قوت کے ساتھ مدینے پر حملہ کر کے مسلمانوں کو منہ توڑ جواب دیں، دوسری طرف تجارتی قافلوں کے

(۱) سنن ابی داؤد: ۳/ رقم الحدیث: ۳۰۰۲، دلائل البیہقی: ۳/۲۰۰، سیرت ابن ہشام: ۳/۱۵۔ (۲) الکامل فی التاریخ: ۱۴۲/۲، تاریخ الطبری: ۲/۵۲، الواقدی فی المغازی: ۱/۱۹۶۔

راستوں کو لے کر انہیں ایک گونہ بے اطمینانی بھی تھی، یہ بھی ممکن نہ تھا کہ تجارتی قافلوں کی آمد ورفت معطل کر دی جاتی، کیوں کہ مکے کی معیشت کا دار ومدار ہی تجارت پر تھا، اس مرتبہ جو قافلہ ترتیب دیا گیا اس نے شام کے قدیم راستے کے بہ جائے وہ راستہ اختیار کیا جو عراق کی طرف جاتا ہے، اس قافلے میں ابوسفیان بن حرب، صفوان بن امیہ، حُویطب بن عبدالعزّٰی وغیرہ شامل تھے، فرات بن حَیّان عُجلی کو راہ نما کے طور پر ساتھ لیا گیا تھا، قافلے میں چاندی کے زیورات اور دیگر قیمتی سامان وافر مقدار میں تھا، ایک اندازے کے مطابق اس سامان کی قیمت ایک لاکھ درہم تھی۔

سَلیط بن نعمان رضی اللہ عنہ حکومتِ اسلامیہ کی خفیہ ایجنسی کے ایک اہم رکن تھے، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس قافلے کی اطلاع دی، آپ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں سو سواروں کا ایک دستہ اس قافلے کا راستہ روکنے کے لیے روانہ فرمایا، قَردَہ نامی چشمے پر وہ قافلہ جس کی تلاش میں صحابہ نے سفر کی زحمت اٹھائی تھی مل گیا، قافلے کے بیشتر لوگ ڈر کر بھاگ گئے، مسلمانوں کو مال غنیمت کے طور پر قافلے کے اونٹ اور ان پر لدا ہوا سامان تجارت ملا، فرات بن حَیّان قید کر لیا گیا، بعد میں وہ اسلام لے آیا، اور اسے آزاد کر دیا گیا، یہ دستہ کامیابی کے ساتھ مدینے واپس آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس رکھ کر باقی تمام سامان دستے کے ارکان میں تقسیم فرما دیا، سریۂ زید بن حارثہ جمادی الاخری سن تین ہجری میں پیش آیا۔(۱)

ابورافع یہودی

ابورافع یہودی کے قتل کا واقعہ دل چسپ بھی ہے اور ولولہ انگیز بھی، اس واقعہ میں بھی حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا جذبۂ جاں نثاری، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے ان کی والہانہ محبت اور آپ کی عزت وعظمت کے تحفظ کے لئے مر مٹنے کی خاطر ان حضرات کی خواہش اور شوق نمایاں نظر آتا ہے۔

ابورافع یہودی کو جس کا اصل نام عبداللہ بن اَبی حقیق تھا، مدینے کے انتہائی مال دار

(۱) سیرۃ بن ہشام:۳/۹، طبقات بن سعد:۲/۳۶، عیون الاثر:۱/۳۵۵۔

لوگوں میں شمار کیا جاتا تھا، اس کا قلعہ خیبر کی ایک وادی میں تھا، وہیں اس کا قیام بھی تھا، دوسرے بہت سے یہودیوں کی طرح اس کا دل بھی اللہ اور اس کے رسول کی عداوت اور دشمنی کی آماج گاہ بنا ہوا تھا، اس کا مشغلہ بھی آپ کو ایذا پہنچانا تھا، وہ کعب بن اشرف کا معین ومددگار بھی تھا۔

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی جنہوں نے کعب بن اشرف کو قتل کیا تھا قبیلۂ اوس سے تعلق رکھتے تھے، قبیلہ خزرج سے تعلق رکھنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین ان حضرات کی قسمت پر رشک کرتے تھے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمن کو قتل کر کے دارین کی سعادت اور شرف حاصل کر لیا اور ہم لوگ اس سعادت سے محروم رہ گئے۔ ایک دن ان حضرات میں سے کسی کو خیال آیا کہ ابورافع کو قتل کر کے ہمیں بھی یہ عظیم سعادت حاصل کرنی چاہئے، مگر اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت ضروری تھی۔ چناں چہ چند خزرجی صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ابورافع یہودی کو قتل کرنے کی اجازت چاہی، آپ نے اجازت مرحمت فرمادی۔ چند روز قتل کے منصوبے پر مشورے اور تیاری میں گزرے، پندرہ جمادی الاخری سن تین ہجری کو حضرات عبداللہ بن عتیک، مسعود بن سنان، عبداللہ بن اُنیس، ابوقتادہ، حارث بن ربعی اور خزاعی بن اسود رضی اللہ عنہم اجمعین خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ غروب آفتاب کے بعد یہ لوگ خیبر پہنچے۔ ابورافع یہودی خیبر کے ایک قلعے میں رہتا تھا، ابھی قلعہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا، چراگاہوں سے جانور واپس آرہے تھے، حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم لوگ ٹھہرو، میں ذرا قلعے کے قریب جا کر اندر جانے کی کوئی تدبیر کرتا ہوں۔ تمام ساتھی قلعے سے کچھ فاصلے پر کھڑے ہوگئے، عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ چھپتے چھپاتے قلعے کے قریب پہنچے اور زمین پر اس طرح بیٹھ گئے جیسے کوئی شخص قضائے حاجت کے لئے بیٹھتا ہو، دربان نے آواز دے کر کہا: اے اللہ کے بندے جلدی سے اندر آجا، مجھے گیٹ بند کرنا ہے، وہ یہ سمجھا کہ قلعے کا کوئی نوکر باہر قضائے حاجت کے لئے بیٹھا ہوا ہے۔ عتیک رضی اللہ عنہ جلدی سے اٹھے اور قلعے کے اندر داخل ہوگئے۔ دربان نے گیٹ بند کیا۔ ابورافع اس وقت بالاخانے پر تھا،

جب اندھیرا چھا گیا تو بہت سے لوگ قلعے میں آئے، یہ وہ لوگ تھے جو رات کو ابورافع کی مجلس میں بیٹھتے تھے، قصہ گوئی اور شعروشاعری ہوتی تھی، شراب وکباب کا دور چلتا تھا، اس رات بھی یہ محفل جمی، رات گئے مجلس برخاست ہوئی، تمام لوگ اپنے اپنے گھروں کی طرف چلے گئے، دربان نے گیٹ میں تالا لگا کر کنجی ایک کھونٹی پر لٹکا دی اور خود پڑ کر سو گیا۔

عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں قلعے کے اندر ایک گوشے میں چھپا بیٹھا تھا، جب میں نے یہ دیکھا کہ دربان گہری نیند سو چکا ہے، میں آہستگی کے ساتھ اس طرف بڑھا جہاں کنجی لٹکی ہوئی تھی، میں نے کنجی اٹھائی اور گیٹ کھول کر اپنے ساتھیوں کو اندر بلالیا، اس کے بعد میں بالاخانے کی طرف بڑھا، ابورافع سونے کے لئے لیٹ چکا تھا، میں اپنے پیچھے تمام دروازے بند کرتا ہوا اس کے خاص کمرے میں داخل ہو گیا، کمرے میں اندھیرا تھا، ابورافع اپنے اہل وعیال کے ساتھ سویا ہوا تھا، مگر مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ کہاں سو رہا ہے، میں نے یہ اندازہ کرنے کے لئے کہ وہ کہاں ہے اسے آواز دی، ابورافع نے کہا کون ہے؟ میں نے آواز کی سمت کا اندازہ کر کے تلوار چلائی، وار خالی گیا۔ ابورافع نے چیخ ماری، میں چند لمحے خاموش کھڑا رہا، اس کے بعد آواز بدل کر بولا اے ابورافع کیا ہوا؟ کہنے لگا کہ ابھی مجھ پر کسی نے حملہ کیا ہے۔ یہ سنتے ہی میں نے دوبارہ تلوار چلائی، وہ زخمی ہو گیا اور چلانے لگا، اب مجھے خوب اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ کہاں ہے؟ میں نے زور زور سے تلوار چلائی جس سے اس کا جسم چھلنی چھلنی ہو گیا، پھر میں نے تلوار کی نوک اس کے پیٹ میں گھونپ دی، جو جسم کے پار ہو گئی۔ جب مجھے اس کے مرنے کا یقین ہو گیا میں بالاخانے سے نیچے اتر آیا، زمین پر پیر رکھتے ہوئے میری پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی، عمامہ کھول کر میں نے ٹوٹی ہوئی پنڈلی پر باندھا اور ساتھیوں سے آ کر کہا کہ ابورافع مر چکا ہے، اب تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ اور راستے میں کہیں رُک کر میرا انتظار کرو، میں یہاں اس وقت تک رہوں گا جب تک اس کی موت کا اعلان نہیں ہو جاتا۔

صبح ہوئی تو قلعے کی فصیل سے ابورافع کی موت کا اعلان کیا گیا، یہ اعلان سن کر مجھے اطمینان ہوا، اور میں اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ گیا، جو راستے میں ٹھہر کر میرا انتظار کر

رہے تھے۔ ہم سب ساتھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ کو ابورافع کے قتل کی خوش خبری سنائی اور جو واقعات گزرے وہ سب آپ کی خدمت میں عرض کیے، آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اپنی ٹانگ پھیلاؤ، میں نے ٹانگ پھیلا دی، آپ نے اس پر دست مبارک پھیرا، میری ٹانگ ایسی ہوگئی جیسے اس میں کبھی کوئی تکلیف ہی نہیں تھی۔(۱)

غزوۂ احد کا پسِ منظر

غزوۂ بدر کے بعد یہ بڑا اور نہایت اہمیت کا حامل غزوہ ہے، مابعد کی تاریخ پر اس غزوے کے بھی زبردست اثرات مرتب ہوئے اور یہ غزوہ بھی حق و باطل کے درمیان فیصلہ کن ثابت ہوا، غزوۂ احد کا پس منظر یہ ہے کہ بدر کے میدان سے شکست کھا کر کفار و مشرکین مکے واپس ہوئے تو ان کا سینہ جذبۂ انتقام سے بھرا ہوا تھا، مسلمانوں نے ان کے اپنوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا تھا، شاید ہی مکّے کا کوئی گھرانا ایسا ہو جس کا کوئی عزیز قریب اس جنگ میں قتل نہ ہوا ہو، بہت سے سردارانِ قریش بھی ذلت کی موت مارے جاچکے تھے، جو بچ گئے تھے ان کا بھی کوئی نہ کوئی عزیز، رشتے دار اس جنگ میں کام آ گیا تھا۔ چنانچہ ابوسفیان کا بیٹا حنظلہ، عکرمہ کا باپ ابوجہل، حارث بن ہشام کا بھائی ابوجہل بن ہشام اور صفوان بن امیہ کا باپ امیہ قتل ہوچکے تھے، ابوسفیان اگرچہ تجارتی قافلے کو اس کے ساز و سامان سمیت بچا کر مکّے لے آیا تھا، مگر یہ سب سامان دارالندوہ میں جمع تھا، بدر میں گئے ہوئے لوگوں کی واپسی کا انتظار تھا، ان میں سے اکثر لوگوں کا سرمایہ اس سامان کی خریداری میں لگا ہوا تھا۔

جب بدر سے شکست خوردہ مشرکین کا آخری فرد بھی واپس آ گیا تو یہ تصور کرلیا گیا کہ جو لوگ واپس نہیں آئے یا تو وہ مرچکے ہیں یا مسلمانوں کی قید میں ہیں، پہلی کوشش تو ان قیدیوں کو زرفدیہ دے کر چھڑانے کی تھی، جب یہ عمل بھی پورا ہوگیا اور جن کو رہا ہو کر آنا تھا وہ آگئے تب ان لوگوں کو خیال آیا کہ ہم تو اپنی تاریخ کی نہایت ذلت آمیز شکست سے دوچار ہوچکے ہیں، ہمارے بہت سے پیارے جن پر ہمیں فخر اور ناز تھا ہم سے جدا ہوچکے

(۱) صحیح بخاری ۵/۹۷، رقم الحدیث: ۴۰۳۹، تاریخ الطبری ۲/۴۹۳، البدایہ والنہایہ ۴/۱۵۸۔

ہیں، مسلمانوں کا حوصلہ اتنا بڑھ چکا ہے کہ وہ ہمیں پابہ جولاں مدینے لے جائیں اور زرِ فدیہ لے کر رہا کریں، اس خیال نے ان کے دن کا سکون اور رات کا چین چھین لیا، ہر شخص کے دل میں انتقام کی چنگاری سلگنے لگی، جو لمحہ بہ لمحہ آگ کی طرح پھیلتی چلی گئی، بالآخر عبداللہ بن ابی ربیعہ، عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ، قریش کے کچھ اور لوگوں کو ساتھ لے کر ابوسفیان کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہم نے اپنا سرمایہ تو بچالیا ہے مگر اپنوں کو کھودیا ہے، اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس مال کے ذریعے ایک بڑی اور فیصلہ کن جنگ کی تیاری کریں اور پوری طاقت وقوت کے ساتھ مدینے پر حملہ آور ہوں۔ ابوسفیان نے فوراً ہی یہ تجویز مان لی اور اسی مجلس میں یہ طے ہوگیا کہ اصل سرمایہ مالکوں کو واپس کردیا جائے اور اس کا تمام منافع جو تقریباً پچاس ہزار دینار تھا جنگی ساز وسامان کی تیاری اور خریداری میں صرف کردیا جائے۔ قرآن کریم کی یہ آیت اسی پس منظر میں نازل ہوئی: اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِیَصُدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَسَیُنْفِقُوْنَهَا حَسْرَةً ثُمَّ یُغْلَبُوْنَ.(۱) ''جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے اور اپنا مال اس کام کے لئے خرچ کر رہے ہیں کہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکیں، نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ لوگ خرچ تو کریں گے مگر پھر یہ سب کچھ ان کے لئے حسرت کا سبب بن جائے گا اور آخر کار یہ لوگ مغلوب ہوجائیں گے۔ (۲)

جنگ کی تیاری

اس فیصلے کے بعد تمام ہزیمت خوردہ مشرکین ایک نئے جذبے کے ساتھ جنگ کی تیاری میں مصروف ہوگئے، پہلے مرحلے میں انہوں نے مکہ مکرمہ کے اردگرد رہنے والے قبائل کے ساتھ رابطہ کیا اور انہیں اپنے عزم سے آگاہ کیا، کنانہ اور تہامہ کے قبائل قدم بہ قدم مشرکین کے ساتھ تھے، بہت سے لوگ جن میں سرفہرست عمرو بن العاص، طلحہ بن ابی طلحہ، ہُبیرہ بن ابی وَہب وغیرہ تھے، وفود کی شکل میں اور انفرادی طور پر مختلف قبیلوں میں پہنچے اور ان کے جاں بازوں کو اس فیصلہ کن جنگ میں شرکت کی دعوت دی، اس جنگ کی

(۱) الانفال: ۳۶۔ (۲) اسباب النزول، واحدی، ص: ۱۹۵، تفسیر الطبری، ۱۵۹/۹۔

خاص بات یہ تھی کہ اس میں شرکت کے لئے عورتوں کو بھی ساتھ لیا گیا، ان میں کئی خواتین وہ تھیں جن کے باپ، بھائی یا بیٹے بدر میں مارے گئے تھے اور وہ انتقام کی آگ میں جل رہی تھیں، چنانچہ ابوسفیان جو لشکرِ کفار کا قائد تھا اپنی بیوی ہند بنت ابی عُتبہ کو لے کر گیا، عِکرمہ بن ابی جہل کے ساتھ ام حکیم، حارث بن ہشام کے ساتھ فاطمہ بنت ولید، صفوان ابن ابی اُمیّہ کے ساتھ بَرزہ بنت مسعود تھیں، اور بھی کچھ خواتین تھیں جن کا ذکر تاریخ کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے، عورتوں کو ساتھ لے جانے کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ رجزیہ اشعار پڑھیں، لڑنے والوں کی ہمت بڑھائیں اور بھاگنے والوں کو غیرت دلائیں۔ ویسے بھی عربوں میں اپنی بہو بیٹیوں، ماؤں بہنوں اور بیویوں کی حرمت کے سلسلے میں کچھ زیادہ ہی غیرت تھی، عورتوں کو فوج کا حصہ اس لئے بھی بنایا گیا تاکہ ان کی بے حرمتی کے خیال سے لڑنے والے خم ٹھونک کر میدان میں اتریں، سینہ سپر کر لڑیں اور میدانِ جنگ سے فرار ہونے کی کوشش نہ کریں۔(۱)

ابوعزّہ عمرو بن عبداللہ بھی مشرکین کے ساتھ روانہ ہوا، حالاں کہ یہ وہ شخص ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبردست احسان فرمایا تھا، یہ شخص بدر کی جنگ میں قید ہوا اور اسے دوسرے قیدیوں کے ساتھ مدینے لایا گیا، جب یہ تمام قیدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوئے اور انہیں بتلایا گیا کہ اب تمہاری رہائی زرفدیہ دے کر ہی ہوسکتی ہے تو اس نے عرض کیا یارسول اللہ میں ایک غریب آدمی ہوں، اس پر کثیر العیال بھی ہوں، میری عسرت، تنگ دستی اور عیال کی کثرت کا حال آپ پر مخفی نہیں ہے، اس لئے آپ مجھ پر احسان فرمائیں اور مجھے زرفدیہ لئے بغیر ہی آزاد کردیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس وعدے پر رہا فرمادیا کہ وہ آئندہ کبھی بھی کفار کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے میں نہیں آئے گا۔ غزوۂ احد کے لئے جب لوگوں کی بھیڑ اکٹھی ہونے لگی تو صفوان بن امیہ نے اس سے کہا کہ اے ابوعزّہ تم ایک بہترین شاعر ہو، اس موقع پر تمہیں بھی ہمارے ساتھ ہونا چاہئے، کچھ نہیں تو تم اپنی شاعری ہی کے ذریعے ہماری مدد کردینا، اس نے جواب دیا، مجھ

(۱) سیرت ابن ہشام، ۳؍۷۔

پر محمد نے احسان کر رکھا ہے، میں ان کے سامنے خود کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا، انہوں نے مجھے اس شرط پر چھوڑ دیا تھا کہ آج کے بعد میں ان کے خلاف کسی کو نہ ورغلاؤں گا اور نہ بھڑکاؤں گا، مگر صفوان کے دیئے ہوئے لالچ کے سامنے اس کے قدم لڑکھڑا گئے، وہ اپنے وعدے پر قائم نہ رہ سکا۔ صفوان نے اس کو یہ لالچ دیا کہ تم ہمارے ساتھ چلو اور اپنی ذات سے اس جنگ میں حصہ لو، اگر خیریت کے ساتھ واپس آگئے تو میں تمہیں مالا مال کر دوں گا اور اگر مارے گئے تو تمہاری بیٹیاں میری بیٹیوں کے ساتھ رہیں گی، تنگی اور خوش حالی میں جو میری بیٹیوں کا حال ہوگا وہی حال تمہاری بیٹیوں کا ہوگا، اس لالچ کے آگے وہ ڈھیر ہوگیا اور جنگ میں حصہ لینے کے لئے آمادہ ہوگیا۔(۱)

قریش نے اس جنگ میں حصہ لینے کے لئے لوگوں کو کس کس طرح آمادہ کیا اور انہیں کیسے کیسے لالچ دیئے، اس کا اندازہ وحشی کے واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے۔ یہ جُبَیر بن مطعم کا غلام تھا، جب فوج میں بھرتی کرنے کے لئے وفود نے قبائل کا دورہ شروع کیا تو نافع بن عبد مناف نے جبیر سے رابطہ کیا، جبیر نے اپنے غلام وحشی کو سامنے کر دیا، یہ بہترین تیرانداز تھا، اس کا نشانہ کم ہی خطا ہوتا تھا، جبیر نے اس سے کہا کہ تم بھی ہمارے ساتھ چلو، اگر تم نے میرے چچا طُعَیمہ بن عدی کے بدلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کو قتل کر دیا تو میں تمہیں آزاد کر دوں گا، آزادی کا نام سن کر وحشی فوراً تیار ہوگیا۔(۲)

دوسری طرف ہند بنت عُتبہ ابن ربیعہ بھی اپنے دو بھائیوں ابوحذیفہ بن عُتبہ اور ولید بن عتبہ اور اپنے باپ عتبہ ابن ربیعہ کے قتل کا انتقام لینے کے لئے بے چین تھی، اسے جب یہ معلوم ہوا کہ وحشی کو حمزہ کے قتل کے لئے خصوصی ہدایت ملی ہے تو اس نے بھی وحشی کو لالچ دیا اور کہا کہ اگر تو نے حمزہ کو قتل کر کے میرا کلیجہ ٹھنڈا کر دیا تو میں تجھے خوش کر دوں گی۔(۳)

(۱) سیرت ابن ہشام،۲۰/۳۔ (۲) سیرت ابن ہشام،۱۸/۳۔ (۳) کتاب المغازی، واقدی،۲۸۵/۱۔

قریش کی روانگی

قریش کا یہ فوجی قافلہ پورے جاہ وحشم اور مکمل ساز وسامان کے ساتھ پانچ شوال المکرّم سن تین ہجری کو مکہ مکرمہ سے روانہ ہوا، اس قافلے میں شامل لوگوں کی تعداد تین ہزار تھی، سات سو لوگ زرہ پوش تھے، دوسو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ بھی ساتھ تھے، لمبا سفر طے کر کے یہ قافلہ مدینے کے باہر جبلِ احد کے قریب مقام عُیَیْنَین میں خیمہ زن ہوا، فوج کی قیادت ابوسفیان کررہا تھا، گھڑسواروں کا دستہ خالد بن ولید کی سرکردگی میں تھا، پندرہ عورتیں بھی ان کے ساتھ تھیں جو تمام راستے رجزیہ اشعار پڑھ کر مشرکین کا لہو گرماتی رہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی تیاری اور روانگی کی خبرمل چکی تھی، حضور کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب اگرچہ جنگ بدر کے اسیروں میں شامل تھے، مگر وہ دوبارہ مشرکین کے ساتھ لڑنے کے لئے نہیں آئے، بلکہ انہیں جیسے ہی یہ اطلاع ملی کہ قریش، ایک فیصلہ کن جنگ کرنے کے ارادے سے نکلنے کا عزم رکھتے ہیں، انہوں نے قبیلۂ غفار کے ایک ہشیار آدمی کو اس شرط کے ساتھ مدینے بھیج دیا کہ وہ تیز رفتار سواری کے ذریعے جلد از جلد مدینے پہنچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر انہیں مشرکین کے عزائم کی اطلاع دے۔(۱)

صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے مشورہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جیسے ہی یہ اطلاع ملی کہ قریش جنگ کے ارادے سے ایک بڑی تعداد کے ساتھ مدینے آرہے ہیں، آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت مونس رضی اللہ عنہ کو مکہ کی طرف دوڑایا تاکہ وہ دونوں یہ دیکھ کر آئیں کہ قریش کا قافلہ کہاں تک پہنچ چکا ہے، انہوں نے آکر خبر دی کہ قریش مدینے کے قریب آکر فروکش ہو چکے ہیں، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو یہ دیکھنے کے لئے بھیجا کہ فوج میں کتنے لوگ شامل ہیں۔ انہوں نے واپس آکر قریش کی تعداد سے آگاہ کیا، اس رات

(۱) سیرت ابن کثیر، ۲۰/۳، زاد المعاد، ۱۵۰/۳۔

مدینے میں سب لوگ جاگتے رہے، بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مدینے کے اطراف میں مناسب جگہوں پر بٹھلایا گیا تاکہ وہ دشمنوں کی نقل و حرکت پر نظر رکھیں اور کوئی غیر معمولی بات نظر آئے تو فوراً حاضر خدمت ہو کر اس کی اطلاع دیں۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی کی نگرانی پر مامور کئے گئے، یہ جمعہ کی شب تھی، جمعہ کی صبح کو آپ نے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو مشورے کے لئے جمع فرمایا، آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ اس صورت حال میں ہمیں کیا کرنا چاہئے، کیا ہم لوگ وہاں پہنچ کر ان کا مقابلہ کریں جہاں وہ اس وقت پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں یا مدینے میں ٹھہر کر ان کا انتظار کریں۔ خود آپ کی رائے یہ تھی کہ مدینے سے باہر نہ نکلا جائے، بلکہ یہیں رہ کر ان کا مقابلہ کیا جائے، جب وہ مدینے پر حملہ آور ہوں گے تو ان کو یہیں گلی کوچوں میں گھیر گھیر کر مارا جائے گا۔ عبداللہ بن اُبی منافق کی بھی رائے یہی تھی، اس نے تو یہاں تک کہا کہ جو جنگیں ہم نے مدینے میں رہ کر لڑی ہیں ان میں ہم نے کامیابی حاصل کی ہے اور جن جنگوں میں ہم دشمنوں سے مقابلے کے لئے باہر نکلے ہیں ان میں ہمیں شکست کا منہ دیکھنا پڑا ہے۔

بعض پر جوش صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی رائے اس کے برعکس تھی، ان میں کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین وہ بھی تھے جو جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے، ان کی دلی تمنا یہ تھی کہ باہر نکل کر دشمنوں سے لڑا جائے۔ دراصل یہ شوقِ شہادت تھا جو انہیں کوئی لمحہ گنوائے بغیر دشمنوں سے دو دو ہاتھ کرنے پر اکسا رہا تھا، حالاں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے اس کے برعکس تھی، جہاں دیدہ اور تجربہ کار عبداللہ بن اُبی بھی باہر نکلنے کا مخالف تھا، بہت سے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین بھی یہی چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے گرامی پر عمل کرنا ہی بہتر ہے، مگر پُر جوش اور جواں عمر صحابہ کا اصرار جاری رہا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور حضرت نعمان بن مالک رضی اللہ عنہ اس سلسلے میں پیش پیش تھے۔ حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں جنت سے محروم نہ فرمائیں، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اس ذات کی قسم جس نے آپ پر قرآن نازل کیا ہے میں اس وقت تک کھانا

نہیں کھاؤں گا جب تک مدینے سے باہر نکل کر تلوار سے دشمن کا مقابلہ نہ کرلوں، رسول اللہ ﷺ نے اپنی رائے واپس لے لی، آپ گھر کے اندر تشریف لے گئے اور ہتھیار لگا کر باہر تشریف لائے۔

بعض صحابہ نے اصرار کیا اور بہت زیادہ اصرار کیا، مگر جلدی ہی انہیں اپنی غلطی کا احساس بھی ہوگیا، آپ ہتھیار لگا کر باہر تشریف لائے تب اصرار کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر آپ مدینے میں ہی رہنا پسند فرماتے ہیں تو ہمیں اپنی رائے پر اصرار نہیں ہے، آپ اپنی رائے عالی پر عمل فرمائیں، اب تک ہم نے آپ کی خدمت میں جو معروضات پیش کیں وہ بر بنائے شوقِ شہادت تھیں، اب ہمیں اپنی غلطی کا احساس ہوگیا ہے، آپ کی رائے کے سامنے ہماری رائے کی نہ کوئی اہمیت ہے نہ قیمت، ہماری درخواست ہے کہ آپ اپنی رائے کے مطابق ہی فیصلہ فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی نبی کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ ہتھیار لگا کر اتار دے، یہاں تک کہ اللہ؛ اس کے اور دشمن کے درمیان کوئی فیصلہ نہ کردے۔ گویا آپ ﷺ نے یہ اعلان فرمادیا کہ اب جنگ باہر نکل کر ہی ہوگی، یہ ہتھیار اب جنگ کے بعد ہی اتارے جائیں گے۔ (۱)

لشکرِ اسلام کی روانگی

اس فیصلے کے بعد کہ جنگ کے لیے مدینے سے باہر جانا ہے، ایک ہزار افراد کا قافلہ رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں جبل احد کی طرف روانہ ہوا، جمعہ کا دن تھا، شوال کی گیارہ تاریخ تھی، ہجرت کا تیسرا سال چل رہا تھا، عصر کے بعد روانگی عمل میں آئی، آپ ﷺ گھوڑے پر سوار تھے، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے آگے آگے چل رہے تھے، باقی تمام مسلمان آپ کے دائیں بائیں تھے، اس موقع پر بھی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو امام مقرر کیا گیا۔ (۲)

(۱) زاد المعاد، ۱۴۸/۳، مسند احمد، ۳۵۱/۳، سنن دارمی، ۱۲۹/۲۔ (۲) الدلائل للبیہقی: ۲۰۶/۳، السنن الکبری للبیہقی: ۴۰/۷، ۴۱۔

رسول اللہ ﷺ کا خواب

یہ جنگ سے قبل کا واقعہ ہے، آپ ﷺ ابھی مدینے ہی میں تھے، آپ کے پاس لشکر کفار کی روانگی اور آمد کی خبریں برابر پہنچ رہی تھیں، دریں اثنا آپ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ ایک گائے ذبح کی جارہی ہے، یہ بھی دیکھا کہ آپ کی تلوار میں سوراخ ہوگیا ہے، اور آپ نے اپنا ہاتھ ایک زرہ میں ڈالا ہے، یہ خواب بیان کرنے کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے ارشاد فرمایا کہ میں نے گائے ذبح ہونے سے یہ تعبیر اخذ کی ہے کہ میرے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کچھ لوگ قتل کردیے جائیں گے، تلوار میں سوراخ کی تعبیر میں نے یہ لی ہے کہ میرے اہل بیت میں سے کوئی فرد بھی اس جنگ میں قتل کیا جائے گا، زرہ سے میں نے مدینہ مراد لیا ہے۔(۱)

عبداللہ بن اُبی کی واپسی

مشورے کے دوران عبداللہ بن اُبی بن سلول نے یہ رائے دی تھی کہ مسلمانوں کو مدینے ہی میں رہ کر کفار کے حملے کا انتظار کرنا چاہئے، اس کا کہنا تھا کہ اہل مدینہ نے جب بھی شہر میں رہ کر جنگ لڑی کامیاب رہے، باہر نکل کر لڑے تو انہیں ہزیمت اٹھانی پڑی، اس نے عرض کیا تھا: یا رسول اللہ! اگر وہ لوگ وہیں پڑے رہے تو یہ ایک طرح کی خود اختیاری قید ہوگی، اور اگر مدینے میں لڑنے کے لیے آگئے تو ہمارے نوجوان انھیں گھیر گھیر کر ماریں گے، یہاں تک کہ ہماری عورتیں اور بچے بھی ان پر اینٹ پتھر برسا کر انہیں پیچھے ہٹنے پر مجبور کردیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ یہاں آئے تو ناکام ونامراد واپس جائیں گے بلکہ ذلت آمیز شکست سے دوچار ہوں گے؛ مگر بعض حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے اصرار کی وجہ سے آپ ﷺ نے عبداللہ بن اُبی کی بات نہیں مانی، حالاں کہ آپ خود بھی مدینے میں رہ کر ہی کفار کا انتظار کرنا چاہتے تھے، اگرچہ بعد میں ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے جن کو باہر

(۱) صحیح البخاری: ۱۲/۳۵۰۷، صحیح مسلم: رقم الحدیث: ۲۲۷۰، سنن الترمذی: رقم الحدیث: ۱۵۶۱، مسند احمد بن حنبل: ۳/۳۵۱، زاد المعاد: ۳/۱۴۹۔

نکل کر لڑنے کی تمنا اور شوق تھا اپنی رائے واپس لے لی تھی، مگر آپ اس وقت تک مسلح ہو چکے تھے، اس لیے آپ نے روانگی کا فیصلہ کیا، اس طرح ایک ہزار افراد کا یہ قافلہ اُدھر روانہ ہوا جہاں کفار کا لشکر مقیم تھا۔

جبلِ اُحد اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک مقام شوط ہے، وہاں پہنچ کر عبداللہ بن اُبی نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا، اس کا کہنا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے میری بات نہیں مانی، دوسروں کا مشورہ قبول کر لیا، ہم کیوں ان کی وجہ سے خود کو ہلاکت میں ڈالیں، وہ اپنے تین سو ساتھیوں سمیت جو سب کے سب منافق تھے وہیں سے واپس ہو گیا، اس طرح ایک تہائی فوج کم ہو گئی، اب صرف سات سو افراد باقی رہ گئے، یہ جگہ جہاں سے تین سو منافق واپس ہوئے جبل احد سے قریب تھی، کفار و مشرکین ان کی واپسی کا منظر دیکھ رہے تھے اور خوش ہو رہے تھے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے والد عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ: ابن اُبی کے پیچھے پیچھے گئے تاکہ اس کو راہِ فرار اختیار کرنے سے باز رکھ سکیں، انھوں نے کہا کہ میں تجھے اور تیرے ساتھیوں کو خدا کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ اپنی قوم اور اپنے نبی کو چھوڑ کر واپس مت جا، دشمن سامنے ہے اس کا مقابلہ کر، مگر وہ بزدل منافق کہنے لگا کہ یہ جنگ نہیں ہے، خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، اگر جنگ ہوتی تو ہم واپس نہ جاتے، بلکہ تمہارے ساتھ چلتے، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے لوٹ گئے کہ دفع ہو جاؤ، خدا تمھیں ذلیل و رسوا کرے، اللہ کے رسول کو تم جیسے بزدل منافقوں کی ضرورت نہیں ہے۔

قبیلۂ خزرج کے بنو سلمہ اور قبیلۂ اوس کے بنو حارثہ بھی اس موقع پر گومگو کا شکار ہو گئے، مگر اللہ کی توفیق ان کے شامل حال رہی، اللہ نے ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا اور وہ لشکر اسلام ہی میں رہے۔ (۱) بعض انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر آپ کی اجازت ہو تو ہم اپنے یہودی حلیفوں کو لڑنے کے لیے بلا لیں، آپ نے فرمایا: اس کی ضرورت نہیں ہے۔ (۲)

(۱) زاد المعاد: ۳/۱۴۹۔ (۲) سیرۃ ابن ہشام: ۳/۲۱۔

منافقوں کی واپسی سے مسلمانوں کا جوش بڑھا

تین ہزار افراد پر مشتمل فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے محض ایک ہزار افراد مدینے سے نکلے تھے، ان میں سے بھی تین سو منافق مدینے واپس چلے گئے، اب صرف سات سو افراد رہ گئے، بہ ظاہر یہ صورتِ حال حوصلہ شکن تھی، ان حالات میں اچھے اچھوں کے پائے ثبات میں لغزش آسکتی تھی، مگر وہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی جماعت تھی، جن کا ایمان مضبوط اور یقین مستحکم تھا، ان کے دلوں میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، منافقوں سے پاک ہوکر جو جماعت جبل اُحد کی طرف رواں دواں تھی اس کے دل میں صرف جذبۂ شہادت موج زن تھا، اسی لیے افراد کی کمی سے ان کا حوصلہ پست نہیں ہوا، اور نہ وہ کسی خوف اور ڈر میں مبتلا ہوئے، انہیں یقین تھا کہ اگر کفار سے جنگ کرتے ہوئے موت آگئی تو یہ شہادت کی موت ہوگی اور زندہ رہ گئے تو انہیں غازی ہونے کا اجر وثواب ملے گا، اللہ نے ان کی دست گیری کی، ان کے دلوں سے ہر طرح کے وسوسے اور اندیشے نکال دیے، ان کو استقامت عطا کی اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں دشمن کی طرف بڑھتے چلے گئے، بلکہ ابن اُبی کی واپسی نے ان کے حوصلوں کو مہمیز کیا، ان کا ولولہ اور بڑھ گیا، اور جب وہ میدانِ جنگ میں اترے تو ایک نئے جذبے اور جوش سے اترے اور نہایت بے جگری اور بہادری سے لڑے۔

ابن اُبی اور اس کے تین سو ساتھیوں کی واپسی کا نقد فائدہ یہ ہوا کہ منافقوں کے چہروں سے نقاب ہٹ گیا اور وہ کھلی کتاب کی طرح ظاہر ہوگئے، ہر شخص سمجھ گیا کہ یہ لوگ جو اسلام کا مکھوٹا پہن کر ہمارے ساتھ تھے وہ ہمارے ساتھ تھے ہی نہیں بلکہ وہ ہمیں دھوکا دے رہے تھے، ایک طرح سے یہ اچھا ہی ہوا کہ منافق راستے سے واپس ہوگئے، اور مدینے کا اسلامی معاشرہ منافقوں سے پاک ہوگیا، اگر وہ اپنے نفاق کے ساتھ لشکرِ اسلام کا حصہ بنے رہتے تو عین حالت جنگ میں کچھ زیادہ نقصان بھی پہنچ سکتا تھا، ایک لمحے کے لیے مسلمان ان کی واپسی سے حیران پریشان ضرور ہوئے، بلکہ دو قبیلوں کے جوانوں نے تو واپسی کا ارادہ بھی کرلیا تھا، لیکن اللہ کو ان کی سعادت منظور تھی، اس لیے ان کو بچالیا اور

واپسی کے لیے ان کے اٹھتے قدم وہیں جم گئے جہاں وہ تھے، یہ آیت کریمہ انہیں حضرات کی شان میں نازل ہوئی: اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَاۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ.(۱) ''جب تمہی میں کے دو گروہوں نے یہ سوچا تھا کہ وہ ہمت ہار بیٹھیں حالاں کہ اللہ ان کا حامی وناصر تھا اور مؤمنوں کو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہئے''۔

لشکر اسلام کا معائنہ

ابھی اُحد تک نہیں پہنچے تھے کہ آفتاب غروب ہوگیا، آپ نے مغرب کی نماز پڑھائی، پھر عشاء کی امامت فرمائی، اس کے بعد پچاس آدمیوں کا انتخاب کیا، اور فوج کی نگرانی کی ذمہ داری ان کے سپرد فرمائی، ان کی قیادت محمد بن مَسلمہ رضی اللہ عنہ کررہے تھے، ذَکوان بن عبد قیس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہرے داری کی، آپ صبح تک آرام سے سوئے۔

اس سے پہلے اسلامی لشکر نے شیخین کے مقام پر کچھ دیر قیام کیا، یہ دو ٹیلے ہیں جو مدینے اور جبل احد کے درمیان واقع ہیں، وہاں ایک بوڑھا یہودی اور ایک بوڑھی یہودن جو اندھی بھی تھی رہتے تھے، ان کی مناسبت سے اس مقام کو شیخان کہا جانے لگا، عربی میں شیخ عمر رسیدہ شخص کے لیے بھی بولا جاتا ہے، اس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کا معائنہ فرمایا اور جنگ کی تیاری کا جائزہ لیا، آپ کے سامنے چند کم سن بچے پیش کئے گئے جو جنگ کے شوق میں نکل آئے تھے، ان میں سے بعض بچوں کو واپس روانہ کردیا گیا، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

حضرات اُسامہ بن زَید، زَید بن ثابت، ابوسعید الخدری، عبداللہ بن عمر، اُسَید بن ظُہَیر، اَوس بن عَرابہ، بَراء بن عازب، زید بن اَرقم رضی اللہ عنہم اجمعین، یہ سب حضرات اس وقت پندرہ سال سے کم عمر کے تھے، اس لیے ان کو جنگ میں حصہ لینے کی اجازت نہیں دی گئی، یوں بھی جنگ بچوں کا کھیل نہیں ہوتا بلکہ بڑوں کے لیے بھی سخت آزمائش کا مرحلہ ہوتا ہے،

(۱) آل عمران: ۱۲۲۔

صرف دو بچے ایسے تھے جن کو خوش قسمتی سے اجازت مل گئی، ان میں سے ایک حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ تھے، انھوں نے یہ ہشیاری کی کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوج کا معائنہ فرمارہے تھے وہ پنجوں کے بل کھڑے ہوگئے تا کہ دراز قد نظر آئیں، رافع جسامت میں بھی نسبتاً بہتر تھے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت مرحمت فرمادی، اور یہ بھی فرمایا کہ رافع بہترین تیر انداز ہیں، جن بچوں کو واپس کیا گیا ان میں ایک حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بھی تھے، یہ حضرت رافع کے ہم عمر تھے، اجازت نہ ملنے کے باعث رنجیدہ ہوگئے، ان کے والد حضرت مری بن سنان رضی اللہ عنہ نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا، یارسول اللہ! آپ نے رافع کو اجازت دے دی اور میرے بیٹے کو واپس فرمادیا، حالاں کہ سمرہؓ رافع کو کشتی میں پچھاڑ سکتا ہے، دونوں بچوں کی کشتی کرائی گئی، سمرہ نے رافع کو پچھاڑ دیا، یہ دیکھ کر آپ نے دونوں ہی کو اجازت عطا فرمادی۔(۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی اس وقت نوعمر بچے تھے، ان کو بھی آپ نے واپس فرمادیا تھا، بعد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ایک شاگرد اور آزاد کردہ غلام حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے استاذ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کن کن غزوات میں شرکت فرمائی تھی، آپ نے فرمایا کہ میرے استاذ بتلایا کرتے تھے کہ جب غزوۂ بدر ہوا تو میری عمر تیرہ سال تھی، جب غزوۂ احد ہوا تو میں چودہ سال کا تھا، غزوۂ بدر میں تو میں نے شرکت کا ارادہ ہی نہیں کیا، البتہ جب غزوۂ احد کی تیاری شروع ہوئی تو میں بھی قافلے میں شامل ہوگیا، لیکن میری کم عمری کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے واپس فرمادیا، البتہ مجھے غزوۂ خندق میں شرکت کی اجازت مل گئی، اس وقت میں پندرہ برس کا ہو چکا تھا، بعض دوسرے کم سن صحابہ جیسے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، اوس بن عرابہ رضی اللہ عنہ اور براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو بھی پندرہ سال کی عمر کا ہونے کے باعث غزوۂ خندق میں شرکت کی اجازت مل گئی تھی، (۲) اس روایت کی بنیاد پر

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۳/۲۲۔ (۲) صحیح البخاری: ۳/ ۱۷۷، ۲۶۶۴، مسند احمد بن حنبل: ۸/ ۲۸۷، رقم الحدیث: ۴۶۶۱۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دور خلافت میں یہ قانون بنا کر نافذ کر دیا تھا کہ صرف ان بچوں کو مجاہدین اور مقاتلین کی فہرست میں شامل کر کے بیت المال سے وظیفہ جاری کیا جائے گا جن کی عمر پندرہ سال یا اس سے زائد ہوگی، ان کے زمانۂ خلافت میں لوگ اپنے بیٹوں اور بھائیوں کے لیے وظیفہ جاری کئے جانے کی درخواست پیش کرتے تھے اور فی الحقیقت وہ بہت چھوٹے ہوتے تھے، لہٰذا وظیفے کے لیے پندرہ سال کی عمر متعین کر دی گئی، وظیفہ جاری کرنے سے پہلے اس کا اطمینان کرلیا جاتا تھا کہ درخواست دہندہ واقعی پندرہ برس کا ہے۔(۱)

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جن نوعمر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو واپس بھیجا گیا وہ اپنی کم عمری کی وجہ سے نہیں بل کہ ضعف اور ناطاقتی کی وجہ سے واپس کئے گئے اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ ان کو جنگ میں حصہ نہیں لینا ہے، ان کی دلیل حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اندر طاقت دیکھی تو مجھے اجازت مرحمت فرمادی، مگر یہ خیال صحیح نہیں معلوم ہوتا کیوں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بدر، اُحد اور خندق کے موقعوں پر اپنی عمر کا حال بیان کیا ہے، ناطاقتی یا ضعف کا کوئی ذکر ان کی روایت میں موجود نہیں ہے۔

ایک اندھے کی اندھی دشمنی

مقام شیخان سے روانہ ہونے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے ارشاد فرمایا: کون ہے جو ہمیں ایسے قریبی راستے سے لے کر چلے جو دشمن کے پاس سے نہ گزرتا ہو، حضرت ابوخیثمہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! میں لے کر چلتا ہوں، چناں چہ وہ قافلے کو آگے لے کر چلے، پہلے بنو حارثہ کے محلّے سے گزرے، پھر ان کے باغات سے ہوتے ہوئے مِرْبَع بن قیظی کے باغ میں داخل ہوئے، یہ شخص اندھا منافق تھا، اسے جب یہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا قافلہ اس کے باغ سے گزر رہا ہے تو اس نے اپنے دونوں ہاتھوں میں مٹی بھر لی اور کہنے لگا کہ اگر تم رسول اللہ ہو تو میری طرف سے اس باغ میں قدم رکھنے کی

(۱) سیرۃ المصطفیٰ: ۲/۱۸۲۔

تمھیں اجازت نہیں ہے، خدا کی قسم اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ یہ مٹی دوسرے لوگوں تک نہیں پہنچے گی تو میں یہ خاک تمہارے چہرے پر ضرور ڈالتا، اس کی یہ بکواس سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو غصہ آ گیا، قریب تھا کہ وہ اسے مار ڈالتے، یہ صورت حال دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسے قتل مت کرنا، یہ آنکھ کا اندھا ہی نہیں ہے بل کہ دل کا بھی اندھا ہے، ابھی آپ کا حکم لوگوں تک پہنچا بھی نہیں تھا کہ سعد بن زید رضی اللہ عنہ نے تیر مار کر اس اندھے کا سر زخمی کر دیا۔(۱)

ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کو تلوار ملی

ابھی منزل تک نہیں پہنچے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تلوار اپنے دست مبارک میں لے کر فرمایا کہ اس تلوار کو اس کے حق کے ساتھ کون لینا چاہتا ہے، بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے تلوار لینے کے لیے ہاتھ پھیلا دئے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کسی کو تلوار نہیں دی، یہاں تک کہ ایک صحابی حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! اس کا حق کیا ہے؟ فرمایا: اس کا حق یہ ہے کہ دشمن پر ایسا وار کرے کہ اس کو دھول چٹادے، انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اس کا حق ادا کروں گا، آپ نے وہ تلوار ان کو عطا فرمادی، حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ ایک بہادر انسان تھے، جنگ کے موقع پر شجاعت کے جوہر تو دکھلاتے ہی تھے، دشمن کو اپنی چالوں سے بھی حیران کر دیتے تھے، ان کے پاس ایک سُرخ پٹی تھی جب وہ اسے اپنی پیشانی پر باندھ لیتے تو لوگ سمجھ جاتے کہ اب دشمن کی خیر نہیں، انھوں نے تلوار لی اور سرخ پٹی جیب سے نکال کر پیشانی پر باندھ لی، اور مجاہدین کی صفوں میں اتراتے ہوئے چلنے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس حال میں دیکھ کر فرمایا ایسے موقعوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ ایسی چال پسند نہیں فرماتا۔(۲)

(۱) البدایہ والنہایہ: ۴/۱۴۔ (۲) صحیح مسلم: ۴/۱۲۸، رقم الحدیث: ۱۹۱۷، مسند احمد بن حنبل: ۳/۱۲۳، مستدرک حاکم: ۳/۲۳۰، تاریخ الطبری: ۲/۶۴۔

لشکر اسلام کی صف بندی

صبح فجر کے وقت مسلمانوں کا قافلہ جبلِ احد کی پشت سے میدان کارزار میں پہنچا، جنگی حکمت عملی کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بہتر سمجھا کہ جبل اُحد کو پیچھے اور مدینے کو سامنے رکھ کر جنگ لڑی جائے، کفار ومشرکین کا لشکر اُحد کے دامن میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا، اس کا رُخ مدینے کی طرف تھا، کفار کی قیادت نے جب مسلمانوں کو جبل اُحد کے پیچھے سے آتے ہوئے دیکھا تو وہ حیرت زدہ رہ گئی، کفار ومشرکین کے گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ مسلمان اس طرح میدان میں آئیں گے، فجر کی نماز کا وقت ہو چلا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اذان دیں، انھوں نے آج کچھ زیادہ ہی اونچی آواز میں اذان کے کلمات کہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، نماز کے بعد صف بندی کا سلسلہ شروع ہوا۔

سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس تیراندازوں کا انتخاب فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ وہ جبل اُحد کے پیچھے پہاڑی پر چلے جائیں اور وہیں رہ کر ہماری حفاظت کریں، اگر کفار پیچھے کی طرف سے آکر حملہ کرنا چاہیں تو ان کا مقابلہ کریں، ان تیراندازوں کو تاکید کی گئی کہ ان کا کام صرف جبل اُحد کے پیچھے ٹھہر کر حفاظت کرنا ہے، کسی بھی حال میں وہاں سے نہ ہٹیں، اگر ہم قتل بھی کیے جا رہے ہوں اور پرندے ہماری لاشوں پر منڈلا رہے ہوں تب بھی اپنی جگہ سے جنبش نہ کریں، اگر ہم غالب آجائیں، اور مال غنیمت جمع کیا جا رہا ہو تب بھی وہیں رہیں، غرض یہ کہ فتح ہو یا شکست، ہم مغلوب رہیں یا غالب، ہر حال میں تم لوگوں کو اسی جگہ ڈٹے رہنا ہے جہاں تمھیں رہنے کے لیے کہا جا رہا ہے، حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو اس پچاس نفری ٹکری کا امیر مقرر کیا گیا، جس پہاڑی پر ان پچاس تیرانداز صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو متعین کیا گیا تھا بعد میں اسے جبلُ الرُّماۃ (تیراندازوں کی پہاڑی) کہا جانے لگا، آج بھی یہ پہاڑی اسی نام سے مشہور ہے۔(۱)

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کو تین حصوں میں تقسیم کیا، مقدمۃ الجیش، یعنی

(۱) صحیح البخاری: ۵/۹۴، رقم الحدیث: ۴۰۴۳، فتح الباری: ۷/۳۵۰، سیرۃ الحلبیۃ: ۲/۴۹۶۔

سامنے رہنے والا دستہ، اس میں ماہر جنگ بازوں کو شامل کیا گیا، کیوں کہ دفاعی یا اقدامی بہ ہر صورت اسی دستے کو جنگ کا سامنا پہلے کرنا تھا، دوسرا حصہ میمنہ کا تھا یعنی کچھ لوگوں کو دائیں جانب کھڑا کیا گیا، اس کی کمان منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ کے حوالے کی گئی، کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین میسرہ یعنی بائیں جانب متعین کیے گئے، ان کی ذمہ داری زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو دی گئی، اور مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ کو ان کا معاون بنایا گیا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بائیں جانب سے ہونے والے حملوں کو تو روکنا تھا ہی ان کی ایک اضافی ذمہ داری یہ بھی تھی کہ وہ خالد بن ولید کی نقل وحرکت پر نظر رکھیں، اور ان کے گھڑسواروں کو گھاٹی سے گزر کر مسلمانوں کی طرف نہ آنے دیں، اس طرح میدان کا نقشہ مرتب ہوا، مسلمانوں کی تعداد کم تھی، مگر اللہ کی عطا کردہ بصیرت اور اس کی طرف سے مُلہم حکمتِ عملی کے تحت مسلمانوں کو چار حصوں میں تقسیم کر کے کفار کو چیلنج دے دیا گیا کہ وہ جس طرف سے بھی بڑھیں گے انہیں مسلمانوں کی مضبوط فوج کا سامنا کرنا پڑے گا۔(۱)

غزوۂ اُحد کے موقع پر مہاجرین کا جھنڈا مُصعَب بن عُمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں تھا، اوس کے انصار کا جھنڈا اُسَید بن حضیر رضی اللہ عنہ سنبھالے ہوئے تھے، اور خزرج کے انصار کا جھنڈا حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے اٹھا رکھا تھا۔(۲)

صف بندی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوں کے درمیان گھوم پھر کر جائزہ لیا کہ سب لوگ مناسب جگہوں پر مستعد کھڑے ہوئے ہیں یا نہیں، کسی کے پاؤں آگے بڑھے ہوئے نظر آئے، یا کسی کا سینہ اور کاندھے باہر کی طرف نکلے ہوئے دیکھے تو آپ نے اسے پیچھے ہٹنے کا حکم دیا اور اگر کسی کا سینہ یا کاندھے یا قدم اندر کی طرف تھے تو اسے آگے آنے کے لیے کہا، یہاں تک کہ تمام صفیں درست ہوگئیں۔(۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب

اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت بلیغ خطبہ بھی ارشاد فرمایا، آپ نے فرمایا: اے لوگو! میں تمہیں ان باتوں کی نصیحت کرنا چاہتا ہوں جو اللہ نے اپنی کتاب میں مجھ سے بیان

(۱) زاد المعاد: ۳/۱۵۰۔(۲) غزوۂ اُحد دراسۃ دعویۃ: ص: ۷۹۔(۳) کتاب المغازی للواقدی: ۱/۲۱۹۔

فرمائی ہیں، ایک یہ کہ تم اس کی اطاعت کرو، اور جن چیزوں کو اس نے حرام قرار دیا ہے ان سے دور رہو، تم اس وقت اجر وثواب کے نہایت قریب کھڑے ہو، مگر یہ اجر وثواب اس کے لیے ہے جو اپنے فرض سے آگاہ ہے، صبر ویقین رکھتا ہے، عزم وحوصلے کی دولت سے مالا مال ہے، دشمن سے جہاد کرنا یقیناً مشقت میں ڈالنے والا عمل ہے، بہت کم لوگ ہیں جو ایسے موقعوں پر صبر وہمت سے کام لیتے ہیں، دشمن کے مقابلے میں وہی لوگ ڈٹے رہتے ہیں جنہیں اللہ نے رشد وہدایت سے نوازا ہے، اللہ اپنے مطیع اور فرماں بردار بندوں کے ساتھ ہے اور شیطان اپنے پیروکاروں کے ساتھ ہے، تم لوگ صبر وعزیمت کے ذریعے جہاد کا آغاز کرو، اور اللہ نے تم سے جو وعدے کیے ہیں ان کی جستجو میں لگ جاؤ، جو حکم میں دوں اس پر عمل کرو، میں تمہاری ہدایت چاہتا ہوں، اختلاف کم زور کرنے والا عمل ہے، یہ اللہ کو سخت ناپسند ہے، اختلاف کے ساتھ نہ نصرت ملتی ہے اور نہ کامیابی حاصل ہوتی ہے۔(۱)

اس جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت عملی یہ رہی کہ آپ نے اپنی فوج کو اونچی جگہوں پر تعینات فرمادیا، اپنا رخ مدینے کی جانب کرلیا، اور وادی کفار کے لیے چھوڑ دی، صورت حال یہ تھی کہ کفار کے سامنے مسلمان پتھر کی چٹان بن کر کھڑے ہوئے تھے، اور پیچھے مدینہ تھا، نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن والا معاملہ تھا، شکست کی صورت میں ان کے لیے پیچھے کے راستے اس لیے خطرناک تھے کہ مدینے میں گھسنا پڑتا اور وہاں عورتوں اور بچوں کے حملوں کا سامنا کرنا پڑتا، غرضیکہ کفار کی فوجیں دونوں طرف سے گھری ہوئی تھی، جب صف بندی ہوگئی تو آپ نے اپنی فوج پر اطمینان کی ایک نگاہ دوڑائی اور فرمایا: جب تک میں حکم نہ دوں تم میں سے کوئی دشمن پر حملہ نہ کرے۔(۲)

جبل اُحد کو پشت پر رکھ کر صف بندی میں یہ حکمت بھی تھی کہ اس طرح مسلمانوں کا رخ مغرب کی طرف تھا اور پشت مشرق کی طرف، جب کہ کفار کا رخ اس کے برعکس تھا، ایسے میں سورج کی شعاعیں ان کی آنکھوں پر اثر انداز ہورہی تھیں، اس سے انہیں دیکھنے میں دقت پیش آرہی تھی، مسلمان پہاڑی کی ڈھلان پر تھے، شکست کی صورت میں مسلمان

(۱) کتاب المغازی للواقدی: ۱/۲۲۱۔ (۲) تاریخ الطبری: ۲/۵۰۷۔

اس ڈھلان سے اوپر جا کر خود کو محفوظ کر سکتے تھے، اور وہاں سے تیر برسا کر یا سنگ باری کر کے دشمن کو اپنے تعاقب سے روک بھی سکتے تھے، جب کہ کفار کے لیے خود کو مسلمانوں کی تیراندازی سے بچانا ممکن نہیں تھا، گھوڑے پہاڑ پر چڑھ نہیں سکتے تھے، اور پیدل چڑھنا اس لیے آسان نہیں تھا کہ مسلمان تیر وتفنگ لئے سامنے ڈٹے کھڑے تھے، کفار یہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو میدان میں لاکر گھیرا جائے اور انہیں الٹے پاؤں مدینے کی طرف بھاگنے پر مجبور کر دیا جائے، مگر وہ یہ جنگی حکمت عملی دیکھ کر حیران رہ گئے۔

مشرکین کی صف بندی

کفار و مشرکین پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے، لڑنے والوں کی تعداد مسلمانوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھی، گھڑسوار بھی بہت تھے، ماہر تیراندازوں کی بھی کمی نہیں تھی، سات سو افراد مکمل طور پر زرہ پوش تھے، تین ہزار اونٹ ساتھ تھے، غلاموں اور خدمت گاروں کی بڑی تعداد تھی، اپنے اشعار سے خون میں گرمی پیدا کرنے کے لیے پندرہ خواتین بھی ساتھ تھیں، غرض یہ کہ مشرکین اس جنگ کو آخری اور فیصلہ کن جنگ کے طور پر لڑنے کے لیے آئے تھے، اور پوری طاقت لگا کر یہ جنگ لڑنا چاہتے تھے، انھوں نے پہلے ہی آکر میدان پر قبضہ کر لیا تھا، ان کے خواب وخیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ مسلمان سامنے سے آنے کے بجائے پشت کی طرف سے آئیں گے اور جبل اُحد کی مسطح ڈھلانوں پر قبضہ کر کے کھڑے ہو جائیں گے۔

جیسا کہ پہلے بھی لکھا گیا ہے کہ کفار کے لشکر کی قیادت بہ حیثیت مجموعی ابوسفیان کے سپرد تھی، گھڑسوار دستے کی قیادت خالد بن ولید کر رہے تھے، میدان جنگ میں خالد بن ولید کو میمنہ پر متعین کیا گیا، عکرمہ بن اُبو جہل میسرہ پر تھا، پیدل فوج صفوان بن امیہ کی سرکردگی میں دی گئی، تیراندازوں کو عبد اللہ بن ابی ربیعہ کے سپرد کیا گیا، علم بردار بنو عبد الدار سے تعلق رکھنے والا اَمقرزَہ نامی شخص تھا۔

قریش میں علم برداری کی ذمہ داری بنو عبد الدار کے ہی سپرد رہی ہے، اس موقع پر بھی علم اسی قبیلے کے ہاتھوں میں دیا گیا، جنگ سے قبل ابوسفیان نے بنو عبد الدار سے

خطاب کرتے ہوئے کہا کہ بدر کے دن بھی جھنڈا تم لوگوں کے ہاتھوں میں تھا، دیکھ لو ہم پر کس قدر بڑی مصیبت نازل ہوئی، تمہارے قبیلے کا ایک اہم فرد نضر بن حارث پہلے قید ہوا پھر اسے قتل کر دیا گیا، یاد رکھو! قوموں پر مصیبتیں جھنڈا اٹھانے والوں کی وجہ سے آتی ہیں، جب جھنڈا اگر جاتا ہے تو لوگ میدان چھوڑ کر بھاگنے لگتے ہیں، اگر تم اس جھنڈے کی حفاظت کر سکتے ہو تو اسے اٹھاؤ، ورنہ چھوڑ دو، ہم کسی اور بہتر آدمی کے حوالے کر دیں گے، ابوسفیان کے یہ طعنے سن کر بنی عبدالدار کا پارہ گرم ہو گیا، کہنے لگے کیا ہم اپنا جھنڈا کسی اور کے حوالے کر دیں، کل میدان میں دیکھ لینا ہم دشمن کا مقابلہ کیسے کرتے ہیں، اور واقعی ایسا ہی ہوا، بنو عبدالدار جی جان سے لڑے، اور اس وقت تک میدان میں ڈٹے رہے جب تک ان کا ایک ایک آدمی قتل نہیں ہو گیا۔(۱) سیرۃ حلبیہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ اُحد کے دن مشرکین کا جھنڈا طلحہ بن عثمان کے ہاتھوں میں تھا۔(۲)

قریش کی عورتیں لشکر کے پیچھے کھڑی کی گئیں، تا کہ وہ پیٹھ پھیر کر بھاگنے والوں کو روک سکیں، جنگ کے وقت وہ دف بجا بجا کر اس طرح کے رزمیہ اشعار گا رہی تھیں۔

إِنْ　تُقْبِلُوا　نُعَانِقِ　　وَنَفْرِشُ　النَّمَارِقِ

أَوْ　تُدْبِرُوا　نُفَارِقِ　　فِرَاقَ　غَيْرِ　وَامِقِ

''اگر تم آگے بڑھو گے تو ہم تمہیں گلے لگائیں گی اور تمہارے لیے آرام دہ بستر بچھائیں گی، اور اگر تم نے پیٹھ پھیری تو ہم تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کسی ادنیٰ تعلق کے بغیر چھوڑ دیں گی''۔(۳)

جنگ سے پہلے انصار مدینہ کو ورغلانے کی کوشش

جنگ سے عین قبل ابوسفیان نے انصار مدینہ کو مخاطب کر کے کہا: اے لوگو! ہم تم سے جنگ کرنے نہیں آئے ہیں، نہ ہمارا ارادہ تم پر حملہ کرنے کا ہے اور نہ تمہیں نقصان پہنچانے کا ہے، بس تم اتنا کرو کہ ہمارے چچازاد بھائی کو ہمارے حوالے کر دو، ہم یہاں سے چلے جائیں گے، ابوسفیان کی مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے تھی کہ اگر انصار مدینہ

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۳/۲۳،۲۴۔(۲) السیرۃ الحلبیہ: ۲/۴۹۷۔(۳) البدایہ والنہایہ: ۵/۳۵۵۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے سپرد کردیں گے تو ہم اپنا لشکر لے کر واپس چلے جائیں گے، مگر انصار مدینہ نے اس کا یہ مطالبہ ٹھکرا دیا، اور کہا کہ ہم جان دے دیں گے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے حوالے نہیں کریں گے۔ (۱)

اس کوشش میں ناکام ہونے اور منہ کی کھانے کے بعد ابوسفیان نے ابو عامر فاسق کو آگے کیا، یہ شخص زمانۂ جاہلیت میں راہب کہلاتا تھا، قبیلۂ اوس کا سردار تھا، اسلام آیا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حسد کرنے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام فاسق رکھ دیا تھا، اور اب وہ مسلمانوں میں اسی نام سے پہچانا جاتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے تشریف لائے تو اس کا تمام قبیلہ مسلمان ہوگیا، حد یہ ہے کہ اس کے بیٹے حنظلہ رضی اللہ عنہ نے بھی اسلام قبول کرلیا، مگر اس نے اسلام قبول کرنے کے بہ جائے مکّے جاکر رہنا زیادہ پسند کیا، چناں چہ وہ اپنے پچاس آدمیوں اور بعض روایات کے مطابق پندرہ افراد کے ساتھ مکّے چلا گیا، اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھڑکائے اور انہیں جنگ کرنے پر اُکسائے، آج وہ قریش کی فوج کا حصہ بن کر اپنی ہی قوم سے لڑنے کے لیے آیا تھا، ابوسفیان کا خیال یہ تھا اور خود ابو عامر فاسق بھی اس گمان میں تھا کہ قبیلۂ اوس کے لوگ میرے پرانے روابط کا اور رشتے داریوں کا خیال کریں گے، اور میرا ساتھ دیں گے، چناں چہ وہ آگے بڑھا اور اپنے قبیلے کے لوگوں سے کہنے لگا کہ اے لوگو! میں ابو عامر ہوں، لوگوں نے جواب دیا، اے ابو عامر فاسق! خدا تجھے غارت کرے اور تجھے دیکھ کر کوئی آنکھ خوش نہ ہو، مسلمانوں کی طرف سے بددعاؤں کا یہ تحفہ اُسے ملا تو ابوسفیان سے کہنے لگا کہ میرے بعد میری قوم کو کسی شر نے آ پکڑا ہے۔ (۲)

انفرادی مقابلے

حسب دستور پہلے انفرادی مقابلے ہوئے، سب سے پہلے طلحہ بن عثمان مشرکین کی صفوں سے نکل کر باہر آیا، اس کے ہاتھوں میں قوم کا جھنڈا تھا، اس نے مسلمانوں کی طرف

(۱) البدایہ والنہایہ: ۵/۳۶۹، امتاع الاسماع للمقریزی: ۱/۱۲۰۔ (۲) تاریخ الطبری: ۲/۶۴، کتاب الاغانی للاصفہانی: ۱۴/۱۷۔

دیکھا اور للکارتے ہوئے کہا: کوئی ہے جو میرے مقابلے پر آئے اور مجھ سے جنگ کرے، اس نے یہ بات کئی مرتبہ کہی، مگر مسلمانوں کی طرف سے کوئی نکل کر نہیں آیا، کہنے لگا اے اصحاب محمد! تم تو یہ کہا کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری تلواروں کے ذریعے ہمیں جہنم میں پہنچا دیتا ہے اور ہماری تلواروں سے قتل ہو کر تم جنت میں پہنچ جاتے ہو، تم میں کوئی ایسا ہے جو مجھے قتل کر کے جہنم میں پہنچادے یا خود قتل ہو کر جنت میں چلا جائے، اس کی یہ بات سن کر حضرت علی بن أبی طالب کرم اللہ وجہہ صفوں سے آگے نکل کر آئے اور کہنے لگے! اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے میں اس وقت تک تجھے نہیں چھوڑوں گا جب تک میری تلوار سے تو جہنم رسید نہ ہو جائے یا میں خود تیری تلوار کا زخم کھا کر جنت میں نہ چلا جاؤں، یہ کہہ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی پنڈلی پر وار کیا، وہ گھوڑے پر سوار تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلوار کے وار سے اس کی پنڈلی کٹ کر نیچے گر گئی، خود بھی پرچم سمیت زمین پر آپڑا، جس سے اس کے جسم کا زیریں حصہ کھل گیا، کہنے لگا: اے چچازاد بھائی! میں تجھ سے رحم کی بھیک مانگتا ہوں، حضرت علی رضی اللہ عنہ دور ہٹ گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نعرۂ تکبیر بلند کیا، بعض صحابہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا بھی کہ اسے کیوں چھوڑ دیا، فرمایا میرے عم زاد نے مجھے اللہ کا واسطہ دے کر رحم کرنے کی درخواست کی تھی، اس کے کپڑے ہٹ گئے تھے، مجھے اس حال میں اس پر حملہ کرنے میں شرم محسوس ہوئی۔(۱)

مشرکین کا نامور پہلوان طلحہ بن أبی طلحہ بھی اونٹ پر سوار ہو کر سامنے آیا، مسلمانوں کی طرف سے زبیر بن عوّام رضی اللہ عنہ پیدل چلتے ہوئے آئے اور اُچھل کر اس کے اونٹ پر سوار ہو گئے، اسی حالت میں اس پر تلوار سے حملہ کیا اور زمین پر مار گرایا، مقتول کا بھائی ابوسعد آیا اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا، پھر اس کے دو بھتیجے مُسافع اور مجلّاس آئے اور عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کے تیروں کا نشانہ بن کر ڈھیر ہو گئے،(۲) مؤرخین ومحدثین نے سترہ افراد کا نام لکھے ہیں جو یکے بعد دیگرے آتے رہے اور مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوتے رہے، بعض مصنفین نے بائیس مقتول کافروں کے نام

(۱) تفسیر الطبری: ۷/۲۱۷، السیرۃ الحلبیہ: ۲/۴۹۷۔ (۲) البدایہ والنہایہ: ۵۱/۳۶۹۔

دیے ہیں جو یکے بعد دیگرے انفرادی مقابلوں میں مارے گئے۔(۱)

گھمسان کی جنگ

مشرکین کے کئی جاں باز پے در پے قتل ہو گئے، یہ دیکھ کر ان میں جوش بھر گیا اور وہ پوری شدت سے حملہ کرنے لگے، مسلمان بھی اس لمحے کا انتظار کر رہے تھے، وہ بھی کفار پر پل پڑے، گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی ہمت بڑھاتے رہے اور انہیں صبر کرنے اور حوصلے سے کام لینے کی تلقین فرماتے رہے، اس روز ابو دجانہ رضی اللہ عنہ الانصاری، طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ، حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ، اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، انس بن نضر رضی اللہ عنہ اور سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ وغیرہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے بڑھ بڑھ کر کفار پر حملے کیے۔(۲)

یہ ابو دجانہ رضی اللہ عنہ وہی صحابی ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط کے ساتھ اپنی تلوار عطا فرمائی تھی کہ وہ اس کا حق ادا کریں گے، حضرت زبیر بن عوّام نے بھی یہ تلوار لینے کے لیے اپنے ہاتھ بڑھائے تھے، اور درخواست کی تھی مگر آپ نے انہیں نہیں دی، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو دجانہ بن سماک بن خرشہ رضی اللہ عنہ کو تلوار دیتے ہوئے فرمایا کہ تم اس سے کسی مسلمان کو قتل مت کرنا اور کسی کافر کو مت چھوڑنا، حضرت زبیر کہتے ہیں کہ میں ان کے پیچھے لگا رہا کہ دیکھو وہ کیا کرتے ہیں، خدا کی قسم وہ جدھر سے گزر جاتے کسی دشمن کو نہ چھوڑتے، لڑتے لڑتے وہ میدان کے آخری کنارے پر چلے گئے، وہاں کچھ عورتیں دف بجا رہی تھیں، اور اپنے اشعار سے کفار کو حملہ کرنے پر اکسا رہی تھیں، ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو تلوار سے قتل کرنے کا ارادہ کیا، کچھ سوچ کر رک گئے اور اسے چھوڑ کر چلے گئے، جنگ کے بعد میں نے ان سے پوچھا، ابو دجانہ رضی اللہ عنہ! تم اس عورت کو قتل کرتے کرتے کیوں رک گئے تھے، انھوں نے جواب دیا کہ اللہ کے رسول کی تلوار کی حرمت کا تقاضہ یہ تھا کہ وہ کسی عورت پر نہ چلائی جائے، روایات میں ہے کہ وہ عورت ابوسفیان کی بیوی ہندہ تھی۔(۳) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بھی اپنا چشم دید مشاہدہ بیان

(۱) سیرۃ المصطفیٰ: ۲/۱۹۹۔ (۲) زاد المعاد: ۳/۱۵۰۔ (۳) المجمع للہیثمی: ۶/۱۰۹۔

کرتے ہیں کہ ابو دجانہ رضی اللہ عنہ جنگ کے روز اس تلوار کے ذریعے مشرکین کے سر قلم کر رہے تھے۔ (۱)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت

جنگ اُحد کا سب سے زیادہ الم ناک واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ ہے، وہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے تھے جو نہایت بے جگری سے لڑ رہے تھے، پہلے انھوں نے اَرطاۃ بن عبد شُرَحبیل کو قتل کیا، یہ ان لوگوں میں سے ایک تھا جن کو جھنڈا اٹھانے کی ذمہ داری سپرد کی گئی تھی، اس کے بعد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نظر سباع بن عبد العزّی پر پڑی، آپ نے اسے یہ کہتے ہوئے آواز دی کہ اے ختنہ کرنے والی عورت کے بیٹے ذرا ادھر آنا، وہ قریب آیا تو ایک ہی وار میں اس کی گردن اڑادی، وہ دشمن کی صفوں میں گھس گھس کر حملے کر رہے تھے، اور کشتوں کے پشتے لگا رہے تھے، مگر خود ایک شخص کے ہاتھوں شہید ہو گئے، جو صرف ان کو قتل کرنے کے لیے اور اس کام کے عوض اپنی آزادی کا پروانہ حاصل کرنے کے لیے دشمنوں کے ساتھ آیا تھا اور ان کی تاک میں چھپا بیٹھا تھا، آگے کا حال خود اس شخص سے سنتے ہیں۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل کرنے والے شخص کا نام وَحشی بن حَرب ہے، وہ جُبیر بن مُطعِم کے غلام تھے، اس کا بھائی طُعیم بن عدی بن خیار جنگ بدر میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا تھا، اس وقت سے جُبیر بن مُطعِم کے دل میں حمزہ رضی اللہ عنہ کے خلاف انتقام کا جذبہ پرورش پا رہا تھا، جب اسے یہ معلوم ہوا کہ قریش کے لوگ مدینے جا رہے ہیں، اور ان کا ارادہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ہے تو اسے خیال آیا کہ حمزہ رضی اللہ عنہ سے انتقام لینے کا اس سے بہتر موقع دوسرا نہیں ہوسکتا، وَحشی ایک ماہر تیر انداز تھے، جبیر نے وحشی سے کہا کہ تجھے بھی ہمارے ساتھ چلنا ہے اگر تو نے حمزہ کو قتل کر دیا تو یہ سمجھ لینا کہ تو آزاد ہو چکا ہے، وحشی کو بھی یہ پیش کش پسند آئی اور وہ قریش کے لشکر میں شامل ہو کر مدینے پہنچ گئے۔

بخاری شریف میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا واقعہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے، یہ

(۱) صحیح مسلم: ۴/ ۱۹۱۷، رقم الحدیث: ۲۴۷۰۔

واقعہ حضرت جعفر بن عمرو بن اُمیّہؒ ضمری رضی اللہ عنہ نے خود حضرت وحشی رضی اللہ عنہ سے سنا ہے، اس وقت وہ اسلام قبول کر چکے تھے اور شام کے شہر حمص میں مقیم تھے، راوی کہتے ہیں کہ میں عبید اللہ بن عدی بن خیار کے ساتھ اُن سے ملنے گیا اور ان سے پوچھا کہ انھوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جیسے بہادر آدمی کو کیسے قتل کر دیا تھا، اور اس کے بعد کیا واقعات پیش آئے تھے، ذرا تفصیل سے بتلائیں، وحشی رضی اللہ عنہ نے کہا: جب دونوں طرف کی فوجوں نے صف بندی کر لی تو سباع نامی ایک شخص میدان میں نکلا اور اس نے مقابلے کی دعوت دی، یہ سنتے ہی حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے کے لیے نکلے اور کہنے لگے: اے سباع! اے ام انمار کے بیٹے جو لڑکیوں کی ختنے کرتی پھرتی تھی تو اللہ اور اس کے رسول سے مقابلہ کرتا ہے، یہ کہہ کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس پر حملہ کیا اور جیسے کل گذشتہ کا وجود نہیں رہتا سباع نابود ہو گیا، وحشی کہتے ہیں کہ میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو مارنے کے لیے ایک پتھر کی آڑ میں چھپا بیٹھا تھا، جب وہ میرے قریب آئے تو میں نے اپنا حربہ (دھار دار چکر) ان پر پھینک مارا وہ ان کی ناف کے نچلے حصے پر لگا اور جسم کے پار ہو گیا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اسی وقت شہید ہو گئے۔

وحشی کہتے ہیں کہ حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد میں نے جنگ میں حصہ نہیں لیا، میرا مقصد پورا ہو چکا تھا، میں جنگ ختم ہونے کے انتظار میں ایک طرف بیٹھ گیا، جب لوگ جنگ سے واپس ہوئے، میں بھی واپس ہو گیا، میں مکّے ہی میں مقیم رہا، یہاں تک کہ وہاں اسلام پوری طرح پھیل گیا، میں طائف چلا گیا، جب طائف والوں نے اسلام قبول کرنے کے لیے ایک وفد بنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ کیا تو میں بھی اس وفد میں شامل تھا، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، جب آپ نے مجھے دیکھا تو فرمایا: کیا تو وحشی ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! فرمایا: کیا تو نے حمزہ کو قتل کیا تھا، میں عرض کیا: آپ کو جو خبر جس طرح پہنچی ہے وہ صحیح ہے، آپ نے فرمایا: کیا تم ایسا کر سکتے ہو کہ میرے سامنے نہ آؤ اور اپنی صورت مجھ سے چھپائے رکھو، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر بڑا گہرا اثر تھا، اور وہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر اپنے اس غم کو تازہ

نہیں کرنا چاہتے تھے، ویسے بھی اس میں حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے لیے شفقت کا پہلو زیادہ تھا، کیوں کہ وہ مسلمان ہو چکے تھے، اگر وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جاتے تو آپ کو چچا کے قتل کا واقعہ یاد آجاتا اور اس کی وجہ سے آپ کے دل میں بہ تقاضائے بشریت ان کی طرف سے انقباض پیدا ہو سکتا تھا، اور کسی مسلمان کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں انقباض کا پیدا ہو جانا اس کے لیے دنیا وآخرت میں یقینی طور پر نقصان کا سبب ہے، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وحشی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وہ میرے سامنے نہ آئیں کہ اسی میں ان کی سلامتی تھی۔

وحشی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں وہاں سے چلا گیا، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما گئے تو مُسَیلمہ کذاب کے فتنے نے سر ابھارا، میں نے اپنے دل میں سوچا کہ مجھے مسیلمہ کا مقابلہ کرنے کے لیے جانا چاہیے، شاید میں اسے قتل کر سکوں اور اس طرح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل کے گناہ کا تدارک کر سکوں، چناں چہ میں لوگوں کے ساتھ مسیلمہ سے جنگ کرنے کے لیے نکلا، میں نے دیکھا کہ ایک آدمی دیوار کی دَرز میں کھڑا ہوا ہے، یہ مسیلمہ کذاب تھا، میں نے اس کی دونوں چھاتیوں کے درمیان کا نشانہ لے کر اس کی طرف اپنا نیزہ پھینکا، وہ نیزہ اس کے دونوں شانوں کے پار ہو گیا، اتنے میں ایک انصاری صحابی اس کی طرف لپک کر گئے اور تلوار اس کی کھوپڑی پر مار کر اس کا کام تمام کر دیا۔(۱)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل پر کفار کی عورتوں نے خوشی کے گیت گائے، ابوسفیان کی بیوی ہندہ بن عُتبہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ناک کان کاٹ کر گلے میں پہن لئے، اور ان کا پیٹ چاک کر کے جگر نکال لیا، اور اسے چبا چبا کر تھوک دیا، تجہیز وتکفین کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کا یہ حال دیکھا تو شدت غم سے رونے لگے، اور لاش سے مخاطب ہو کر فرمایا: اگر مجھے اپنی پھوپھی صفیہ کا خیال نہ ہوتا تو میں آپ کو اسی طرح چھوڑ دیتا تا کہ پرندے آپ کو کھا جاتے اور قیامت کے دن آپ ان کے پیٹوں سے اٹھائے جاتے، خدا کی قسم مجھ پر آپ کا انتقام واجب ہے، میں آپ کے بدلے میں ستر کافروں کا مثلہ کروں

(۱) صحیح البخاری: ۵/۱۰۰، رقم الحدیث: ۴۰۷۲، مسند احمد بن حنبل: ۳/۵۰۱، فتح الباری: ۷/۴۲۹۔

گا، مگر وحی کے ذریعے مثلہ کرنے کی مخالفت کا حکم نازل ہوگیا، آپ نے اپنی قسم پوری نہیں فرمائی، بلکہ کفارۂ قسم ادا کر کے صبر کا راستہ اختیار فرمایا۔(۱)

شہادت کے بعد حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی اپنے بھائی کو دیکھنے کے لیے آئیں، لیکن آپ نے ان کو دیکھنے نہیں دیا بلکہ تسلی دے کر واپس کردیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا بے حد اثر تھا، مدینے تشریف لانے کے بعد آپ نے سنا کہ بنو عبد الاشہل کی عورتیں اپنے شہداء پر بین کررہی ہیں تو آپ نے فرمایا افسوس! حمزہ پر تو کوئی رونے والا بھی نہیں، انصار نے یہ سنا تو انھوں نے اپنی عورتوں کو آستانۂ نبوت پر بھیج دیا تا کہ وہ وہاں جا کر روئیں اور آپ کا غم ہلکا ہو، کچھ ہی دیر بعد آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ واپس جائیں اور آج کے بعد پھر کسی مرنے والے پر اس طرح بین نہ کریں، کہا جاتا ہے کہ مدتوں مدینے میں یہ دستور رہا کہ جب وہاں کی عورتیں کسی پر روتیں تو دو چار آنسو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر بھی بہالیتی تھیں۔(۲)

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ غسیل الملائکہ

گذشتہ صفحات میں ابو عامر فاسق کا ذکر آیا ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد مدینے سے چلا گیا تھا اور اس نے مکے میں رہائش اختیار کر لی تھی، یہ شخص دشمنوں کی فوج میں شامل ہو کر آیا، مسلمانوں کو مقابلے کا چیلنج دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ صفوں میں سے نکل کر باہر آئے اور اس کی ٹانگ کاٹ دی، پورا قصہ آپ پڑھ چکے ہیں، حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ اسی کے بیٹے ہیں، باپ کی موجودگی میں ہی مسلمان ہوگئے تھے، مدینے سے جانے کا ایک سبب بیٹے کا اسلام قبول کرنا بھی تھا، جب ابو عامر فاسق نے دشمنوں کی صفوں سے نکل کر مسلمانوں کو للکارا تو حنظلہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھ کر باپ کو مزہ چکھانا چاہتے تھے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس کی اجازت نہیں دی، جنگ شروع ہوئی تو یہ بھی نہایت بے جگری سے لڑے، ایک موقع پر ان کا سامنا ابوسفیان سے ہوگیا، انھوں نے اس پر حملہ کرنا چاہا کہ پیچھے سے شدّاد بن اسود نے حملہ کردیا، جس سے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ شہید

(۱) ابوداؤد: ۳/۱۹۵، رقم الحدیث: ۳۱۳۶۔ (۲) سیرۃ ابن ہشام: ۳/۵۰۔

ہو گئے، جب ان کی لاش اٹھائی گئی تو ان کے سر کے بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ فرشتے حنظلہ رضی اللہ عنہ کو اٹھا کر لے گئے اور انھوں نے چاندی کے برتنوں میں ان کو غسل دیا، اسی لئے انہیں غسیل الملائکہ کا لقب دیا گیا، ان کی بیوی سے دریافت کیا گیا کہ کیا واقعہ پیش آیا تھا کہ ان کو یہ عظیم سعادت نصیب ہوئی، ان کی بیوی نے بتلایا کہ وہ جنابت کی حالت میں ہی جہاد کے لیے روانہ ہو گئے تھے، اور اسی حالت میں شہید بھی ہو گئے، جس دن اُن کی شہادت کا واقعہ پیش آیا اس سے پہلی والی رات میں ان کی اہلیہ نے خواب میں دیکھا کہ آسمان کا دروازہ کھلا، حنظلہ اس میں داخل ہو گئے اور دروازہ بند ہو گیا، اہلیہ سمجھ گئیں کہ اب حنظلہ شہید ہو کر دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں۔(۱)

مسلمانوں کی فتح

انفرادی مقابلوں میں مشرکین کے بہت سے بہادر مارے گئے، اس کے بعد دونوں لشکروں میں مقابلہ شروع ہوا، اس میں بھی مسلمانوں کا پلڑا بھاری رہا، حضرت ابودُجانہ رضی اللہ عنہ، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی بن اَبی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت مُصعب بن عُمیر رضی اللہ عنہ، حضرت ابوطلحہ الانصاری رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ وغیرہ حضرات مجاہدین کفار کی صفوں میں گھس گئے، اور بعض وہاں تک پہنچ گئے جہاں عورتیں رزمیہ گیت گا گا کر اپنے لشکر کی ہمت بڑھا رہی تھیں، ایک وقت ایسا آیا کہ ان کا جھنڈا بردار بھی زمین پر گر گیا، مشرکین میں ابتری پھیل گئی، ان کے قدم اکھڑ گئے، مرد اور عورتیں سب میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے، مسلمان مال غنیمت سمیٹنے میں لگ گئے۔(۲)

فتح کے بعد شکست

وہ پچاس تیر انداز صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبل اُحد کے پیچھے والی پہاڑی پر اس حکم کے ساتھ متعین فرمایا تھا کہ فتح ہو یا شکست کسی بھی صورت میں یہاں سے جنبش مت کرنا کافروں کے لشکر میں افراتفری دیکھ کر یہ حضرات اس گمان میں مبتلا ہو گئے

(۱) الخصائص الکبریٰ:۱/ ۳۵۸، الروض الانف:۵/ ۳۲۰۔ (۲) الکامل فی التاریخ:۲/ ۴۴، ۴۵۔

کہ جنگ ختم ہو چکی ہے، دشمن میدان چھوڑ کر بھاگ گیا ہے اور ہم فتح یاب ہو گئے ہیں، اس لیے اب یہاں رہنا بے سود ہے، انھوں نے اپنے امیر حضرت عبداللہ بن جُبیر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ چلئے مالِ غنیمت سمیٹتے ہیں، ہم غالب آچکے ہیں، اب ہمیں کس بات کا انتظار ہے، عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ساتھیو! کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بھول گئے؟ کہنے لگے! خدا کی قسم ہم تو میدان کارزار میں جا کر مال غنیمت اکٹھا کریں گے۔(۲) نتیجہ یہ ہوا کہ عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دس آدمی رہ گئے اور باقی چالیس افراد پہاڑی سے اتر کر وہاں چلے گئے جہاں جنگ ہو رہی تھی، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس وقت کی صورت حال کی منظر کشی ان الفاظ میں کی ہے، فرماتے ہیں: جب کفار کا لشکر بکھر گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت جمع کرنے کی اجازت عطا فرمادی، یہ دیکھ کر تیر انداز صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور مسلمانوں کی صفوں میں آ کر اس طرح شامل ہو گئے جس طرح ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں سے مل جاتی ہیں، جب دشمن نے یہ دیکھا کہ وہ جگہ خالی ہو چکی ہے جہاں تیر انداز مورچہ بنائے ہوئے کھڑے تھے اس نے اُدھر سے مسلمانوں پر دھاوا بول دیا، اس اچانک حملے سے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین بوکھلا گئے، کیوں کہ مجاہدین، تیر انداز صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور دشمن کے افراد سب ایک دوسرے میں خلط ملط ہو گئے تھے اس لیے یہ تمیز بھی باقی نہیں رہی کہ کون ہمارا دشمن ہے اور کون اپنا ساتھی ہے، لوگوں نے اپنے لوگوں پر بھی حملہ کر دیا، اس طرح بھی بہت سے مسلمان اپنوں کے ذریعہ قتل کر دئے گئے۔(۳)

خالد بن ولید نے ٹیلہ خالی دیکھا تو وہ اپنے گھڑ سواروں کے ساتھ جبل اُحد کا چکر کاٹ کر وہاں پہنچ گئے، عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے چند ساتھی ٹیلے پر موجود تھے، ان حضرات نے خالد بن ولید کو روکنے کی بے حد کوشش کی مگر روکنے میں کامیاب نہ ہو سکے اور لڑتے ہوئے سب کے سب شہید ہو گئے، مؤرخین نے ان کی تعداد دس یا گیارہ لکھی ہے، انہیں شہید کر کے خالد بن ولید اور ان کے ساتھی پشت سے مسلمانوں پر حملہ آور ہو گئے، یہ

(۲) صحیح البخاری: ۴/۶۵، رقم الحدیث: ۳۰۳۹۔ (۳) مسند احمد بن حنبل: ۴/۳۶۸ رقم الحدیث: ۲۶۰۹، سیرت ابن ہشام: ۳/۴۲۔

حملہ اتنا اچانک تھا کہ مسلمان گھبرا گئے، انہیں اس کا وہم وگمان بھی نہ تھا کہ پشت سے اس قدر زبردست حملہ ہوسکتا ہے، خالد بن ولید کو مسلمانوں سے لڑتے دیکھ کر جو مشرکین میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے وہ بھی پلٹ کر آگئے، مسلمان دونوں طرف سے گھر گئے، پیچھے سے بھی اور سامنے سے بھی، مسلمان بھی مقابلہ کرتے رہے، ایک وقت ایسا بھی آیا کہ دشمن اور دوست کی تمیز ختم ہوگئی، نہ کوئی نظام باقی رہا، نہ ایک دوسرے کے ساتھ کوئی رابطہ، جس کے جو سمجھ میں آرہا تھا وہ کررہا تھا، ایسا بھی ہوا کہ مسلمانوں نے دشمن سمجھ کر مسلمان ہی کو قتل کردیا، چناں چہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت یمان رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہوگئے، اپنے والد کو مسلمانوں کے نرغے میں پھنسا ہوا دیکھ کر انھوں نے بڑا شور مچایا کہ وہ میرے والد ہیں، میرے باپ ہیں، ان کو مت مارو، انہیں چھوڑ دو، مگر اس ہنگامۂ رُستاخیز میں کون کس کی سن رہا تھا، اس طرح مسلمان دشمنوں کے ہاتھوں تو شہید ہوئے ہی اپنوں کا نشانہ بھی بنے، بعد میں مسلمان اس واقعے پر بڑے نادم ہوئے، مگر جو ہونا تھا وہ ہوچکا تھا، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تمہیں معاف کرے وہ بڑا معاف کرنے والا ہے، جنگ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی دیت دینی چاہی مگر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے قبول کرنے سے انکار کردیا۔(۱)

رسول اللہ کی شہادت کی افواہ

اسی دوران ابن قِمیّۃ اللیثی کافر کے ہاتھوں حضرت مُصْعَبْ بن عُمیر رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد مشابہت رکھتے تھے، بد بخت اس خوش فہمی میں مبتلا ہوگیا کہ اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کردیا ہے، حضرت مُصْعَب رضی اللہ عنہ کو قتل کرکے وہ خوشی سے چلا اٹھا کہ اس نے (نعوذ باللہ) محمد کو قتل کردیا ہے، اس کی یہ آواز کافروں نے بھی سنی اور مسلمانوں تک بھی پہنچی، کافر خوشی سے جھوم اٹھے اور مزید پر جوش ہوگئے، دوسری طرف مسلمانوں میں مایوسی پھیل گئی، بعض کو یہ خیال ہوا کہ اب جنگ جاری رکھنے سے کیا فائدہ، رسول اللہ تو اب ہم میں رہے نہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہی حال تھا، بہت سے مسلمان تو میدان چھوڑ کر چلے گئے، کچھ لوگ ہتھیار رکھ کر بیٹھ گئے، ان میں بعض ایسے بھی تھے جو ایک

(۱) طبقات ابن سعد: ۲/۴۳، الکامل فی التاریخ: ۲/۴۵۔

دوسرے سے یہ کہہ رہے تھے کہ اب زندہ رہنے سے کیا فائدہ، کیوں نہ رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں سے لڑ کر جام شہادت نوش کیا جائے، انس بن نضر رضی اللہ عنہ یہی سوچ رہے تھے، اور جو لوگ میدان چھوڑ کر جا رہے تھے ان سے بھی یہی کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے، آؤ، لڑو، اور لڑ کر جان دے دو، انھوں نے یہ بھی کہا: دوستو، محمد ہی تو قتل ہوئے ہیں، محمد کا رب تو زندہ ہے، ہم رب کی خوش نودی ہی کے لیے تو لڑ رہے ہیں، سعد بن معاذ ملے تو ان سے کہنے لگے اے سعد! مجھے اُحد کے اس پار سے جنت کی خوش بو آ رہی ہے، بہ ہر حال وہ میدان میں کود پڑے، اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے، ان کے جسم پر تلواروں اور تیروں کے اسی سے زیادہ زخم تھے، گویا پورا جسم چھلنی تھا۔(۱)

مگر یہ افواہ غلط تھی، رسول اللہ ﷺ زندہ تھے اور میدان میں موجود تھے، اگرچہ کفار آپ کی تلاش میں تھے، اور آپ کو نشانہ بنانا چاہتے تھے، مگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے آپ کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا، جس وقت میدان میں افراتفری مچی ہوئی تھی اس وقت بھی متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین آپ کے چاروں طرف موجود تھے اور آپ کی حفاظت کر رہے تھے، چناں چہ مہاجرین میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن اُبی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ اور انصار میں سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، حضرت سُہیل بن حنیف رضی اللہ عنہ، حضرت ابودُجانہ رضی اللہ عنہ، حضرت اُسَید بن حُضیر رضی اللہ عنہ، حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت حُباب بن المنذر رضی اللہ عنہ اور حضرت حارث بن صِمّہ رضی اللہ عنہ وہ حضرات ہیں جو پوری مستعدی کے ساتھ آپ کے قریب رہے، اور حملہ آوروں کو آگے بڑھنے سے روکتے رہے۔(۲)

حفاظتی نقطۂ نظر سے رسول اللہ ﷺ نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو اپنی زرہ دے دی تھی اور ان کی زرہ لے کر خود پہن لی تھی، اس صورت میں بہ ظاہر آپ کی پہچان مشکل تھی، مگر عُتبہ بن اُبی وقاص کسی طرح پہچان گیا، وہ قریب تو نہ آسکا، مگر اس نے دور

(۱) الکامل فی التاریخ: ۲/۴۵، صحیح البخاری: ۵/۹۵، رقم الحدیث: ۴۰۴۸، سنن الترمذی: ۵/۳۴۸، رقم الحدیث: ۳۲۰۰۔
(۲) فتح الباری: ۷/۳۶۰۔

سے کچھ پتھر آپ کی طرف پھینکے، ایک پتھر آپ کے چہرۂ مبارک پر لگا، جس کی ضرب سے نیچے کا ایک دانت شہید ہو گیا، اور نیچے ہی کا لب بھی زخمی ہو گیا، یہ بدبخت مشہور صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا حقیقی بھائی تھا، وہ کہا کرتے تھے کہ مجھے جس قدر خواہش اور تمنا عتبہ کو قتل کرنے کی ہے کسی کی نہیں ہے، اسی دوران ابن شہاب، اور ابن قمیہ نامی دو مشرک کچھ لوگوں کے ساتھ تلواریں لہراتے ہوئے آپ کی طرف بڑھے، جو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین آپ کی حفاظت کر رہے تھے انھوں نے سینہ سپر ہو کر ان کا مقابلہ کیا، اس کے باوجود ابن شہاب کی تلوار سے آپ کی مبارک پیشانی زخمی ہو گئی، ابن قمیہ کی تلوار آپ کے خود پر پڑی، سر مبارک محفوظ رہا، مگر خود کی آہنی کڑیاں آپ کے رخسار مبارک میں گھس گئیں، پیشانی کا خون حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کے والد گرامی حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے چوس کر صاف کیا، آپ نے انہیں بشارت سنائی کہ تمہیں دوزخ کی آگ نہ چھو سکے گی، خود کی آہنی کڑیاں رخسار مبارک سے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے اپنے دانتوں سے پکڑ کر نکالیں، اس کی وجہ سے ان کے دو دانت ٹوٹ گئے۔(۱)

ابو عامر فاسق نے ایک گڑھا مسلمانوں کے لیے کھودا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دور چلے تو کم زوری اور نقاہت کی وجہ سے اور زرہ کے بوجھ کے باعث سنبھل نہیں پائے اور اس گڑھے میں جا گرے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کا دست مبارک تھاما اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے سہارا دے کر اٹھایا، یہاں تک کہ آپ سیدھے کھڑے ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص روئے زمین پر چلتا پھرتا شہید دیکھنا چاہتا ہے وہ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے۔(۲)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی جاں نثاری

اس موقع پر متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے قربانی اور جاں نثاری کے قابل رشک مظاہرے کیے، ایک خاتون ام عمارہ رضی اللہ عنہا (نسیبہ بنت کعب) بھی آپ کے دفاع میں پیش پیش رہیں، وہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں طرف

(۱) البدایہ والنہایہ: ۴/۲۳، ۲۴، سیرت ابن ہشام: ۳/۳۵۔ (۲) سیرۃ ابن ہشام: ۳/۳۵۔

آجاتیں اور کبھی بائیں طرف، کبھی ان کے ہاتھ میں تلوار ہوتی اور کبھی تیر وکمان، ایک موقع پر وہ ابن قمیہ سے الجھ گئیں، یہ وہ بد بخت ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تلوار سے حملہ کیا تھا، اس نے حضرت اُم عمارہ رضی اللہ عنہا پر بھی تلوار چلائی، تلوار ان کے کاندھے پر لگی، مگر وہ زخم کی پرواہ کیے بغیر لڑتی رہیں، جواب میں انھوں نے بھی ابن قمیّہ پر وار کیا، اس کے جسم پر دو دو زر ہیں تھیں اس لیے وہ بچ گیا، مگر ام عمارہ رضی اللہ عنہا کو بھی راستے سے نہ ہٹا سکا، ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اُم عمارہ رضی اللہ عنہا کے پاس ڈھال نہیں ہے، آپ نے ایک صحابی رضی اللہ عنہم اجمعین سے فرمایا کہ وہ اپنی ڈھال اُم عمارہ رضی اللہ عنہا کو دے دیں، ان کے ساتھ ان کے شوہر زید بن عاصم رضی اللہ عنہ، اور دو بیٹے حبیب رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ رضی اللہ عنہ بھی مشرکین سے شیروں کی طرح لڑ رہے تھے۔(۱)

ایک موقع ایسا بھی آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں نے گھیر لیا، آپ نے بہ آواز بلند فرمایا کون ہے جو ہمارے لیے اپنے آپ کو فروخت کرے گا، یہ سن کر زِیاد بن مُسکن رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، بعض روایات میں ہے کہ عُمارہ بن یزید بن سکن رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، ان کے ساتھ چار پانچ انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین بھی تھے، یہ سب حملہ آوروں سے لڑنے لگے، صحابہ تعداد میں کم تھے، حملہ آوروں کی تعداد زیادہ تھی، تمام صحابہ لڑتے لڑتے شہید ہوگئے، آخر میں زیاد یا عمارہ رہ گئے جو زخموں سے چور تھے، آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ ان کو میرے قریب لاؤ، لوگوں نے اٹھا کر آپ کے قدموں میں ڈال دیا، زیاد رضی اللہ عنہ یا عمارہ رضی اللہ عنہ نے اپنے رخسار آپ کے قدموں پر رکھ دئے اور اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔(۲)

حضرت ابودُجانہ رضی اللہ عنہ کفار کی طرف پشت کر کے کھڑے ہوگئے، اور دشمن جو تیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھینک رہے تھے انہیں اپنی پیٹھ پر روکتے رہے، ان کی پیٹھ پر ستر کے قریب زخم آئے، لیکن انھوں نے صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا اور اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں ہلے جب تک مشرکین کے تیروں کا رخ دوسری طرف نہیں ہوگیا، حضرت کعب

(۱) سیرت ابن ہشام: ۳/ ۳۷۔ (۲) تاریخ الطبری: ۲/ ۶۵، ۶۶، الاصابہ: ۳/ ۱۹، الدلائل للبیہقی: ۳/ ۲۳۴۔

بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے زرہ میں ملبوس ایک لمبے تڑنگے شخص کو دیکھا کہ وہ مسلمانوں پر بھاری پڑ رہا ہے، اوران پر مسلسل حملے کررہا ہے، اتنے میں ایک نقاب پوش شخص سامنے آیا، اوراس نے لحیم شحیم شخص پرتلوار سے اتنا زبردست حملہ کیا کہ تلوار اس کے کاندھے سے لے کرران تک چیرتی ہوئی چلی گئی وہ کافر زرہ سمیت دوٹکڑوں میں بٹ گیا، نقاب پوش نے اپنا چہرہ کھولا تو وہ ابودُجانہ رضی اللہ عنہ تھے۔(۱)

حضرت سعد بن اَبی وقاص رضی اللہ عنہ بھی بے جگری سے لڑ رہے تھے، یہ بھی آپ کے قریب ہی تھے، ان کو تیر چلاتے ہوئے دیکھ کرآپ خوش بھی ہورہے تھے اوران کا حوصلہ بھی بڑھارہے تھے، آپ اپنے ترکش سے تیر نکال کران کو دیتے اور فرماتے اے سعد تجھ پر میرے ماں باپ قربان ہوں اور تیر چلاؤ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی نہیں سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کے لیے فداك أبی و أمی کہا ہو۔(۲)

یہ دن حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے نام تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں جب بھی غزوۂ اُحد کا ذکر ہوتا آپ ارشاد فرماتے وہ دن تو تمام کا تمام طلحہ رضی اللہ عنہ کا تھا، ان الفاظ مبارکہ کے ذریعے آپ طلحہ رضی اللہ عنہ کی کارکردگی کو سراہتے اوران کی شجاعت کو داد دیتے، جب تک جنگ جاری رہی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے آپ کے قریب ہی موجود رہے اور دشمنوں کی طرف سے آنے والے تیروں کو اپنے ہاتھوں پر روکتے رہے یہاں تک کہ ان کا ہاتھ شل ہوگیا، ان کے بدن پر چالیس کے قریب زخم شمار کیے گئے۔(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ کے سوتیلے والد حضرت ابوطلحہ الانصاری رضی اللہ عنہ نے بھی تیراندازی میں بے مثال بہادری کا مظاہرہ کیا، جب بھی کوئی صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرتے آپ ان سے فرماتے اپنے ترکش سے تیر نکال کر ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو دو، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اس غزوے میں کئی کمانیں توڑیں۔(۴)

(۱) البدایہ والنہایہ: ۵/ ۳۵۹۔ (۲) صحیح البخاری: ۵/ ۹۷، رقم الحدیث: ۴۰۵۹، صحیح مسلم: ۴/ ۱۸۷۶، رقم الحدیث: ۲۴۱۱، تاریخ الطبری: ۲/ ۶۶، سیرت ابن ہشام: ۳/ ۳۷، کتاب الأغانی: ۱۴/ ۱۸، ۱۹۔ (۳) صحیح البخاری: ۵/ ۲۲، رقم الحدیث: ۳۷۲۴، فتح الباری: ۷/ ۳۶۱۔ (۴) صحیح البخاری: ۵/ ۹۷، رقم الحدیث: ۴۰۶۴۔

اس جنگ میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ پھوٹ گئی تھی، اس کا قصہ کچھ یوں ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیر چلا رہے تھے کہ کمان کا ایک حصہ ٹوٹ گیا، انھوں نے وہ ٹوٹی ہوئی کمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے ہاتھوں میں لے لی، کسی طرح اس کا ٹوٹا ہوا حصہ ان کی آنکھ میں لگ گیا، آنکھ پھوٹ گئی، اور قتادہ رضی اللہ عنہ منہ کے بل نیچے گر پڑے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھ پر دست مبارک پھیرا، وہ آنکھ دوبارہ روشن ہوگئی، بلکہ پہلے کی بہ نسبت اس آنکھ سے اور بہتر نظر آنے لگا۔(۱)

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی جی جان سے لڑ رہے تھے، کسی کافر نے پتھر پھینک کر مارا، وہ ان کے چہرے پر لگا، جس سے ان کا ایک دانت ٹوٹ گیا، اور بدن پر بیس سے بھی زیادہ زخم آئے، ایک پاؤں بھی زخمی ہوگیا، جس سے وہ لنگڑے ہوگئے۔(۲)

خلاصہ یہ کہ تمام صحابہ نے میدان جنگ میں اپنی بہادری اور دلیری سے دشمنوں کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کردیا، ان کو راہ فرار اختیار کرتے ہوئے دیکھ کر تیر انداز صحابہ پہاڑی سے ہٹ گئے، خالد بن ولید نے میدان خالی دیکھ کر دوبارہ حملہ کردیا، اِدھر یہ افواہ پھیل گئی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوچکے ہیں، مسلمانوں پر یہ خبر بجلی بن کر گری، ان میں مایوسی پھیل گئی، بہت سے لوگ واپس جانے لگے، کچھ لوگ میدان سے ہٹ کر ایک طرف بیٹھ گئے، اس طرح جیتی ہوئی جنگ شکست میں بدل گئی۔

حضور سلامت تھے

حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی یہ افواہ سن چکے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوچکے ہیں، دوسرے تمام مسلمانوں کی طرح وہ بھی دل شکستہ اور مایوس تھے، جب حضور کہیں نظر نہ آئے تو انھوں نے لاشوں کے درمیان گھومنا شروع کیا، جب حضور وہاں بھی نہ ملے تو انھوں نے سوچا کہ یہ ممکن نہیں کہ حضور زندہ ہوں اور میدان چھوڑ جائیں، اور وہ شہیدوں میں بھی کہیں نظر نہ آئیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے ہم سے ناراض ہوکر رسول اللہ کو آسمان پر اٹھا لیا ہے، انھوں نے سوچا اب اللہ کو خوش کرنے کا یہی راستہ باقی بچا ہے کہ دشمنوں سے لڑتے

(۱) دلائل النبوۃ للبیہقی: ۳/۲۵۲۔ (۲) المستدرک للحاکم: ۳/۳۰۸۔

لڑتے جان دے دی جائے، یہ سوچ کر انھوں نے نیام پھینک دی اور تلوار لے کر دشمنوں پر پل پڑے، یہ حملہ اتنا زبردست تھا کہ دشمن کائی کی طرح چھٹ گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ دشمنوں نے گھیر رکھا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پکارا، علی انہیں روکو، حضرت علی رضی اللہ عنہ دشمنوں پر جھپٹ پڑے اور انہیں مار بھگایا، کچھ لمحوں کے بعد مشرکین کے ایک اور گروہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نرغے میں لے لیا، آپ نے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آواز دی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں بھی پسپا کر دیا۔(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ سلامت دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کیا، مگر دوسرے صحابہ اب بھی بے خبر تھے بلکہ زیادہ تر یہی سمجھ رہے تھے کہ حضور فوت ہو چکے ہیں، مدینہ منورہ تک یہ خبر پہنچ چکی تھی، ہر گھر میں کہرام مچا ہوا تھا، عورتیں اور بچے روتے ہوئے اپنے گھروں سے باہر نکل آئے، ہر شخص غم کی مجسّم تصویر بنا ہوا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد کعب بن مالک رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی آنکھوں سے پہچان لیا، آپ از سرتا پا زرہ پوش تھے، آپ کا چہرہ بھی آہنی خود سے ڈھکا ہوا تھا، صرف آنکھیں نظر آرہی تھیں جو انتہائی روشن اور چمک دار تھیں، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ان آنکھوں کو اچھی طرح دیکھے ہوئے تھے اور خوب پہچانتے تھے، جب کہ دشمن ناواقف تھے، اتفاق سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ہی کی زرہ زیب تن کیے ہوئے تھے، انھوں نے حضور کو دیکھا تو فوراً پہچان لیا، وہ خوشی سے چیخ اٹھے ارے مسلمانو! خوش ہو جاؤ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ سلامت ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں چپ رہنے کے لیے فرمایا: مگر کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی آواز بعض دوسرے صحابہ تک پہنچ چکی تھی، آناً فاناً میں یہ خبر پھیل گئی، مسلمان خوش بھی ہو گئے، اور پرجوش بھی، مگر اس عرصے میں بڑا نقصان ہو چکا تھا، کئی بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین شہید ہو چکے تھے، البتہ جو زندہ تھے ان کے لیے اطمینان اور خوشی کی بات یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہ قید حیات ہیں۔(۲)

ذرا سی دیر میں یہ خبر مدینے بھی پہنچ گئی، جو لوگ غم سے بے تاب تھے وہ خوشی سے

(۱) تاریخ دمشق: ۴۲/۶۷۔ (۲) سیرت ابن ہشام: ۳/۳۹۔

چہک اٹھے، ایک انصاری خاتون تھیں، ان کے شوہر، والد، اور بھائی اس غزوے میں شہید ہو چکے تھے، فطری طور پر انہیں اپنے تین عزیزوں کی موت کا گہرا صدمہ تھا، مگر وہ ضبط کئے ہوئے تھیں، جب انہیں یہ خبر ملی کہ رسول اللہ بھی شہید ہو چکے ہیں تو ان کی کیفیت عجیب ہوگئی، انہوں نے یہ خبر سن کر میدان جنگ کی طرف دوڑ لگادی، وہ یہ کہتی جارہی تھیں کہ کوئی مجھے حضور کی خیریت کے بارے میں بتلائے، لوگوں نے انہیں بتلایا اماں! حضور خیریت سے ہیں، کہنے لگیں کہ مجھے اطمینان اس وقت ہوگا جب میں اپنی آنکھوں سے حضور کو دیکھ لوں گی، چناں چہ وہ جنگ کے میدان میں پہنچیں، حضور کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تب جا کر مطمئن ہوئیں اور یہ کہتے ہوئے واپس ہوئیں: آپ کی خیریت کے بعد تمام مصیبتیں ہلکی ہیں۔(۱)

میدان سے اُحد کی طرف

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبل اُحد کی طرف بڑھے، کیوں کہ بہ ظاہر جنگ ختم ہوچکی تھی، اگرچہ اکا دکا جھڑپیں جاری تھیں، اس وقت آپ کے ہمراہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت طلحہ اور حارث بن صمّہ وغیرہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تھے جو آپ کو اپنے حصار میں لے کر چل رہے تھے، آپ نے پہاڑ پر چڑھنے کا ارادہ فرمایا، مگر چڑھ نہیں سکے، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نیچے بیٹھ گئے، آپ ان کے کاندھوں پر پاؤں مبارک رکھ کر اوپر چڑھے، آپ نے خوش ہو کر انہیں جنت کی بشارت دی۔(۲) آپ اس وقت زخمی بھی تھے اور تھکے ہوئے بھی تھے، پہاڑ کی ایک وسیع گھاٹی میں آپ تشریف فرما ہوئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ پانی لے کر آئے چہرۂ انور سے خون صاف کیا، سر بھی دھویا، کیوں کہ وہاں سے بھی خون بہا تھا، روایات میں ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بھی چہرۂ انور سے خون صاف کرنے اور دھونے میں اپنے شوہر کی مدد کی، جب خون برابر بہتا رہا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا اور اس کی راکھ آپ کے زخم پر لگائی تب خون رکا، کچھ دیر بعد آپ

(۱) الکامل فی التاریخ: ۲/۱۱۳۔ (۲) سنن الترمذی: ۴/۲۰۱، رقم الحدیث: ۱۶۹۲، مسند احمد بن حنبل: ۳/۳۳، رقم الحدیث: ۱۴۱۷۔

نے وضو فرمائی، اور بیٹھ کر ظہر کی نماز پڑھائی، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی بیٹھ کر اقتدا کی۔(۱)

اُبی بن خلف کا عبرت ناک انجام

ابھی آپ گھاٹی میں تشریف فرما ہی تھے کہ اُبی ابن خلف وہاں آدھمکا، اس نے دور سے ہی یہ کہنا شروع کردیا تھا کہ کہاں ہیں محمد، محمد کدھر ہیں، اگر آج وہ میرے ہاتھ سے بچ گئے تو میری خیر نہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے یہ بات سنی تو عرض کیا: یارسول اللہ! اگر اجازت ہو تو ہم میں سے کوئی اسے قتل کردے، آپ نے ارشاد فرمایا: اسے یہاں آنے دو، جب وہ قریب آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن الصّمّہ سے ان کا نیزہ لیا اور اُبی بن خلف کی گردن کے اس حصے پر وار کیا جو زِرہ اور خود کے درمیان کُھلا ہوا تھا، وہ زخم کھا کر پہلے تو زمین پر گرا، پھر چیختا چلاتا اپنے لوگوں کی طرف بھاگا، وہ یہ کہتا ہوا بھاگ رہا تھا لوگو! محمد نے مجھے قتل کرڈالا، لوگوں نے اس کا زخم دیکھا اور اسے تسلّی دیتے ہوئے کہا کیوں چلّاتے ہو، معمولی زخم ہے، صحیح ہوجائے گا، کہنے لگا، تم کیا جانو اس میں کس قدر تکلیف ہے، خدا کی قسم اگر اس تکلیف کو تمام اہل حجاز پر تقسیم کردیا جائے تو وہ سب اس کی تاب نہ لاکر ہلاک ہوجائیں، لات وعزّٰی کی قسم اگر وہ مجھ پر تھوک بھی دیتے تو میں قتل ہوجاتا، کیوں کہ انھوں نے فرمایا تھا کہ وہ مجھے اپنے ہاتھوں سے قتل کریں گے۔

اُبی بن خلف قریش کے نمایاں افراد میں سے تھا، جنگ بدر میں قید ہوا، مگر اسے رہا کردیا گیا، اس احسان کا صلہ اس نے یہ دیا کہ مکے واپس جاکر قسم کھائی کہ میں اپنے اس گھوڑے پر سوار ہوکر محمد کو قتل کروں گا، اس گھوڑے کا نام العود تھا، وہ اسے بڑے ناز ونعم سے پال رہا تھا، اسے روز آنہ مکئی کے دانے کھلائے جاتے جو اس زمانے میں بڑے قیمتی سمجھے جاتے تھے، اور جانوروں کے لیے صحت افزا بھی تھے، جب یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنی تو ارشاد فرمایا: ان شاء اللہ میں ہی اسے قتل کروں گا، اُحد کے دن وہ اسی گھوڑے پر سوار ہوکر آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں زخم کھا کر بھاگا، جب تک وہ زندہ رہا اسی

(۱) صحیح البخاری: ۵/۱۰۱، رقم الحدیث: ۴۰۷۵۔

طرح ورد سے بلبلاتا رہا یہاں تک کہ مکہ مکرمہ سے چھ میل پہلے مقام سرف میں پہنچ کر واصل جہنم ہو گیا۔(۱)

زخمیوں کی دیکھ بھال

مسلمانوں کا جانی نقصان بھی بہت ہوا اور وہ زخمی بھی بڑی تعداد میں ہوئے، زخمیوں کی مرہم پٹی کے لیے مسلمان خواتین میدان میں موجود تھیں، تمام مجاہدین دن بھر کے تھکے ہوئے تھے، بھوکے اور پیاسے بھی تھے، حضرت ابوطلحہ کی بیوی حضرت ام سُلَیم رضی اللہ عنہا اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پانی کے مشکیزے بھر بھر کر لاتیں اور مجاہدین کو پلاتیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی یہ خدمت انجام دے رہی تھیں، بچوں میں حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی دوڑ دوڑ کر پانی لاتے اور زخمیوں کو پلاتے، ان کی عمر اس وقت صرف تیرہ برس تھی، مسلمانوں کو اس وقت راحت وآرام کی سخت ضرورت تھی، اللہ نے اپنے ان بندوں پر اونگھ طاری کردی، جو سکینہ کا پیش خیمہ ثابت ہوئی، حالاں کہ یہ وہ وقت نہیں تھا کہ کوئی آنکھ جھپکتی، کیوں کہ دشمن سر پر کھڑا ہوا تھا، مگر کچھ لمحوں کے لیے تمام مسلمانوں پر نیند طاری ہوگئی، حال یہ ہوا کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں سے بار بار تلوار نیچے گر جاتی تھی، جب اس کیفیت سے باہر نکلے تو تمام مسلمان تازہ دم ہو چکے تھے، ان میں ایک طرح کا نشاط پیدا ہو چکا تھا، اور ساری تھکن دور ہوگئی تھی۔(۲)

کتنے مسلمان شہید ہوئے؟

غزوۂ اُحد میں مشرکین کے کل بائیس افراد مارے گئے، جب کہ ستر مسلمانوں نے شہادت پائی، اس سلسلے میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب وغریب بات لکھی ہے کہ بدر کے قیدیوں کے سلسلے میں مسلمانوں کو اختیار دیا گیا تھا کہ اگر وہ چاہیں تو ان تمام قیدیوں کو قتل کردیں اور چاہیں تو ان کا فدیہ لے کر انہیں آزاد کردیں، ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا گیا تھا کہ اگر تم نے دوسری صورت اختیار کی یعنی قیدیوں کو فدیہ لے کر آزاد کر دیا تو آنے

(۱) الدلائل للبیہقی: ۳/۲۵۹، المستدرک للحاکم: ۲/۳۵۷، رقم الحدیث: ۳۲۶۳، البدایہ والنہایہ: ۴/۳۲۔ (۲) البدایہ والنہایہ: ۵/۴۱۴، صحیح البخاری: ۵/۳۷، رقم الحدیث: ۳۸۱۱، تفسیر ابن کثیر: ۲/۱۴۴، آیت ۱۵۴ آل عمران۔

والے سال کی جنگ میں تمہارے ستر آدمی شہید ہوں گے، مسلمانوں نے فدیہ لیا، کیوں کہ اس وقت کے حالات اور مصلحت کا تقاضا یہی تھا، اس لیے غزوۂ اُحد میں ستر صحابہ رضی اللہ عنہم کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، ان میں زیادہ تعداد انصار کی تھی۔(۱)

ابوسفیان کی دھمکی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ پر تشریف فرما تھے، کچھ صحابہ بھی وہاں موجود تھے، اتنے میں قریش کا سردار ابوسفیان وہاں آدھمکا، اور باآواز بلند پوچھنے لگا، اے لوگو! کیا محمد زندہ ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب خاموش رہیں، کوئی جواب نہ دے، ابوسفیان نے تین مرتبہ یہ سوال کیا، تینوں مرتبہ خاموشی رہی، اس نے پوچھا کیا تم میں ابن اَبی قحافہ (ابوبکر رضی اللہ عنہ) زندہ ہیں، آپ نے فرمایا: سب خاموش رہیں، کوئی جواب نہ دے، اس نے تین مرتبہ یہ بات پوچھی مگر کسی نے کوئی جواب نہیں دیا، اس نے پھر پوچھا کیا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ زندہ ہیں؟ یہ سوال بھی تین مرتبہ کیا، جب اس کا بھی کوئی جواب نہیں آیا تو خوش ہوکر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ یہ لوگ سب قتل ہوچکے ہیں، اگر زندہ ہوتے تو جواب دیتے، اے لوگو! سن لو، لڑائی کا ڈول اوپر نیچے ہوتا رہتا ہے، آج کا دن بدر کے بدلے کا دن ہے، اس نے ہُبَل کا نعرہ بھی لگایا، اور کہا اے ہُبَل! تو بلند ہو، تیرا دین بلند ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے باواز بلند کہا کہ اللہ ہی سب سے برتر واعلا ہے، ابوسفیان کہنے لگا کہ ہمارا عزّیٰ ہے، تمہارا کوئی عزّیٰ نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اللہ ہمارا آقا، ہمارا معین ومددگار ہے، تمہارا کوئی والی نہیں ہے، ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا کہ ہم اور تم برابر نہیں ہوسکتے، ہمارے مقتولین جنت میں ہیں اور تمہارے مقتولین جہنم میں ہیں، اس کے بعد اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: اے عمر میرے پاس آؤ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! جاؤ دیکھو وہ کیا کہنا چاہتا ہے، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے قریب گئے تو اس نے کہا: اے عمر! میں تمہیں قسم دیتا ہوں، یہ بتلاؤ کیا ہم نے محمد کو قتل کردیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں! خدا کی قسم وہ زندہ ہیں

(۱) فتح الباری: ۷/۳۵۱۔

اوراس وقت بھی وہ تیری باتیں سن رہے ہیں، ابوسفیان نے مایوسی سے کہا اے عمر، ابن قمیہ کے مقابلے میں تم میرے نزدیک زیادہ سچے ہو۔

کفار نے مسلمانوں کی لاشوں کی سخت بے حرمتی کی تھی، اوران کا مثلہ کیا تھا، یہاں تک کہ ان کے اعضائے تناسل بھی کاٹ لئے تھے، اس کے متعلق وہ کہنے لگا کہ ہمارے آدمیوں نے تمہارے مقتولین کا مثلہ کیا، میں اس فعل سے نہ راضی ہوں، نہ ناراض، نہ میں نے اس کا حکم دیا تھا اور نہ انہیں ایسا کرنے سے منع کیا تھا، جب وہاں سے چلنے لگا تو اس نے بآواز بلند کیا ہماری تمہاری ملاقات اگلے سال بدر میں ہوگی، رسول اللہ ﷺ کے حکم پر کسی نے جواب میں کہا کہ اگلے سال ہم ضرور ملیں گے۔ ان شاء اللہ (۱)

حضرت سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ کی شہادت

جب قریش چلے گئے اور میدان خالی ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے فرمایا کہ تم میں سے کون ہے جو سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ کی خبر لائے، وہ زندہ ہیں یا مردوں میں شامل ہو چکے ہیں، حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کے حکم کی تعمیل کے لیے میں جاتا ہوں، آپ نے فرمایا: اگر سعد رضی اللہ عنہ مل جائیں تو ان سے میرا اسلام کہنا، اور یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا ہے کہ تم اس وقت اپنے آپ کو کیسا محسوس کررہے ہو، حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ انہیں تلاش کرتے ہوئے ایک جگہ پہنچے، سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ زخمی حالت میں پڑے ہوئے تھے، ابھی ان کے جسم میں زندگی کی رمق باقی تھی، اگرچہ پورا بدن زخموں سے چور تھا، اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا سلام اور پیغام پہنچایا، جواب میں انھوں نے عرض کیا: رسول اللہ ﷺ پر بھی سلام ہو اور تم پر بھی، اے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ! تم واپس جا کر یہ عرض کردینا کہ میں اس وقت جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں، میری قوم سے کہنا کہ اگر تم میں سے کسی کے پاس دیکھنے والی آنکھ سلامت ہو اور رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس کو کوئی گزند پہنچ جائے تو اللہ کے نزدیک تمہارا کوئی عذر

(۱) طبقات ابن سعد: ۲/ ۶۰، مسند احمد بن حنبل: ۱/ ۲۸۸، تاریخ ابن کثیر: ۴/ ۳۸، کتاب الاغانی: ۱۴/ ۲۴۔

قابل قبول نہ ہوگا، یہ کہہ کر ان کی روح پرواز کر گئی۔(۱) حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں واپس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور جو کچھ سعد رضی اللہ عنہ کی کیفیت میں نے دیکھی وہ بیان کی، اور مرنے سے پہلے جو پیغام انھوں نے دیا تھا وہ پہنچایا، آپ نے ارشاد فرمایا! اللہ سعد رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے، وہ اللہ اور اس کے رسول کا خیر خواہ رہا، زندگی میں بھی اور موت کے وقت بھی۔(۲)

حضرت عبداللہ بن جَحش رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت سعد بن اُبی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اُحد کے دن عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ آؤ کہیں بیٹھ کر دُعا مانگتے ہیں، تم میری دُعا پر آمین کہنا، میں تمہاری دُعا پر آمین کہوں گا، چناں چہ ہم دونوں ایک گوشے میں جا کر بیٹھ گئے، وہاں ہم دونوں کے علاوہ کوئی نہیں تھا، پہلے میں نے دُعا کی، اے اللہ! آج میرا سامنا کسی ایسے دشمن سے ہو جو نہایت بہادر اور طاقت ور ہو، اور غضب ناک بھی ہو، میں اس کا مقابلہ کروں، وہ بھی میرا مقابلہ کرے، یہاں تک کہ مجھے اس پر فتح حاصل ہو جائے، میں اس کو موت کے گھاٹ اتار دوں، اور اس کا سامان چھین لوں، میری دُعا پر عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے آمین کہی، اس کے بعد عبداللہ نے دُعا کی، اے اللہ! آج میرا مقابلہ میرے کسی ایسے دشمن سے ہو جو نہایت دلیر اور شجاع ہو اور جس کا غصہ ساتویں آسمان پر ہو، میں اس سے لڑوں اور وہ مجھ سے لڑے یہاں تک وہ مجھ پر غالب آجائے، مجھے قتل کر دے، اور میرے ناک کان کاٹ لے، پھر جب میں تجھ سے ملوں اور تو پوچھے کہ تیری یہ حالت کیسے ہوئی تو میں عرض کروں: اے اللہ! یہ سب کچھ تیری خاطر اور تیرے رسول کی خاطر ہوا، میری یہ بات سن کر تو یہ کہے کہ عبداللہ سچ کہتا ہے۔

سعد بن اُبی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی یہ دُعا میری دُعا سے بہتر تھی، شام کو میں نے دیکھا کہ وہ ایک جگہ مقتول پڑے ہوئے ہیں، ان کی ناک اور کان کٹے ہوئے ہیں اور ایک دھاگے میں پرو کر ان کو لٹکا دیا گیا ہے۔(۳)

(۱) السیرۃ الحلبیہ:۲/۵۳۲۔(۲) الاستیعاب:۲/۳۵۔(۳) السیرۃ النبویہ ص:۳۹۴۔

حضرت سعید بن المسیّب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی دعاءِ شہادت قبول فرمائی، اور جس طرح کی شہادت وہ چاہتے تھے انہیں ویسی ہی شہادت عطا فرمائی، میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دوسری دُعا بھی قبول فرمائی ہوگی، یعنی جب وہ اپنے رب سے ملے ہوں گے تو ان کے رب نے یہ سوال کیا ہوگا کہ اے عبد اللہ! تمہاری یہ حالت کیسے ہوئی، انھوں نے جواب میں عرض کیا ہوگا: یا اللہ میرا یہ حال تیری راہ میں اور تیرے رسول کے راستے میں ہوا، ان کے رب نے فرمایا ہوگا تم سچ کہتے ہو،(۱) بعد میں حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ مُجَدَّعٌ في اللّٰه کے لقب سے مشہور ہوئے، اس کے معنی ہیں وہ شخص جس کے کان ناک اللہ کی راہ میں کاٹ دیے گئے ہوں، یہ قصہ نقل کرنے بعد علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس واقعے سے اللہ کے راستے میں جام شہادت نوش کرنے کی دُعا مانگنے کا جواز ملتا ہے، حالاں کہ حدیث میں موت کی تمنا کرنے سے منع فرمایا گیا ہے، مگر وہ ممانعت اس تمنا کی ہے جو زندگی کے مصائب سے گھبرا کر کی جاتی ہے۔(۲)

حضرت مُصعَب بن عُمیر رضی اللہ عنہ

ان کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے حد مشابہت رکھتے تھے جب میدانِ کارزار میں شہید کر دیے گئے تو ہر سمت یہ افواہ پھیل گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیا گیا ہے، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نہ صرف یہ کہ حسین وجمیل انسان تھے بلکہ خوش لباس بھی تھے، لیکن اسلام کی خاطر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مدینے آگئے تھے، حضرت خَبَّابُ بن الْاَرَت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اللہ کی راہ میں ہجرت کی تو ہم اللہ کی رضا کے طلب گار تھے، اور اللہ کے ذمے ہمارے اس عمل کا اجر واجب ہوگیا، ادھر ہم میں سے کچھ لوگ اپنی زندگی پوری کر چکے تھے مگر انھوں نے اس دنیا میں اپنے اس اجر (مالِ غنیمت میں) سے کوئی چیز حاصل نہیں کی، مصعب رضی اللہ عنہ انہی لوگوں میں شامل ہیں، وہ احد کے دن شہید ہوئے تو انہیں کفن دینے کے لیے ایک چادر کے سوا

(۱) المستدرک للحاکم: ۳/۳۰۔ (۲) زاد المعاد: ۳/۲۱۲۔

کچھ نہ تھا، ہم اس چادر سے ان کے پاؤں ڈھانپتے تو سر کھل جاتا، سر ڈھانپتے تو پاؤں کھل جاتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ چادر تو ان کے سر کی جانب سے اوپر ڈال دو اور قدموں پر اِذخر گھاس ڈال دو۔(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احد سے واپس ہونے لگے تو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے مردہ جسم کے پاس سے بھی گزرے، آپ وہاں ٹھہر گئے، ان کے لیے دُعائے مغفرت فرمائی اور یہ آیت تلاوت فرمائی: مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا.(۲) ''انہی ایمان والوں میں سے وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اسے سچا کر دکھایا، پھر ان میں سے کچھ وہ ہیں جنھوں نے اپنا نذرانہ پورا کر دیا اور کچھ وہ ہیں جو ابھی انتظار میں ہیں''۔

اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا: میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ قیامت کے دن یہ لوگ اللہ کے نزدیک شہیدوں میں شمار ہوں گے، ان کے پاس آمد و رفت رکھنا، ان کی زیارت کرتے رہنا، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے قیامت تک یہ لوگ تمہارے سلام کا جواب دیتے رہیں گے۔(۳)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد ہیں، غزوۂ احد میں شوقِ شہادت دل میں لے کر شریک ہوئے، جاتے ہوئے اپنے بیٹے سے کہا اے بیٹے! اگر یہ تمہاری بہنیں نہ ہوتیں تو میں چاہتا کہ تم میری آنکھوں کے سامنے دشمنوں کے ہاتھوں مار دئے جاؤ،(۴) یہ بھی فرمایا: میں خود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اصحاب میں دیکھ رہا ہوں جو سب سے پہلے قتل کئے جائیں گے، میں اپنے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی عزیز از جان شئ چھوڑ کر جا رہا ہوں، میرے اوپر کچھ قرض ہے اسے ادا کر دینا، اور یہ تمہاری بہنیں ہیں ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔(۵) اس کے بعد غزوے میں شریک ہوئے اور شہید ہو گئے، کافروں نے ان کا مثلہ

(۱) صحیح البخاری: ۲/۷۷، رقم الحدیث: ۱۲۷۶۔ (۲) الاحزاب: ۲۳۔ (۳) المستدرک للحاکم: ۳/۲۰۰۔ (۴) صحیح البخاری: ۲/۹۳، رقم الحدیث: ۱۳۵۱۔ (۵) صحیح البخاری: ۲/۹۳، رقم الحدیث: ۱۳۵۱۔

کیا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں احد کے دن جب میرے والد شہید ہوگئے اور ان کی لاش میرے سامنے آئی تو میں نے روتے ہوئے ان کا چہرہ دیکھنا چاہا، صحابہ رضی اللہ عنہم نے مجھے منع کیا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھنے کی اجازت دے دی، اس موقع پر میری پھوپھی فاطمہ بنت عمرو رضی اللہ عنہا رونے لگیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: روتی کیوں ہو، فرشتے اپنے پروں کے سائے میں ان کو اٹھا کر لے گئے ہیں۔(۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے شکستہ دل اور آزردہ خاطر دیکھا، فرمایا کیا بات ہے اے جابر! میں تمہیں کچھ دل شکستہ اور غم زدہ دیکھ رہا ہوں، کیا بات ہے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے والد شہید ہوگئے ہیں، انھوں نے عیال چھوڑے ہیں جن کی کفالت مجھے کرنی ہے اور قرض بھی چھوڑا ہے جس کی ادائیگی میرے ذمے ہے، آپ نے فرمایا: کیا میں تمہیں یہ خبر نہ دوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے والد کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ضرور بتلائیں، فرمایا: اللہ تعالیٰ کسی سے روبہ رو گفتگو نہیں کرتا، مگر اللہ نے تیرے باپ کو زندہ کیا، پھر اس سے پوچھا! اے میرے بندے! بتا تیری تمنا کیا ہے، میں اسے پورا کروں گا، تیرے باپ نے کہا! میری صرف یہ تمنا ہے کہ تو مجھے زندہ کردے، اور میں تیرے راستے میں دوبارہ قتل کیا جاؤں، اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: یہ نہیں ہوسکتا، کیوں کہ یہ طے ہو چکا ہے کہ مرنے کے بعد کسی کو زندہ واپس نہیں بھیجا جائے گا۔(۲)

غزوۂ احد سے پہلے حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ نے ایک خواب دیکھا تھا، کہتے ہیں کہ میں نے بشیر بن مُنذِر کو خواب میں دیکھا کہ وہ کہہ رہے ہیں کہ تم چند دنوں میں ہمارے پاس آنے والے ہو، میں نے کہا! تم اس وقت کہاں ہو، انھوں نے کہا میں جنت میں ہوں، ہم لوگ جہاں چاہتے ہیں پھرتے ہیں، گھومتے ہیں اور لطف اندوز ہوتے ہیں، میں نے کہا کہ تمہیں تو بدر کی جنگ میں قتل کردیا گیا تھا، انھوں نے کہا: ہاں! لیکن اللہ نے

(۱) صحیح البخاری: ۲/۲۷، رقم الحدیث: ۱۲۴۴۔ (۲) صحیح ابن ماجہ: ۱/۶۸، رقم الحدیث: ۱۹۰، سنن الترمذی کتاب التفسیر سورہ آل عمران: ۵/۲۳۰، رقم الحدیث: ۳۰۱۰۔

مجھے زندہ کردیا، میں نے یہ خواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا، آپ نے فرمایا: اے ابوجابر رضی اللہ عنہ! اس کی تعبیر شہادت ہے۔(۱)

حضرت خیثمہ ابوسعد رضی اللہ عنہ کی شہادت

یہ ایک عمر رسیدہ صحابی تھے، فرماتے ہیں کہ میرا بیٹا سعد غزوۂ بدر میں شریک ہوا اور شہید ہوگیا، میرا دل بھی چاہتا تھا کہ میں غزوۂ بدر میں شریک ہوں، بیٹے کی بھی یہی خواہش تھی، ہم دونوں کے درمیان قرعہ اندازی ہوئی، اس کا نام نکل آیا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلا گیا، اللہ نے اس کی قسمت میں شہادت کی موت لکھی تھی، رات میں نے اسے خواب میں دیکھا کہ وہ بہترین لباس میں ہے اور جنت کے باغوں میں ٹہل رہا ہے، مجھے دیکھ کر کہنے لگا! ابا جان! آپ بھی ہمارے پاس جنت میں آجائیں، اللہ نے مجھ سے جو وعدے کئے تھے وہ سب پورے ہوچکے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ خواب بیان کیا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میرا دل جنت میں اپنے بیٹے کی رفاقت کے لیے بے چین وبے قرار ہے، حالاں کہ میں عمر رسیدہ انسان ہوں، میری ہڈیاں گھل چکی ہیں، آپ میرے لیے دُعا فرمادیں کہ مجھے بھی شہادت کی موت اور جنت میں سعد کی رفاقت نصیب ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی، حضرت خیثمہ رضی اللہ عنہ اُحد کی جنگ میں شریک ہوئے اور شہادت سے سرفراز ہوئے۔(۲)

حضرت عمرو بن جَموح رضی اللہ عنہ کی شہادت

ان کے پیروں میں لنگراہٹ تھی، اور لنگراہٹ بھی معمولی نہیں، چلنا پھرنا کافی دشوار تھا، ان کے چار بہادر بیٹے تھے، جو ہر جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا کرتے تھے، حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ تمنا تھی کہ وہ بھی کسی جنگ میں شریک ہوں اور دشمن سے مقابلہ کریں، بیٹوں سے اس کا ذکر کرتے تو وہ کہتے! ابا! آپ معذور ہیں، آپ پر جہاد فرض نہیں ہے، آپ گھر پر رہیں، غزوۂ اُحد کا وقت آیا تو پھر یہی صورت پیش

(۱) زادالمعاد: ۳/ ۲۰۹۔ (۲) زادالمعاد: ۳/ ۲۰۸۔

آئی، باپ جانا چاہتا تھا، بیٹے معذوری کا حوالہ دے کر منع کر رہے تھے، ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں آپ کے ساتھ جنگ میں جانا چاہتا ہوں، لیکن میرے بیٹے مجھے روک رہے ہیں، خدا کی قسم! میں یہ امید رکھتا ہوں کہ میں اپنے لنگڑے پیروں سے جنت کی زمین روندوں گا، آپ نے ان سے تو یہ فرمایا! کہ تم معذور ہو، اور اللہ تعالیٰ نے معذوروں کو جہاد سے مستثنیٰ رکھا ہے، اور ان کے بیٹوں سے فرمایا، اگر یہ جانا چاہتے ہیں تو انہیں جانے دو، ہوسکتا ہے اللہ انہیں شہادت کی موت نصیب فرمائے، چناں چہ وہ جنگ میں شرکت کے ارادے سے نکلے، نکلنے سے پہلے قبلہ رو ہوکر انھوں نے یہ دُعا کی! اے اللہ! مجھے شہادت نصیب فرما، اور مجھے گھر والوں کی طرف واپس نہ کر، ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور یوں عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ! آپ کی کیا رائے ہے اگر میں قتال کروں اور شہید ہوجاؤں، پھر میں جنت میں گھوموں پھروں، اس حالت میں کہ میرے پاؤں کی لنگراہٹ دور ہوچکی ہو، آپ نے فرمایا! کوئی حرج نہیں، چناں چہ وہ جنگ اُحد میں شریک ہوئے، اللہ نے ان کی یہ تمنا پوری فرمادی کہ وہ شہید ہوجائیں، ان کے ساتھ اس جنگ میں ان کے بیٹے خلّاد، اور ان کے برادر نسبتی عبد اللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے، ان کی بیوی ہندہ بنت عمرو بن حرام رضی اللہ عنہا نے یہ ارادہ کیا کہ ان تینوں کی میتیں ایک اونٹ پر رکھ کر مدینے لے جائیں اور وہاں لے کر جاکر دفن کریں، لیکن جب وہ مدینے کی طرف اونٹ کا رخ کرتیں تو اونٹ بیٹھ جاتا اور اُحد کی طرف رخ کرتیں تو اونٹ چلنے لگتا، ہندہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ قصہ عرض کیا، آپ نے دریافت فرمایا! کیا عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ نے مدینے سے روانگی کے وقت کچھ کہا تھا، ہندہ نے عرض کیا: انھوں نے یہ دُعا کی تھی کہ اے اللہ! مجھے مدینے واپس مت لے جانا، فرمایا: اسی وجہ سے اونٹ چلنے پر آمادہ نہیں ہے، اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم میں سے بعض لوگ ایسے ہیں کہ اگر وہ اللہ پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ ان کی قسم ضرور پوری کرتا ہے، انہی میں سے عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ بھی ہیں، میں نے ان کو اسی

لنگراہٹ کے ساتھ جنت میں ٹہلتے ہوئے دیکھا ہے۔(۱) ان تینوں حضرات کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔

حضرت اُصیرم رضی اللہ عنہ کی شہادت

ان کا پورا نام عمرو بن ثابت بن وقش رضی اللہ عنہ ہے، ان کو اسلام کی دعوت دی گئی، مگر وہ اسلام قبول نہ کر پائے، بعد میں غزوۂ اُحد کے موقع پر اچانک ان کے دل میں اسلام کا جذبہ پیدا ہوا، اور وہ کفار سے لڑنے پہنچ گئے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اُصیرم اسلام کے سخت مخالف تھے، جس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثار صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اُحد کے میدان میں جمع تھے اُصیرم آئے اور پوچھنے لگے! سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کہاں ہیں، ان سے کہا گیا کہ وہ اُحد میں ہیں، انھوں نے پوچھا اور ان کے بھائی بھتیجے کہاں ہیں، انہیں بتلایا گیا کہ وہ بھی اُحد میں ہیں، اپنی قوم کے متعلق پوچھا، لوگوں نے کہا کہ یہاں کوئی نہیں سب میدان جنگ کی طرف نکلے ہوئے ہیں، یہی وہ وقت تھا جب اسلام نے ان کے دل کے دروازے پر دستک دی، اٹھے، تلوار لی، اور گھوڑے پر سوار ہو کر میدان کارزار کی طرف روانہ ہوئے، اور مسلمانوں کے بیچ میں گھس گئے، لوگوں نے انہیں دیکھا تو کہا! اے اصیرم! ہم سے الگ ہی رہنا، انہوں نے کہا! میں ایمان قبول کر کے یہاں آیا ہوں، نہایت بہادری سے لڑے، زخمی ہو کر گرے اور موت کی آغوش میں پہنچ گئے، جس وقت لاشوں کی تلاش ہوئی تو بنی عبد الاشہل میں سے کسی کی نظر ان کے مردہ جسم پر پڑ گئی، اس نے لوگوں سے کہا یہ تو اصیرم رضی اللہ عنہ ہیں، اس وقت تک وہ زندہ تھے، لوگوں نے حیرت سے پوچھا: اے اصیرم رضی اللہ عنہ! تم یہاں کیا کر رہے تھے، تم تو اسلام کے منکر تھے، کیا تم قومی حمیت کی خاطر ادھر آئے ہو، یا اسلام کی محبت تمہیں یہاں لے کر آئی ہے، انھوں نے کہا میں تو اسلام کی محبت میں یہاں آیا ہوں، میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لا چکا ہوں، اسلام لانے کے بعد ہی میں نے تلوار ہاتھ میں لے کر یہاں کا قصد کیا ہے، اگر میں

(۱) مسند احمد بن حنبل: ۲۹۹/۵، رقم الحدیث: ۲۲۵۵۳، سیرت ابن ہشام: ۱۰۱/۳، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: ۵۰۴/۲۔

مر جاؤں تو میرا سارا مال محمد ﷺ کا ہے، وہ جس طرح چاہیں اور جہاں چاہیں خرچ کریں، لوگوں نے اصیرم رضی اللہ عنہ کی موت اور وصیت کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا، آپ نے فرمایا: وہ اہل جنت میں سے ہیں، یہ وہ صحابی ہیں جنھوں نے ایک وقت کی نماز بھی نہیں پڑھی اور جنت کے مستحق بن گئے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ لوگوں سے پوچھا کرتے تھے اس شخص کا نام بتلاؤ جس نے کوئی نماز نہیں پڑھی اور جنت میں چلا گیا، ناواقف لوگ خاموش رہتے تو آپ بتلاتے کہ وہ اصیرم ہیں، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اصیرم رضی اللہ عنہ نے عمل کم کیا اجر زیادہ پایا۔(۱)

اعمال کا مدار نیتوں پر

حقیقت یہ ہے کہ اعمال کے حسن وقبح اور ان پر ملنے والی جزاوسزا کا مدار نیتوں کے حسن وقبح پر ہے، یہاں ہم دو واقعے ذکر کرتے ہیں، ایک مُخَیرِیق یہودی کا، اور دوسرا واقعہ قُزمان کا، دونوں نے غزوۂ احد میں مسلمانوں کی طرف سے حصہ لیا، دونوں بہادری سے لڑے، دونوں نے دشمنوں کو بھاری نقصان پہنچایا، دونوں ہی مقتول ہوئے، لیکن ایک کو جنت کی بشارت ملی، اور دوسرے کو دوزخ کی۔

مُخَیرِیق کا واقعہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے جنگ کے لیے نکلنے کا ارادہ کیا تو مدینے کے یہودیوں کو جمع فرمایا اور ان سے کہا کہ وہ بھی ہمارے ساتھ جنگ میں چلیں کیوں کہ از روئے معاہدہ ان پر مسلمانوں کی اعانت کرنا ضروری ہے، یہودیوں نے کہا ہم تو آپ کے ساتھ جانے سے معذور ہیں، آج شنبہ ہے، اور آپ جانتے ہیں کہ شنبے میں ہم لوگ صرف عبادت کرتے ہیں، وہاں مُخَیرِیق یہودی بھی موجود تھا، اس نے کہا، شنبہ ونبہ کچھ نہیں، میں آپ کے ساتھ چلوں گا، چناں چہ وہ جنگ میں شریک ہوا اور جاتے ہوئے یہ بھی کہہ گیا کہ اگر میں جنگ میں کام آجاؤں تو میری تمام دولت محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے، مخیریق نے دل وجان سے جنگ میں حصہ لیا اور دشمنوں کے ہاتھوں قتل کیے گئے، رسول اللہ ﷺ نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا: مُخَیرِیق بہت اچھے یہودی تھے، بعض علماء

(۱) صحیح البخاری: ۴/۲۰، رقم الحدیث: ۲۸۰۸، السیرۃ النبویہ ابن ہشام: ۳/۱۰۱۔

نے ان کے اسلام میں اختلاف کیا ہے، علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے الروض الانف میں انہیں مسلمان لکھا ہے، ڈاکٹر عبد اللہ الشقاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الیہود في السنة المطهرة" میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ وہ مسلمان ہو گئے تھے، اور اسلام کی محبت ہی انہیں میدان قتال کی طرف لے کر گئی، اور اسی جذبے نے انہیں اپنا تمام مال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرنے پر آمادہ کیا، حالاں کہ یہودی فطرتاً مال کی محبت میں مبتلا ہوتے ہیں اور حصولِ مال کے لیے کتوں کی طرح لڑتے ہیں۔(۱)

دوسری طرف قزمان نامی شخص تھا، اس نے بھی جنگ اُحد میں مسلمانوں کی طرف سے شرکت کی، نہایت بے جگری سے لڑا، اس سے قبل جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قزمان کا ذکر آتا، اور اس کی بہادری کی باتیں ہوتیں تو آپ فرماتے یہ تو دوزخ میں جائے گا، جب سب لوگ اُحد کے لیے نکلے تو یہ گھر پر تھا، اُحد والے دن عورتوں نے اسے خوب غیرت دلائی تب وہ مسلح ہو کر اُحد کی طرف بھاگا، جس وقت وہ مسلمانوں سے جا کر ملا آپ صف بندی فرما رہے تھے، وہ پہلی صف میں جا کر کھڑا ہو گیا، پہلا تیر اسی نے دشمن پر چلایا، اس کے بعد تو اس نے تیروں کی بارش کر دی، پھر تلوار کے جوہر دکھلائے، تنہا قزمان نے سات یا نو دشمنوں کو ہلاک کر ڈالا، بالآخر زخمی ہو کر گر پڑا، یہ دیکھ کر قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہ نے کہا اے ابو الغیداق تجھے شہادت مبارک ہو، دوسرے مسلمانوں نے بھی اس کی بہادری اور شجاعت کی داد دی اور اسے جنت کی بشارت سنائی، کہنے لگا: کیسی بشارت اور کہاں کی جنت، خدا کی قسم! میں تو قوم کی عزت و ناموس کی خاطر چلا آیا ہوں، اگر قوم کا معاملہ نہ ہوتا تو میں ہرگز یہاں نہ آتا، قزمان کی یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلائی گئی، آپ نے فرمایا! وہ دوزخ والوں میں سے ہے، اللہ تعالیٰ اپنے دین کی مدد کسی فاجر سے بھی کرا لیتا ہے۔(۲)

---

(۱) الروض الانف: ۴/ ۴۰۸، الیہود فی السنۃ المطہرۃ: ۱/ ۳۰۶۔ (۲) صحیح البخاری: ۴/ ۲۷، رقم الحدیث: ۳۰۶۲، السیرۃ النبویہ لابن ہشام: ۳/ ۹۹۔

مشرکین کی واپسی

اس دھمکی کے بعد کہ وہ لوگ بہت جلد دوبارہ جنگ کے ارادے سے ملیں گے، ابوسفیان اپنے لوگوں کو لے کر واپس چلا گیا، لیکن اس خیال سے کہ دشمن پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ کچھ اور نوجوانوں کو اپنے ساتھ لے کر مشرکین کا پیچھا کریں اور دیکھیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں، اور کدھر جانا چاہتے ہیں، اگر وہ گھوڑوں پر سوار ہیں، اور اونٹ ویسے ہی ہنکائے جارہے ہیں تو ان کا ارادہ مدینے کی طرف جانے کا ہے اور اگر وہ اونٹوں پر سوار ہیں تو اُن کا رخ مکے کی طرف ہے، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر انھوں نے مدینے کا رخ کیا تو میں ان کا پیچھا کروں گا اور ان کا مقابلہ کروں گا، حکم پاتے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ مشرکین کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئے اور یہ خبر لائے کہ وہ اونٹوں پر سوار چلے جارہے ہیں، آپ نے فرمایا کہ ان کا ارادہ مکہ مکرمہ واپس جانے کا ہے۔(۱)

شہداء کی تلاش اور تدفین

جب مشرکین واپس چلے گئے اور میدان میں صرف مسلمان رہ گئے تب آپ نے شہداء کی لاشیں تلاش کیں، جو میدان احد میں ادھر ادھر بکھری ہوئی تھیں، آپ کے ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین بھی تھے جو ان لاشوں کو ڈھونڈ کر ایک جگہ رکھ رہے تھے، ان میں حضرات حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ، مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ، حنظلہ بن ابی عامر رضی اللہ عنہ، سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ، اصیرم رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کی لاشیں تھیں، جب تمام لاشیں آپ کے سامنے لاکر رکھ دی گئیں تب آپ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: میں ان سب پر گواہ ہوں، ان میں سے جس کو بھی کوئی زخم پہنچا ہے خدا کی قسم وہ قیامت کے روز اس حال میں اٹھے گا کہ اس کے زخموں سے خون بہتا ہوا ہوگا، خون کا رنگ ایسا ہوگا جیسا ہوتا ہے اور خوشبو مشک کی سی ہوگی، تم لوگ یہ دیکھو کہ ان میں سے کس کس کو قرآن زیادہ یاد تھا، ایسے شخص کو پہلے قبر میں رکھو، پھر اس کے برابر میں اس شخص کو قبر میں لٹاؤ جو حافظ قرآن نہیں تھا یا اسے

(۱) البدایہ والنہایہ: ۴/۴۰،۴۱۔

قرآن میں سے کم یاد تھا۔(۱)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک کپڑے میں دو دو صحابہ کو کفناتے پھر ارشاد فرماتے ان میں سے کون قرآن کا زیادہ جامع اور حافظ ہے، جب اس کی طرف اشارہ کیا جاتا تب آپ اسے قبر میں پہلے رکھتے، اور فرماتے: ''میں قیامت کے دن ان سب پر گواہی دوں گا'' پھر آپ ان کو ان کے ٹپکتے ہوئے خون کے ساتھ دفن کرنے کا حکم دیتے، آپ نے شہداء احد پر نہ جنازے کی نماز پڑھی اور نہ انہیں غسل دیا۔(۲)

بعض مسلمانوں نے اپنے شہداء کو مدینے لے جا کر دفن کرنے کا ارادہ کیا، آپ نے انہیں روک دیا، اور فرمایا جہاں یہ لوگ شہید ہوئے ہیں ان کو وہیں دفن کرو۔(۳)

شہداء کی نماز جنازہ اور غسل

شہید کی دو قسمیں ہیں، حقیقی اور حکمی، حقیقی شہید وہ کہلاتا ہے جس پر شہید کے احکامات نافذ ہوتے ہیں، یعنی اس کو غسل اور کفن نہیں دیا جائے گا، اس کی نماز جنازہ پڑھ کر انہی کپڑوں میں دفن کر دیا جائیگا جن کپڑوں میں وہ شہید ہوا ہے، حقیقی شہید وہ ہے جو اللہ کی راہ میں دشمنوں سے لڑتے ہوئے شہید ہوا ہو، یا کسی کے ہاتھوں ناحق قتل ہوا ہو، بشرطیکہ وہ بغیر علاج معالجے اور وصیت وغیرہ کے وہیں موقع پر انتقال کر گیا ہو، حکمی شہید وہ ہے جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کی بشارت دی ہو، احادیث میں چالیس طرح کے شہیدوں کا ذکر ہے، مثلاً ڈوب کر مرنے والا، ہیضے یا طاعون سے ہلاک ہونے والا، حالت سفر میں انتقال کرنے والا، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے حاشیہ رد المحتار میں ان تمام طرح کے شہیدوں کا ذکر کر دیا ہے، ڈاکٹر عبد الحیؒ نے احکام میت میں ان کو جمع کیا ہے، ایسے تمام طرح کے لوگوں کو غسل بھی دیا جائے گا، کفن بھی پہنایا جائے گا، اور ان کی نماز جنازہ وغیرہ بھی پڑھی جائے گی۔

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۱۰۹/۳۔(۲) صحیح البخاری: ۱۰۲/۵، رقم الحدیث: ۴۰۷۹۔(۳) سنن ابی داؤد: ۲۰۲/۳، رقم الحدیث: ۳۱۶۵، سنن الترمذی: ۲۱۵/۴، رقم الحدیث: ۱۷۱۷، سنن النسائی: ۷۹/۴، ۲۰۰۴۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد کی نماز جنازہ نہیں پڑھی اور ان کو بلا نماز پڑھے دفن کر دیا، اس کے برعکس متعدد روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے تمام شہداء کی نماز جنازہ پڑھی۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن نکلے تو آپ نے اہل اُحد پر نماز پڑھی جس طرح مُردوں پر پڑھی جاتی ہے، پھر آپ منبر کی طرف تشریف لائے اور فرمایا میں (تم سے) آگے جانے والا ہوں اور میں تم پر گواہ ہوں۔ (۱) حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے متعلق حکم دیا تو انہیں ایک چادر میں چھپا دیا گیا آپ نے نو تکبیروں کے ساتھ ان کی نماز جنازہ ادا فرمائی، پھر دوسرے مقتولین کو صف بہ صف لایا گیا، آپ ان کی نماز ادا فرماتے رہے اور ساتھ ہی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بھی۔ (۲)

اسی طرح حضرت ابو مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے متعلق حکم دیا، چناں چہ ان کا جنازہ اور نو دوسروں کے جنازے لائے گئے، آپ نے ان سب کی نماز جنازہ پڑھی، نماز کے بعد تمام نو شہداء کی میتیں اٹھالی گئیں، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی میت وہیں رہنے دی گئی، پھر مزید نو شہیدوں کو لایا گیا اور سامنے رکھا گیا، یوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر شہداء کی نماز جنازہ سات بار پڑھی، (یعنی ایک مرتبہ میں دس دس شہداء کی نماز جنازہ پڑھی گئی) حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی میت پر بار بار نماز پڑھی گئی۔ (۱) حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بھی ہے کہ غزوۂ احد کے دن شہداء کرام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا، آپ نے دس دس شہداء پر نماز جنازہ پڑھی، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی میت اسی طرح رکھی رہی، باقی تمام شہداء کی میتیں اٹھالی جاتیں لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو نہ اٹھایا جاتا۔ (۲)

(۱) صحیح البخاری: ۲/۹۱، رقم الحدیث: ۱۳۴۴، صحیح مسلم: ۴/۱۷۹۵، رقم الحدیث: ۲۲۹۶۔ (۲) شرح معانی الآثار: ۱/۲۹۰، رقم الحدیث: ۲۶۵۷۔ (۳) سنن الکبری للبیہقی: ۴/۱۹، رقم الحدیث: ۶۸۰۵۔ (۴) سنن ابن ماجہ: ۱/۴۸۵، رقم الحدیث: ۱۵۱۳۔

اس طرح کی اور بھی روایات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ احد کے دن شہداء کی نماز جنازہ پڑھی گئی، صرف حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نماز جنازہ کی نفی ہوتی ہے، اس سلسلے میں شارحین حدیث لکھتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے نماز جنازہ کی نفی ہوتی ہے اور بہت سی روایات سے اس کا اثبات ہوتا ہے، نفی واثبات جمع ہوجائیں تو اثبات والی روایات کو ترجیح دی جائے گی، یوں بھی نفی کی روایت تنہا حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ہے، اور اثبات کی روایات بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے مروی ہیں، نیز اثبات والی روایات کو لینا اس لیے بھی بہتر ہے کہ نماز جنازہ میت کے اعزاز واکرام کے لیے ہوتی ہے۔(۱)

جہاں تک حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کا تعلق ہے علماء نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ جس طرح عام میتوں کی نماز پڑھی جاتی ہے اس طرح ان کی نماز نہیں پڑھی گئی بلکہ دس دس کی نماز ایک ساتھ پڑھی گئی،(۲) حضرت مولانا خلیل احمد انبہٹوی رحمۃ اللہ علیہ شارح ابوداؤد لکھتے ہیں کہ اس دن حضرت جابر رضی اللہ عنہ کچھ زیادہ مشغول تھے کیوں کہ غزوۂ احد میں ان کے والد، بھائی اور خالو شہید ہوگئے تھے، وہ مدینے تشریف لے گئے تھے تاکہ وہاں جاکر میتوں کی تدفین وغیرہ کا انتظام کریں، اس دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء کی نماز پڑھادی حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کیوں کہ نماز پڑھاتے ہوئے نہیں دیکھا اس لیے یہ نقل کردیا کہ شہداء کی نماز نہیں پڑھی گئی۔(۳)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ جداگانہ ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز نو تکبیروں کے ساتھ پڑھائی، جب کہ نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہوتی ہے، محدثین کے مطابق یہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی خصوصیت تھی کہ ان کی نماز نو تکبیروں کے ساتھ پڑھی گئی، اس طرح یہ بھی ان کی خصوصیت تھی کہ ان کی نماز جنازہ بار بار پڑھی گئی، نماز جنازہ کے بعد تدفین عمل میں آئی، اور ایک ایک قبر میں دو، دو، تین تین صحابہ کو دفن کیا گیا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو دفن کیا گیا، حضرت عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ

(۱) تبیین الحقائق: ۱/ ۲۴۸۔ (۲) اعلاء السنن: ۸/ ۳۶۸۔ (۳) بذل المجهود فی حل أبی داود: ۴/ ۱۹۰۔

اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ کو ایک قبر میں دفن کیا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں حضرات کے متعلق ارشاد فرمایا کہ ان دونوں کو دیکھو، وہ دنیا میں ایک دوسرے کے ساتھ مخلص تھے، اس لیے ان کو ایک ہی قبر میں دفن کردو۔(۱)

جبل احد؛ زیارت گاہ خلائق

جب کوئی مسلمان مدینہ منورہ کی حاضری کا شرف حاصل کرتا ہے تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ جبل اُحد کی بھی زیارت کرے اور شہداء احد کے مزارات پر بھی حاضری دے، یہ جگہ مسجد نبوی سے چار کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، لوگ کرائے کی گاڑیاں کر کے اور بہت سے لوگ پیدل چل کر وہاں جاتے ہیں، اور دل ونگاہ کو ان مقامات کی زیارت سے منور کرتے ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی سال کے آغاز میں کسی وقت شہداء کی قبروں پر تشریف لاتے اور فرماتے: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ. ''تم پر سلامتی ہو، تمہارے صبر کے صلے میں آخرت کا گھر کتنا عمدہ ہے''۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی یہاں تشریف لایا کرتے تھے۔(۲)

عام مسلمانوں کی برزخی زندگی کے برعکس شہید کی برزخی زندگی بالکل جداگانہ، مختلف اور ممتاز ہوتی ہے، انہیں عام مُردوں پر قیاس کرنا قرآنی نصوص کی بنیاد پر صحیح نہیں ہے، قرآن کریم میں ہے: وَلَاتَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا، بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ.(۳) ''اور تم ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے مردہ نہ خیال کرو، بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس سے کھاتے پیتے ہیں''۔ قرآن کریم کی اس آیت کی رو سے شہداء کو جنت کا رزق ملتا ہے، اور رزق زندہ آدمی کو ملا کرتا ہے اور وہی اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، یہ آیت غزوۂ احد کے واقعات کے ضمن میں نازل ہوئی ہے، اس کو ذہن میں رکھنا چاہیے، حالاں کہ مٹی کی طبعی خصوصیت یہ ہے کہ وہ جسموں کو کھا لیتی

(۱) سیرت ابن ہشام: ۵۲/۳، الطبقات الکبری: ۵۶۲/۲۔ (۲) مصنف عبدالرزاق: ۵۷۳/۳، تفسیر الطبری: ۱۴۲/۱۳، تفسیر ابن کثیر: ۵۱۲/۲، عمدۃ القاری: ۷۰/۸۔ (۳) آل عمران: ۱۶۹۔

ہے، مگر شہداء کے بدن اس کے دست برد سے محفوظ رہتے ہیں اور زمین ان کو نہیں کھاتی، شہداء احد کی یہ کرامت کھلی آنکھوں سے دیکھی گئی ہے، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے والد کو ایک اور صحابی کے ساتھ قبر میں دفن کیا گیا تھا، لیکن میرا دل نہیں مانا کہ میں انہیں دوسرے کے ساتھ یوں ہی رہنے دوں، اس لیے میں نے چھ ماہ کے بعد ان کی لاش کو قبر سے نکالا تو دیکھا کہ صرف کان کا تھوڑا سا حصہ گلا تھا باقی پورا جسم اسی طرح محفوظ تھا جیسے دفن کیا گیا تھا۔(۱)

حضرت قیس بن حازم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو ان کے کسی رشتے دار نے خواب میں یہ کہتے ہوئے سنا تم نے مجھے ایسی جگہ دفن کر دیا ہے جہاں پانی آجاتا ہے، اس لیے میری جگہ تبدیل کر دو، رشتے داروں نے ان کے کہنے پر عمل کا ارادہ کیا تو دیکھا کہ ان کا جسم اسی طرح تروتازہ تھا جس طرح اسے دفن کیا گیا تھا، داڑھی کے چند بالوں کے علاوہ اس میں کچھ بھی تغیر نہیں آیا تھا۔(۲) یاد رہے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بھی غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے، غزوۂ احد کے چھیالیس برس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں شہداء اُحد کی بعض قبریں کھل گئیں تو ان کے کفن سلامت اور بدن تروتازہ تھے اور تمام اہل مدینہ نے دیکھا کہ شہداء کرام اپنے زخموں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہیں، اتفاق سے کسی کا ہاتھ زخم کی جگہ سے ہٹ گیا تو وہاں سے خون بہنے لگا۔(۳) حضرت مُصعَب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ سینے پر تھا، ہاتھ اٹھایا گیا تو خون ابل پڑا، ہاتھ کو پھر اسی جگہ رکھ دیا، خون نکلنا بند ہو گیا، اسی طرح مٹی ہٹاتے وقت کُدال حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر لگ گئی، زخم سے فوراً خون جاری ہو گیا، اس واقعے سے پتہ چلتا ہے کہ شہداء احد کی قبریں پہلے کسی اور جگہ تھیں موجودہ جگہ پر تدفین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہوئی ہے، یہ جگہ بھی احد کے دامن میں ہے۔(۴)

روایات میں ہے کہ جب بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہداء احد کا ذکر کرتے تو یہ

(۱) صحیح البخاری: ۲/۹۳، رقم الحدیث: ۱۳۵۱۔ (۲) مصنف عبدالرزاق: ۳/۵۴۷، رقم الحدیث: ۶۶۵۷۔ (۳) مدارج النبوۃ: ۲/۱۳۵، مصنف عبدالرزاق: ۳/۵۴۷، رقم الحدیث: ۶۶۵۶۔ (۴) سیرۃ ابن ہشام: ۲/۸۳، سیرۃ ابن کثیر: ۳/۲۸،۲۹۔

فرماتے، اللہ کی قسم! میں نے چاہا تھا کہ اللہ مجھے بھی میرے ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ شہید کر دیتا جو پہاڑ کے دامن میں قتل کر دئے گئے۔(۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینے واپسی

آپ اسی شام مدینے واپس تشریف لے آئے، راستے میں حَمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا ملیں، انہیں بتلایا گیا کہ جنگ میں ان کے بھائی عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے ہیں، انھوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا، پھر انہیں ان کے ماموں حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دی گئی، یہ سن کر بھی انھوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون کہا، اس کے بعد ان کو ان کے شوہر مُصعَبؓ بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے میں بتلایا گیا، یہ سن کر وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں، ان کو اس حال میں دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کے دل میں شوہر کا ایک خاص مقام ہوتا ہے، وہ اپنے بھائی اور اپنے ماموں کی وفات کی خبر سن کر ضبط کر گئیں، لیکن شوہر کی وفات پر صبر نہ کر سکیں۔(۲)

مسلمانوں کا قافلہ مدینے پہنچا تو عورتیں اپنے شوہروں کو، بیٹوں اور بھائیوں کو تلاش کرتی نظر آئیں، جن عورتوں کو ان کے متعلقین مل گئے وہ خوشی سے نہال ہو گئیں، اور جن کو اپنے عزیز واقارب نظر نہیں آئے انھوں نے سینہ کوبی شروع کر دی، بچے بھی اس بھیڑ میں اپنے باپ کو تلاش کر رہے تھے، بہت سے بچوں کو ان کے والد مل گئے، اور کچھ بچے تلاش کرتے ہی رہ گئے، اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر بنو عبدالاشہل کے ایک گھر کے پاس سے ہوا، وہاں سے رونے کی آوازیں آرہی تھیں، معلوم ہوا اس گھر کے سربراہ شہید ہو گئے ہیں، عورتیں آہ و بکا کر رہی ہیں، ان کی درد بھری آوازیں سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آنکھوں سے بھی آنسو بہنے لگے، آپ کو اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا خیال آیا، آپ نے درد بھرے لہجے میں فرمایا: سب اپنے اپنے شہیدوں پر رو رہے ہیں مگر حمزہ رضی اللہ عنہ پر نوحہ کرنے والا کوئی نہیں ہے، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت اُسید بن حُضَیر رضی اللہ عنہ نے یہ

---

(۱) مسند احمد بن حنبل: ۳/ ۳۰۸، رقم الحدیث: ۱۴۴۹۴، مجمع الزوائد: ۶/ ۱۲۸، عمدۃ القاری: ۱۴/ ۱۳۵۔ (۲) سنن ابن ماجہ: ۱/ ۵۰۷، رقم الحدیث: ۱۵۹۰، سنن البیہقی: ۴/ ۱۱۰، رقم الحدیث: ۷۱۳۲، المستدرک للحاکم: ۴/ ۶۱، ۶۲۔

بات سنی تو اپنے اپنے گھروں میں پہنچے اور اپنی عورتوں سے کہا کہ وہ جا کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر نوحہ کریں، عورتیں آئیں اور مسجد کے صدر دروازے پر کھڑی ہو کر نوحہ کرنے لگیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا: بس اب واپس چلی جاؤ، اللہ تم پر رحم فرمائے، تم نے اپنی طرف سے تسلی وتشفی کا حق ادا کر دیا ہے، بس یہ آخری نوحہ تھا، اسی دن نوحے کی ممانعت کر دی گئی۔(۱)

میدان اُحد سے واپسی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لے گئے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حاضر خدمت ہوئیں، آپ نے ان کو اپنی تلوار دی اور فرمایا بیٹی اس پر خون لگا ہوا ہے: اسے دھودو، اللہ کی قسم! آج یہ تلوار بڑی سچی ثابت ہوئی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی خون آلود تلوار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے کر دھونے کے لیے کہا، اور فرمایا: خدا کی قسم! میری تلوار بھی آج بڑی وفادار اور سچی نکلی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم جنگ میں ثابت قدم رہے تو تمہارے ساتھ سَہل بن حُنَیف اور ابو دُجانہ بھی سچے کھرے اور ثابت قدم نکلے۔(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ بھی فرمایا کہ مشرکین اس وقت تک ان جیسی تلواروں کی موجودگی میں ہمیں گزند نہیں پہنچا سکتے جب تک اللہ ہی ان کو ہم پر غالب نہ کردے۔ حافظ ابن ہشام بعض محدثین کے حوالے سے کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کا نام ذوالفقار تھا، اُحد کے دن کسی کہنے والے کا یہ شعر خوب سنا گیا۔

لَا سَیْفَ إِلَّا ذُوالْفِقَار　　　وَلَا فَتیً إِلَّا عَلِي

''تلوار تو بس ذوالفقار ہے اور علی جیسا کوئی جوان نہیں''۔(۳)

جنگ اُحد میں خواتین اسلام کا کردار

اسلامی تعلیمات کی رو سے خواتین پر جہاد فرض نہیں ہے، کیوں کہ خواتین طبعی طور پر کم زور ہوتی ہیں، نہ صرف یہ کہ وہ جسمانی اعتبار سے نازک ہوتی ہیں بلکہ ان کا دل بھی نرم ہوتا ہے، اس لیے انہیں جہاد سے دور ہی رکھا گیا ہے، ایک صحابی

(۱) سنن ابن ماجہ: ۱/۵۰۷، رقم الحدیث: ۱۵۹۱، سنن البیہقی: ۳/۳۰۱، ۳۰۲، سیرت ابن ہشام: ۳/۵۴، البدایہ والنہایہ: ۴/۴۷۔ (۲) المستدرک للحاکم: ۳/۲۴، البدایہ والنہایہ: ۴/۴۷۔ (۳) سیرت ابن ہشام: ۴/۵۶۔

نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: یارسول اللہ! کیا عورتیں بھی جہاد میں حصہ لے سکتی ہیں، فرمایا: ایسے جہاد میں حصہ لے سکتی ہیں جس میں قتال نہیں ہے، یعنی حج اور عمرہ۔(۱) گویا عورتوں کے لیے حج اور عمرہ جہاد کے قائم مقام ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی طرح کی روایت ہے، فرماتی ہیں: ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم جہاد کو سب سے افضل اور بہتر عمل سمجھتے ہیں، کیا ہم عورتیں جہاد میں شریک نہ ہوا کریں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں! تمہارا جہاد حجِ مبرور ہے۔(۲)

البتہ اگر حالات کا تقاضا ہو، اور خواتین کی شرکت سے کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو تو عورتیں مجاہدینِ اسلام کی مدد، اور ان کی طبّی وغذائی ضرورتوں کی دیکھ بھال کی غرض سے شریک ہوسکتی ہیں، غزوۂ اُحد میں بعض خواتین اسلام کی شرکت سے اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ احد کے دن میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور اپنی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ وہ پائنچے چڑھائے ہوئے ہیں اور پانی کے مشکیزے بھر بھر کر لا رہی ہیں، میں نے انہیں مجاہدین کو پانی پلاتے ہوئے دیکھا، جب ان کا مشکیزہ خالی ہوجاتا تو اسے پھر بھر کر لے آتیں،(۳) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ احد کے دن ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کی والدہ ام سُلَیط رضی اللہ عنہا ہمارے لیے مشکیزے میں پانی بھر بھر کر لاتی رہیں،(۴) حضرت رُبَیّع بنت مُعَوِّذ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ہم غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جایا کرتے تھے تاکہ لوگوں کو پانی پلائیں، زخمیوں کی مرہم پٹی کریں اور مقتولین کو اٹھا کر لائیں۔(۵)

تنہا نُسَیبَہ بنت کعب مازِنیہ جو ام عمارہ رضی اللہ عنہا کے نام سے مشہور تھیں ایسی خاتون ہیں جنھوں نے غزوۂ احد میں باقاعدہ جنگ لڑی، یہ خاتون درحقیقت زخمیوں کی دیکھ بھال، اور مجاہدین کو پانی پلانے کی غرض سے گئی تھیں، اور اس کام میں حصہ بھی لے رہی تھیں کہ اچانک انھوں نے سنا کہ محمد ﷺ کو قتل کردیا گیا ہے، انھوں نے دیکھا کہ لوگ بدحواس

(۱) سنن ابن ماجہ: ۹۶۸/۲، رقم الحدیث: ۲۹۰۱۔(۲) صحیح البخاری: ۱۳۳/۲، رقم الحدیث: ۱۵۲۰۔(۳) صحیح البخاری: ۳۳/۴، رقم الحدیث: ۲۸۸۰۔(۴) صحیح البخاری: ۱۰۰/۵، رقم الحدیث: ۴۰۷۱۔(۵) صحیح البخاری: ۱۲۲/۷، رقم الحدیث: ۵۶۷۹۔

ہو کر بھاگ رہے ہیں، اتنے میں کسی نے کہا کہ لوگو! بہادری سے لڑو، محمد ﷺ کے بعد زندہ رہ کر کیا کرنا ہے، اس لیے بے خوف ہو کر لڑو اور موت سے نہ ڈرو، ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے یہ دونوں باتیں سنیں، کسی مجاہد سے تلوار لی، اور تلاش کرتے کرتے رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گئیں، آپ حیات تھے، مگر کفار برابر آپ پر حملہ کر رہے تھے، اس وقت کا حال بیان کرتے ہوئے ام عمارہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ چند صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین جن میں میرے دو بیٹے اور میرے شوہر بھی تھے آپ کی طرف آنے والے تیروں کو روک رہے تھے، میں بھی حضور کا دفاع کرنے والوں میں شامل ہوگئی، میرے پاس ڈھال نہیں تھی، آپ ﷺ نے کسی صحابی سے ڈھال مجھے دلوائی، اتنے میں ابن قُمَیَّہ وہاں پہنچ گیا، اس کا ارادہ رسول اللہ ﷺ کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے کا تھا، میں اس کا ارادہ بھانپ گئی، اور میں نے اس پر حملے شروع کر دئے، اس نے بھی مجھ پر حملے کئے، میرا مونڈھا بری طرح زخمی ہوگیا اور میرے جسم پر تیرہ زخم آئے۔(۱)

حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا کے واقعے سے فقہاء نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اگر کفار ہجوم کر کے آئیں اور عورتوں کی شرکت ضروری ہو جائے تو وہ جنگ میں حصہ لے سکتی ہیں۔(۲)

غزوۂ احد میں ستر صحابہ شہید ہوئے، اتنی بڑی تعداد میں مسلمانوں کی شہادت سے جو مسائل پیدا ہوئے ان کا بہ راہِ راست تعلق خواتین سے تھا، جتنے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین شہید ہوئے ان سے زیادہ خواتین بیوہ ہوگئیں، بہت سے بچے یتیم ہوگئے، اور ان کی ذمہ داری بھی ماؤں پر آپڑی، مگر نثار جائیں ان خواتین پر کہ انھوں نے کوئی واویلا نہیں مچایا، بلکہ صبر کا ایسا مظاہرہ کیا جس کی نظیر نہیں ملتی، اگر چہ یہ مسائل جلدی ہی حل بھی ہوگئے، رسول اکرم ﷺ نے بیواؤں کی دست گیری اور یتیموں کی کفالت پر اس قدر زور دیا کہ معاشرے میں بیواؤں کو عزت کی زندگی کا موقع مل گیا اور یتیموں کو پدرانہ شفقتیں میسر آگئیں۔

(۱) سیرت ابن ہشام: ۳/۳۶۔ (۲) سیرت المصطفی: ۲/۲۳۸۔

عفو و درگزر اور لطف و کرم

غزوۂ احد کی ابتدا ہی میں عجیب و غریب حالات رونما ہوئے، رسول اللہ ﷺ مدینے میں رہ کر جنگ کرنا چاہتے تھے، مگر بعض نوجوان صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت سے مجبور ہو کر باہر نکلنے پر اصرار کیا، آپ اپنی مرضی کے برخلاف مسلح ہو کر باہر تشریف لائے اور مسلمانوں کو اُحد کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا، وہاں پہنچ کر آپ نے پچاس صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو پہاڑی پر متعین فرمادیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ کسی بھی حال میں وہاں سے نہ ہٹیں، خواہ فتح کی خبر ملے یا شکست کی اطلاع آئے، اپنی جگہ جمے رہیں، مگر اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین یہ دیکھ کر کہ دشمن شکست کھا کر بھاگ نکلا ہے، پہاڑی سے اتر کر میدان میں آگئے، ان حضرات کے اس فیصلے سے کفار کو دوبارہ جمع ہونے اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کا موقع مل گیا، اس کے نتیجے میں بہت سی شہادتیں ہوئیں، اور رسول اللہ ﷺ کو جسمانی تکلیف پہنچی، پھر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین شکست کھا کر مدینے کی طرف بھاگ نکلے تھے، ان تمام واقعات کی وجہ سے ممکن تھا کہ آپ ﷺ کے قلب مبارک میں کچھ تکدر پیدا ہو جاتا جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے لیے دینی اور دنیوی ہر اعتبار سے نقصان دہ ہوتا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنے قلب مبارک میں کسی تکدر کو جگہ نہیں دی، بلکہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ خوش خلقی اور لطف و مہربانی سے پیش آئے اور ہر ایک کے ساتھ عفو و درگزر کا معاملہ فرمایا، قرآن کریم نے آپ کے اس مشفقانہ برتاؤ کی تحسین فرمائی ہے: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا انْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ.(۱) ''ان واقعات کے بعد اللہ کی رحمت ہی تھی جس کی بنا پر (اے پیغمبر) آپ نے ان لوگوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا، اگر آپ سخت مزاج اور سخت دل والے ہوتے تو یہ آپ کے آس پاس سے ہٹ کر تتر بتر ہو جاتے، لہٰذا ان کو معاف کر دیجئے، ان کے لیے مغفرت کی دُعا کیجئے، اور ان سے (اہم) معاملات میں مشورہ لیتے رہیے''۔

(۱) آل عمران: ۱۵۹۔

قرآن کریم میں غزوۂ احد کا ذکر

سورۂ آل عمران کی تقریباً ساٹھ آیات میں غزوۂ احد کا ذکر کیا گیا ہے، یہ واضح رہنا چاہیے کہ قرآن کریم تاریخ کی کتاب نہیں ہے، بلکہ تعلیمات الہیّہ کا مجموعہ ہے، اور یہ تعلیمات بھی پیغمبر پر دفعۃً نازل نہیں ہوئیں بلکہ ضرورت کے مطابق تدریجی طور پر نازل ہوئیں، اس لیے احد کے ذکر میں واقعاتی ترتیب کی جستجو بے سود ہے، ان آیات میں ان غلطیوں پر توجہ دلائی گئی ہے جو غزوۂ احد کے موقع پر مسلمانوں سے سرزد ہوئیں، اسی کے ضمن میں آئندہ کے لیے کچھ ہدایات اور احکام بھی ہیں۔

غزوۂ احد سے متعلق قرآن کریم کی ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ جو افراد اور جماعتیں اپنے امیر کا حکم بجالاتی ہیں وہ کامیاب ہوجاتی ہیں، اور جو اس سے روگردانی کرتی ہیں ان کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے، احد کے میدان میں تمہیں جو ٹھوکر لگی ہے اس سے سبق لو، اور آئندہ کے لیے عہد کرو کہ جو حکم تمہیں دیا جائے گا اس سے سرِ مو انحراف نہیں کروگے، تمہارا اس حادثے سے متاثر ہونا فطری ہے، مگر اتنا بھی متاثر نہیں ہونا چاہیے کہ بالکل ہی ہمت ہار دو، قوموں کی زندگی میں یہ مرحلے پیش آتے رہتے ہیں، کبھی فتح ملتی ہے، کبھی شکست نصیب ہوتی ہے، یہ جنگ ہے، اس میں کبھی ایک فریق غالب آتا ہے اور کبھی دوسرا، بدر کی جنگ میں تم غالب رہے، آج کی جنگ میں تمہیں نقصان اٹھانا پڑا، اس سے دل برداشتہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے، ہار جیت کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی، اصل چیز ایمان کی قوت ہے، یہ دیکھو کہ تمہارے اندر ایمانی قوت ہے یا نہیں، جذبۂ جہاد موجود ہے یا نہیں، اگر ایمان اور جذبۂ جہاد سلامت ہے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت تمہیں مغلوب نہیں کرسکتی۔

احد میں جو عارضی شکست ہوئی، اس کے تین بڑے اسباب تھے، ایک تو یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت تاکید اور ہدایات کے باوجود مسلمانوں نے وہ جگہ چھوڑ دی جہاں انہیں متعین کیا گیا تھا، اس سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا، اور جیتی ہوئی جنگ شکست میں تبدیل ہوگئی، دوسرا سبب یہ ہوا کہ مسلمانوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر پھیل گئی، اس خبر سے مسلمان بددل اور مایوس ہوگئے، کچھ لوگ میدان چھوڑ کر بھی چلے گئے، کچھ ہتھیار

پھینک کر بیٹھ گئے، وہ تو ایک صحابی نے آپ ﷺ کو پہچان لیا اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی موجودگی کا اعلان کیا تب جا کر مسلمانوں میں ہمت واپس لوٹی اور وہ دوبارہ لڑنے کے لیے میدان میں آئے، اصل اور بڑا سبب بعض صحابہ کی یہ رائے تھی کہ مدینے سے نکل کر لڑنا چاہیے، حالاں کہ رسول اللہ ﷺ کفار و مشرکین کو مدینے میں گھیرنا چاہتے تھے، مگر کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین ضد پر اڑے رہے، بالآخر حضور بھی ان کی رائے سے متفق ہو گئے، اور مسلمانوں کو مدینے سے باہر نکل کر جنگ لڑنی پڑی، یہ تین اسباب تھے جن کی وجہ سے اس جنگ میں مسلمانوں کو ہزیمت اٹھانی پڑی۔

مسلمان میدان سے واپس تو آ گئے، مگر انہیں سخت صدمہ تھا، ایک تو اس شکست کا جو انہیں جنگ میں ہوئی، دوسرے حکم عدولیوں کا، مگر کیوں کہ یہ شرمندگی دل کی گہرائیوں سے تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں انہیں تنبیہ تو کی مگر آئندہ کے لیے یہ کہہ کر حوصلہ بھی دیا: وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ. (۱) یعنی جو کچھ تم سے لغزشیں ہو چکی ہیں ان کے غم کو اپنے دل و دماغ پر سوار مت کرو، اور نہ حوصلہ ہارو، یاد رکھو تمہی سر بلند ہونے والے ہو۔

رسول اللہ کی شہادت کی افواہ

میدان میں رسول اللہ ﷺ کی وفات کی افواہ پھیلی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی ہمتیں ٹوٹ گئیں، ان میں افراتفری پھیل گئی اور وہ تتر بتر ہو کر رہ گئے، اس صورت حال میں منافقین کی بن آئی، انھوں نے کہنا شروع کر دیا کہ اس وقت تو عبد اللہ بن اُبی ہی ہماری مدد کر سکتا ہے، خود عبد اللہ بن اُبی کو بھی یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ میں پہلے ہی سے یہ کہتا آ رہا ہوں کہ محمد اللہ کے نبی نہیں ہیں، میری بات نہیں مانی گئی، اب میرے ساتھ آؤ، اور میری مانو میں ابوسفیان سے کہہ کر تمہیں امن دلا دیتا ہوں، بعض کی زبان پر یہ تک آ گیا کہ محمد اگر اللہ کے رسول ہوتے تو کیسے قتل ہو جاتے، لہٰذا اپنے آبائی دین کی طرف پلٹ جانا چاہیے، قرآن کریم نے اس سوچ پر سخت گرفت کی ہے کہ اگر تم اس دین کو محمد ﷺ کی ذات سے

(۱) آل عمران: ۱۳۹۔

وابستہ سمجھتے ہو اور ان کے جاتے ہی دین کو ختم سمجھتے ہو تو اسلام کو ایسے لوگوں کی ضرورت نہیں ہے، دین اور اس کے تمام احکام اللہ کے ہیں، اور اللہ کے لیے ہیں، اگر خبر وفات صحیح بھی ہوتی تب بھی تمہارے دل ودماغ میں یہ بات نہیں آنی چاہئے تھی، وفات تو ایک دن ہونی ہی ہے، کیا تم ان کی وفات کے بعد دین چھوڑ دو گے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ اس واقعے میں یہ حکمت رہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحلت فرمائے پر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی جو کیفیت ہونے والی تھی اس پر پہلے ہی تنبیہ فرمادی گئی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی فرمادی گئی، تاکہ اس کا صحیح نمونہ سامنے آجائے، اور جہاں ضرورت ہو وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اس کی اصلاح بھی ہوجائے، تاکہ جب یہ حادثہ حقیقی طور پر رونما ہو تو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین میں افراتفری نہ پھیلے، وہ بے قابو ہوکر جان نہ گنوا بیٹھیں، یا دیوانے اور پاگل نہ ہوجائیں، ان تمام تنبیہات کے بعد بھی بعض بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین آپ کی وفات کے بعد ہوش وخرد سے بیگانہ ہوگئے، وہ یہ ماننے کے لیے تیار ہی نہیں تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاسکتے ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بڑے حوصلے، ہمت اور تدبیر سے ان سب کو سنبھالا اور یہی آیات ان کے سامنے تلاوت کیں جو غزوۂ اُحد کے موقع پر نازل ہوئی تھیں۔

احد میں شکست کی حکمتیں

قرآن کریم نے ان آیات میں مسلمانوں کو یہ بھی سمجھایا ہے کہ بدر میں کفار کے ستر آدمی مارے گئے تھے اور تم غالب آئے تھے، آج تمہارے ستر آدمی شہید ہوئے ہیں اور وہ غالب آئے ہیں، کفار تو حوصلہ نہیں ہارے اور وہ ایک جٹ ہوکر لڑنے کے لیے نکل پڑے، تم کیوں حوصلہ ہار بیٹھے ہو، اس دنیا میں اللہ کا نظام ہی یہ ہے کہ وہ سختی نرمی، دکھ سکھ، راحت وتکلیف میں لوگوں کے حالات بدلتا سدلتا رہتا ہے، لہٰذا اہل حق کی اس عارضی شکست اور باطل پرستوں کی وقتی فتح وکامرانی سے بددل نہیں ہونا چاہئے اور یہ سمجھ کر نہیں بیٹھ رہنا چاہئے کہ اب ہم ہارتے رہیں گے اور دُشمن جیتتا رہے گا؛ بلکہ شکست کے اسباب کی کھوج لگا کر اس کا جائزہ لو، اور جو کوتاہیاں ہوئی ہیں ان کا تدارک کرو۔

من جملہ حکمتوں کے ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ اس واقعہ میں کھرے کھوٹے کی آزمائش ہوگئی اور منافق اور کچے دل کے کچھ آدمی جو اسلامی کیمپ میں گھس آئے تھے اُن کے چہرے بے نقاب ہوگئے۔

اس کے علاوہ ان لوگوں کو جنگ کے نازک اور فیصلہ کن معاملات کا ذاتی تجربہ ہوگیا اس لئے اب ان کے قدم زیادہ محتاط ہوجائیں گے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مسلمانوں کے دلوں میں جو خدشات اور کمزوریاں پیدا ہوگئی تھیں وہ اس ٹھوکر لگنے سے دور ہوگئیں اور مسلمانوں کا ایمان زیادہ مضبوط اور گہرا ہوگیا، وہ سمجھ گئے کہ صرف اقرار کرلینے سے ایمان کی برکتیں اور کامرانیاں حاصل نہیں ہوں گی، جب تک عملی آزمائش میں ثابت قدم نہ ہوں گے اس وقت تک ایمان کے حقیقی ثمرات بھی میسر نہ آئیں گے۔(۱)

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے غزوۂ اُحد میں فتح کے بعد ہزیمت پیش آجانے کی حکمت اور مصلحت پر تفصیلی کلام کیا ہے، لکھتے ہیں: اللہ کے وعدے کے مطابق دن کے آغاز میں مسلمان کافروں پر غالب رہے، مگر جب اس مرکز سے ہٹ گئے جس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے رہنے کا حکم دیا تھا اور مالِ غنیمت جمع کرنے کے لیے پہاڑ سے نیچے اتر آئے تو جنگ کا پانسہ پلٹ گیا، اور فتح شکست سے بدل گئی، بارگاہ خداوندی میں محبین مخلصین اور عاشقینِ صادقین کی ادنی ادنی بات پر گرفت ہوتی ہے، اللہ رب العزت کو یہ ناپسند ہوا کہ اس کے محبین مخلصین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اللہ کے رسول کے حکم سے ذرہ برابر بھی روگردانی کریں، اگرچہ وہ روگردانی یا حکم کی خلاف ورزی کسی غلط فہمی کی وجہ سے یا بھول چوک کی بنا پر ہی کیوں نہ ہوئی ہو، نیز عاشقِ صادق کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ دنیا کا مال ومتاع جمع کرنے میں لگ جائے اور اس کے حکم سے غافل ہوجائے، اگرچہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جس مالِ غنیمت کو جمع کرنے کے لیے پہاڑ سے اتر کر آئے تھے وہ حلال وطیب مال تھا کیوں کہ اللہ فرماتا ہے: فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا.(۲) ''لہٰذا تم نے جو مالِ غنیمت میں سے حاصل کیا ہے اسے پاکیزہ حلال مال کے

(۱) تفسیر انوار القرآن: ۲/۱۷۱۔ (۲) الأنفعال: ۶۹۔

طور پر کھاؤ''۔

مگر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین جیسے عشاق کے لیے یہ مناسب نہ تھا کہ وہ خداوند ذوالجلال کی اجازت کے بغیر اس حلال وطیب مال کی طرف ہاتھ بڑھاتے۔

اللہ نے اپنے محبین مخلصین کی تنبیہ کے لیے وقتی طور پر فتح کو شکست سے بدل دیا تاکہ اس بات پر متنبہ ہوجائیں کہ غیر اللہ پر نظر جائز نہیں، اور علمِ ازلی میں یہ مقدر فرمادیا کہ وقتی طور پر اگرچہ شکستہ خاطر ہوں گے، مگر عن قریب فتح سے اس کی تلافی کردی جائے گی، اور آئندہ برسوں میں قیصر و کسریٰ کے خزانے ان کے ہاتھوں میں دے دیے جائیں گے۔

اگرچہ مسلمانوں پر عتاب ہوا، مگر یہ وقتی عتاب تھا اور اس میں بھی محبت کی آمیزش تھی، بار بار مسلمانوں کو تسلی دی گئی کہ وہ ناامید نہ ہوں، شکستہ خاطر نہ ہوں، ہم نے ان کی اس لغزش کو بالکل معاف کردیا ہے، چناں چہ ایک دفعہ یہ اعلان فرمایا: وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُوا فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ.(۱) ''البتہ اب وہ تمھیں معاف کرچکا ہے اور اللہ مؤمنوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے''۔

پھر اسی رکوع میں دوبارہ عفو و درگزر کا اعادہ کیا گیا: وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ.(۲) ''اور یقین رکھو اللہ نے انہیں معاف کردیا ہے یقیناً اللہ بہت معاف کرنے والا بڑا بردبار ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے اس عمل کو لغزش قرار دیا اور اس کے لیے: إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ.(۳) ''شیطان نے ان کو لغزش میں مبتلا کردیا تھا'' کی تعبیر اختیار فرمائی، اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا ارادہ اور نیت تو کچھ اور تھی مگر غلطی اور بھول چوک سے بلا ارادہ قدم پھسل گیا، انھوں نے جان بوجھ کر کچھ نہیں کیا، اس لیے ہم نے اپنی رحمت اور حلم سے وہ غلطی معاف کردی، اور اس معافی کا اعلان ساری دنیا کو سنادیا کہ ہماری عنایات رسول اللہ کے اصحاب رضی اللہ عنہم اجمعین پر جاری ہیں، اور یہ اعلان اس لیے کردیا

(۱) آل عمران:۱۵۲۔ (۲) آل عمران:۱۵۵۔ (۳) آل عمران:۱۵۵۔

تا کہ قیامت تک کسی کو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی شان میں لب کشائی کی جرأت نہ ہو، خلاصہ یہ ہے کہ غزوۂ بدر میں فدیہ لینے پر جو عتاب ہوا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ کے دشمنوں کو قتل کرنے کے بجائے ان کا فدیہ مال کی صورت میں قبول کرلیا، اسی طرح غزوۂ احد میں دنیوی مال ومتاع کی طرف میلان کی وجہ سے عتاب ہوا، مگر بعد میں معاف کردیا گیا۔(۱)

غزوۂ حمراء الاسد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفقاء واصحاب کے ساتھ مدینے واپس تشریف لے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دور بیں اور دور اندیش نگاہوں نے یہ بات محسوس کرلی کہ مدینے کی فضا اب ویسی نہیں ہے جیسی چھوڑ کر گئے تھے، اس وقت مخالفت تھی مگر مخالفین کو مسلمانوں کی طاقت اور قوت کا احساس بھی تھا، بدر کے میدان میں جو واقعات پیش آئے، اور فتح ونصرت کے جو مناظر بہت سی آنکھوں نے دیکھے اور بہت سے کانوں نے سنے وہ سب مخالفین کے سامنے تھے اس لیے ان کی آوازیں دبی دبی رہتی تھیں، مگر اُحد کی شکست نے ان کی آوازوں میں جان پیدا کردی، یہودی اب سرگوشیوں میں نہیں بلکہ کھلم کھلا مسلمانوں کا مذاق اڑانے لگے، منافقین اب چھپ کر نہیں بلکہ کھل کر اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کرنے لگے، ان حالات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسا فیصلہ کیا جس کی کسی کو توقع بھی نہیں تھی، ابھی تھکے ماندہ مجاہدین ٹھیک سے آرام بھی نہیں کرپائے تھے، اور ابھی ان کے زخموں کی ٹھیک سے مرہم پٹی بھی نہیں ہوپائی تھی کہ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو حکم دیا کہ وہ جلد سے جلد تیار ہوجائیں، دشمن کا تعاقب کرنا ہے، اور اس کو مزا چکھانا ہے۔

اُحد کا دوسرا دن تھا، شوال کی سولہ تاریخ تھی، صبح فجر کی نماز کے بعد ایک اعلان ہوا، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اپنی تلواریں اور تیر وکمان لے کر گھروں سے باہر نکل آئے، ان میں بہت سے زخمی بھی تھے، کئی تو گھسٹتے ہوئے چل رہے تھے، مگر ایک جذبہ تھا ایک جنون تھا جو انہیں اپنے رسول اپنے قائد کی آواز پر لبیک کہنے پر مجبور کررہا تھا، یہ کل چھ سو افراد تھے، اور تمام کے تمام احد سے واپس آئے تھے، صرف حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ تنہا ایسے مجاہد

(۱) سیرۃ المصطفیٰ: ۲/۲۵۰،۲۵۴۔

تھے جو غزوۂ احد میں شریک نہیں ہوئے مگر ان کو ساتھ چلنے کی اجازت مرحمت فرمائی گئی، اصل میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور ان کے والد عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن حرام دونوں غزوۂ احد میں شریک ہونا چاہتے تھے، مگر ان کی سات بیٹیاں تھیں جن کی دیکھ بھال کے لیے گھر پر کسی مرد کا ہونا ضروری تھا، باپ نے بیٹے سے کہا کہ میں تمھیں اپنے آپ پر ترجیح نہیں دے سکتا، اس لیے میں احد جاتا ہوں، تم گھر پر رہ کر بہنوں کی دیکھ بھال کرو، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ واقعہ رسول اللہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے انھیں ساتھ چلنے کی اجازت دے دی، پہلے ستر مجاہدین تعاقب میں روانہ ہوئے، باقی مجاہدین کچھ دیر بعد نکلے اور دوسرے دن ان ستر مجاہدین سے جا ملے، بعض محدثین نے ان کی تعداد چھ سوتیس لکھی ہے۔(۱)

اس سے قبل قبیلۂ اسلم کے تین جوان بہ طور مُقَدِّمَۃُ الْجَیْش کفار کے تعاقب میں روانہ کئے گئے تھے، یہ لوگ اس وقت وہاں پہنچے جب ابوسفیان اور اس کے ساتھی حمراء الاسد میں تھے، سوء اتفاق سے یہ تینوں حضرات گرفتار کر لئے گئے، ابوسفیان نے ان کو قتل کرادیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لائے تو ان کی لاشیں بے گور وکفن پڑی ہوئیں تھیں، آپ نے ان تینوں حضرات کو ایک ہی قبر میں دفن فرمایا۔

مسلمانوں کا یوں اچانک نکلنا بے حد ضروری تھا، ایک تو اس لیے کہ مسلمانوں کو جو احساس شکست تھا اور ساتھ ہی اپنی غلطیوں پر جو احساس ندامت تھا اس کے ازالے کی یہی ایک تدبیر تھی کہ انھیں دشمن سے مقابلہ کرنے کا ایک فوری موقع اور دیا جائے، دوسرے اس لیے کہ شکست کھا کر گھر پہنچنے سے مدینے میں رہنے والے دشمنوں کو استہزاء کا جو موقع مل رہا تھا اس اقدام سے ان کی زبانوں پر بھی لگام لگتی، تیسرے یہ کہ مشرکین مکہ کا یہ غرور بھی خاک میں مل جاتا کہ وہ مسلمانوں کو ان کے قلعے میں شکست دے کر آئے ہیں، وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ شکست خوردہ مسلمانوں میں اتنی جرأت اور اس قدر حوصلہ ہوگا کہ وہ اپنے زخموں کی پرواہ کئے بغیر ان کے تعاقب کے لیے نکل کھڑے ہوں گے۔

(۱) فتح الباری: ۷؍۳۷۴۔

آپ کا یہ حکم کہ صرف احد میں شرکت کرنے والے ہی اس سفر میں ساتھ ہوں گے، شرکاءِ اُحد۔ کے مقام وعظمت کا اظہار تھا، اور یہ بھی اعلان تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی غلطیوں کو معاف کر دیا ہے اور اپنے دین کا کام لینے کے لیے پھر انہی کو منتخب کیا ہے، بعض علماء نے یہ مصلحت بھی لکھی ہے کہ اس سے منافقین کے گروہ کو شامل ہونے سے روکنا مقصود تھا، اُحد کی جنگ میں شرکت کے لیے یہ لوگ بھی ساتھ نکلے تھے لیکن عبداللہ بن ابی ابن سلول کے بھڑکانے سے راستے ہی سے واپس آگئے تھے، اب اللہ کے رسول نہیں چاہتے تھے کہ منافقین ساتھ آئیں، اب تک تو ان کو مصلحتاً برداشت کیا جارہا تھا، لیکن احد سے واپسی کے بعد ان کے مکروہ چہرے اور ان کے ناپاک عزائم کھل کر سامنے آگئے تھے، اس صورت میں منافقین کو ساتھ رکھنا اور ان سے کسی طرح کی مدد لینا خلاف مصلحت بھی تھا اور غیرت وحمیت کے منافی بھی تھا، اس لیے یہ اعلان کر دیا گیا کہ صرف وہ لوگ ہی اس سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوں گے جنھوں نے غزوۂ احد میں شرکت کی ہے۔

قرآن کریم کی یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنھوں نے اپنے زخموں کی پرواہ کیے بغیر رسول اللہ ﷺ کی آواز پر لبیک کہا اور غزوۂ احد کے بعد ایک اور جنگ کے لیے نکل کھڑے ہوئے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ.(۱) ”جن لوگوں نے زخموں کے بعد بھی اللہ اور رسول کی پکار کا فرماں برداری سے جواب دیا ایسے نیک اور متقی لوگوں کے لیے زبردست اجر ہے“۔ یاد رہے حضور ﷺ بھی اس وقت مجروح تھے اور زبردست تکلیف میں تھے، آپ کے چہرۂ مبارک پر زخم آئے تھے، کیوں کہ خود کی کڑیاں ٹوٹ کر آپ کے چہرۂ مبارک میں پیوست ہوگئیں تھیں، سامنے کے چار دانت بھی شہید ہوگئے تھے، آپ کا دایاں شانہ بھی ابن قمیہ بدبخت کی تلوار کی ضرب سے مجروح ہوا تھا، آپ کے دونوں گھٹنے بھی گر جانے کی وجہ سے چھل گئے تھے، اس کے باوجود آپ نے دشمنوں کے تعاقب کا فیصلہ فرمایا، خود بھی تشریف لے گئے اور تمام ساتھیوں

(۱) آل عمران: ۱۷۲۔

میں بھی منادی کرائی، بنو عبد الاشہل کے دو بھائی بھی اُحد کی جنگ میں شریک تھے، اتفاق سے دونوں بھائی شدید زخمی حالت میں واپس آئے، صبح کو جب یہ اعلان ہوا کہ مشرکین کا پیچھا کرنا ہے تو یہ دونوں بھی نکل پڑے، دونوں زخمی تھے، ان کے پاس کوئی سواری بھی نہیں تھی، دونوں آہستہ آہستہ چلتے رہے، یہاں تک کہ مجاہدین سے جا ملے، ایک بھائی کچھ کم زخمی تھا، وہ اپنے دوسرے بھائی کو جس کو شدید زخم آئے تھے گود میں اٹھا کر چلتا، کبھی اسے اتار بھی دیتا، اس قدر مشقت کے ساتھ وہ حمراء الاسد تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے، انہیں یہ گوارا نہیں تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار پر لبیک نہ کہیں اور اس غزوے میں شرکت سے محروم رہ جائیں۔

حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے وہ جنگ میں بری طرح زخمی ہوگئی تھیں ان کے جسم پر بارہ زخم تھے، مونڈھے کا زخم تو بہت ہی بڑا اور گہرا تھا، بستر پر پڑی تھیں، پوری رات زخم کی وجہ سے بے چین رہیں لیکن صبح جیسے ہی انھوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی یہ آواز سنی الی حمراء الاسد، حمراء الاسد کی طرف چلو، تو وہ بے قرار ہوکر بستر سے اٹھنے لگیں مگر کمزوری کے باعث اٹھ نہیں پائیں، حرکت کرنے کی وجہ سے زخموں سے اور خون بہنے لگا، ان کے علاوہ سب ہی لوگ چلے گئے، مدینے واپس تشریف لانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خیریت دریافت کرنے کے لیے آدمی بھیجا، اس نے آکر خبر دی کہ اب پہلے کے مقابلے میں کچھ آرام ہے، ان کے کاندھے کا زخم ایک سال میں جاکر بھرا۔(۱)

مدینے سے روانگی کے بعد اس قافلے کا پہلا باقاعدہ پڑاؤ حمراء الاسد کے مقام پر ہوا، یہ جگہ مدینہ منورہ سے جانب مکہ بیس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، آپ نے وہاں تین دن قیام فرمایا، قبیلۂ بنو خزاعہ کا سردار معبد بن اَبی معبد اُحد کی جنگ میں شہید ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی تعزیت کے لیے حاضر ہوا، اس وقت تک یہ قبیلہ مسلمان نہیں ہوا تھا، البتہ اس کی ہمدردی مسلمانوں کے ساتھ تھی، معبد نے اس جنگ میں ہونے والے نقصان

(۱) طبقات ابن سعد: ۸/۴۱۳، البدایہ والنہایہ: ۴/۵۰۔

پر اظہار افسوس کیا اور مکے کی طرف روانہ ہوگیا۔

ابوسفیان اپنے لوگوں کے ساتھ روحا میں ٹھہرا ہوا تھا، یہ جگہ مدینہ منورہ سے اسی کلو میٹر کے فاصلے پر ہے، ابوسفیان کو یہاں پہنچ کر احساس ہوا، یا وہ راستے بھر یہ سوچتا رہا کہ ہمیں واپس آنے کے بجائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زخمی لوگوں پر دوبارہ حملہ کردینا چاہیے تھا تا کہ یہ قصہ ہی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوجاتا، اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم لوگوں نے نہ محمد کو قتل کیا اور نہ ان کی نوجوان عورتوں کو اپنی اونٹنیوں پر پیچھے بٹھلایا، تم لوگوں نے بہت برا کیا، اب بھی وقت ہے ہمیں مدینے کی طرف کوچ کرنا چاہیے، اس وقت ان کی طاقت کم زور پڑ چکی ہے، وہ تھکے ہوئے ہیں، زخمی ہیں، سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ مایوس اور غم زدہ ہیں، خدا کی قسم اگر ہم وہاں جا کر ان پر حملہ کرتے ہیں تو وہ یہ حملہ برداشت نہیں کرپائیں گے اور جس مقصد کے لیے ہم گھر سے نکلے ہیں وہ پورا ہوجائے گا۔(۱)

ابھی مدینے کی طرف واپسی کا مشورہ چل ہی رہا تھا کہ معبد بن ابی معبد وہاں پہنچ گیا، ابوسفیان نے اس سے پوچھا مدینے میں آج کل کیا چل رہا ہے، اس نے کہا کہ شاید تم محمد اور اصحاب محمد کے بارے میں جاننا چاہتے ہو، تمہارے خلاف غصے کی آگ ان کے سینوں میں بھڑک رہی ہے، وہ اتنی بڑی تعداد میں مدینے سے نکل کر تمہارے پیچھے آرہے ہیں جس کا تم تصور بھی نہیں کرسکتے، جو لوگ احد میں شرکت سے محروم رہ گئے تھے وہ بھی نادم ہوکر ساتھ آگئے ہیں، صحیح بات تو یہ ہے کہ میں نے ان لوگوں کو اتنے جوش میں اور اس قدر غصے میں کبھی نہیں دیکھا، یہ سن کر ابوسفیان نے پوچھا: اب تم مشورہ دو، ہمیں کیا کرنا چاہیے، معبد نے کہا خدا کی قسم ان کا ہر اول دستہ تمہارے کوچ کرنے سے قبل ہی یہاں پہنچ جائے گا، وہ تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں، ابوسفیان نے کہا واللہ ہم نے تو ان کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا ارادہ کرلیا تھا، معبد نے کہا میں تمہیں یہ رائے نہیں دوں گا کہ تم اس جگہ ٹھہرو، اور ان کے ساتھ بھڑنے کی کوشش کرو، یہ سن کر ابوسفیان نے فیصلہ کیا کہ ہمیں یہاں رکنے کے بجائے مکے کی طرف بڑھ جانا چاہیے، چناں چہ اس نے اسی وقت قافلے کو آگے بڑھنے کا حکم دے دیا۔(۲)

(۱) مجمع الزوائد للہیثمی: ۱۲۱/۶۔ (۲) البدایہ والنہایہ: ۵۱/۴۔

سفیان اپنے لوگوں کو لے کر واپس تو چلا گیا، لیکن جاتے جاتے ایک نفسیاتی حربہ بھی استعمال کر گیا، بنو عبدالقیس کے کچھ لوگ مدینہ منورہ کی طرف جا رہے تھے، ابوسفیان نے ان سے کہا کہ اگر تم میرا ایک پیغام محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دو تو میں تمہیں کشمش دے کر خوش کر دوں گا، تم عکاظ کے بازار میں آکر مجھ سے ملنا، ان لوگوں نے حمراء الاسد پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور آپ کی خدمت میں ابوسفیان کا یہ پیغام پہنچایا کہ ابوسفیان اور اس کی فوج مدینے کی طرف واپس آرہی ہے، ان کا ارادہ مسلمانوں کے وجود کو ختم کرنے کا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کی خدمت میں موجود تمام مسلمانوں نے یہ پیغام سن کر کہا: حسبنا اللہ ونعم الوکیل. ''ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے''۔ ابوسفیان اپنے لوگوں کو لے کر کے چلا گیا، ان لوگوں نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے بہ جائے سلامتی کے ساتھ نکل جانے کو ترجیح دی، مسلمانوں نے حمراء الاسد میں تین دن تک قیام کیا، اگرچہ لڑائی نہیں ہوئی، مگر کفار کے تعاقب کے اس فیصلے نے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کے دلوں سے ہزیمت کی شرمندگی کے احساس کا ازالہ کر دیا، بلکہ یہود، منافقین اور مشرکین کو یہ سوچنے پر بھی مجبور کر دیا کہ مسلمان فی الحقیقت ناقابل شکست ہیں، احد کے میدان میں جو کچھ پیش آیا وہ ایک اتفاقی حادثہ تھا، اس سے ان کی بہادری، طاقت، اتحاد، اور مقصد کے لیے مر مٹنے کا جذبہ فنا نہیں ہوا، بلکہ اس شکست نے ان کا حوصلہ بڑھا دیا، اُحد کی شکست سے مسلمانوں نے جو کچھ سیکھا اور سمجھا اس سے وہ مستقبل میں ناقابل شکست بن گئے۔(۱)

واپسی پر ایک جاسوس کا قتل

ابھی مدینے میں داخل نہیں ہوئے تھے کہ ایک کافر شاعر ابوعزہ الجمحی پکڑا گیا، یہ شخص جاسوسی کے ارادے سے اطراف شہر کے چکر کاٹ رہا تھا، گرفتاری کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا، اس نے درخواست کی یا رسول اللہ! مجھے اس بار بھی معاف کر دیجیے، یہ بدبخت جنگ بدر کے قیدیوں میں بھی شامل تھا اور اسے آپ نے

(۱) تاریخ الاسلام للذھبیؒ، ص:۲۲۶۔

معاف فرمادیا تھا، اس وقت آپ نے اس سے فرمایا تھا کہ تجھے اس شرط پر رہا کیا جارہا ہے کہ آئندہ کسی جنگ میں تو مسلمانوں کے مقابلے میں نہیں آئے گا، مگر اس نے وعدہ خلافی کی اور احد میں بھی آگیا، معافی کی درخواست پر آپ نے فرمایا: اب مکّے میں تو اپنے رخساروں سے مٹی نہیں جھاڑ پائے گا، تو نے محمد کو دو مرتبہ دھوکا دیا ہے، آپ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے زبیر اس کی گردن اڑادو، اس کے بعد آپ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا جو ہمیشہ ہمیش کے لیے ایک مثال بن گیا، آپ نے فرمایا: **لا یلدغ المؤمن من جحر واحد مرتین.** ''مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا'' یعنی ایک مرتبہ دھوکا کھانے کے بعد کسی مؤمن کے لیے یہ بات مناسب نہیں کہ وہ دوبارہ پھر اسی شخص سے دھوکا کھائے جس سے پہلے کھاچکا ہے۔(۱)

عبد اللہ بن اُبی کی ذلت اور رسوائی

اس جنگ میں عبد اللہ بن اُبی کا کردار سب سے زیادہ شرم ناک رہا، دیکھا جائے تو یہ اچھا ہی ہوا کہ اس کا اصل منافقانہ چہرہ احد کی جنگ سے پہلے ہی بے نقاب ہوگیا، اور وہ اپنے تین سو ساتھیوں سمیت راستے ہی سے واپس چلا گیا، بہت ممکن تھا کہ وہ محاذ جنگ پر جاکر عین حالت جنگ میں کوئی گھٹیا چال چلتا اور مسلمانوں کو زیادہ نقصان اٹھانا پڑتا، ایسا نہیں ہے کہ یہ منافق چھپے ہوئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب معلوم تھا، لیکن مسلمانوں کی اجتماعی مصلحتوں کی خاطر آپ انہیں برداشت کررہے تھے، اب جب کہ وہ کھل کر سامنے آگئے تھے ان کو برداشت کرنا اور ان کے ساتھ رواداری کا معاملہ کرنا کسی بھی طرح مناسب نہیں تھا۔

مضحکہ خیز بات یہ تھی کہ عبد اللہ بن اُبی اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی اس غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ اسے اب بھی مسلمان سمجھا جاتا ہے، اور اسے اب بھی وہی درجہ اور مقام و مرتبہ ملے گا جو پہلے ملا کرتا تھا، غزوۂ احد سے پہلے اسے مسلمانوں کے درمیان ایک خاص امتیاز حاصل تھا، کیوں کہ وہ اپنی قوم کا سردار تھا، اور ایک بڑی تعداد اس کے ساتھ تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

(۱) البدایہ والنہایہ: ۴/۵۳، صحیح البخاری: ۸/۳۱، رقم الحدیث: ۶۱۳۳۔

مدینے تشریف لانے کے بعد اس کا یہ مرتبہ ساقط نہیں فرمایا، بلکہ اسے برقرار رکھا، مسجد نبوی میں اس کے لیے ایک خاص جگہ متعین تھی، وہ اسی مخصوص جگہ پر آکر بیٹھتا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے کر منبر سے اترتے تو یہ شخص کھڑا ہوتا اور کہتا: لوگو! یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول تمہارے درمیان تشریف لائے ہیں، اللہ تمہیں ان کے ذریعے سے عزت وکرامت عطا فرمائے، تم ان کی مدد کرو، ان کے ارشادات غور سے سنو اور ان کی اطاعت کرو، یہ ہر ہفتے کا معمول تھا، دوسرے مواقع پر بھی وہ اسی طرح کے تائیدی کلمات کہا کرتا تھا۔

غزوۂ احد سے واپسی کے بعد پہلا جمعہ آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم معمول کے مطابق منبر پر تشریف لائے، خطبہ ارشاد فرمایا اور نیچے تشریف لے آئے، عبد اللہ بن اُبی بے شرم اور ڈھیٹ بنا اپنی جگہ بیٹھا ہوا تھا، جب آپ منبر پر سے اتر کر نیچے تشریف لے آئے تو وہ اپنی جگہ کھڑا ہوا اور تائید ونصرت اور سمع وطاعت کی وہی باتیں دہرانے لگا جو وہ اکثر کیا کرتا تھا، مسلمان اس سے خار کھائے بیٹھے تھے، جیسے ہی وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے بولنا شروع کیا، لوگوں نے اس کے کپڑے پکڑ کر کھینچنے شروع کر دئے، چاروں طرف سے یہ آوازیں آنے لگیں، اے دشمن خدا! بیٹھ جا، چپ کر، تو اس قابل نہیں ہے کہ یہاں کھڑا ہو، تیری زبان سے یہ باتیں اچھی نہیں لگتیں، کیا تجھے معلوم نہیں کہ تو نے کس قدر غلیظ حرکت کی ہے اور کس قدر گھناؤنا کردار ادا کیا ہے۔

عبد اللہ بن اُبی مسلمانوں کا یہ رویّہ دیکھ کر لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا باہر کی طرف بھاگا، وہ یہ کہہ رہا تھا، میں نے ایسی کون سی بری بات کہہ دی کہ تم لوگ آپے سے باہر ہوگئے، میں تو ان کی تائید کے لیے کھڑا ہوا تھا، باہر آیا تو ایک انصاری صحابی اس کا راستہ روک کر کھڑے ہوگئے، اور پوچھنے لگے ارے او بد بخت! تجھ پر کیا مصیبت آپڑی جو تو یوں منہ اٹھائے بھاگا چلا جارہا ہے، کہنے لگا کہ میں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید کرنے کے لیے کھڑا ہوا تھا، لوگوں نے میرے کپڑے کھینچنے شروع کر دئے اور مجھے برا بھلا کہنے لگے، ان صحابی نے غزوۂ احد سے ساتھیوں سمیت اس کی واپسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی مانگ لے، عبد اللہ بن اُبی نے نخوت سے کہا

کہ مجھے معافی مانگنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، یہ کہہ کر وہ پیر پٹختا ہوا نماز ادا کئے بغیر چلا گیا۔

حافظ ابن اسحاق یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ جنگ اُحد بڑی جدو جہد، بڑی مصیبت اور ابتلا و آزمائش کی جنگ تھی، اس جنگ میں اللہ نے ان لوگوں کا امتحان بھی لے لیا اور ان کو بے نقاب بھی کر دیا جو اپنے دلوں میں کفر چھپائے ہوئے تھے اور زبان سے ایمان کا اظہار کیا کرتے تھے، اور جن کو نوازنا چاہا ان کو شہادت کا درجہ دے کر نواز بھی دیا۔(۱)

غزوۂ اُحد کے بعد

اس جنگ میں مسلمانوں کو بہت زیادہ جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا، ایک بڑا نقصان یہ ہوا کہ غزوۂ بدر سے مخالفین کے دلوں پر مسلمانوں کا جو رعب اور دبدبہ قائم ہوا تھا وہ ختم ہو گیا، منافقین، مشرکین اور یہود سب اس خام خیالی میں مبتلا ہو گئے کہ اس وقت مسلمان شکست خوردہ ہیں، اپنے بہت سے بہادروں کو کھو چکے ہیں، ان کے حوصلے پست ہیں، ان حالات میں ان پر آسانی کے ساتھ قابو پایا جاسکتا ہے، مکّے کے مشرکین اگرچہ واپس چلے گئے تھے، لیکن وہ لوگ واپس آنے کے ارادے سے گئے تھے، دوسری طرف کچھ اور قبائل مشرکین نے بھی اپنے بلوں سے نکل کر باہر آنا شروع کر دیا تھا، ان میں قبیلۂ بنی اسد پیش پیش تھا، ابوسفیان ہُذَلی نے بھی اپنے ہم خیال لوگوں کو مسلمانوں کے مقابلے میں اکٹھا کرنا شروع کر دیا تھا، عضل اور قارہ کے قبائل بھی موقع کی تاک میں تھے، عامر بن طفیل بھی سازشیں کرنے میں مصروف تھا، بنی نضیر کے یہودی بھی سرکشی پر آمادہ تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہر فوجی قائد اور ایک بہادر سپہ سالار کی طرح ان تمام محاذوں پر نظر رکھے ہوئے تھے، تمام دشمنوں کی سرکوبی ضروری تھی، جنگ اُحد میں جو کھویا تھا اسے پانے کے لیے آرام کرنے یا زخموں کے پوری طرح مندمل ہونے کا انتظار کرنے کی گنجائش نہیں تھی۔

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۶۰/۳۔

بنی اسد کی طرف صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی روانگی

محرم سن چار کی پہلی تاریخ کو مخبروں کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ طلیحہ بن اخلد اور سلمہ بن اخلد نامی دو بھائی مدینے پر حملہ کرنا چاہتے ہیں، اس مقصد کے لیے تیاری میں مصروف ہیں اور لوگوں کو ایک خاص مقام پر جمع کر رہے ہیں، وہاں سے چل کر وہ مدینے پر حملہ آور ہوں گے اور مدینے میں گھس کر لوٹ مار کریں گے، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسلمہ بن عبد اللہ الاسد مخزومی رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا، ان کو ڈیڑھ سو انصار ومہاجر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی قیادت سپرد فرمائی، اور ان کے ہاتھوں میں اسلامی جھنڈا دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: تم اس فوجی دستے کو لے کر نکلو، اور چلتے رہو، یہاں تک کہ بنواسد تک جا پہنچو، اس سے پہلے کہ وہ اپنے ٹھکانے سے نکل کر باہر آئیں تم ان پر حملہ کردو، اس دستے میں حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جیسے صحابہ بھی شامل تھے۔

بنواسد کو جیسے ہی یہ خبر ملی کہ مسلمانوں کا فوجی دستہ ان سے مقابلہ کرنے کے لیے روانہ ہو چکا ہے بلکہ وہ بہت قریب آچکا ہے، ان میں سراسیمگی پھیل گئی، اس سے پہلے کہ مسلمان وہاں پہنچتے دشمن کے لوگ اپنی بھیڑ، بکریاں اور اونٹ وغیرہ چھوڑ کر فرار ہو گئے، ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کامیابی اور فتح مندی کا علم لہراتے ہوئے مدینے میں داخل ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت میں سے خمس نکال کر تمام مال صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین میں تقسیم فرما دیا، ہر شخص کو سات اونٹ اور سات بکریاں ملیں۔

اس سفر سے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بے حد تھک گئے تھے اور ان کا وہ زخم بھی ہرا ہو گیا تھا جو اُحد کی جنگ میں ان کو لگا تھا، ابھی چند ہی روز واپسی پر گزرے تھے کہ وہ زخموں کی تاب نہ لاکر وفات پا گئے۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں شامل ہیں جنھوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا، اسلام قبول کرنے والوں میں ان کا نمبر دسواں ہے، ہجرت کرنے والوں میں

بھی وہ سرفہرست ہیں، رشتے میں وہ آپ کے رضاعی چچا تھے، پہلے انھوں نے حبشہ ہجرت کی، پھر مدینے تشریف لائے، غزوۂ بدر میں بھی شریک ہوئے، ان کی وفات کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حرم نبوت میں شامل ہوئیں، حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی پرورش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ہوئی۔(۱)

خالد بن سفیان ہُذلی کے خلاف کاروائی

اسی اثناء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی کہ قبیلۂ ہُذیل کا سردار خالد بن سفیان لوگوں کو عرفات کے میدان میں جمع کر رہا ہے، اس کا ارادہ مسلمانوں سے جنگ کرنے کا ہے، وہ قریش کے ساتھ اظہار یگانگت کے لیے مدینے پر حملہ کرنا چاہتا ہے، یہ خبر سننے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی حضرت عبد اللہ بن اُنیس جُہنی رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اور انہیں خالد بن سفیان ہُذلی کے خلاف کاروائی کرنے کی ذمہ داری سپرد فرمائی، پورا واقعہ خود انہی صحابی رضی اللہ عنہ کی زبانی سنئے، فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور فرمایا: اے عبد اللہ! مجھے پتہ چلا ہے کہ خالد بن سفیان بن نُبیح لوگوں کو جمع کر رہا ہے اس کا مقصد میرے خلاف جنگ کرنا ہے، وہ اس وقت وادی عرنہ میں ہے، تم وہاں جاؤ اور اس کو قتل کردو، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے اس کی کوئی نشانی بتلا دیجیے تا کہ میں اسے پہچان لوں، آپ نے ارشاد فرمایا جب تم اسے دیکھو گے تو اپنے جسم میں کپکپاہٹ محسوس کرو گے۔

صحابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حکم ملتے ہی میں وادیِ عرنہ کی طرف روانہ ہو گیا، عرنہ مکے کی وادیوں میں سے ایک مشہور وادی ہے جو عرفات کے مغرب میں مسجد نمرہ کے قریب واقع ہے، یہ عرفات میں شامل نہیں ہے، اس لیے حجاج کے لیے عرفہ کے دن یہاں قیام کرنا ممنوع ہے، بہ ہر حال صحابیٔ رسول حضرت عبد اللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار سنبھالی اور عرنہ کی طرف روانہ ہو گئے، صحابی رسول کہتے ہیں کہ میں عصر کے وقت اس کے پاس پہنچ گیا، اس وقت وہ اپنی بیویوں کے ساتھ اپنے گھر میں تھا، جب میں نے اسے دیکھا تو جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا میرے جسم پر کپکپاہٹ طاری ہو گئی، میں اس کی

(۱) زاد المعاد: ۳/۲۴۳، الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ۴/۵۸۶۔

طرف بڑھنے لگا، اس کے ساتھ ہی مجھے یہ خیال بھی آرہا تھا کہ کہیں میری عصر کی نماز قضا نہ ہو جائے، اس کا حل میں نے یہ نکالا کہ میں اس کی طرف بڑھتا بھی رہا اور نماز بھی پڑھتا رہا، میں اشاروں سے رکوع وسجود کررہا تھا، یہاں تک کہ میں اس کے قریب پہنچ گیا، مجھے دیکھ کر وہ کہنے لگا: تو کون ہے، میں نے کہا کہ میں ایک عرب نژاد شخص ہوں، تمہارے متعلق یہ سن کر یہاں آیا ہوں کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لڑنے کا ارادہ رکھتے ہو، اس نے کہا! تم نے صحیح سنا ہے، میں باتیں کرتا ہوا اس کے ساتھ ساتھ چلتا رہا، یہاں تک کہ میں نے اس پر تلوار نکال لی اور اس کا سر قلم کردیا۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ اس کا سر لے کر بھاگے، اور ایک غار میں جا چھپے، لوگوں کو قاتل کی تلاش ہوئی، ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہ اس غار کے پاس بھی پہنچے، لیکن وہاں مکڑی نے جالا تان دیا تھا، تلاش میں آئے ہوئے لوگ مکڑی کے جالے دیکھ کر واپس چلے گئے، عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ رات میں چلتے اور دن میں کہیں چھپ جاتے، اس طرح وہ کئی شب وروز بعد مدینہ منورہ پہنچے، حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ مدینے پہنچ کر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا: یہ کامیاب آدمی کا چہرہ ہے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے اسے قتل کردیا ہے، یہ اس کا سر ہے، آپ بے حد مسرور ہوئے، پھر مجھے گھر کے اندر لے کر گئے اور مجھے ایک عصا دیا اور فرمایا: اے عبداللہ! اسے اپنے پاس سنبھال کر رکھنا، میں یہ عصا لے کر باہر نکلا، لوگ مجھ سے پوچھنے لگے، یہ کیسا عصا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عصا تمہیں کیوں دیا ہے، میں نے کہا: مجھے یہ عصا اللہ کے رسول نے دیا ہے اور فرمایا ہے کہ میں اسے سنبھال کر رکھوں، لوگوں نے کہا تم جا کر اللہ کے رسول سے یہ تو معلوم کرو کہ اس میں کیا خاص بات ہے اور یہ تمہیں کیوں دیا گیا ہے، چناں چہ میں دوبارہ حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ! آپ نے مجھے یہ عصا کیوں عطا فرمایا ہے، آپ نے ارشاد فرمایا: یہ عصا قیامت کے دن میرے اور تمہارے درمیان ایک نشانی ہوگا، بلاشبہ اس دن اپنے اعمال پر تکیہ کرنے والے بہت کم لوگ ہوں گے، روایات میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے وہ

عصا اپنی تلوار کے ساتھ رکھ دیا، اور جب تک زندہ رہے اس کی حفاظت کرتے رہے، موت کے وقت انھوں نے وصیت کی کہ یہ عصا ان کے ساتھ کفن میں رکھ کر دفن کر دیا جائے، لوگوں نے ایسا ہی کیا۔(۱)

اس واقعے سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینے سے مکّے تک تمام قبائل کی نقل وحرکت پر نظر رکھے ہوئے تھے، ایک سمجھ دار اور بابصیرت حکم راں کی طرح انھوں نے مملکت اسلامیہ کی حفاظت کے لیے تمام تدبیریں اختیار کی ہوئی تھیں، ان میں سے ایک تدبیر یہ بھی تھی کہ آپ کے بہت سے مخبر چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے، اور جزیرہ نمائے عرب میں کہیں بھی کوئی ہل چل نظر آتی اس کی خبر آپ تک پہنچایا کرتے تھے، جب بھی آپ کو یہ اطلاع ملتی کہ فلاں قبیلے میں مملکت اسلامیہ کے خلاف کوئی سازش ہو رہی ہے، یا کسی جگہ کچھ لوگ مدینے پر حملہ آور ہونے کی سازش کر رہے ہیں آپ ایک بیدار مغز فوجی کمانڈر کی طرح اس کے خلاف فوراً ایکشن لیتے، اور جہاں جیسی ضرورت ہوتی وہاں اتنے ہی آدمی بھیج کر اس سازش کو ناکام بناتے، آپ کو اپنے جوانوں کی صلاحیتوں کا بھی علم تھا، چناں چہ خالد بن سفیان ہذلی کے واقعے میں صرف عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا، کیوں کہ آپ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ عبد اللہ راستوں سے اچھی طرح واقف ہیں، جری اور بہادر ہیں، وہ یہ کام اچھی طرح کر سکتے ہیں، عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ بھی آپ کی توقعات پر پورے اترے اور کامیاب ہو کر واپس آئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں کی ہمت بڑھاتے رہتے تھے، کبھی دعاؤں سے نوازتے، کبھی کوئی انعام عطا فرمادیتے، حالاں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے دنیوی اغراض کے لیے کبھی کسی جنگ میں حصہ نہیں لیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیاوی مال ومتاع میں بھی ان کو شریک فرماتے تھے، مال غنیمت میں سے ان تمام لوگوں کو حصہ دیا جاتا تھا جو جنگ لڑنے کے لیے جایا کرتے تھے، شہیدوں کے وارثوں تک بھی حصہ پہنچایا جاتا تھا،

(۱) البدایہ والنہایہ: ۴/۱۶۰، مسند احمد بن حنبل: ۲۵/ ۴۴۰، رقم الحدیث: ۱۶۰۴۷، السنن الکبری للبیہقی: ۳/۳۶۴، رقم الحدیث: ۶۰۲۴۔

رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس سے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی عقیدت ومحبت کا حال یہ تھا کہ اگر آپ کسی کو کوئی معمولی چیز بھی عطا فرما دیتے وہ خوش ہو کر اس کو قبول کرتا، فخر ومسرت سے پھولا نہ سماتا اور زندگی بھر اس کی حفاظت کرتا، حضرت عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو آپ نے لکڑی انعام میں دی، بہ ظاہر اس کی کوئی اہمیت اور قیمت نہیں ہے، لیکن وہ اسے ایک قیمتی اور یادگار تحفہ سمجھتے رہے اور جب تک زندہ رہے اس کی حفاظت کرتے رہے اور مرنے کے بعد بھی قبر میں اسے اپنے ساتھ لے کر گئے۔

عضل اور قارہ کی بدعہدی اور رجیع کا دردناک واقعہ

جنگ اُحد کے بعد صفر کے مہینے میں قبیلۂ عضل اور قبیلۂ قارہ کے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارے قبیلے اسلام قبول کر چکے ہیں، آپ اپنے کچھ لوگوں کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ وہ ہم لوگوں کو نماز، روزہ سکھا دیں، دین کی باتیں بتلا دیں، اور ہمیں قرآن کی تعلیم دیں، رسول اللہ ﷺ نے ان کی درخواست پر ایک وفد تشکیل دیا جس میں سات صحابہ شامل تھے، ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱-مُرثد بن اَبی مُرثد الغنوی۔ ۲-خالد بن البُکَیر اللیثی۔ ۳-عاصم بن ثابت بن اَبی الافلح۔ ۴- خُبیب بن عدی۔ ۵- زید بن الدَّثِنہ بن المعاوِیہ۔ ۶-عبد اللہ بن طارق۔ ۷-مُعَتّب بن عبید رضی اللہ عنہم اجمعین۔

حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ اس وفد کے امیر بنائے گئے، ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مُرثد بن اَبی مرثد الغنوی رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا گیا۔ بعض روایات میں ارکان وفد کی تعداد سات سے زیادہ بتلائی گئی ہے، بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دس افراد کو اہل مکہ کی جاسوسی کے لیے روانہ فرمایا، شارحین نے لکھا ہے کہ ہوسکتا ہے پہلے سے آپ کا ارادہ اور نیت یہ ہو کہ قبائلِ مکہ کی خبریں معلوم کی جائیں اور ان کی سازشوں کا پتہ لگایا جائے، بعد میں عضل اور قارہ کی آمد سے تعلیمِ دین کا مقصد بھی اس میں شامل کر لیا گیا ہو۔

یہ قافلہ رَجیع نامی کنویں پر پہنچا جو عسفان اور مکہ کے درمیان اَلہد اَۃ گاؤں کے قریب واقع ہے، یہ کنواں بنوہُذیل کی ملکیت تھا، ابھی صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ قافلہ وہاں پہنچا ہی تھا کہ بنوہُذیل کے تقریباً سو مسلح افراد نے ان کو چاروں طرف سے گھیر لیا، تمام صحابہ ایک اونچی پہاڑی پر چڑھ گئے، اور اپنے ہتھیار نکال کر لڑنے کی تیاری کرنے لگے، بنولحیان کے لوگوں نے کہا: خدا کی قسم! ہم تمہیں قتل کرنا نہیں چاہتے، ہم پر اعتماد کرو اور ہمارا یقین رکھو، البتہ اہل مکہ کی طرف سے ایک چیز ہم تمہیں ضرور دیں گے۔

کارواں کے قائد حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت مرثد بن ابی مرثد رضی اللہ عنہ اور خالد بن البکیر رضی اللہ عنہ، معتب بن عبید رضی اللہ عنہ نے کافروں کی پیش کش ٹھکرادی، اور کہا کہ ہم کفار کے عہد و پیمان پر یقین نہیں رکھتے اور نہ ان کی پناہ میں آنا پسند کرتے ہیں، یہ کہہ کر ان حضرات نے کفار کی طرف تیر برسانے شروع کردئے، جب تیر ختم ہوگئے تو ان کی تلواریں چمکنے لگیں، ان حضرات نے کئی کافروں کو قتل کیا اور متعدد کو زخمی کیا، یہاں تک کہ خود بھی شہید ہوگئے، شہید ہونے سے پہلے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے یہ دُعا مانگی: اے اللہ! میں آج تیرے دین کی حفاظت کررہا ہوں، تو میرے جسم کو کفار سے محفوظ رکھ، انھوں نے یہ دُعا بھی کہ اے اللہ! جو ہم پر گزر رہا ہے اس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچادیجئے۔(۱)

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے، ہُذیل نے چاہا کہ ان کا سرتن سے جدا کرکے اپنے ساتھ لے جائیں، اور اسے سُلافہ بنت سعد بن شہید کے ہاتھوں فروخت کردیں، اس عورت کے بیٹے اور شوہر اُحد میں مارے گئے تھے، ان میں سے دو؛ حارث اور مُسافع کو عاصم رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا، اس لئے سلافہ نے نذر مانی تھی کہ اگر مجھے عاصم کا سرمل گیا تو میں ان کی کھوپڑی کو پیالہ بنا کر شراب پیوں گی، ہُذیل ان کا سر بیچ کر موٹی رقم کمانا چاہتے تھے، لیکن اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ ان کے جسم کو چاروں طرف سے مکھیوں نے گھیر لیا اور کافران کے جسم تک نہ پہنچ سکے، شام تک مکھیوں کے اڑنے کا انتظار کرتے رہے، مگر مکھیاں ان کی لاش کے اردگرد منڈلاتی رہیں، بالآخر ہُذیل کے لوگ یہ کہتے ہوئے واپس ہوگئے کہ صبح کو

(۱) صحیح البخاری: ۵/۷۸، رقم الحدیث: ۳۹۸۹، البیہقی فی السنن الکبریٰ: ۹/۱۴۵، الہیثمی فی مجمع الزوائد: ۶/۱۹۹۔

دیکھیں گے، اس وقت تک تو یہ مکھیاں ضرور چلی جائیں گی، کفار نے صبح ہونے کا انتظار کیا، مگر رات میں اس قدر بارش ہوئی کہ پوری وادی جل تھل ہوگئی، پانی کا ایک زبردست ریلا آیا جس میں ان کی لاش بہہ کر دور چلی گئی، اور نظروں سے اوجھل ہوگئی، حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے دُعا کی تھی کہ یا اللہ ان کے جسم کو کفار کے ناپاک ہاتھوں سے محفوظ رکھنا، اللہ نے ان کی یہ دُعا قبول فرمالی، کافروں کو ان کی لاش نہیں ملی اور وہ مایوس ہوکر لوٹ گئے۔ (۱)

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے تین اور ساتھی بھی جنھوں نے کفار کے وعدے پر یقین کرنے سے انکار کردیا تھا لڑتے ہوئے شہید ہوگئے، اب سات میں سے تین افراد باقی رہ گئے تھے، زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن طارق رضی اللہ عنہ اور خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ، انھوں نے کافروں کے وعدے کا اعتبار کیا، اور پہاڑی سے نیچے اتر آئے، جیسے ہی یہ لوگ نیچے اترے، کافروں نے وعدہ خلافی کی اور انہیں اپنے نرغے میں لے لیا، ان کی مُشکیں کس لیں، اور انہیں قیدی بنا کر مکّے کی طرف روانہ ہوگئے، تاکہ انہیں وہاں لے جاکر فروخت کردیں، راستے میں مرالظّہر ان (مکّے کے قریب ایک وادی) میں پہنچ کر طارق بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ چھڑا لئے، اپنی تلوار نکال لی، اور پیچھے کی طرف دوڑ پڑے، ہُذیل کے لوگوں نے ان پر پتھر برسائے یہاں تک کہ وہ شہید ہوگئے۔ (۲) اب سات میں سے صرف دو لوگ باقی رہ گئے تھے، ہذیل کے لوگ ان دونوں اسیروں کو پابہ جولاں لے کر مکے پہنچے، اور انہیں بھاری رقم کے عوض روساء قریش کے ہاتھوں فروخت کردیا تاکہ وہ ان سے اپنے مقتولین بدر کا انتقام لے سکیں۔

حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کو رئیس مکہ حُجیر بن ابی اِہاب تمیمی نے خرید لیا تاکہ وہ انہیں اپنے باپ کے بدلے میں قتل کرڈالے، اور زید بن الدثنہ رضی اللہ عنہ کو صفوان بن امیہ نے خرید لیا تاکہ وہ انہیں اپنے باپ اُمیّہ بن خلف کے بدلے میں شہید کردے، مگر کیوں کہ حرمت والے مہینے چل رہے تھے اس لیے ان لوگوں نے ان دونوں حضرات کو فوری طور

(۱) صحیح البخاری باب غزوۃ الرجیع: ۵/۱۰۳، رقم الحدیث: ۴۰۸۶، کتاب المغازی للواقدی: ۱/۳۵۶۔ (۲) سیرت ابن ہشام: ۳/۱۱۶۔

پر قتل کرنے کے بجائے اشہر حرم کے گزرنے کا انتظار کیا، اس دوران یہ دونوں قیدی سخت نگرانی میں رہے اور ان دونوں کے پاؤں میں زنجیریں ڈال کر دونوں کو ایک مکان میں قید رکھا گیا، قید کی حالت میں ان کو تازہ انگور کھاتے ہوئے دیکھا گیا، حالاں کہ یہ پھل ان دنوں مکے میں دستیاب نہیں تھا، یہ کھلی کرامت دیکھنے کے بعد بھی دشمنوں کے دل نرم نہ ہوئے اور نہ انہیں دین اسلام کی حقانیت کا خیال آیا۔

پہلے صفوان بن اُمیہ اپنے قیدی زید بن الدثنہ رضی اللہ عنہ کو تنعیم کی طرف لے کر چلا، مکے سے دو میل کے فاصلے پر یہ ایک جگہ ہے، قریش کا ایک جم غفیر اس کے ساتھ تھا، ان میں ابوسفیان بن حرب بھی تھا، جب وہ تلوار لے کر زید کی طرف بڑھا تو یکا یک رک گیا اور ان کو مخاطب کر کے کہنے لگا کہ میں تجھے اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، سچ سچ بتلانا، کیا تو یہ چاہتا ہے کہ تجھے رہا کر دیا جائے اور تیری جگہ (نعوذ باللہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا جائے، انھوں نے ایک لمحہ بھی توقف کئے بغیر جواب دیا، ہرگز نہیں! واللہ مجھے یہ گوارا نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت جس جگہ ہیں وہاں ان کے جسم میں کوئی کانٹا بھی چبھے، ابوسفیان نے کہا، میں نے محمد کے اصحاب کے سوا کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ کسی اور سے اتنی محبت کرتے ہوں جتنی وہ لوگ محمد سے کرتے ہیں، اس گفتگو کے بعد نسطاس نامی شخص نے آگے بڑھ کر حضرت زید رضی اللہ عنہ کی گردن تن سے جدا کر دی۔(۱)

حضرت خُبَیب بن عدی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ بھی کچھ کم ولولہ انگیز نہیں ہے، اپنی شہادت سے کچھ دیر قبل انھوں نے اس گھر کے لوگوں سے جہاں قید تھے استرا مانگا، جو دے دیا گیا، اتنے میں ایک چھوٹا بچہ گھر کے اندر سے نکل کر ان کے پاس آ کھڑا ہوا، جس کو انھوں نے گود میں اٹھا کر اپنے زانو پر بٹھا لیا، گھر والے یہ منظر دیکھ کر گھبرا گئے، دشمن کے ہاتھ میں کھلا ہوا استرا ہے، بچہ ان کی گود میں ہے، انہیں یقین ہو گیا کہ یہ قیدی اس بچے کو ضرور قتل کر دے گا، خبیب نے گھر والوں کی گھبراہٹ دیکھی، اور نہایت اطمینان سے بولے، کیا تمہیں یہ ڈر ہے کہ میں اس معصوم بچے کو قتل کر دوں گا، ایسا ہرگز نہیں ہوگا، حالاں کہ خبیب

(۱) سیرت ابن ہشام: ۳/۱۱۸۔

چاہتے تو وہ انتقاماً ایسا کر بھی سکتے تھے، اگر چہ کسی بہادر کو یہ زیب نہیں دیتا، اور اسلام تو کسی بچے، عورت اور بوڑھے، معذور اور بیمار پر ہتھیار اٹھانے کی اجازت ہی نہیں دیتا، تاہم وہ اتنا تو کر سکتے تھے کہ بچے کو یرغمال بنا کر گھر سے نکل جاتے، یا بچے کی جاں بخشی کے عوض اپنی رہائی کا مطالبہ کرتے، مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا، بلکہ اطمینان کے ساتھ بیٹھے رہے، کفار انہیں بھی حدود حرم سے باہر تنعیم کی طرف لے گئے، وہاں پہنچ کر انھوں نے دو رکعت نماز پڑھنے کی خواہش کی، ان کی یہ خواہش پوری کردی گئی، خبیب نے جلدی جلدی دو رکعتیں پڑھیں، کچھ دُعا مانگی، انھوں نے قاتلوں کی طرف رخ کر کے کہا، خدا کی قسم! اگر تم یہ گمان نہ کرتے کہ میں موت کے لمحے کو زیادہ سے زیادہ ٹلانے کی کوشش کر رہا ہوں تو میں ان دو رکعتوں کو خوب لمبی کر کے پڑھتا، خبیب رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے یہ سنت جاری کی کہ جب کوئی شخص قتل کیا جائے تو اسے دو رکعت نماز ادا کرنی چاہئے، نماز کے بعد ان کو تختۂ دار پر چڑھا دیا گیا، اس وقت ان کی زبان پر یہ دعائیہ کلمات تھے: ''اے اللہ ان کو چن چن کر مار ان کو ہلاک کر اور ان میں سے کسی کو نہ چھوڑ''۔

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جس وقت خبیب رضی اللہ عنہ کو قتل کیا گیا، میں وہاں موجود تھا، میرے والد نے اُن کی بد دعا سن کر مجھے زمین کی طرف جھکا دیا، اس وقت یہ عقیدہ تھا کہ اگر کوئی شخص بد دعا دے تو زمین پر لیٹ جاؤ، اس سے بدُعا کا اثر نہیں ہوتا، ایک صحابی ہیں حضرت سعید بن عامر جمحی وہ بھی قتل کا تماشہ دیکھنے والوں میں تھے، کہتے ہیں کہ جب بھی میری نگاہوں کے سامنے ان کے قتل کا منظر آتا ہے، ان کی بد دعائیں میرے کانوں میں گونجنے لگتی ہیں اور میں خوف سے بے ہوش ہو جاتا ہوں، جس وقت وہ یہ بات کہہ رہے تھے اس وقت بھی ان پر غشی طاری ہوگئی تھی۔ (۱)

شہادت کے یہ واقعات اپنے جلو میں ہمارے لیے نصیحت وعبرت کے کئی پہلو لئے ہوئے ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محدثین نے ان پہلوؤں پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، ان واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان قیدی کے لیے یہ جائز ہے

(۱) سیرت ابن ہشام: ۳/ ۱۱۸۔

کہ وہ کافروں کی طرف سے دی جانے والی امان قبول نہ کرے، اور لڑتے ہوئے شہید ہوجائے، اور اگر کوئی قبول کرلیتا ہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، ان واقعات سے سبق ملتا ہے کہ اہل ایمان کو بعض اوقات ابتلاء وآزمائش کے سخت ترین مرحلوں سے بھی گزرنا پڑتا ہے، اللہ تعالیٰ نے عاصم بن ثابت کی یہ دُعا تو قبول کرلی کہ ان کے گوشت پوست کا بے جان جسم کفار کے ناپاک ہاتھوں سے محفوظ رہا، مگر یہ دُعا قبول نہیں کی کہ وہ زندہ سلامت رہیں، محدثین نے لکھا ہے کہ یہ اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ ان کو شہادت سے نوازنا چاہتا تھا، جس سے بڑھ کر کوئی دوسرا اعزاز نہیں ہوسکتا۔(۱)

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی جاں نثاری دیکھئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی محبت اور تعلقِ خاطر کا حال دیکھئے کہ موت آنکھوں کے سامنے ہے، قاتل تلوار لئے کھڑا ہے، صرف یہ کہنے سے ان کی جان بچ سکتی ہے کہ مجھے محمد سے محبت نہیں، اور میں یہ زیادہ پسند کرتا ہوں کہ محمد اس جگہ ہوں اور میں اپنے گھر میں ہوں، مگر وہ یہ نہیں کہتے، بلکہ ڈنکے کی چوٹ پر یہ بات کہتے ہیں کہ میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ ان کی انگلی میں کوئی پھانس چبھ جائے، چہ جائیکہ میں یہ پسند کروں کہ وہ یہاں میری جگہ قتل کیے جائیں، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے کردار کی عظمت اور بلندی دیکھئے کہ ہتھیار ان کے ہاتھ میں ہے اور دشمن کا بچہ ان کی گود میں ہے وہ چاہتے تو اسے قتل کرکے اپنے انتقام کی پیاس بجھالیتے، اور چاہتے تو اسے آڑ بنا کر قید سے نکل جاتے، مگر یہ کام بزدل کرتے ہیں، بلند اخلاق کے حامل لوگ اپنی جان بچانے کی خاطر کسی بے گناہ کی جان نہیں لیتے۔

رجیع کے واقعے پر منافقین کو ہنسنے اور طعنہ زنی کرنے کا ایک اور موقع ہاتھ آگیا، یہ لوگ مدینے کی گلیوں میں کہتے پھرتے تھے ان پاگلوں کو کیا ہوا تھا کہ نہ وہ رسول کا پیغام پہنچا سکے اور نہ اپنوں میں رہ سکے، ان کو تو خیر نصیب ہی نہیں ہوا، اس پر قرآن کریم کی کئی آیتیں نازل ہوئیں، جن میں منافقین کی مذمت کی گئی اور رجیع کے شہداء کے بارے میں فرمایا گیا:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ.(۲) ''اور بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے اپنی جان تک بیچ

(۱) فتح الباری: ۷/۴۴۴۔ (۲) البقرۃ: ۲۰۷۔

ڈالتے ہیں اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے"۔

بئرِ معونہ کا واقعہ

ابھی رجیع کے سانحے کا غم تازہ تھا کہ بئر معونہ کا واقعہ پیش آ گیا، بلکہ یہ دونوں حادثات یکے بعد دیگرے اس طرح رونما ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی خبر تقریباً ایک ساتھ ملی، رجیع کا واقعہ آپ تفصیل سے پڑھ چکے ہیں، اس میں سات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے جامِ شہادت نوش کیا، بئر معونہ کے پاس جو واقعہ پیش آیا، اس میں تقریباً ستر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین دھوکے سے شہید کر دیئے گئے، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین بھی وہ جو سب کے سب حافظ اور قاری تھے، اسی لیے اسے سریۂ قراء بھی کہا جاتا ہے۔

سن چار ہجری صفر کے مہینے میں ابو براء عامر بن مالک مدینے حاضر ہوا، یہ اپنی قوم کا ایک معزز شخص تھا اور قبیلے کے سردار کا بھتیجا بھی تھا، اسے اسلام سے اور مسلمانوں سے ایک گونہ ہمدردی تھی، وہ اپنے ساتھ کچھ تحائف لے کر آیا تھا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفقت اور نرمی کے ساتھ یہ ارشاد فرمایا کہ میں کسی مشرک کا تحفہ قبول نہیں کرتا، آپ نے اسے اسلام کی دعوت بھی پیش فرمائی، اس نے آپ کی دعوت قبول بھی نہیں کی اور قبول کرنے سے انکار بھی نہیں کیا، اس ملاقات میں عامر نے عرض کیا کہ اگر آپ اپنے کچھ رفقائے کار کو اہل نجد کے پاس بھیج دیں تو اس سے بڑا فائدہ ہوگا، آپ کے ساتھی ان میں جا کر دین کا کام کریں گے، میں امید کرتا ہوں کہ وہ آپ کی دعوت پر لبیک کہیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے نجد کے لوگوں پر بھروسہ نہیں ہے، وہ ضرور میرے ساتھیوں کو تکلیف پہنچائیں گے، عامر نے کہا آپ اطمینان رکھیں، ایسا نہیں ہوگا، میں اس کی ضمانت دیتا ہوں۔(۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر کے کہنے پر ستر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا ایک وفد تشکیل دیا اور ان سب پر مُنذِر بن عمرو ساعدی رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نے بنی عامر

(۱) تاریخ الطبری:۲/۸۰، الواقدی فی المغازی:۱/۳۴۶۔

کے سردار عامر بن طفیل کے نام ایک خط بھی لکھا تھا جو امیر کارواں کو دیا گیا تاکہ وہ اسے مکتوب الیہ تک پہنچادیں، یہ سب خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تربیت پائے ہوئے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین تھے، دن میں یہ حضرات لکڑیاں چنتے، شام کو ان کو فروخت کر کے اصحاب صفہ کے کھانے کے بندوبست کرتے، رات کا کچھ حصہ تہجد اور تلاوت قرآن میں گزارتے، ابن ہشام نے انہیں خیار المسلمین لکھا ہے، یعنی یہ مسلمانوں کے سب سے بہتر طبقے سے تعلق رکھتے تھے، ان میں سے کچھ حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں: حارث بن صِمّہ رضی اللہ عنہ، حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ، عروہ بن اسماء بن الصلت رضی اللہ عنہ، نافع بن بُدیل بن وَرقاء خزاعی رضی اللہ عنہ، عامر بن فُہیرہ رضی اللہ عنہ، آخر الذکر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آزادہ کردہ غلام تھے۔(۱)

ان حضرات کا کارواں مدینے سے نکلا، اور اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوا، کئی شب و روز کی مسافت طے کر کے یہ حضرات بئر معونہ پر پہنچے، یہ ایک کنواں ہے، جو بنو سُلیم کی ملکیت تھا، یہ علاقہ بنو عامر اور حرہ بنو سلیم کے درمیان واقع ہے، یہاں پہنچ کر ان حضرات نے کچھ وقت قیام کا ارادہ کیا، بنو عامر کی آبادی یہاں سے قریب تھی، اور ان کے پاس اس قبیلے کے سردار عامر بن طفیل کے نام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی بھی تھا، اس لئے ان حضرات نے حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کو یہ مکتوب دے کر اس کے پاس بھیج دیا اور مطمئن ہوگئے، حضرت حرام رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط اس کو دیا، اس بدبخت دشمن خدا نے خط پڑھے بغیر ہی ایک طرف ڈال دیا، اور اپنے لوگوں کو اشارہ کیا کہ وہ خط لانے والے کو قتل کردیں، ایسا ہی ہوا، جس وقت حضرت حرام رضی اللہ عنہ شہید ہوئے ان کی زبان پر یہ الفاظ تھے: فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ. (ربّ کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا) اس کے بعد اس شخص نے شور مچا کر بنی عامر کو اکٹھا کیا اور انہیں بتلایا کہ محمد کے آدمی ہمارے قریب آچکے ہیں، ہمیں ان کا کام تمام کرنا ہے، لیکن لوگوں نے یہ کہہ کر اس کی بات ماننے سے انکار کردیا کہ ہم ابوبَرّاء کا دیا ہوا عہد توڑنا نہیں چاہتے۔(۲)

(۱) طبقات ابن سعد: ۲/۵۱، ۵۴، البدایہ والنہایہ: ۴/۷۱، ۷۴۔ (۲) صحیح البخاری: ۵/۱۰۶، رقم الحدیث: ۴۰۹۲۔

عامر بن طفیل ایک متکبر، جاہ پسند، اور انتہائی مغرور انسان تھا، وہ دیکھ رہا تھا کہ جزیرۃ العرب پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم غالب آتے جارہے ہیں، اس شخص کو یہ خطرہ محسوس ہورہا تھا کہ اگر محمد غالب آگئے تو اس کی سرداری چھن جائے گی، اس خیال سے پریشان ہوکر وہ مدینے پہنچا، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ تین مطالبات رکھے۔ ۱- بالائی علاقے پر مجھے حکومت کرنے دیں اور میدانی علاقوں پر آپ حاکم بن جائیں۔ ۲- یا آپ پورے علاقے کے بادشاہ بن جائیں اور مجھے اپنا نائب بنادیں۔ ۳- یا پھر میدان جنگ میں مقابلے کے لیے تیار ہوجائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ایک بھی مطالبہ تسلیم نہیں کیا اور اسے ناکام واپس جانا پڑا۔ (۱) اس واقعے سے وہ بہت ناراض تھا، اور کسی موقع کی تلاش میں تھا تاکہ مسلمانوں سے انتقام لے کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لے، اس نے اپنی قوم کو بھڑکایا، مگر کیوں کہ ابو براء پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطمینان دلا چکے تھے کہ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ برا سلوک نہیں ہوگا، میں اس کی ضمانت دیتا ہوں، اس لیے اس کی قوم مسلمانوں کے خلاف کھڑی نہیں ہوئی، اپنی قوم سے مایوس ہوکر اس نے بنوسلیم سے مدد چاہی، قبائل عِصَیّہ اور رِعْل وذکوان اس پر آمادہ ہوگئے کہ وہ مسلمانوں پر حملہ کردیں، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین مطمئن تھے اور اپنے قاصد کی واپسی کا انتظار کررہے تھے کہ اچانک ان قبیلوں کے جوانوں نے چاروں طرف سے انہیں گھیر لیا، مسلمانوں نے بھی تلواریں نکال لیں، جنگ ہوئی، مسلمانوں نے حملے کئے بھی، مگر دشمن تعداد میں بہت زیادہ تھے اور تیاری سے آئے تھے، اس لیے مقابلہ نہ کرسکے، تین کے علاوہ تمام مسلمان شہید ہوگئے، ان میں سے ایک حضرت کعب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ تھے، حملہ تو ان پر بھی ہوا، مگر حملہ آور ان کو مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے، حالاں کہ وہ زندہ تھے اور بعد تک زندہ رہے، انھوں نے غزوۂ خندق میں شہادت پائی، دو صحابی عمرو بن اُمیّہ الضَّمری رضی اللہ عنہ اور مُنذِر بن محمد بن عقبہ رضی اللہ عنہ اس لئے بچ گئے کہ یہ دونوں حضرات جنگل میں مویشی چرانے گئے ہوئے تھے۔ (۲)

(۱) صحیح البخاری: ۵/۱۰۵، رقم الحدیث: ۴۰۹۱۔ (۲) الکامل فی التاریخ: ۲/۱۷۱،۱۷۲۔

حضرت منذر رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کی گرفتاری

جنگل میں بیٹھے بیٹھے ان دونوں حضرات نے آسمان کی طرف دیکھا، جس جگہ ان کا قافلہ پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا اس سمت انہیں آسمان پر پرندے اڑتے ہوئے نظر آئے، یہ دونوں حضرات سمجھ گئے کہ ان کے ساتھیوں پر کوئی اُفتاد آپڑی ہے، واپس پہنچے تو دیکھا کہ تمام ساتھی خون میں لت پت پڑے ہوئے ہیں اور ان کے اونٹ خاموش کھڑے ہیں، حضرت منذر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہمیں واپس مدینے چلنا چاہئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے کی خبر دینی چاہئے، عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اطلاع تو ہو ہی جائے گی، ہم کیوں شہادت کا موقع اپنے ہاتھ سے جانے دیں، اس کے بعد دونوں آگے بڑھے، دشمن کو للکارا، حضرت منذر رضی اللہ عنہ تو وہیں لڑتے لڑتے شہید ہوگئے، اور حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کو گرفتار کرلیا گیا، جب عامر بن طفیل کو یہ معلوم ہوا کہ عمرو بن اُمیہ رضی اللہ عنہ مضر قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں تو اس نے ان کے سر کے بال کاٹ کر یہ کہتے ہوئے آزاد کردیا کہ میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی نذر مانی تھی۔(۱)

آزاد ہونے کے بعد حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ مدینے روانہ ہوئے، راستے میں ایک جگہ پڑتی ہے، قرقرہ، یہ صحابی وہاں ٹھہرے ہوئے تھے، اتنے میں دو اجنبی شخص وہاں آئے، آپس میں تعارف ہوا، معلوم ہوا کہ دونوں کا تعلق بنی عامر کی شاخ بنی کلاب سے ہے، جب یہ دونوں سوگئے تو حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ نے موقع پاکر ان دونوں کو قتل کردیا، اور یہ سوچ کر خوش ہونے لگے کہ انھوں نے اپنے شہیدوں کا بدلہ لے لیا ہے، کیوں کہ بنی عامر کا سردار عامر بن طفیل ہی اس پورے سانحے کا ذمہ دار تھا، جب حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے مدینے پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے احوال سنائے اور اپنا یہ کارنامہ بھی بتلایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئے، پھر فرمایا اے عمرو! تم نے دو ایسے آدمیوں کو قتل کردیا ہے جن کی دیت مجھے دینی پڑے گی، دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بنی عامر کے مابین ایک دوسرے کے تحفظ کا معاہدہ تھا، ہوسکتا ہے حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ اس معاہدے سے

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۳/ ۱۲۷، ۱۳۰۔

ناواقف رہے ہوں، اور یہ بھی ممکن ہے وہ واقف ہوں مگر قبیلے کے سردار کی اس حرکت سے انھوں نے یہ سمجھا ہو کہ اب معاہدہ باقی نہیں رہا۔(۱)

حضرت عامر بن فُہَیرہ رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت عامر بن فُہَیرہ رضی اللہ عنہ سے تاریخِ اسلام اور سیرتِ نبوی سے دل چسپی رکھنے والا ہر شخص واقف ہے، وہ ان لوگوں میں شامل ہیں جنھوں نے سب سے پہلے ایمان قبول کیا، ہجرت کے موقع پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دیرینہ رفیق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکے سے نکلے تو عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ واحد شخص ہیں جن کو ان دونوں حضرات نے اپنے ساتھ رکھنے کے لیے منتخب کیا تھا، یہ ایک بہادر، جفاکش، ایمان دار اور وفاکیش انسان تھے، رات کے اندھیرے میں جب یہ دونوں حضرات غارِ ثور کی طرف بڑھے تو حضرت عامر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ تھے، بعد میں جب یہ دونوں غارِ ثور میں روپوش رہے تو تازہ دودھ فراہم کرنے کے لیے حضرت عامر رضی اللہ عنہ بکریوں کو لے کر آتے اور واپس چلے جاتے، حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ کے نشانات قدم مٹانے کے لیے بھی حضرت عامر رضی اللہ عنہ بکریوں کو لے کر اسی راستے پر چلتے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ صاحب زادی جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دس سال بڑی تھیں رات کے اندھیرے میں کھانا لے کر آیا کرتی تھیں، جب ہجرت کرنے والوں کا یہ کارواں غارِ ثور سے یثرب کی طرف بڑھا تو حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ راستے کی رہ نمائی کے لیے اور ان دونوں حضرات کی مدد کے لیے اس قافلے کے تیسرے فرد تھے، اس طرح انہیں سب سے پہلے ہجرت کرنے والوں میں شامل ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

بئر معونہ والے دن زندہ بچ جانے والوں میں صرف حضرت عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ عنہ تھے، عامر بن طفیل نے ان سے پوچھا کہ کیا تم اپنے ساتھیوں سے واقف ہو، اگر واقف ہو تو بتلاؤ کہ یہ لوگ جواب لاشوں میں تبدیل ہوگئے ہیں، کون ہیں، کس قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں، اور ان کا حسب نسب کیا ہے، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ ایک ایک صحابی کو

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی: ۲۰/۳۵۶۔

دیکھتے اور بتلاتے کہ یہ فلاں ہیں، اور فلاں قبیلے سے ان کا تعلق ہے، عامر بن طفیل نے پوچھا کیا تمہارے تمام ساتھی یہاں موجود ہیں، یا کوئی کم بھی ہے، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے بتلایا کہ میرا ایک ساتھی ان میں موجود نہیں ہے، وہ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے آزادہ کردہ غلام تھے، عامر بن طفیل نے سوال کیا، تم لوگوں میں وہ کس حیثیت کے حامل تھے، انھوں نے جواب دیا وہ ہم سب میں افضل تھے، عامر بن طفیل نے بتلایا کہ اس کی لاش تو اوپر آسمان کی طرف پرواز کر گئی ہے۔

بخاری شریف میں یہ واقعہ اس طرح ہے کہ بئر معونہ میں جب تمام صحابہ شہید کردئے گئے تو تنہا زندہ رہ جانے والے صحابی حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ سے عامر بن طفیل نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ اس نے ایک لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ سوال کیا، حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا یہ تو عامر بن فُہیرہ ہیں، عامر بن طفیل نے کہا قتل ہونے کے بعد میں نے دیکھا کہ اس کی لاش آسمان کی طرف اٹھالی گئی ہے، میں نے خود اسے آسمان اور زمین کے درمیان دیکھا، پھر اسے لاکر نیچے رکھ دیا گیا۔(۱)

حضرت جبّار بن سُلمی رضی اللہ عنہ جو عامر بن فُہیرہ رضی اللہ عنہ کے قاتل ہیں کہتے ہیں کہ جس وقت میں نے ان کے نیزہ مارا ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے: فزت واللہ. ''خدا کی قسم میں کامیاب ہوگیا'' میں نے دل میں سوچا بندہ جان سے جارہا ہے اور کامیابی کے دعوے کررہا ہے، یہ الفاظ سن کر مجھے بڑی حیرت ہوئی، میں نے ضحّاک سے یہ واقعہ بیان کیا اور پوچھا کہ بھلا یہ کیسی کامیابی تھی جو اس کو ملی، انھوں نے بتلایا کہ وہ کامیابی جنت ہے، جو اس نے شہید ہوکر حاصل کرلی، میں یہ سن کر مسلمان ہوگیا، ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کی لاش آسمان پر اٹھالی گئی، جبار بن سلمی رضی اللہ عنہ نے یہ منظر دیکھا، اور اسلام قبول کرلیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ سن کر ارشاد فرمایا کہ فرشتوں نے ان کے جثّے کو چھپالیا اور اسے علیین میں لے جاکر رکھ دیا۔(۲)

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ لاش کو آسمان کی طرف اٹھانے اور پھر زمین پر رکھنے

(۱) صحیح البخاری: ۱۰۶/۵، رقم الحدیث: ۴۰۹۳۔ (۲) الخصائص الکبری: ۲۲۳/۱۔

کا ذکر صرف بخاری میں ہے، حدیث کی دوسری کتابوں میں زمین پر رکھنے والی بات نہیں ملی، لوگوں میں یہ بات مشہور تھی کہ فرشتوں نے ان کو آسمان میں چھپالیا۔(۱)

شہادت کے ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے دلوں میں شہادت کی بڑی تمنا تھی، بئر معونہ میں جو لوگ شہید ہونے سے رہ گئے تھے وہ زندہ سلامت واپس بھی جاسکتے تھے، مگر انھوں نے زندہ رہنے پر شہید ہونے کو ترجیح دی، حقیقت یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے شہادت کے اس قدر فضائل بیان کیے ہیں کہ ہر صحابی رضی اللہ عنہم اجمعین شہید ہو کر مرنا چاہتا تھا، شہید کو آخرت کی زندگی میں جو اجر وثواب ملنے والا ہے اور اللہ کے نزدیک اس کی جو قدر ومنزلت ہونے والی ہے ہم زندہ لوگ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، ایک حدیث میں چھ انعامات کا تذکرہ ہے جو شہید کو حاصل ہوں گے، ان میں سے ہر انعام دنیا ومافیہا سے ہزار درجہ بہتر ہے، حضرت مِقدام بن مَعدِ یکرَب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شہید کے لیے اللہ کے یہاں چھ انعامات ہیں: (۱) جیسے ہی اس کے بدن سے خون نکلتا ہے اس کی مغفرت کردی جاتی ہے (۲) وہ جیتے جی جنت میں اپنا ٹھکانا دیکھ لیتا ہے (۳) اس کو قبر کے عذاب سے محفوظ کردیا جاتا ہے (۴) وہ قیامت کے دن کی ہولناکیوں سے محفوظ رہے گا (۵) اس کو ایمان کا لباس پہنایا جائے گا (۶) اس کا نکاح حورِ عِین سے کیا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صدمہ

بخاری شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت یہ لوگ شہید ہوئے ان کی زبانوں پر یہ الفاظ تھے: اے اللہ! ہمارے اس حال کی خبر ہمارے بھائیوں تک پہنچا دے کہ ہم تجھ سے راضی ہیں اور تو ہم سے راضی ہے، چناں چہ بہ ذریعے وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دے دی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے فرمایا کہ تمہارے ساتھیوں کے ساتھ یہ حادثہ پیش آیا ہے۔(۲) اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا: یہ ابو براء کا مشورہ تھا، میں اس کو ناپسند کر رہا تھا اور اس سے خائف بھی تھا۔(۳)

(۱) الخصائص الکبریٰ: ۱/۲۲۳۔ (۲) صحیح البخاری: ۵/۱۰۶، رقم الحدیث: ۴۰۹۳۔ (۳) سیرت ابن ہشام: ۳/۱۲۹۔

روایات میں ہے کہ بئر معونہ کے واقعے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ صدمہ پہنچا، آپ ایک ماہ تک مسلسل فجر کی نماز کے آخری رکوع میں قنوت نازلہ پڑھتے رہے، اور قبائل رِعْل وذَکْوان کے ظالموں کے خلاف بددعا کرتے رہے، جنھوں نے بے گناہ اور بے قصور مسلمانوں کو انتہائی بے دردی کے ساتھ شہید کردیا تھا، بئر معونہ کے واقعے سے یہ سنت مسلمانوں کو ملی کہ وہ فجر کی نماز کے آخری رکوع میں سجدے کے اندر جانے سے پہلے ہاتھ چھوڑ کر کھڑے ہوں اور قنوت نازلہ پڑھ کر ظالموں اور دشمنوں کے خلاف بددعا کریں۔(۱)

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دُعا قبول فرمائی، عامر بن طفیل طاعون کے مرض میں مبتلا ہوکر اپنے آخری انجام کو پہنچا، وہ ایک بدکار عورت کے گھر میں جسے بستی والوں نے شہر بدر کردیا تھا، مردہ پایا گیا۔(۲)

بنونضیر کی بدعہدی اور غداری

دوسری صدی عیسوی میں رومیوں کی سخت گیری کی وجہ سے یہود کے چند قبائل یثرب میں آکر آباد ہوگئے تھے، مدینہ منورہ سے دو میل کے فاصلے پر عوالی نامی ایک بڑی وادی ہے، وہاں بنونضیر اور بنوقُریظہ نے فلسطین سے آکر پڑاؤ ڈالا، یہ جگہ مسجد قبا کے قریب واقع ہے، اوس وخزرج دو بڑے قبیلے یثرب میں صدیوں سے رہ رہے تھے، ترک وطن کرکے یہاں آنے کے بعد بنی نضیر خزرج کے حلیف بن گئے، اور بنوقریظہ نے اوس کا دامن تھام لیا، اوس وخزرج ہمیشہ ایک دوسرے سے برسر پیکار رہتے تھے، دونوں کے درمیان بے شمار جنگیں ہوئیں اور دونوں قبیلوں کو لاتعداد جانیں گنوانی پڑیں، حلیف ہونے کی حیثیت سے بنونظیر خزرج کی اور بنوقریظہ اوس کی حمایت کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری تک یہ دونوں قبیلے اسی طرح دست وگریباں رہے، تا آنکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو اخوتِ اسلامی کے رشتے میں اس طرح پرودیا کہ جو لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے رہتے تھے وہ ایک دوسرے پر جان نچھاور کرنے لگے، یہ صورت حال

(۱) اعلاء السنن نقلاً عن البخاری ومسلم: ۶/۹۵،۹۶۔ (۲) صحیح البخاری: ۵/۱۰۵، رقم الحدیث: ۴۰۹۱۔

یہودیوں کو پسند نہ تھی، ان کا سیاسی اور اقتصادی مستقبل اوس وخزرج کی لڑائی میں پوشیدہ تھا، یہاں آکر بنونظیر اور بنوقریظہ نے کھجور کے باغات بھی لگالئے تھے، چھوٹے چھوٹے قلعے اور گڑھیاں بھی بنالی تھیں، حجاز کے غلّے کی درآمد اور یثرب کے چھواروں اور کھجوروں کی برآمد پر ان دونوں قبیلوں کا پوری طرح کنٹرول تھا، مرغ بانی اور ماہی گیری بھی زیادہ تر انہی کے قبضے میں تھی، اوس وخزرج کو لڑائیوں سے اتنی فرصت کہاں تھی کہ وہ اپنی اقتصادی ترقی پر دھیان دیتے۔(۱)

بنونضیر اور بنوقریظہ سمیت تمام یہودی قبائل اسلام اور مسلمانوں سے حسد کرتے تھے، مگر وہ مرد میدان نہیں تھے، بلکہ عورتوں کی طرح سازشوں اور دسیسہ کاریوں میں مصروف رہتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے ساتھ ہی ان کی عداوت کا سلسلہ شروع ہوا اور مسلسل جاری رہا، یہاں تک کہ بنوقینقاع کی جلاوطنی عمل میں آئی، ایک بڑے یہودی سردار کعب بن اشرف کے قتل کا واقعہ پیش آیا تو ان کے حوصلے ٹوٹ گئے، اور وہ خوف زدہ ہوکر بیٹھ گئے، لیکن اُحد کی جنگ میں مسلمانوں کو جو ہزیمت اٹھانی پڑی اس سے ان کی جرأت پھر لوٹ آئی، انھوں نے کھلم کھلا اپنی اسلام دشمنی کا مظاہرہ شروع کردیا، رجیع اور بئر معونہ کے واقعات نے تو ان کے دلوں سے مسلمانوں کا خوف بالکل ہی ختم کردیا اور وہ انہیں نرم چارہ سمجھنے لگے، مدینے کے منافقین اور مکّے کے مشرکین کے ساتھ ان کے روابط بڑھ گئے اور وہ مسلمانوں کو یثرب سے نکالنے کا خواب دیکھنے لگے۔(۲)

دوسرے قبائل یہود کی طرح بنونضیر سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے کسی دشمن کو اپنے یہاں پناہ نہیں دیں گے، انھوں نے اس معاہدے کی خلاف ورزی کی، رسول اللہ کے دشمنوں کو اپنے یہاں ٹھہرایا اور مدینے کے ایسے ٹھکانوں کی طرف ان کی رہنمائی کی جہاں سے وہ مسلمانوں کو آسانی سے نشانہ بنا سکتے تھے، اس کی ایک مثال غزوۂ سَوِیق ہے، غزوۂ بدر کے بعد سفیان بن حرب نے یہ نذر مانی تھی کہ وہ اس وقت

(۱) کتاب الاغانی للاصفہانی: ۲۲/۳۴۴، السیرۃ الحلبیہ: ۲/۲۶۴، معجم البلدان: ۵/۲۹۰۔ (۲) التاریخ السیاسی والعسکری ص: ۱۸۸، ۱۸۹۔

تک اپنا سر نہیں دھوئے گا جب تک مدینے پر حملہ نہ کر دے، اس کے بعد وہ دو سو سواروں کو لے کر مدینے کی طرف آیا، بنو نضیر کے سردار سلام بن مشکم نے ان حملہ آوروں کا استقبال کیا، ان کی ضیافت کی، اور ان کو خفیہ معلومات فراہم کیں، یہ اور بات ہے کہ مدینے کے جاسوس ان حرکتوں سے پوری طرح باخبر تھے، اس لیے سفیان کو منہ کی کھانی پڑی، موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ بنو نضیر نے قریش کے ساتھ مل کر سازشیں کیں، اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) قتل کرنے پر اکسایا، اور ان کو مدینے کی معلومات بھی فراہم کیں۔(۱)

تازہ واقعہ یہ پیش آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کچھ اصحاب کے ساتھ بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے، اور ان سے قبیلۂ بنی عامر کے دو مقتولوں کی دیت میں اپنا حصہ ادا کرنے کا مطالبہ فرمایا، بئر معونہ کے واقعے میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ اس سانحے میں صرف ایک صحابی عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ زندہ بچ گئے تھے، باقی تمام انہتر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو رعل وذکوان وغیرہ قبائل عصیہ نے شہید کر دیا تھا، عامر بن طفیل نے انہیں یہ کہہ کر آزاد کر دیا تھا کہ میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی نذر مانی تھی، آزاد ہونے کے بعد مدینے کی طرف جاتے ہوئے ایک مقام پر انھوں نے بنی عامر کے دو آدمیوں کو یہ سوچ کر قتل کر دیا تھا کہ یہ دشمن کے قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں، حالاں کہ یہ قبیلہ دشمن نہیں تھا، بلکہ اس نے تو صحابہ کے خلاف تلوار اٹھانے سے صاف انکار کر دیا تھا، صرف اس قبیلے کا سردار عامر بن طفیل مسلمانوں کا دشمن تھا اور اسی نے دوسرے قبائل کو اکسا کر یہ قتل عام کرایا تھا، بنی عامر کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ تھا، اس زمانے میں اگر دو قبیلے ایک دوسرے کے ساتھ معاہدہ کرتے تھے تو اس میں یہ شق بھی شامل ہوتی تھی کہ اگر ایک قبیلے کے کسی شخص نے اپنے دوست قبیلے کی کسی فرد کو قتل کر دیا تو اس کا قصاص لیا جائے گا یا اس کی دیت ادا کرنی ہوگی، اس لئے جب عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر قتل کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا تم نے دو ایسے آدمیوں کو قتل کر دیا ہے جن کی دیت مجھے ادا

(۱) تاریخ الطبری: ۲/۲۸۴، فتح الباری: ۷/۲۸۴۔

کرنی ہوگی، قتل کی دیت میں سو اونٹ ادا کرنے ہوتے تھے۔

جن قبائل سے معاہدہ ہوتا تھا وہ ہر معاملے میں شریک سمجھے جاتے تھے، یہاں تک کہ دیت کی ادائیگی میں بھی وہ اپنے حصے کے اونٹ دیا کرتے تھے، بنونضیر سے مسلمانوں کا معاہدہ تھا، اس معاہدے کی رو سے یہ ضروری تھا کہ وہ لوگ ان دو مقتولوں کی دیت میں اپنا حصہ ڈالیں، اسی مقصد کے لیے آپ بنونضیر کے پاس تشریف لے گئے، بنونضیر نے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا، اور عرض کیا اے ابو القاسم! ہم ضرور آپ کی مدد کریں گے اور جو آپ چاہتے ہیں وہ دیں گے، آپ تشریف رکھیں، ہم آپ کی ضیافت کا نظم کرتے ہیں، اس کے بعد وہ لوگ مشورہ کرنے کے لیے چلے گئے، بہ ظاہر ایسا لگ رہا تھا کہ وہ دیت کی ادائیگی کے سلسلے میں ایک دوسرے سے مشورہ کرنے کے لیے کہیں گئے ہیں، لیکن درحقیقت وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش کر رہے تھے، مشاورت کی اس مجلس میں یہ بات زیر بحث رہی کہ اس شخص کو (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو کس طرح قتل کیا جائے، کچھ لوگوں کی رائے تھی کہ یہ موقع بہت اچھا ہے، محمد اپنے ساتھیوں کے ساتھ فلاں گھر کے سائے میں بیٹھے ہیں، اگر اوپر سے ان کے اوپر کوئی بڑا پتھر گرا دیا جائے تو ہمیں ان سے نجات مل جائے گی، یہ تجویز عام طور پر سب نے پسند کی، اس کے بعد اس شخص کی تلاش شروع ہوئی جو یہ پتھر گرانے کی ذمہ داری قبول کرے، عمرو بن جحاش بن کعب نے کہا کہ میں یہ کام زیادہ بہتر طریقے سے انجام دے سکتا ہوں، سلام بن مشکم اس رائے کا مخالف تھا، اس نے اپنے لوگوں سے کہا کہ ایسا مت کرو، محمد کو تمہاری سازش کا پتہ چل جائے گا، ہمارے اور ان کے درمیان ایک عہد بھی ہے، ایسا کرنے سے وہ عہد بھی ٹوٹ جائے گا، سلام بن مشکم نے بہت روکا مگر یہودیوں نے اس کی بات نہیں مانی۔(۱)

عمرو بن جحاش اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے چھت پر چڑھ گیا، قریب تھا کہ وہ ایک بڑی چٹان نیچے کی طرف اس جگہ پھینکتا جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ اچانک ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) طبقات ابن سعد: ۲/ ۵۷، تفسیر ابن کثیر: ۸/ ۸۳۔

اپنی جگہ سے اٹھے، اور مدینے کی طرف چل دئے، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم یہ سمجھتے رہے کہ شاید آپ کسی ضرورت سے تشریف لے گئے ہیں، جب دیر ہوگئی تو یہ حضرات تلاش میں نکلے، اتنے میں ایک شخص مدینے کی طرف سے آتا ہوا ملا، اس نے بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو مدینے میں ہیں، یہ حضرات بھی واپس ہوگئے، مدینے پہنچے اور حاضر خدمت ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بنو نضیر کی سازش کے متعلق بتلایا، اور یہ بھی بتلایا کہ مجھے وحی کے ذریعے اس کی خبر دی گئی تھی، میں وہاں سے تیزی کے ساتھ اٹھا اور مدینے آگیا، یہود کو جب یہ معلوم ہوا کہ آپ تشریف لے جا چکے ہیں تو انہیں بڑی ندامت ہوئی، سلام بن مشکم اور کنانہ بن صُوریا یہودی نے اس منصوبے سے اختلاف کیا تھا، اب انہیں موقع ملا تو کہنے لگے کہ تمہیں پتہ چل چکا ہوگا کہ محمد کیوں اٹھ کر چلے گئے ہیں خدا کی قسم! ان کو تمہاری غداری کا علم ہوگیا، وہ اللہ کے رسول ہیں۔(۱)

بنو نضیر پر حملے کا اعلان

اس واقعے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے میں یہ اعلان فرمادیا کہ بنو نضیر کو اس کی عہد شکنی، غداری اور رسول اللہ کو قتل کرنے کی سازش کا مزہ چکھایا جائے گا، تمام صحابہ بنو نضیر کی طرف چلنے کے لیے تیار ہوجائیں، حسب معمول آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے پر حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو عامل مقرر فرمایا، اور خود صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ بنو نضیر کی طرف روانہ ہوگئے، یہ واقعہ ربیع الاول سن چار ہجری کا ہے، مسلمانوں کا لشکر اپنی طرف بڑھتا ہوا دیکھ کر بنو نضیر نے اپنے قلعوں کے دروازے بند کر لئے، انہیں یقین تھا کہ ان کے قلعے ناقابل تسخیر ہیں، دوسری طرف انہیں بیرونی امداد کی پوری امید تھی، کیوں کہ رئیس المنافقین عبد اللہ بن اُبی نے انہیں یہ پیغام بھجوایا تھا کہ گھبرانا نہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں، اگر جنگ ہوئی تو ہم تمہارے شانہ بہ شانہ لڑیں گے، اور اگر تمہیں یہاں سے نکالا گیا تو ہم بھی نکل جائیں گے، ویسے تم ہرگز یہاں سے نہ نکلنا، میرے ساتھ میری قوم کے دو ہزار آدمی ہیں، وہ تمہارے پاس آکر تمہارے قلعوں میں رہیں گے،

(۱) تفسیر ابن جریر الطبری: ۶/۱۴۴، ۱۴۵، کتاب المغازی للواقدی: ۱/۳۶۵۔

اور تمھیں بچانے کے لیے ان میں سے ایک ایک شخص اپنی جان قربان کردے گا۔(۱)

بنو نضیر کا محاصرہ

یہود قلعہ بند ہوکر بیٹھ گئے اور عبد اللہ بن اُبی کی مدد کا انتظار کرنے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد بن مَسلمہ رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس یہ پیغام لے کر روانہ فرمایا کہ تم سب لوگ میرے شہر سے نکل جاؤ، تم نے عہد شکنی کی ہے، میں تمھیں دس دن کی مہلت دیتا ہوں، اس کے بعد اگر کوئی شخص یہاں نظر آیا، اس کی گردن اڑادی جائے گی، یہود نے کوئی جواب نہیں دیا، ان کو بھروسہ تھا کہ قبیلۂ اوس کے لوگ ان کی مدد کو آئیں گے، ان کو یہ بھی یقین تھا کہ عبد اللہ بن اُبی کا لشکر بھی امروز فردا میں یہاں آنے والا ہے، محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر وہ یہ سمجھے تھے کہ وہ قبیلۂ اوس کا کوئی پیغام لے کر آئے ہیں، اس کا اظہار انھوں نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سے کیا بھی، انھوں نے کہا کہاں کا اوس اور کیسا خزرج، اب سب ایک ہیں، دِل بدل گئے ہیں، اسلام نے وہ تمام معاہدے اور میثاق مٹا ڈالے ہیں جو ایک قبیلے کے دوسرے قبیلے کے ساتھ تھے، یہود نے جلاوطن ہونے سے صاف انکار کردیا، ان کے ایک سردار حُیی بن اَخطب نے قاصد کو بھیج کر یہ پیغام دیا کہ ہم یہاں سے ہلنے والے نہیں ہیں، آپ کا جو دل چاہے کریں، یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نعرۂ تکبیر بلند کیا، تمام مسلمانوں نے بھی نعرۂ تکبیر کہا، آپ نے فرمایا: یہود جنگ چاہتے ہیں۔(۲)

مسلمانوں کا محاصرہ چار دن تک جاری رہا، اس دوران مسلمانوں نے بنو نضیر کے کھیت کاٹ لئے، اور باغات جلا ڈالے، یہ منظر دیکھ کر یہود بلبلا اٹھے، اور چیخ چیخ کر کہنے لگے، اے محمد! آپ تو زمین میں فساد پھیلانے سے روکتے تھے، اور جو یہ کام کرتا تھا اس کی مذمت کرتے تھے، اب آپ خود ہی آگ لگوا رہے ہیں، اور درختوں کو کٹوا رہے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا، اس وقت آپ نے جو کیا سب اللہ کے حکم سے تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی یہ آیت اسی سلسلے میں نازل ہوئی: مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۳/۱۴۲، تاریخ الطبری: ۲/۵۵۳۔ (۲) تاریخ الطبری: ۲/۵۵۳، السیرۃ الحلبیہ: ۳/۱۳۶۔

الْفَاسِقِينَ. (۱) ''ہم نے کھجور کے جو درخت کاٹے یا انہیں اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا تو یہ سب اللہ کے حکم سے تھا اور اس لیے تاکہ اللہ نافرمانوں کو رسوا کرے''۔

بنو نضیر ڈر گئے

یہ صورت حال دیکھ کر یہودی خوف زدہ ہو گئے، کہاں تو وہ اس قدر شیر ہو رہے تھے کہ اپنی جگہ سے ایک انچ بھی ہٹنے کے لیے تیار نہیں تھے اور کہاں معافی اور جاں بخشی کی درخواست پر اتر آئے، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ پیغام بھیجا کہ آپ ہمیں امان عطا کریں، اور یہاں سے نکلنے دیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جان بخش دی، حالاں کہ وہ اس قابل نہیں تھے کہ ان کی جان بخشی جاتی، بلکہ ایک نبی کو قتل کرنے کی سازش کرنا ان کا اتنا بڑا جرم تھا کہ اس کی پاداش میں ان کو قتل کرنے کا حکم صادر کیا جاتا، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سراپا رحمت تھے اور آپ کے دل میں انسانیت کے لیے بے پناہ شفقت تھی، آپ نے ان کی اس درخواست پر فراخ دلی سے فرمایا: جاؤ، چلے جاؤ، آپ نے ان کو جانے کی اجازت ہی نہیں دی بلکہ یہ بھی فرمایا کہ تم اپنے اونٹوں پر جس قدر ساز و سامان لاد کر لے جا سکتے ہو، وہ بھی لے جاؤ، ہاں اسلحہ لے جانے کی اجازت نہیں ہے۔ (۲)

بنو نضیر جلا وطن کیے گئے

اس اجازت اور رخصت کے بعد بنو نضیر نے اپنے اونٹوں پر سامان لادنا شروع کیا، جو کچھ وہ لے جا سکتے تھے انھوں نے اونٹوں پر رکھا، یہاں تک کہ انہوں نے اپنے گھروں میں لگے ہوئے لکڑی کے در، دروازے اور کڑیاں تک اتار کر رکھ لیں، قافلے میں چھ سو اونٹ تھے جو سب کے سب سامان سے لدے ہوئے تھے، عورتیں اور بچے بھی ان پر سوار تھے، مرد پیادہ پا تھے، ان کے پیچھے غلام اور باندیاں گاتے بجاتے چل رہے تھے، موسیقی کے آلات بھی ساتھ تھے، ایسا لگ رہا تھا جیسے یہ لوگ نکالے نہ جا رہے ہوں بلکہ کسی تفریحی سفر پر روانہ ہو رہے ہوں، دراصل یہ اپنی کھسیاہٹ، جھلاہٹ اور مایوسی کو چھپانے

(۱) الحشر: ۵۔ (۲) سیرت ابن ہشام: ۳/ ۱۳۲۔

کی ایک تدبیر تھی، بعض لوگوں نے سونا چاندی بھی اونٹوں پر لادا، تنہا سلام بن اُبی حقیق نے بیل کی کھال سے بنے ہوئے تھیلے میں سونا چاندی بھر رکھا تھا، وہ کہہ رہا تھا کہ یہ ہے اصل سرمایہ جو ہمارے کام آئے گا، یہاں ہمارے باغات چھین لئے گئے، لیکن خیبر میں ہم نئے باغ خرید لیں گے، یہود کے انخلاء کے اس عمل کی نگرانی محمد بن مَسلَمہ رضی اللہ عنہ نے کی، بنی نضیر کی بڑی تعداد شام کی طرف روانہ ہوگئی، کچھ لوگ خیبر میں ٹھہر گئے، ان میں سلام بن اُبی حقیق، حيي بن اخطب، کنانہ بن الربیع بن اُبی حقیق وغیرہ قابل ذکر ہیں، خیبر میں ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا، اوران کی سیادت کو تسلیم کیا گیا، قبیلۂ بنو نضیر کے صرف دو شخص یہاں رہ گئے، ایک یامین بن عمیر، اور دوسرے ابوسعد بن وہب، یامین اور ابوسعد نے اس شرط پر اسلام قبول کرلیا کہ ان کے اموال انہی کے پاس رہیں گے، چناں چہ جو کچھ ان کا تھا وہ ان کو دے دیا گیا، باقی کھیت، باغات وغیرہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ تصرف میں آگئے، یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یامین سے فرمایا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ عمرو بن جحاش میرے ساتھ کیا کرنا چاہتا تھا، اس پر وہ خاموش رہے، لیکن انھوں نے کرائے پر ایک آدمی کو تیار کیا، اس نے عمرو بن جحاش کو قتل کر ڈالا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یامین سے یہ شکوہ اس لیے کیا تھا کہ عمرو بن جحاش ان کا چچازاد بھائی تھا۔(۱)

بنو نضیر کے انخلاء کے بعد ان کے بچے کھچے مکانوں سے پچاس زرہیں، پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں نکلیں، کھیتی کی زمینیں اور کھجوروں کے باغات بھی ہاتھ آئے، اور بھی کچھ ساز و سامان رہا ہوگا، یہ مال فئ تھا، شریعت کی اصطلاح میں فئ اس مال کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کو بغیر لڑے ہاتھ آجائے، اس مال پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا حق تھا کہ آپ جس طرح چاہتے استعمال کرتے، لیکن آپ نے یہ تمام مال واسباب مہاجرین پر تقسیم فرمادیا، اب تک مہاجرین کی بڑی تعداد انصار کے گھروں میں مقیم تھی، ایک دن آپ نے ثابت بن قیس کو طلب فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ تم اپنی قوم کو یہاں بلا کر لاؤ، انھوں نے عرض کیا: خزرج کو؟ آپ نے فرمایا: نہیں! اوس وخزرج سب کو، حسبِ حکم سب لوگ حاضر

(۱) البدایہ والنہایہ:۴/۸۶، السیرۃ الحلبیہ :۲/۵۶۵۔

خدمت ہوگئے، اس کے بعد آپ نے خدا کی حمد وثنا بیان کی، مہاجرین کے ساتھ انصار کی مہربانیوں کا ذکر فرمایا، اس کے بعد فرمایا: اے گروہ انصار، اگر تم چاہو تو میں بنونضیر کا تمام مال تم میں اور مہاجرین میں برابر برابر تقسیم کردوں، اور مہاجرین حسب سابق تمہارے ساتھ رہیں، اور اگر تم چاہو تو میں یہ مال مہاجرین کو دے دوں، اور وہ تمہارے گھر خالی کردیں، انصار نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم دل سے اس بات پر راضی ہیں کہ آپ یہ تمام مال مہاجرین کو عطا فرمادیں، اس کے بعد بھی مہاجر بھائی ہمارے ساتھ ہی ہمارے گھروں میں قیام کریں، انھوں نے یہاں تک کہا کہ آپ یہ مال بھی مہاجر بھائیوں کو دے دیں، اور ہمارے مال میں سے بھی جتنا چاہیں ان کو دے دیں، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے حد خوش ہوئے، اور یہ دُعا دی، اے اللہ! انصار اور ان کی اولاد پر اپنی خاص مہربانی فرما، اس کے بعد انصار سے فرمایا: اے گروہ انصار اللہ تمہیں اس ایثار کا بہترین صلہ دے، ہمارے اور تمہارے تعلق پر غنوی شاعر کا یہ شعر صادق آتا ہے:

جزى الله عنا جعفرا حين ازلقت　　　بنا نعلنا فى الواطئين فزلّت

أبو أن يملّون ولو أن أمّنا　　　تلاقى الذى يلقون منا لملّت

اللہ جعفر کو جزائے خیر دے کہ جب ہم نے پہلا قدم رکھا اور ٹھوکر کھائی تو انہوں نے ہمیں سنبھال لیا، اور وہ ہم سے اکتائے نہیں، حالاں کہ جو کچھ ہماری طرف سے پیش آرہا تھا اسے دیکھ کر تو ہماری ماں بھی اکتا جاتی۔

بہ ہر حال آپ نے تمام مال مہاجرین کو دے دیا، انصار میں سے صرف اُبودُجانہ رضی اللہ عنہ اور سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو بھی کچھ دیا گیا، کیوں کہ یہ دونوں حضرات غربت کی وجہ سے اس کے مستحق تھے۔

اس تقسیم سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ انصار کا بوجھ ہلکا ہوگیا، مہاجرین انصار کے گھروں سے نکل کر بنونضیر کے مکانوں میں چلے گئے، بہت سے مہاجر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو خوش حالی میسر آگئی۔(۱)

(۱) صحیح مسلم: ۳/۱۳۷۶، رقم الحدیث: ۱۷۵۷، المواہب اللدنیہ للزرقانی: ۲/۸۶، سیرت ابن ہشام: ۳/۱۳۳۔

غزوۂ ذات الرّقاع

ابھی غزوۂ بنی نضیر کو گذرے دو ماہ بھی نہیں ہوئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک اور غزوے کے لیے نکلنا پڑا، اس غزوے میں آپ کے ساتھ چار سو اور بعض روایات کے مطابق سات سو، یا آٹھ سو افراد تھے، یہ غزوہ اسی سال جمادی الاولیٰ میں پیش آیا، حالاں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ غزوۂ ذات الرقاع خیبر کے بعد ہوا، (۱) واقدی اور ابن سعد کہتے ہیں یہ غزوہ محرم پانچ ہجری میں ہوا، (۲) بعض مؤرخین خندق کے بعد کہتے ہیں، حافظ ابن اسحاق کی تحقیق یہ ہے کہ یہ واقعہ غزوہ بنو نضیر کے بعد پیش آیا، اکثر مصنفین سیر و مغازی نے یہی قول اختیار کیا ہے (۳) حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر بڑی تفصیلی بحث کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ ذات الرقاع میں صلوۃ خوف پڑھی گئی ہے، اگر یہ غزوہ؛ خندق سے پہلے ہوا ہوتا تو آپ غزوۂ خندق میں بھی صلاۃِ خوف پڑھتے، کیوں کہ اس غزوے میں مشرکین نے مسلمانوں کو عصر کی نماز نہیں پڑھنے دی یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا، بعض روایات میں ہے کہ مشرکین نے چار نمازیں نہیں پڑھنے دیں، ظہر، عصر، مغرب اور عشا، بعد میں آپ نے یہ چاروں نمازیں ایک ساتھ ادا کیں، اگر صلوۃِ خوف مشروع ہوگئی ہوتی تو آپ غزوۂ خندق میں بھی پڑھتے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غزوۂ ذات الرقاع خندق کے بعد ہوا، وہ کہتے ہیں کہ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ذات الرقاع میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ نے بھی شرکت کی تھی جب کہ یہ دونوں حضرات سات ہجری میں خیبر کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ (۴) علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کی اس دلیل میں وزن ہے، لیکن ہم نے وہی قول اختیار کیا ہے جو زیادہ راجح ہے، اور اس پر عمل کرتے ہوئے غزوہ بنو نضیر کے بعد غزوۂ ذات الرّقاع کا ذکر کرنا مناسب سمجھا ہے۔

(۱) صحیح البخاری باب غزوۃ الرقاع: ۶۲/۵، رقم الحدیث: ۲۶۸۲۔ (۲) المغازی للواقدی: ۱/ ۳۹۵، طبقات ابن سعد: ۶۱/۲۔ (۳) سیرت ابن ہشام: ۱۴۳/۳، فقہ السیرۃ النبویۃ ص: ۱۹۴۔ (۴) زاد المعاد: ۲۵۲،۲۵۱/۳۔

غزوے کا سبب

ربیع الثانی کے آخری دنوں میں رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ نجد کے دو قبیلے بنی مُحارِب اور بنی ثعلبہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کی تیاری میں مصروف ہیں، آپ نے بلا تاخیر فوجوں کو روانگی کا حکم دیا، یہ دونوں قبیلے بنی غطفان کی دو شاخیں ہیں، نجد کے بعض قبیلے مسلم دشمنی میں پیش پیش تھے، مکّے کے مشرکین سے ان کے رابطوں کی خبریں برابر مدینے پہنچ رہی تھی، اسی دوران کسی آنے والے نے یہ اطلاع دی کہ یہ دونوں قبیلے لڑنے کے ارادے سے مدینے کی طرف آنے کی تیاری کررہے ہیں، آپ ﷺ نے سابقہ کاروائیوں کی طرح یہی بہتر سمجھا کہ دشمن کو اس کے گھر میں ہی جا کر گھیر لیا جائے اور اسے تیاری کرنے کا موقع بھی نہ دیا جائے، چناں چہ آپ چار سو اور ایک روایت کے مطابق سات سو اور ایک اور روایت کے مطابق آٹھ سو جاں بازوں کا دستہ لے کر نجد کی طرف چل پڑے، آپ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو مدینے کا حاکم مقرر فرمایا، جیسے ہی دشمن کو یہ اطلاع ملی کہ مسلمانوں کا لشکر ان کے علاقے میں گھس آیا ہے ان کے ہوش اڑ گئے اور وہ سراسیمگی کے عالم میں پہاڑوں کی طرف بھاگے، اور چوٹیوں پر چڑھ کر بیٹھ گئے، ان کے خوف کا یہ عالم تھا کہ انہیں اپنی عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کا بھی خیال نہ آیا، اسی دوران نماز کا وقت ہوگیا، دشمن اگرچہ سامنے نہیں تھا، مگر دور بھی نہیں تھا، اگر مسلمان نماز میں مصروف ہوتے تو بہت ممکن تھا کہ دشمن خاموشی سے آکر پشت سے حملہ کردیتا، اس لیے آپ ﷺ نے صلوٰۃِ خوف پڑھائی۔(۱)

پہلی صلوٰۃِ خوف

صلوٰۃِ خوف پڑھنے کا یہ پہلا موقع تھا، یہ نماز جنگ کے وقت پڑھی جاتی ہے، بہتر تو یہ ہے کہ جنگ کے موقع پر مسلمان چھوٹے چھوٹے گروہوں میں منقسم ہوکر الگ الگ امام کے پیچھے نماز پڑھیں، لیکن اگر سب لوگ ایک ہی امام کے پیچھے پڑھنے پر اصرار کررہے ہوں یا وقت کم ہو تو نماز کی نوعیت بدل جائے گی، قرآن کریم کی سورۂ نساء میں صلوٰۃِ خوف

(۱) فقہ السیرۃ النبویۃ ص: ۱۹۴، المواہب اللدنیہ: ۱/۲۷۳۔

کا طریقہ بیان کردیا گیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا ایک گروہ امام کے ساتھ کھڑا ہوجائے اور اپنے ہتھیار اپنے ساتھ لے لے، پھر جب یہ لوگ سجدہ کرچکیں تو امام کے پیچھے چلے جائیں، اور دوسرا گروہ جس نے ابھی تک نماز نہ پڑھی ہو وہ آکر امام کے ساتھ نماز میں شریک ہوجائے، اور وہ بھی ہتھیار ساتھ لے لے، امام ان کے ساتھ ایک رکعت پڑھے اور تشہد پڑھ کر سلام پھیردے، جو لوگ نماز میں آکر شریک ہوئے تھے، وہ یا تو سلام پھیرے بغیر اٹھ کر پیچھے چلے جائیں، یا کھڑے ہوکر اپنی نماز پوری کرلیں، پھر وہ گروہ آئے جس نے ایک رکعت پڑھی تھی اور آکر اپنی نماز بغیر قرأت کے پڑھ کر سلام پھیردے، یاد رہے حالت سفر میں تین نمازیں قصر پڑھی جاتی ہیں، اس کا ذکر بھی سورۂ نساء میں ہے، ''اور جب تم زمین میں سفر کرو اور تمہیں اس بات کا خوف ہو کہ کافر لوگ تمہیں پریشان کریں گے تو تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم نماز میں قصر کرلو'' (۱) حدیث کی تمام کتابوں میں صلوٰۃِ خوف کا ذکر ہے، اور متعدد احادیث میں اس کی صراحت بھی ہے کہ یہ نماز غزوۂ ذات الرقاع میں پڑھی گئی۔ (۲)

ذات الرِّقاع کیوں کہتے ہیں

اس غزوے کو غزوۂ ذات الرِّقاع کہا جاتا ہے، اس کی مختلف وجوہات بیان کی گئی ہیں، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک غزوے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، ہم چھ افراد تھے اور صرف ایک اونٹ تھا، اس پر باری باری سوار ہوکر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چلے جارہے تھے، پیدل چلنے کی وجہ سے ہماری ایڑیاں پھٹ گئیں، میرے پاؤں بھی پھٹ گئے، میرے سارے ناخن گل کر گر گئے، ہم نے اپنے پاؤں پر چیتھڑے لپیٹ لئے، اس غزوے کو اسی لئے غزوۂ ذات الرقاع کہا جاتا ہے کہ ہم نے اپنے پیروں پر پٹیاں باندھ رکھی تھیں۔ (۳) ایک قول یہ ہے کہ جس جگہ قیام ہوا وہاں ایک درخت تھا جس کو ذات الرِّقاع کہا جاتا تھا، ایک پہاڑی کا نام بھی ذات

(۱) النساء: ۱۰۱۔ (۲) صحیح مسلم: ۱/۵۷۶، رقم الحدیث: ۸۴۳، سنن النسائی: ۳/۱۷۹، رقم الحدیث: ۱۵۵۳۔ (۳) صحیح البخاری: ۵/۱۱۳، رقم الحدیث: ۴۱۲۸۔

الرقاع تھا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ زمین جہاں آپ نے نزول فرمایا دھاریوں والی زمین تھی، کہیں کالی پٹی اور کسی جگہ سفید، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے زمین کے اوپر سیاہ وسفید پٹیاں بچھادی گئی ہوں، ایک قول یہ بھی ہے کہ مسلمانوں نے اس غزوے میں ایسے جھنڈے اٹھا رکھے تھے جو سیاہ وسفید کپڑوں سے بنائے گئے تھے۔(۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت کا ایک واقعہ

قبیلۂ غطفان کا ایک شخص جس کا نام غورث بن حارث تھا اپنے قبیلے کے لوگوں سے کہنے لگا کہ کیا میں تمہارے لیے محمد کو قتل نہ کردوں؟ لوگوں نے حیرت سے پوچھا کہ تم انہیں کیسے قتل کرسکتے ہو، اس نے کہا: میں اچانک ہی ان پر حملہ کر کے انہیں قتل کردوں گا، وہ شخص اس ناپاک ارادے سے آیا، آپ اس وقت تنہا تھے اور دوپہر کے وقت ایک سایہ دار درخت کے نیچے آرام فرمارہے تھے، آپ کی تلوار درخت پر لٹکی ہوئی تھی، وہ دبے پاؤں آیا اور آپ کی تلوار لے کر کھڑا ہوگیا، اس کے ہاتھ میں تلوار تھی، آپ لیٹے ہوئے تھے، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نظروں سے اوجھل تھے اور درختوں کے نیچے آرام کررہے تھے، اس نے پوچھا اے محمد! کیا تم ڈر محسوس نہیں کررہے ہو، آپ نے فرمایا: نہیں! اس نے سوال کیا، اچھا بتلاؤ تمہیں اس تلوار سے کون بچائے گا، آپ نے فرمایا: میرا اللہ مجھے بچائے گا، یہ سن کر وہ تھرا اٹھا، اور تلوار اس کے ہاتھ سے چھٹ کر نیچے گرگئی، آپ نے تلوار اٹھا کر اس سے پوچھا: اب بتا تجھے میری تلوار سے کون بچائے گا، وہ گھگھیا کر کہنے لگا، اے محمد! آپ بہترین بدلہ لینے والے بنیں، آپ نے فرمایا: کلمہ پڑھ لے، اس نے جواب دیا کلمہ تو میں نہیں پڑھوں گا، البتہ یہ وعدہ کرتا ہوں کہ میں کبھی آپ کے مقابلے پر نہیں آؤں گا، اور نہ ان کا ساتھ دوں گا جو آپ سے جنگ کریں گے، آپ نے اس کو معاف کردیا اور واپس جانے دیا، اس نے اپنے قبیلے والوں کے پاس پہنچ کر بتایا کہ میں ایک بہترین انسان کے پاس سے آیا ہوں۔(۲)

یہ قصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت پر دلالت کرتا ہے کہ آپ تنہا تھے، نہتے تھے، لیٹے یا

(۱) سیرت ابن ہشام: ۱۴۴/۳، الروض الانف: ۲۵۳/۳۔ (۲) مسند احمد بن حنبلؒ: ۱۹۲/۲۳، رقم الحدیث: ۱۴۹۲۹۔

بیٹھے ہوئے تھے، مقابل کھڑا تھا اور ہاتھ میں تلوار لئے ہوئے تھا، لیکن آپ نہ گھبرائے، نہ ڈرے، نہ صحابہ کو آواز دی بلکہ آپ نے نہایت متانت اور بے خوفی سے دشمن کے سوالوں کا جواب دیا، آپ کا اطمینان دیکھ کر وہ گھبرا گیا، اور تلوار اس کے ہاتھ سے نیچے گر پڑی، آپ چاہتے تو دشمن پر وار کر کے اسے ہمیشہ کے لیے سُلا بھی سکتے تھے، لیکن آپ نے عفو ودرگزر سے کام لیا، اور اسے جانے دیا؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوىٰ.(۱) ''اور اگر تم معاف کر دو تو یہ تقوی کے زیادہ قریب ہے'' اور خود آپ کا ارشاد گرامی ہے: مازاد الله عبداً بعفو إلا عزا.(۲) ''اللہ تعالیٰ عفو ودرگزر کرنے سے بندے کی عزت میں اضافہ کرتا ہے''۔ دوسرے یہ واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یقین کی قوت پر بھی دلالت کرتا ہے کہ آپ کو اللہ کی ذات پر پورا بھروسہ تھا کہ وہ مجھے نقصان نہیں پہنچنے دے گا، اسی بنا پر امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ریاض الصالحین میں یہ حدیث یقین اور توکل کے باب میں بیان کی ہے۔

دوسرا غزوۂ بدر

اُحد سے واپس جاتے ہوئے ابوسفیان نے للکار کر کہا تھا کہ اب ہماری اگلی ملاقات ایک سال بعد بدر کے میدان میں ہوگی، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت وحکم سے یہ جواب دیا تھا کہ ضرور ان شاء اللہ، غزوۂ ذات الرقاع سے واپس ہوئے ابھی تین ہی مہینے گزرے تھے کہ شعبان شروع ہوگیا، اسی مہینے میں ابوسفیان نے جنگ کا اعلان کیا تھا، اس نے اعلان تو کر دیا مگر اہل مکہ کے اقتصادی حالات دگرگوں ہوگئے، کچھ تو جنگوں کی وجہ سے اور کچھ قحط سالی کی وجہ سے، مکّے میں کساد بازاری پھیلی ہوئی تھی، ابوسفیان نہیں چاہتا تھا کہ جنگ ہو، مگر کیوں کہ اعلان کر چکا تھا، اس کی پاس داری بھی ضروری تھی، ورنہ پورے جزیرۂ عرب میں قریش کی بزدلی اور جنگ سے گریز کی خبر عام ہو جاتی، عرب سب کچھ برداشت کر سکتے تھے، لیکن بزدلی کا طعنہ ان کے لیے ناقابل برداشت تھا، آدمی تیز تھا، جنگ سے بچنا بھی چاہتا تھا اور مسلمانوں کو خوف کی نفسیات میں

(۱) البقرة:۲۳۷۔ (۲) صحیح مسلم: ۱۲/۴/۷۴، رقم الحدیث: ۴۶۸۹۔

مبتلا بھی کرنا چاہتا تھا، اس نے ایک آدمی کو پیسے دے کر اس بات کے لیے آمادہ کیا کہ وہ مدینے جا کر یہ افواہ پھیلا دے کہ قریش اس مرتبہ ایسی فوج لے کر آنے والے ہیں ماضی میں جس کی نظیر نہیں ملتی، وہ تعداد میں بہت ہیں، اور ان کے پاس گھوڑے، اونٹ اور اسلحہ بھی پہلے سے کہیں زیادہ ہے، چناں چہ وہ زر خرید شخص مدینے آیا، چند روز وہاں رہا، اور قریش سے متعلق جو کچھ اسے سکھایا پڑھایا گیا تھا اس کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتا رہا، چند ہی روز میں یہ افواہ پورے مدینے میں پھیل گئی، بعض کم زور دل مسلمان اس افواہ سے مایوسی اور خوف میں مبتلا ہو گئے، یہ انسانی فطرت کا تقاضہ تھا کہ دشمن کی بھاری جمعیت کے تصور سے کچھ لوگوں کے حوصلے پست ہونے لگیں، لیکن ان میں ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما جیسے بہادر اور نڈر بھی تھے، اور ایسے لوگوں کی تعداد بھی کچھ کم نہ تھی، یہ دونوں حضرات اور ان کے ہمراہ کچھ دوسرے صحابہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! قریش کی کثرت اور ان کی طاقت وقوت ہمارے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی، ہمیں اللہ پر بھروسہ ہے، اور ہمیں اس بات کا بھی یقین ہے کہ اللہ اپنے دین کو غالب کر کے رہے گا، اس لئے ہمیں اپنے وعدے کے مطابق قریش سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے بدر ضرور جانا چاہئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا جذبہ جہاد اور جوش وولولہ دیکھ کر مسرت ہوئی، آپ کے علم میں یہ بات تھی کہ کسی آنے والے نے ابوسفیان کے لشکر کے بارے میں کچھ منفی اطلاعات دی ہیں، اور ان کی وجہ سے بعض مسلمانوں میں مایوسی دیکھی جا رہی ہے، آپ کو پورا یقین تھا کہ جو خبریں پھیلائی جا رہی ہیں وہ سراسر جھوٹ ہیں، قریش نے محض مسلمانوں کی ہمت توڑنے کے لیے یہ چال چلی ہے، آپ نے اعلان فرمادیا کہ ہمیں ہر حالت میں بدر کے لیے نکلنا ہے، یہ اعلان سنتے ہی مسلمانوں کے جذبہ وجوش میں اضافہ ہو گیا، جو کچھ ضعف اور خوف دل میں آ گیا تھا وہ بھی ختم ہو گیا، آپ تقریباً پندرہ سو صحابہ کے ساتھ حسبنا اللہ ونعم الوکیل پڑھتے ہوئے بدر روانہ ہو گئے، اسلامی فوج کا جھنڈا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں تھا، آپ کے ساتھ دس گھوڑے تھے، مدینے میں آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو اپنا قائم مقام بنایا، ابوسفیان کی یہ ساری سعی بے کار

چلی گئی، وہ نہیں چاہتا تھا کہ جنگ ہو، اور مسلمان بدر کی طرف آئیں، مگر وہ اپنے دل کی یہ بات زبان پر نہیں لاسکتا تھا، اس کی کوشش یہ تھی کہ مسلمان خود ہی رک جائیں، اور ہمیں یہ کہنے کا موقع مل جائے کہ ہم تو جنگ کے لیے تیار تھے، مسلمان ہی وعدہ خلافی کر گئے۔

اس تدبیر کی ناکامی کے بعد ابوسفیان کو بھی لشکر لے کر نکلنا ہی تھا، رسول اللہ ﷺ بدر پہنچ گئے، آپ نے وہاں ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کے انتظار میں پورے آٹھ دن قیام فرمایا، ان دنوں بدر کے قریب ایک تجارتی میلہ بھی لگا ہوا تھا، مسلمانوں نے اس بازار میں خوب خرید وفروخت کی اور بڑا نفع کمایا، ابوسفیان مکّے سے نکل تو آیا، لیکن ظہران میں اور بعض مؤرخ لکھتے ہیں کہ عسفان میں رک گیا، یہاں پہنچ کر اس نے واپسی کا پروگرام بنایا، ہوسکتا ہے اس نے پہلے ہی سے یہ ذہن بنالیا ہو کہ ظہران یا عسفان پہنچ کر واپس آجاؤں گا، واپسی سے پہلے اس نے اپنے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ”برادرانِ قریش! میری رائے میں یہ سال جنگ کے لیے موزوں نہیں ہے، یہ سال قحط کا ہے، جنگ کے لیے تو موزوں سال ہریالی اور شادابی کا سال ہے، اس میں تم اونٹوں کو درختوں کے پتے بھی کھلا سکتے ہو، اور ان کا دودھ بھی پی سکتے ہو، فی الحال ہمارے لئے واپس ہوجانا ہی بہتر ہے“، سب نے اس کی بات پر آمنا وصدقنا کہا اور اپنے گھروں کو واپس ہوگئے، مکّے پہنچ کر انھوں نے یہ بات مشہور کی کہ ہم جنگ کے لیے تھوڑی نکلے تھے، ہم تو ستو پینے کے لیے گئے تھے، انہوں نے اس مہم کا نام بھی رکھ چھوڑا تھا جیش السَّوِیق، ”ستو والوں کا لشکر“۔(۱)

ابھی آپ بدر ہی میں تھے کہ وہاں مَخشی بن عَمرو ضَمری آگیا، یہ وہ شخص ہے جس نے غزوۂ ودّان میں بنوضمرہ کی طرف سے مصالحت کی تھی، اس نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اور یہ پوچھا: اے محمد! کیا آپ یہاں قریش سے لڑنے کے لیے آئے ہیں، آپ نے فرمایا: ہاں! اور اگر تم چاہو تو ہم وہ معاہدہ ختم کئے دیتے ہیں جو ہمارے اور تمہارے درمیان تھا، اور تم سے جنگ کر لیتے ہیں، اس نے عرض کیا: نہیں، خدا کی قسم، مجھے آپ سے جنگ کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔(۲)

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۲/۵۹، تاریخ الطبری: ۲/۸۷، عیون الاثر: ۲/۸۲۔ (۲) البدایہ والنہایہ: ۴/۸۸۔

مسلمانوں کا لشکر قبائل عرب پر اپنی بہادری کی چھاپ چھوڑ کر مدینے واپس آ گیا،
قرآن کی سورۂ آل عمران میں اس واقعے کا ذکر اس اسلوب میں کیا گیا ہے: اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ. فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ. اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَهٗ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ.(۱) ”وہ لوگ جن سے کہنے والوں نے کہا تھا کہ یہ (مکّے کے کافر) لوگ تمہارے (مقابلے) کے لیے (پھر سے) جمع ہو گئے ہیں، لہٰذا ان سے ڈرتے رہنا، تو اس (خبر) نے ان کے ایمان میں اور اضافہ کر دیا اور وہ بول اٹھے کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے، نتیجہ یہ کہ یہ لوگ اللہ کی نعمت اور فضل لے کر اس طرح واپس آئے کہ انہیں ذرا بھی گزند نہیں پہنچی اور وہ اللہ کی خوشنودی کے تابع رہے، اور اللہ فضلِ عظیم کا مالک ہے، درحقیقت یہ تو شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے، لہٰذا اگر تم مؤمن ہو تو ان سے خوف نہ کھاؤ، اور بس میرا خوف رکھو“۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ آیات دوسرے غزوۂ بدر کے متعلق نازل ہوئیں، انھوں نے اس شخص کا نام بھی لکھا ہے جس نے مدینے کے مسلمانوں میں ابوسفیان کی قوت وشوکت کی افواہ پھیلائی تھی، اس شخص کا نام نُعَیم بن مسعود تھا اور وہ عمرے کے لیے مدینے سے مکہ مکرمہ گیا تھا۔(۲)

غزوۂ دُومۃُ الجَندل

ہجرت کا پانچواں سال بھی اسلام اور کفر کے درمیان معرکہ آرائیوں کا سال ہے، غزوۂ اُحد میں مسلمان وقتی طور پر پسپا کیا ہوئے تمام قبائلِ مشرکین کو یہ حوصلہ ہو گیا کہ وہ مدینے پر لشکر کشی کا منصوبہ بنانے لگیں، ایسے متعدد قبیلوں کے جنون کو خاک میں ملانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس ان مقامات پر تشریف لے گئے جہاں یہ قبیلے سکونت پذیر تھے، ربیع الاول سن پانچ ہجری میں یہ اطلاع ملی کہ دومۃ الجندل کے لوگ مدینے پر حملہ آور ہونا

(۱) آل عمران: ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵۔ (۲) تفسیر کبیر: ۳۳۱/۵۔

چاہتے ہیں اور اس کے لیے وہاں جنگی پیمانے پر تیاریاں چل رہی ہیں، اطلاع ملنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سباع بن عرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ کو مدینے میں اپنا جانشین مقرر فرمایا اور خود ایک ہزار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا لشکر لے کر دومۃ الجندل کی طرف روانہ ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو حکم دیا کہ وہ راتوں کو سفر کریں اور دن میں چھپ کر رہیں، تاکہ مشرکین کو ان کی آمد کا پتہ نہ چلے، لیکن مشرکین کو مسلمانوں کے لشکر کی خبر مل ہی گئی، کہاں تو وہ جنگ کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے، کہاں مسلمانوں کی آمد کی خبر نے ان کے ہوش ٹھکانے لگا دیے، جو لوگ قلعے میں جمع تھے وہ سب اپنے مویشی اور ان کی دیکھ بھال کرنے والے چرواہوں کو چھوڑ کر بھاگ گئے، آپ نے وہاں تین دن قیام فرمایا، کوئی جنگ نہیں ہوئی، اس دوران آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے چھوٹے چھوٹے لشکر مختلف مقامات پر روانہ فرمائے، آپ پانچ ربیع الاول کو مدینے سے روانہ ہوئے اور پچیس دن بعد پچیس تاریخ کو خیر وعافیت کے ساتھ واپس تشریف لے آئے۔(۱)

دومۃ الجندل اس وقت حکومت روم کی حدود میں صوبہ شام کا ایک سرحدی شہر تھا، ان دنوں یہ علاقہ سعودی عرب کے شمال مغرب میں صوبہ الجوف میں واقع ہے، نہایت گرم اور خشک صحرائی خطہ ہے، مدینہ منورہ سے اس کا فاصلہ آٹھ سو چھپن کلومیٹر ہے، دومہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹوں میں سے ایک بیٹے کا نام ہے، غالباً یہ شہر انہی کا بسایا ہوا ہے، اس علاقے کا دوسرا نام جوف السرحان بھی ہے، دومہ عربی میں پتھر کو کہتے ہیں، یہ سارا علاقہ پتھریلا ہے۔(۲)

تاریخ اسلام میں اس غزوے کی بڑی اہمیت ہے، اگرچہ جنگ نہیں ہوئی، لیکن مسلمانوں کے اقدام سے دور دراز تک یہ پیغام پہنچ گیا کہ مسلمان ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہیں ہیں، اگر مسلمان دومۃ الجندل میں مشرکین کے جماوڑے کو نظر انداز کردیتے تو اس سے مسلمانوں کے کم زور ہونے کا پیغام جاتا اور ان کی ہیبت ختم ہوجاتی، دومۃ الجندل کا محل وقوع شام کی حدود میں وہاں سے قریب تھا، شام سے تجارتی قافلوں کی آمد ورفت کا

(۱) زرقانی: ۲/۹۵۔ (۲) معجم البلدان: ۲/۲۵۲، لسان العرب: ۱۱/۱۲۸۔

سلسلہ جاری تھا، اور آئندہ بھی اس کو باقی رکھنے کی ضرورت تھی، دومۃ الجندل کے مشرکین کی مضبوطی سے ان قافلوں کی آمد و رفت متاثر ہو سکتی تھی۔

غزوۂ بنی مُصطلِق

بنو مُصطلِق قبیلۂ خزاعہ کی ایک شاخ ہے، جس کا نسب جذیمہ بن سعد بن عمرو بن ربیعہ تک پہنچتا ہے، کہتے ہیں کہ اس کی آواز بہت بلند اور خوب صورت تھی اس لئے اس کو مُصطلِق بھی کہا جاتا تھا، یہ لوگ قُدَید کے علاقے میں مُرَیسیع نامی چشمے کے قریب آباد ہو گئے تھے، مکہ مکرمہ سے اس کا فاصلہ لگ بھگ ایک سو بیس کلو میٹر تھا، دوسری طرف بنی خزاعہ مرّ الظّہران اور ابوا کے درمیان رہتے تھے، اوّل الذکر کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے تیس کلو میٹر اور ابوا کی دوری دو سو چالیس کلو میٹر ہے، بنی خزاعہ اگرچہ مشرک تھے، مگر ابتدا میں وہ لوگ مسلمانوں کے لیے اپنے دلوں میں نرم گوشہ رکھتے تھے، بہ ظاہر اس کی وجہ قبائل اوس وخزرج کے ساتھ ان کی قریبی رشتہ داریاں تھیں، رسول اللہ ﷺ نے بھی ان رشتہ داریوں کا خیال فرمایا بلکہ خزاعہ کی وجہ سے بنی مصطلق سے بھی نرمی کا سلوک کیا، لیکن بعد میں انھوں نے مشرکین مکہ کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی، اس قبیلے کے بعض افراد غزوۂ احد کے موقع پر مشرکین کی صفوں میں دیکھے گئے، اس جنگ میں مسلمانوں کو جو ہزیمت اٹھانی پڑی اس سے بہت سے قبیلوں کو کھل کھیلنے کا موقع ملا، حالاں کہ اس سے پہلے وہ یا تو خاموش رہتے تھے، یا مسلمانوں کے خلاف پسِ پردہ رہ کر سازشوں میں مصروف رہتے تھے، بنی مصطلِق بھی انہی قبیلوں میں سے ایک ہے، جس نے غزوۂ اُحد کی شکست کے بعد مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا سلسلہ شروع کیا۔(۱)

غزوے کا سبب اور تاریخ

ہجرت کے پانچویں سال رجب کے مہینے میں رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر ملی کہ بنی مصطلِق کے سردار حارث بن ابی ضرار نے کچھ فوجیں جمع کی ہیں اور اس کا ارادہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ہے، آپ ﷺ نے بُریدہ بن حُصَیب اسلمی کو صورتِ حال کا

(۱) معجم البلدان: ۵/۱۱۸، کتاب المغازی للواقدی: ۱/۴۰۴۔

جائزہ لینے کے لیے بنی مصطلق کی طرف روانہ فرمایا، انھوں نے وہاں جا کر قبیلے کے سردار حارث بن ضرار سے ملاقات کی اور اس سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ بھی اس کاروائی میں ان کی مدد کرنا چاہتا ہے، حارث کی گفتگو سے بُریدہ کو یقین ہوگیا کہ اُن لوگوں کے عزائم خطرناک ہیں اور وہ بہت جلد مدینے کی طرف رُخ کرنے والے ہیں، بریدہ وقت ضائع کیے بغیر تیزی کے ساتھ مدینے پہنچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو حکم دیا کہ وہ ایک اور غزوے کے لیے تیار ہو جائیں۔ (۱)

اس غزوے کے سن وقوع میں اختلاف ہے، حافظ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ غزوہ چھ ہجری میں واقع ہوا، (۲) بعض حضرات کہتے ہیں کہ چار ہجری میں ہوا، لیکن اکثر محدثین ومؤرخین کا قول یہ ہے کہ غزوہ بنی مصطلق پانچ ہجری میں ہوا، ان میں موسیٰ بن عقبہ، ابن سعد، ابن قتیبہ، بلاذری، ذہبی، ابن القیم، ابن حجر عسقلانی اور ابن کثیر جیسے مؤرخین وسیرت نگار شامل ہیں، اس قول کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اس غزوے میں شریک ہوئے، بخاری وغیرہ کی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ سعد بن معاذ غزوۂ بنی مصطلق سے فارغ ہو کر غزوۂ خندق میں بھی شریک ہوئے، انھوں نے غزوۂ بنی قُریظہ کے بعد وفات پائی، اور غزوۂ بنی قریظہ پانچ ہجری میں ہوا۔ (۳)

روانگی اور یلغار

دو شعبان سن پانچ ہجری بروز پیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں سات سو مسلمانوں کا قافلہ مدینہ منورہ سے نکلا، اس سفر میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا آپ کے ہم راہ تھیں، قافلے میں صرف تیس گھوڑے تھے، بیس انصار کے تھے اور دس مہاجرین کے، متعدد منافقین بھی مال غنیمت کے لالچ میں ساتھ ہو گئے، اس سے قبل منافقین نے کسی غزوے میں شرکت نہیں کی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے منورہ میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔

مجاہدین کا یہ قافلہ بڑی تیزی کے ساتھ روانہ ہوا، اور بنی مصطلق کے قریب ایک

(۱) السیرۃ النبویہ ابن ہشام: ۳/۲۱۵۔ (۲) سیرۃ ابن ہشام: ۲/۲۱۵۔ (۳) زاد المعاد: ۳/۱۸۸، فتح الباری: ۷/۲۳۴۔

چشمے پر پہنچ گیا، جس کا نام مُریسیع تھا، اسی لیے اس غزوے کو غزوۂ مُریسیع بھی کہتے ہیں، اس وقت وہ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے، مسلمانوں کو اپنی طرف بڑھتا ہوا دیکھ کر ان کے دل کانپ گئے، مگر عربوں کی جنگ جو اور خود دار طبیعت نے انہیں جنگ سے گریز نہ کرنے دیا، انہیں جنگ پر آمادہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صف بندی کا حکم دیا، جنگ سے پہلے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بہ آواز بلند یہ اعلان کیا کہ کلمۂ لا الہ الا اللہ کے ذریعے اپنی جانیں محفوظ کرلو، اور اپنے اموال بچالو، لیکن انھوں نے یہ پیش کش قبول نہیں کی، مجبوراً جنگ کرنی پڑی، کفار دور سے تیر چلاتے رہے، ایک گھنٹے تک یہ سلسلہ چلا، مسلمانوں نے یک بارگی حملہ کیا تو وہ بھاگنے لگے، مسلمانوں نے ان کو چاروں طرف سے گھیر لیا، دو سو اور ایک روایت کے مطابق چار سو افراد گرفتار کیے گئے، دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں، دس افراد ہلاک ہوئے، بخاری و مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت مسلمان مُریسیع پر پہنچے، قبیلۂ بنی مصطلق کے لوگ مسلمانوں کی آمد سے بے خبر اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے، مسلمانوں کو دیکھ کر ان میں بھگ دڑ مچ گئی، مسلمانوں نے بڑی تعداد میں لوگوں کو گرفتار کیا، ان میں قبیلے کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی جویریہ بھی تھیں۔(۱) ان دونوں واقعات میں تضاد ہے، پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ باقاعدہ جنگ ہوئی، اور بخاری وغیرہ کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ جنگ نہیں ہوئی، مسلمانوں کا لشکر اچانک پہنچا، دشمن کے زیادہ تر افراد اپنے مویشی چھوڑ کر فرار ہوگئے، سو گھرانے گرفتار ہوئے، بڑی تعداد میں مویشی ہاتھ آئے، جنگ کی روایت حافظ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے،(۲) علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو حافظ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا وہم قرار دیا ہے، اور بخاری و مسلم کی روایت کو ترجیح دی ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ جس وقت مسلمانوں کا لشکر پہنچا، بنی مصطلق کے لوگ مُریسیع نامی کنویں پر موجود تھے اور اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے، وہ لوگ مسلمانوں کی آمد سے قطعی طور پر بے خبر

(۱) صحیح البخاری: ۳/ ۱۴۸، رقم الحدیث: ۲۵۴۱، صحیح مسلم: ۳/ ۱۳۵۶، رقم الحدیث: ۱۷۳۰۔ (۲) سیرۃ ابن ہشام: ۳/ ۲۱۴۔

تھے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں طرح کی روایات میں تطبیق دیتے ہوئے لکھا ہے کہ جب مسلمانوں نے بنی مصطلق پر اچانک حملہ کیا تو انھوں نے کچھ دیر جنگ کی پھر پسپا ہو کر بھاگنے لگے ان میں سے کچھ گرفتار ہوئے اور کچھ فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔(۱)

عبداللہ بن اُبی کا کمینہ پن

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ اس غزوے میں کچھ منافقین بھی مال غنیمت کے لالچ میں شامل ہو گئے تھے، حالاں کہ اس سے پہلے جتنے بھی غزوات ہوئے ان میں منافقین نے شرکت نہیں کی تھی، بلکہ غزوۂ اُحد میں تو وہ راستے سے واپس ہو گئے تھے، غرض یہ کہ منافقین غزوے میں شریک تھے، ان لوگوں کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ وہ مسلمانوں کی کوئی کمزوری پکڑ لیں اور اسے بنیاد بنا کر افواہیں پھیلائیں اور مسلمانوں کو بدنام کریں، عبداللہ بن اُبی بھی اس لشکر میں ساتھ تھا، یہ بدبخت ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں کو بدظن کرنے کی سازشوں میں مصروف رہتا تھا۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ جو اس غزوے میں شریک تھے کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوے میں گیا ہوا تھا، بہت سی روایات میں اس غزوے کی صراحت بھی آگئی ہے کہ وہ غزوۂ بنی مصطلق تھا، صحابی کہتے ہیں کہ میں نے خود اپنے کانوں سے عبداللہ بن اُبی کو اپنے منافق ساتھیوں سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ تم محمد کے ساتھیوں پر اپنا پیسہ نہ لٹاؤ، یہ لوگ پریشان ہو کر خود ہی بھاگ کھڑے ہوں گے، ہم ذرا مدینے پہنچ جائیں، پھر دیکھنا عزت دار لوگ ان ذلیلوں کو کس طرح باہر کرتے ہیں، میں نے یہ بات سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو بتلائی، انھوں نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، آپ نے مجھے بلا کر پوچھا، میں نے جو سنا تھا وہ دہرا دیا، آپ نے کسی کو بھیج کر ابن اُبی اور اس کے ساتھیوں کو بلوایا، وہ سب مکر گئے، اور قسمیں کھا کھا کر کہنے لگے کہ ہم نے تو ایسی کوئی بات نہیں کہی، میرے دل پر اس واقعے کا گہرا اثر ہوا، اور میں ندامت کی وجہ سے گھر میں بند ہو کر رہ گیا، کچھ دن گزرے تھے کہ یہ آیات نازل ہوئیں: اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا

(۱) فتح الباری: ۷/۴۳۰۔

نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ.(۱) ”جب منافق لوگ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ آپ واقعی اس کے رسول ہیں اور اللہ (یہ بھی) گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق لوگ جھوٹے ہیں۔(۲)

منافقین کی شرانگیزی کا ایک اور واقعہ

اسی سفر میں ایک اور واقعہ پیش آیا جسے بنیاد بنا کر منافقوں کے سردار عبداللہ ابن اُبی نے سادہ لوح انصار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو بھڑکانے کی کوشش کی، حالاں کہ وہ اس کوشش میں کامیاب نہ ہوسکا، مگر اس طرح کی حرکتوں سے اس کے چہرے کا نقاب ہٹ گیا، خود قرآن کریم نے منافقوں کا پردہ فاش کردیا، اور اسی سفر میں پوری ایک سورت؛ ”المنافقون“ ان کی مذمت میں نازل ہوگئی۔

واقعہ کچھ یوں پیش آیا کہ مریسیع کے چشمۂ آب پر پانی لیتے ہوئے ایک مہاجر صحابی رضی اللہ عنہ کا پاؤں انصاری صحابی کے پاؤں پر پڑ گیا، ان دونوں میں کچھ تکرار ہوئی، اور دونوں نے اپنے اپنے لوگوں کو آوازیں دینی شروع کردیں، یہ واقعہ بھی حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے تفصیل سے بیان کیا ہے، فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک غزوے میں شریک تھے، ایک مہاجر صحابی رضی اللہ عنہ کا پاؤں انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کے پیر پر جا پڑا، دونوں میں کہا سنی ہوئی، بات بڑھ گئی، انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے دہائی دی! اے انصار بھائیو! مہاجر صحابی رضی اللہ عنہ بھی چلائے! اے مہاجر بھائیو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آوازیں سنیں تو فرمایا کہ یہ جاہلیت کے زمانے کی سی آوازیں کیسی ہیں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ! مہاجرین میں سے ایک صحابی کا پیر فلاں انصاری صحابی کے پاؤں پر پڑ گیا تھا، یہ شور وغوغا، یہ آوازیں اسی جھگڑے کی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان باتوں کو چھوڑ دو، یہ باتیں گندی اور بدبودار ہیں۔

دو صحابیوں کے درمیان اس معمولی کہا سنی کا علم عبداللہ بن اُبی کو ہوا تو اسے انصار

(۱) المنافقون:۱۔ (۲) صحیح البخاری: ۱۵۲/۶، رقم الحدیث: ۴۹۰۰، صحیح مسلم: ۲۱۴۰/۴، رقم الحدیث: ۲۷۷۲۔

صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے کا ایک اور موقع ہاتھ آگیا، وہ ایک ایک کے پاس جا کر کہنے لگا کہ یہ باہر سے آئے ہوئے لوگ ہم پر حکومت کرنے لگے ہیں، خدا کی قسم مدینے واپس جا کر عزت دار لوگ ان ذلیل وخوار لوگوں کو باہر نکال دیں گے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی بکواس کا پتہ چلا تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا، یارسول اللہ! مجھے اس منافق کی گردن اڑانے کی اجازت عطا فرمائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اِسے چھوڑو! لوگ یہ کہیں گے کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کررہے ہیں، ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! عِباد بن بشر کو حکم فرمائیں کہ وہ اس منافق کا سر قلم کردے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر رضی اللہ عنہ! اس وقت کیا کہو گے جب لوگ یہ باتیں بنائیں گے کہ محمد تو اپنے ساتھیوں کو قتل کرارہے ہیں، میں ہرگز اس کی اجازت نہیں دوں گا، البتہ یہاں سے جلد از جلد نکل چلو، قافلہ اسی وقت روانہ ہوگیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم قافلے کے ساتھ دن بھر چلتے رہے، یہاں تک کہ شام ہوگئی، پھر رات بھر چلتے رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی اور سورج نکل آیا، تب آپ نے ٹھہرنے کا حکم فرمایا، لوگ ایک دن ایک رات کے تھکے ہوئے تھے، سواریوں سے اترے اور اترتے ہی سو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تدبیر اس لئے اختیار فرمائی تاکہ لوگ کل کے واقعے پر کوئی تبصرہ نہ کریں، اور اسے بھول جائیں، عبداللہ ابن اُبی کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی حرکتوں کا پتہ چل چکا ہے اور جو باتیں وہ کرتا پھر رہا ہے وہ سب باتیں آپ کے علم میں آچکی ہیں، اب وہ گھبرایا اور صفائی پیش کرنے کے لیے حاضر خدمت ہوا، کہنے لگا کہ میں نے تو کسی سے کچھ نہیں کہا، وہ بد بخت قسمیں کھا رہا تھا، اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو ان کے منہ پر جھوٹا ٹھہرا رہا تھا، اس کی باتیں سن کر حاضرین مجلس کہنے لگے، یارسول اللہ! یہ شخص قسمیں کھا رہا ہے، اس کا اعتبار کرلیجئے، ہوسکتا ہے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو مغالطہ ہوا ہو، زید ابھی بچہ ہی تو ہے، بات آئی گئی ہوگئی، آپ پھر چل پڑے، ایک صحابی اُسید بن حُضیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ان اوقات میں تو آپ سفر نہیں فرماتے، کیا بات ہے، آپ کل سے مسلسل سفر فرمارہے ہیں، فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارا ساتھی

کیا کہہ رہا ہے، عرض کیا! کیا کہہ رہا ہے، یارسول اللہ! فرمایا: ابن اُبی کہتا پھر رہا ہے کہ مدینے پہنچ کر عزت والے لوگ ذلیل وخوار لوگوں کو باہر کردیں گے، اسید نے عرض کیا! یارسول اللہ! اللہ نے چاہا تو آپ اسے مدینے سے نکال باہر کریں گے، وہ ذلیل وخوار ہوگا اور آپ کی عزت وعظمت کا سورج اسی طرح درخشاں رہے گا۔

اسی دوران سورۂ منافقون کا نزول ہوا، آپ نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا کان پکڑ کر فرمایا، اس کے کانوں کو سچا ثابت کرنے کے لیے اللہ نے یہ سورت نازل فرمائی۔

ابن اُبی منافق کے بیٹے عبد اللہ رضی اللہ عنہ بھی اس غزوے میں شریک تھے، وہ اپنے باپ کی طرح نہیں تھے، بلکہ انھوں نے دل سے اسلام قبول کیا تھا، اور سچے دل کے ساتھ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تئیں وفادار تھے، انھوں نے جب یہ سنا کہ ان کا باپ الٹی سیدھی باتیں کرتا پھر رہا ہے اور دربار نبوت میں اس کے قتل کی باتیں ہورہی ہیں تو حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ! مجھے اجازت دیں، میں ابھی اپنے باپ کا سر قلم کرکے یہاں لاتا ہوں، آپ نے فرمایا: نہیں! اس کی اجازت نہیں، ہم اس کے ساتھ اس وقت تک نرمی کا معاملہ کرتے رہیں گے جب تک وہ ہمارے ساتھ ہے۔ (۱)

اس واقعے سے پتہ چلتا ہے کہ ایک قائد کو اپنے ماتحت ساتھیوں کی نقل وحرکت پر پوری طرح نظر رکھنی چاہئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھگڑے کی آوازیں سنیں، فوراً گرفت فرمائی، اور اس طرح کی صورت حال کو دور جاہلیت سے تعبیر فرمایا، اور یہ واضح فرمادیا کہ اسلام میں اس طرح کی گروہی عصبیت کی کوئی گنجائش نہیں ہے، جھگڑے ہوسکتے ہیں، اختلاف ممکن ہے، کیوں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین بہ ہر حال انسان تھے، ایک کو دوسرے کی کوئی بات بری لگ سکتی تھی، کسی کو کسی سے تکلیف بھی پہنچ سکتی تھی، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ دونوں اپنے اپنے قبیلوں اور اپنے اپنے گروہوں کو آوازیں دینے بیٹھ جائیں، اور دو افراد کے اس اختلاف کو دو گروہوں اور دو قوموں کا جھگڑا بنادیں، آپ نے یہ کہہ کر اس جھگڑے کا قلع قمع فرمادیا کہ ان باتوں کو چھوڑ دو، یہ بدبودار باتیں ہیں، ان سے تعفن پھیلتا ہے۔

(۱) سیرت ابن ہشام: ۳/۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، البدایہ والنہایہ: ۴/۱۵۸، تفسیر طبری: ۲۸/۷۶۔

یہ جھگڑا اگرچہ اسی وقت ختم ہوگیا، مگر منافقین کا ایک ٹولہ جو اس غزوے میں اموالِ غنیمت کے لالچ میں شریک ہوگیا تھا اس بدبودار اور تعفن زدہ بات کو لے کر سرگرم عمل ہوگیا، وہ پہلے ہی سے اس طرح کے موقعوں کی تلاش میں تھا، انصار کو بھڑکانے کا اس سے اچھا موقع اور کیا ہوسکتا تھا، اس گروہ کا سرغنہ انصار صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے کہنے لگا کہ یہ کے سے آئے ہوئے لوگ ہمارے حاکم بن گئے ہیں، اب ان کی حکومت کے دن گئے، مدینے پہنچ کر ہم ان کو باہر نکال دیں گے، یہ باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچیں مگر آپ نے سخت ردِ عمل کا اظہار نہیں فرمایا، کیوں کہ اس سے غلط فہمیاں پھیل سکتی تھیں اور شکوک پیدا ہوسکتے تھے، کچھ لوگ یہ کہتے کہ دیکھو محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے ساتھیوں کو قتل کرا رہے ہیں، آپ نے تحمل سے کام لیا، منافقین کی حرکتوں کو نظر انداز کیا، اور اس واقعے سے صحابہ کی توجہ ہٹانے کے لیے انہیں مسلسل سفر میں مشغول رکھا، یہ ایک بہترین تدبیر تھی جو آپ نے اختیار فرمائی، مسلسل سفر اور پڑاؤ کے بعد تھکن نے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو یہ موقع ہی نہیں دیا کہ وہ اس جھگڑے کا آپس میں ذکر کرتے، اتنے میں سورت بھی نازل ہوگئی، اور منافقین کے چہروں سے نقاب اتر گئے، وہ جو کچھ کہہ رہے تھے قرآن نے کھول کر بیان کردیا، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین عبداللہ ابن اُبی کو سچا مان رہے تھے، سورت کے نزول سے ان کی غلط فہمی بھی دور ہوگئی، اور منافقین کا معاملہ آئینے کی طرح صاف ہوگیا۔

غزوۂ خندق

غزوۂ احد کے بعد جو سب سے بڑا معرکہ مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان ہوا وہ غزوۂ خندق کہلاتا ہے، غزوۂ خندق کہلانے کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے شہر مدینہ سے کفار کو دور رکھنے کے لیے جبل سلع کے دامن میں ایک وسیع وعریض خندق تیار کی تھی، پیچھے سلع پہاڑ تھا، اس کے دامن میں مسلمان تھے، سامنے خندق تھی، اس کے بعد مشرکین اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے، اس غزوے کو غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں کیوں کہ اس میں کفار کے بہت سے قبائل اکٹھے ہوگئے تھے، اَحزاب ,حِزب کی جمع ہے جس کے معنی

گروہ اور جماعت کے ہیں۔

تاریخ وقوع میں اختلاف

عام اہل سیر ومغازی اس پر متفق ہیں کہ غزوۂ خندق شوال پانچ ہجری میں ہوا، واقدی کہتے ہیں کہ یہ غزوہ آٹھ ذی قعدہ بروز منگل پانچ ہجری میں ہوا، ابن سعد کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نو ذی قعدہ بروز بدھ پانچ ہجری کو اپنے رسول کی دُعا سن لی اور قبائل قریش کو شکست سے دوچار کیا، حافظ ابن اسحاق اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہما وغیرہ حضرات کی رائے بھی یہی ہے کہ غزوۂ خندق پانچ ہجری میں ہوا، حافظ ذہبی اور علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہما بھی اسی قول کو راجح قرار دیتے ہیں۔(۱)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب المغازی میں موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ غزوۂ خندق شوال چار ہجری میں ہوا، اس کی تائید میں انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت نقل کی ہے کہ وہ غزوۂ احد کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوئے، آپ نے ان کو غزوے میں شرکت کی اجازت نہیں دی، کیوں کہ اس وقت ان کی عمر چودہ سال تھی، پھر خندق کے موقع پر پیش ہوئے، اس وقت پندرہ سال کا ہونے کی بنا پر ان کو اجازت مل گئی۔(۲)

غزوۂ احد بالاتفاق تین ہجری میں پیش آیا، اس روایت کے مطابق اس وقت حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما چودہ سال کے لڑکے تھے، آپ نے نابالغ ہونے کی وجہ سے ان کو غزوے میں جانے سے روک دیا، پھر غزوۂ خندق کے موقع پر ان کو اجازت مل گئی، اس وقت وہ پندرہ برس کے لڑکے تھے۔

عام سیرت نگاروں کے نزدیک غزوۂ خندق پانچ ہجری میں ہوا، اس لئے علماء نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس رائے سے اختلاف کیا ہے اور انہوں نے جو روایت نقل کی ہے اس کا جواب بھی دیا ہے، امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ممکن ہے کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما غزوۂ احد کے وقت پورے چودہ سال کے نہ ہوئے ہوں بلکہ وہ چودھویں سال میں داخل

(۱) المغازی:۲/۴۴۰، الطبقات الکبریٰ:۲/۶۵، زاد المعاد:۲/۲۸۸۔ (۲) صحیح البخاری:۵/۱۰۷، رقم الحدیث:۴۰۹۷۔

ہوئے ہوں، اور غزوۂ خندق کے وقت پورے پندرہ سال کے ہوں اس اعتبار سے دونوں غزووں کے درمیان دو سال کا وقفہ ہو سکتا ہے۔(۱)

اس سلسلے میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ غزوۂ احد کے موقع پر ابوسفیان نے کہا تھا کہ آئندہ سال بدر میں ہم تم سے پھر ملیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا وعدہ فرمالیا تھا، آپ حسب وعدہ لشکر لے کر نکلے، بدر میں ٹھہرے، ابوسفیان اور اس کے لشکر کا انتظار کیا مگر وہ یہ کہہ کر راستے سے واپس چلا گیا کہ یہ سال جنگ کے لیے موزوں نہیں ہے، کیوں کہ قحط سالی کی وجہ سے لوگ پریشان ہیں، اس کے ایک سال بعد وہ دس ہزار آدمیوں کو لے کر مدینے کے قریب آکر ٹھہرا، اسی کو غزوۂ خندق کہتے ہیں، اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ غزوۂ خندق پانچ ہجری میں ہوا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول اور اس کی تائید میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے اپنا جو رجحان ظاہر فرمایا ہے اس کی علماء نے بہت سی توجیہات کی ہیں، جن کے ذکر کا یہاں موقع نہیں۔(۲)

غزوۂ خندق کے محرکات

قبیلۂ بنی نضیر جو یہودیوں کا بڑا قبیلہ تھا مدینہ منورہ سے نکال دیا گیا تھا، اس قبیلے کے کچھ لوگ شام اور فلسطین کی طرف چلے گئے تھے، اور کچھ لوگ خیبر جا کر آباد ہو گئے تھے، وہاں جا کر انہیں کچھ استحکام حاصل ہوا تو وہ لوگ اپنی پرانی فطرت پر لوٹ آئے، اسلام دشمنی ان کے رگ وپے میں سرایت کی ہوئی تھی، جنگ احد میں مسلمانوں کی شکست نے ان کی آتشِ انتقام کو اور بھڑکا دیا، مشورے ہوئے، طے پایا کہ مشرکین مکہ سے رابطہ کیا جائے اور ان کو مدینے پر حملہ کرنے پر اکسایا جائے، اس مقصد کے لیے ان لوگوں نے سلام بن أبي الحقیق، حیّ بن أخطب، کنانہ بن الربیع بن أبي الحقیق، ہوذہ بن قیس الوائلی اور ابوعمّار پر مشتمل ایک وفد بھی تشکیل دیا، جس کو یہ ذمہ داری دی گئی کہ وہ مکے اور اس کے

(۱) زاد المعاد: ۳/۲۷۰، دلائل البیہقی: ۳/۳۹۶۔ (۲) تفصیل کے لیے دیکھیے دلائل امام بیہقی: ۳/۳۹۶، باب التاریخ لغزوۃ الخندق، البدایہ والنہایہ: ۴/۹۴۔

اطراف کے قبائل سے ملاقات کر کے ان کو اکٹھا کرے اور انہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کے خلاف جنگ کی ترغیب دے۔

یہود کا وفد اپنے مقصد میں نہایت کامیاب رہا، مشرکین نے ان کی بڑی پذیرائی کی، عزت واحترام کے ساتھ انہیں اپنا مہمان بنایا، اور وفد کی باتوں سے پورا اتفاق ظاہر کیا، مشرکین مکہ نے وفد کے سامنے یہ بات بھی رکھی کہ تم لوگ اہل کتاب ہو، اور علم رکھتے ہو، ہم لوگوں میں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں بڑا اختلاف ہے، ہم بیت اللہ کی خدمت کرتے ہیں، حج کے لیے آنے والوں کی خدمت میں کھانا، شراب اور دودھ پیش کرتے ہیں، اور اپنے بتوں کی پرستش کرتے ہیں، یہ سلسلہ ہمارے آباؤ واجداد سے چلا آرہا ہے، محمد نے نیا مذہب ایجاد کیا ہے، وہ ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہیں، اب تم بتلاؤ کہ ہمارا دین اچھا ہے یا محمد کا دین اچھا ہے، تم علم رکھنے والے لوگ ہو، تمہیں معلوم ہے کیا چیز اچھی ہے اور کون سی چیز بری ہے، یہودی وفد نے مشرکین کی تعریف کی، اور کہا کہ تمہارا دین اچھا ہے، یہ سن کر مشرکین خوش ہو گئے، ان کا جوش بڑھ گیا، اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے میں ان کی خواہش زیادہ ہوگئی، انھوں نے بلا تاخیر یہودی وفد کی دعوت قبول کرلی، قرآن کریم نے ان اعیان وزعماءِ یہود کے اس عمل کی شدید مذمت کی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں اس حد تک گر گئے کہ اہل کتاب ہونے کے باوجود بت پرستوں کے مذہب کی تعریف میں رطب اللسان ہو گئے، قرآن کریم نے ایسے لوگوں کو مستحق لعنت قرار دیا ہے۔(۱)

یہودی مصنفین اپنے بڑوں کی اس حرکت پر آج تک ماتم کناں نظر آتے ہیں، یہودی مؤلف ویل فینشون (Welfenshon) نے اپنی کتاب میں لکھا ہے "ایک معبود کو ماننے والے ہر شخص کے لیے خواہ وہ مسلمان ہو یا یہودی تکلیف دہ بات وہ مکالمہ ہے جو خیبر کے یہودی علماء اور مکے کے بت پرست زعماء کے درمیان ہوا، اور یہود نے قریش کے مذہب کو آسمانی مذہب پر ترجیح دی۔(۲)

(۱) النساء: ۵۱، ۵۲۔ (۲) تاریخ الیہود فی بلاد العرب ص: ۱۴۲۔

یہاں سے اٹھ کر یہودی وفد بنی غطفان پہنچا جو قیس بن غیلان کا ایک قبیلہ تھا، اور انہیں یہ پیش کش کی کہ اس سال خیبر میں کھجوروں کی جس قدر بھی پیداوار ہوگی وہ سب آپ لوگوں کو دے دی جائے گی، بس آپ ہمارے ساتھ چلیں اور اس فیصلہ کن جنگ میں حصہ لے کر سرخ رو ہوں، یہ قبیلہ لالچی تھا، قبیلے کے سردار عیینہ بن حصن بن فزاری نے اسی وقت ہامی بھر لی اور لشکر لے کر نکل پڑا، یہود نے ایک فصل کی کھجوروں کے بدلے چھ ہزار جنگ جو مانگے جو بنی غطفان نے منظور کر لئے۔

قریش نے چار ہزار افراد کو ساتھ لیا، بنی غطفان کے لوگ بھی چل پڑے، انھوں نے بنی اسد، بنی سُلیم کو بھی تیار کر لیا تھا وہ بھی ساتھ لگ گئے، راستے میں بنی غطفان کے دوسرے حلیف، بنی فزارہ، بنی اَشجع اور بنی مُرّہ بھی ساتھ ہو گئے، اس طرح یہ دس ہزار افراد کا قافلہ ہو گیا، چار ہزار قریش مکہ کے اور چھ ہزار بنی غطفان اور اس کے اعیان وانصار کے، اس فوج میں تین سو گھوڑے اور ایک ہزار اونٹ تھے، ابوسفیان اس کی قیادت کر رہا تھا۔(۱)

مدافعت کی تیاری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخبر یہ اطلاع دے چکے تھے کہ بنی نظیر کے یہودیوں کی شہ پر مکّے کے مشرکین اور قرب وجوار کے قبائل بڑی تعداد میں جمع ہو کر مدینے کی طرف کوچ کر چکے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے مشورہ کیا، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ شہر کی حفاظت کے لیے خندق کھود لی جائے، اس وقت مدینے کے تین اطراف میں آبادی تھی یا کھجور کے گھنے باغات تھے، صرف شمالی جانب کا حصہ کھلا ہوا تھا، جنوب میں اونچے اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے مکانات کا ایک طویل سلسلہ تھا، مشرق میں واقم کے نام سے ایک بڑا محلّہ تھا اور مغرب میں وَبَرہ محلے کی آبادی تھی، تین اطراف میں آبادی کے بعد گھنے باغات تھے جن سے لشکروں کا گزرنا ممکن نہ تھا، یہ تین اطراف بالکل محفوظ تھے، صرف شمال کا حصہ کھلا ہوا تھا۔ ادھر ہی سے دشمن کا حملہ متوقع تھا،

(۱) الکامل فی التاریخ: ۲/۱۲۲، زاد المعاد۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا مشورہ قبول فرمایا اور اسی وقت سے خندق کھودنے کا کام شروع ہو گیا۔

تین ہزار صحابہ خندق کے کھدائی کے کام میں لگ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی اس کی حدود متعین فرمائیں، خطوط کھینچے، اور دس دس صحابیوں پر دس دس گز زمین تقسیم فرمادی، خندق کی گہرائی تین میٹر چوڑائی چار میٹر اور لمبائی تقریباً ڈھائی کلو میٹر طے کی گئی، بعض جگہ اتنی گہرائی میں خندق کھودی گئی کہ پانی نکل آیا، یہ طے پایا کہ جبل سلع کو پشت پر رکھ کر اس کے میدان میں مسلمان فروکش ہوں اور سامنے کے حصے میں خندق کھودی جائے، اس کے بعد والے میدان میں دشمن قیام تو کر سکے گا لیکن اس کے لیے خندق عبور کر کے مسلمانوں تک پہنچنا مشکل ہوگا، حافظ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق چھ دن میں خندق کی کھدائی مکمل ہوگئی، بعض لوگوں نے پندرہ دن اور بعض نے بیس دن کی مدت بتلائی ہے، لیکن علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصل میں خندق تو چھ دن میں تیار ہوگئی البتہ بیس دن محاصرے میں لگے۔(۱)

خندق کی کھدائی اور صحابہ کا جذبہ

یہ ایک مشکل کام تھا، اس کے ساتھ ہی غیر مانوس بھی، کیوں کہ اس سے پہلے نہ ان حضرات نے کھدی ہوئی خندقیں دیکھیں تھیں اور نہ اس طرح کے کسی کام میں انھوں نے حصہ لیا تھا، یہ فارسیوں کی جنگی تکنیک تھی جس کا مشورہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے دیا تھا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مشورہ اچھا معلوم ہوا، اس لئے آپ نے قبول فرمالیا اور صحابہ اس پُر مشقت کام میں پوری طرح جٹ گئے، بہت سی جگہوں پر زمین سخت اور پتھریلی تھی، جس کو کھودنا بڑی مشقت کا کام تھا، لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے جذبۂ جہاد نے وہ مشکل کام بھی آسان کر دکھایا جس کی عام حالات میں توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔

خاص بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک عام سپاہی کی طرح خندق کھودنے میں مصروف نظر آتے ہیں، بلکہ سب سے پہلے آپ ہی نے زمین پر کدال ماری، اس وقت

(۱) طبقات ابن سعد: ۲/ ۶۷۔

آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے:

بِسْمِ اللّٰهِ وَبِهِ بَدِيْنَا وَلَوْ عَبَدْنَا غَيْرَهُ شَقِيْنَا

حَبَّذَا رَبًّا وَحَبَّذَا دِيْنَا

"بسم اللہ، اور اللہ ہی کے نام سے شروع کرتے ہیں، اگر ہم اس کے غیر کی عبادت کریں تو بڑے بدنصیب ہیں، کیا ہی اچھا رب ہے اور کتنا بہترین دین ہے"۔(۱)

تاریخ نے یہ منظر بھی دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیٹ گرد وغبار سے اٹا ہوا ہے اور آپ برابر مٹی ڈھو رہے ہیں، مٹی ڈھوتے ڈھوتے یہ اشعار بھی پڑھ رہے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پورے کیف وسرور کے ساتھ یہ اشعار سنتے ہیں اور اپنے اس جاں گسل اور سخت ترین کام میں منہمک رہتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ لَوْ لَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

فَأَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا

إِنَّ الْأُلٰى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا إِذَا أَرَادُوْا فِتْنَةً أَبَيْنَا

"اے اللہ اگر تو ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہم نہ زکوۃ دیتے اور نہ نماز پڑھتے، ہم پر اپنی سکینت نازل فرما، جنگ میں ہمیں ثابت قدم رکھ، یہ دشمن سرکشی کی وجہ سے ہم پر حملہ آور ہوئے ہیں، اور جب فتنہ انگیزی کی کوشش کرتے ہیں تو ہم ان کی کوئی بات نہیں سنتے، بلکہ انکار کردیتے ہیں"۔(۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار ومہاجرین کو سردی کے موسم میں صبح کے وقت خندق کھودتے ہوئے دیکھا جب کہ ان کے پاس اس وقت نوکر چاکر نہ تھے جو یہ کام کرلیتے، گویا خود ہی کھود رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس تکلیف دہ حالت کو دیکھ کر فرمایا:

اَللّٰهُمَّ إِنَّ الْعَيْشَ عَيْشُ الْآخِرَهْ فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَهْ

اے اللہ حقیقی زندگی تو آخرت کی زندگی ہے، اے اللہ! تو انصار اور مہاجرین کی

(۱) الروض الانف:۳/۱۸۹۔ (۲) صحیح البخاری:۵/۱۰۹، رقم الحدیث:۴۱۰۴۔

مغفرت فرما، اس کے جواب میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے یہ شعر پڑھا:

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدَا عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا أَبَدَا

ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی ہے کہ جب تک ہم زندہ ہیں اس وقت تک آپ کے ساتھ مل کر جہاد کرتے رہیں گے۔(۱)

موسم انتہائی یخ تھا، کلیجہ چیرنے والی ٹھنڈی اور برفیلی ہوائیں چل رہی تھیں، اوپر سے کھانے پینے کو کچھ نہ تھا، قحط کا زمانہ تھا، کئی کئی کے دن کے فاقے ہورہے تھے، لیکن اسی حالت میں کدالیں چل رہی تھیں اور سروں پر رکھ کر مٹی ڈھوئی جارہی تھی، ایک صحابی حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس ماحول کی پوری منظر کشی کررہے ہیں، فرماتے ہیں:

ہم غزوۂ خندق کے موقع پر زمین کھود رہے تھے، اتنے میں ایک سخت پتھر ظاہر ہوا، (جو کدال سے نہیں ٹوٹ رہا تھا) ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ ایک سخت پتھر ہے، جو خندق میں نکل آیا ہے، آپ نے فرمایا: میں خود اتر کر دیکھتا ہوں، چناں چہ آپ خندق کے اندر اترے، آپ کے پیٹ پر (بھوک کی وجہ سے) پتھر بندھا ہوا تھا، آپ اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین تین دن سے بھوکے تھے، آپ نے کدال ہاتھ میں لی اور اس زور سے چٹان پر ماری کہ وہ ریزہ ریزہ ہوگئی، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے گھر جانے کی اجازت دیجئے، آپ نے اجازت دے دی، میں گھر آیا، گھر آکر میں نے اپنی بیوی سے کہا: آج میں نے وہ بات دیکھی ہے جس پر صبر نہیں ہوسکتا، تیرے پاس کھانے کو کچھ ہے، اس نے کہا: ہاں! تھوڑے سے جو ہیں، اور ایک بکری کا بچہ ہے، میں نے بکری کا بچہ ذبح کیا، میری بیوی نے جو پیسے، جب ہم گوشت ہانڈی میں ڈال چکے، اور آٹا خمیر ہوگیا، ہانڈی پتھروں کے بڑے چولہے پر دھری تھی، گوشت پک جانے کے قریب تھا، اس وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور چپکے سے عرض کیا: یا رسول اللہ تھوڑا سا کھانا میرے پاس ہے، آپ تشریف لے چلیں اور ایک دو آدمیوں کو اپنے ساتھ لے لیں، آپ نے دریافت فرمایا: کھانا کتنا ہے؟ میں نے عرض کیا: ایک صاع

(۱) صحیح البخاری: ۴/۲۵، رقم الحدیث: ۲۸۳۴۔

جو، اور ایک میمنے کا گوشت، آپ نے فرمایا، بہت ہے اور بہترین ہے، تم جاؤ اور اپنی بیوی سے کہو کہ ہانڈی چولہے پر سے نہ اتارے اور روٹی تنور سے نہ نکالے، میں ابھی آتا ہوں، پھر آپ نے صحابہؓ سے فرمایا اٹھو! اور جابر کی دعوت میں چلو، یہ سن کر مہاجر اور انصار کھڑے ہو گئے، میں بیوی کے پاس پہنچا اور گھبرا کر کہنے لگا؟ اب کیا ہوگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو انصار و مہاجرین کی تمام جماعت کو لے کر آ رہے ہیں، اس نے کہا تم نے رسول اللہ کو (کھانے کی مقدار) بتلادی تھی، میں نے کہا ہاں بتلادی تھی، اتنے میں سب لوگ گھر کے اندر آگئے، آپ نے فرمایا اندر چلو اور آپس میں ایک دوسرے کو دھکے نہ دو، آپ نے روٹیاں توڑ توڑ کر اور ان پر گوشت رکھ رکھ کر لوگوں کو دینا شروع کیا، جب آپ ہانڈی یا تنور میں سے کچھ لیتے تو اسے ڈھانپ دیتے، آپ اسی طرح روٹیاں توڑ توڑ کر دیتے رہے اور ہانڈی میں سے گوشت لیتے رہے، یہاں تک کہ سب سیر ہو گئے، اور تھوڑا سا کھانا بچ بھی گیا، آپ نے جابر رضی اللہ عنہ کی بیوی سے فرمایا، تم خود بھی کھاؤ اور بہ طور ہدیہ دوسروں کے گھروں میں بھی بھیج دو، آج کل لوگوں کو بھوک زیادہ ستا رہی ہے۔(۱)

روایت کا اس قدر حصہ تو بخاری میں ہے، سنن النسائی اور مسند احمد بن حنبل میں یہ اضافہ بھی ہے کہ جب آپ نے پتھر پر پہلی مرتبہ کدال ماری وہ ایک تہائی ٹوٹ گیا، آپ نے فرمایا: اللہ اکبر، مجھے ملک شام کی کنجیاں عطا کی گئی ہیں، خدا کی قسم میں وہاں کے سرخ محلات اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہا ہوں، اس کے بعد ایک اور کدال ماری، چٹان ایک تہائی اور ٹوٹ گئی، آپ نے فرمایا: اللہ اکبر! فارس کی کنجیاں مجھے دے دی گئی ہیں، خدا کی قسم! میں مدائن کا قصر ابیض اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں، تیسری بار آپ نے کدال ماری، چٹان کا باقی حصہ بھی ٹوٹ گیا، آپ نے فرمایا: اللہ اکبر! یمن کی کنجیاں میرے ہاتھوں میں دے دی گئی ہیں، خدا کی قسم! میں صنعاء کے دروازوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔(۲)

---

(۱) صحیح البخاری: ۵/۱۰۸، رقم الحدیث: ۴۱۰۱۔ (۲) سنن النسائی: ۶/۴۳، رقم الحدیث: ۳۱۷۶، مسند احمد بن حنبل: ۳۰/۶۲۶۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور روایت کا حوالہ بھی دیا ہے کہ جب پہلی بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کدال ماری تو ایک بجلی چمکی، جس سے شام کے تمام محلات روشن ہو گئے، آپ نے اللہ اکبر کہا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے فرمایا کہ جبرئیل امین نے مجھے خبر دی ہے کہ آپ کی امت ان شہروں کو فتح کرے گی۔(۱)

خندق کی کھدائی کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی معجزات ظاہر ہوئے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قصہ آپ پڑھ چکے ہیں، اسی سے ملتا جلتا واقعہ حضرت بشر بن سعد رضی اللہ عنہ کی بیٹی کے ساتھ پیش آیا، اس کی ماں نے کچھ کھجوریں دے کر اسے بھیجا کہ اپنے باپ (بشر بن سعد رضی اللہ عنہ) کو اور اپنے ماموں (عبداللہ بن رَوَاحہ رضی اللہ عنہ) کو دے آئے، وہ لڑکی کھجوریں لے کر لشکر میں آئی اور اپنے باپ اور ماموں کو تلاش کرنے لگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا: تجھے کس کی تلاش ہے، اس نے عرض کر دیا کہ میں یہ کھجوریں اپنے باپ اور ماموں کے لیے لے کر آئی ہوں اور انہیں تلاش کر رہی ہوں، آپ نے وہ کھجوریں اس سے لے لیں اور تمام لوگوں میں اعلان کرا دیا کہ آجاؤ کھانا کھالو، لوگ آگئے، تمام لوگوں نے پیٹ بھر کر کھجوریں کھائیں، وہ کھجوریں آپ کے کپڑے میں تھیں، تمام لوگ فارغ ہو کر چلے گئے تب بھی وہ کھجوریں کپڑے میں بھری ہوئی تھیں، اور اس سے باہر نکل کر گر رہی تھیں۔(۲)

یہاں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی قابل ذکر ہے، انھوں نے ہی خندق کھودنے کا مشورہ دیا تھا، وہ بڑے مضبوط انسان تھے، پہلے ہی دن انھوں نے دس آدمیوں کا کام تنہا کیا، ان کی اس کارکردگی کو دیکھ کر مہاجرین کہنے لگے سلمان رضی اللہ عنہ ہم میں سے ہیں، انصار کہتے تھے سلمان رضی اللہ عنہ ہم میں سے ہیں، یہ قصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سلمان میرے اہل بیت میں سے ہیں۔(۳)

(۱) فتح الباری: ۷/ ۳۹۷۔ (۲) الدلائل للبیہقی: ۳/ ۴۲۷، الخصائص الکبریٰ للسیوطی: ۱/ ۲۷۰، عیون الاثر ابن سید الناس: ۲/ ۸۷۔ (۳) المستدرک للحاکم: ۳/ ۵۹۸، الطبقات الکبریٰ: ۴/ ۸۳۔

لشکرِ کفار کی آمد

مسلمان خندق تیار کر کے فارغ ہی ہوئے تھے کہ دس ہزار افراد پر مشتمل کفار کا لشکر مدینے کے قریب پہنچ گیا، انھوں نے جبل اُحد کے دامن میں پڑاؤ ڈالا، وہ اپنے سامنے ایک لمبی چوڑی خندق دیکھ کر حیران رہ گئے، اس طرح کی خندقوں سے نہ انہیں کبھی واسطہ پڑا تھا اور نہ انھوں نے ان کے متعلق کبھی کچھ سنا تھا، کہنے لگے واللہ یہ عربوں کا کام نہیں ہے، اب صورت حال یہ تھی کہ مسلمانوں اور دشمنوں کے درمیان یہ خندق حائل تھی جسے عبور کرنا جان جوکھم میں ڈالنا تھا، خندق کے پیچھے مسلمان ٹھہرے ہوئے تھے، ان کے پیچھے جبل سلع تھا، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ اسی پہاڑ پر ایستادہ کیا گیا تھا، یہاں سے آپ پورے میدان پر نظر رکھتے تھے، اور یہیں سے آپ دعائیں مانگتے تھے، اس پہاڑ میں ایک غار بھی ہے جس میں آپ نے رات میں قیام بھی فرمایا، مسجد نبوی سے جبل سلع کا فاصلہ چھ سو ننانوے میٹر ہے، اس کی اونچائی سو میٹر، لمبائی ایک سو پانچ میٹر اور چوڑائی تین سو پندرہ میٹر سے نو سو بیس میٹر تک ہے۔

کفار کی آمد سے قبل ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دفاعی اور حفاظتی نظام مضبوط کر لیا تھا، عورتوں اور بچوں کو نسبتاً بلند اور محفوظ مکانوں میں منتقل کر دیا تھا، اور حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرما دیا تھا۔

دو بہ دو جنگ کی بہ ظاہر کوئی صورت نہیں تھی، اس لئے ایک دوسرے کی طرف تیر پھینکے جاتے رہے، جن میں سے اکثر ضائع ہو گئے، کچھ نشانے پر لگے، کچھ لوگوں کو زخم بھی آئے، اسی تیر اندازی میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے، بعد میں اسی زخم کی وجہ سے انتقال فرما گئے۔

کافروں کا اتنا زبردست لشکر دیکھ کر مسلمانوں کے دلوں میں خوف پیدا ہو گیا، منافقین اور کم زور ایمان رکھنے والے لوگوں نے اپنے خوف کا برملا اظہار کرنا بھی شروع کر دیا، مُعتّب بن قُشیر کہنے لگا کہ محمد تو تمہیں قیصر و کسریٰ کی کنجیاں دلوانے کا وعدہ کر رہے

تھے اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم قضائے حاجت کے لیے بھی نہیں جا سکتے۔(۱) بعض منافقین کہنے لگے یا رسول اللہ! ہمارے مکانات غیر محفوظ ہیں، ہمیں مدینے جانے کی اجازت دیجئے، یہ لوگ مکانات کی حفاظت کے بہانے یہاں سے راہ فرار اختیار کرنا چاہتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں تین سو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو مدینے بھیج دیا کہ وہ وہاں جا کر مکانات کی حفاظت کریں۔

قرآن کریم کی منظر کشی

قرآن کریم نے اس وقت کے حالات کی منظر کشی کی ہے، جسے پڑھ کر اب بھی دل کانپ جاتا ہے، سورۂ احزاب میں فرمایا: اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا. هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا. وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا.(۲)

”یاد کرو جب وہ تم پر اوپر سے بھی چڑھ آئے تھے، اور تمہارے نیچے سے بھی، اور جب آنکھیں پتھرا گئیں تھیں اور کلیجے منہ کو آگئے تھے، اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کی باتیں سوچنے لگے تھے، اس موقع پر ایمان والوں کی بڑی آزمائش ہوئی اور انہیں ایک سخت بھونچال میں ڈال کر ہلا ڈالا گیا اور یاد کرو جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے یہ کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے جو وعدہ ہم سے کیا ہے وہ دھوکے کے سوا کچھ بھی نہیں“۔

صورت حال یہ تھی کہ کچھ لوگ کہہ رہے تھے: یثرب کے لوگو! تمہارے لیے یہاں ٹھہرنے کا کوئی موقع نہیں ہے، بس واپس لوٹ جاؤ، اور انہی میں سے کچھ لوگ نبی سے یہ کہہ کر (گھر جانے کی) اجازت مانگ رہے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں، حالاں کہ وہ غیر محفوظ نہیں تھے بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح وہ بھاگ کھڑے ہوں۔(۳)

ایسے مشکل حالات میں وہی لوگ ثابت قدم رہے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے

---

(۱) سیرت ابن ہشام: ۳/۱۵۹۔ (۲) الاحزاب: ۱۰-۱۲۔ (۳) الاحزاب: ۱۳۔

ایمان ویقین کی دولت سے مالا مال کیا تھا، وہ کافروں کی فوجیں دیکھ کر گھبرائے نہیں بلکہ انھوں نے کہا: ''یہ وہی ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا، اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا، اور اس واقعے نے ان کے دلوں میں ایمان اور تابع داری کے جذبے میں اضافہ کردیا تھا۔(۱)

صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا صلح سے انکار

مشرکین بڑی تعداد میں آئے، اور لاؤ لشکر بھی ساتھ لائے، ان کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد محض تین ہزار تھی، بعض حضرات نے اس سے کم لکھی ہے، ان میں بھی اچھی خاصی تعداد منافقین کی تھی، کم زور ایمان رکھنے والے بھی کچھ کم نہ تھے، بہت سے چہروں پر گھبراہٹ اور خوف کے آثار نظر آرہے تھے، ان حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک میں یہ خیال آیا کہ مسلمان انسان ہونے کے فطری تقاضے کی بنا پر کہیں گھبرا نہ جائیں، اس لئے بہتر ہوگا کہ قبائل غطفان سے جن کی تعداد بھی چھ ہزار سے زیادہ تھی صلح کرلی جائے، ان قبیلوں کے سردار عُیَینہ بن حصن اور حارث بن عوف سامنے موجود ہیں، ان کو بات چیت کے لیے بلا لیا جائے اور مدینے کی ایک تہائی پیداوار پر ان سے مصالحت کرلی جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس خیال کا اظہار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے کیا، یہ دونوں اوس وخزرج کے سردار تھے، ان دونوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر آپ ایسا چاہتے ہیں تو کر سکتے ہیں اور اگر اللہ کی مرضی یہی ہے تب بھی ہم اس پر عمل کرنے پر مجبور ہیں، اور اگر محض ہمارے خیال سے ایسا کرنا چاہتے ہیں تو فرمائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کا کوئی حکم نہیں ہے، بلکہ میں نے تمہارے خیال سے اس کا فیصلہ کیا ہے، میں دیکھ رہا ہوں کہ عرب نے متحد ہوکر ایک کمان سے تم پر تیر برسانے شروع کردئے ہیں، بس میں اس مصالحت کے ذریعے ان کا اتحاد توڑنا چاہتا ہوں۔

شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ جن سے یہ روایت منقول ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) الاحزاب:۲۲۔

نے عیینہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر اور حارث بن عوف بن أبی الحارثہ رضی اللہ عنہ کو جو قبائل غطفان کے قائد تھے بلا کر یہ بات کہہ دی تھی کہ ہم تمہیں مدینے کے نخلستانوں کی تہائی کھجوریں دے دیں گے، اس شرط پر کہ تم واپس چلے جاؤ، بات چیت ہو گئی تھی، دستاویز لکھی جا چکی تھی، صرف فریقین کے اور گواہوں کے دستخط باقی رہ گئے تھے، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! جب ہم مشرک تھے، اور بتوں کی پوجا کرتے تھے اس وقت نہ ہم اللہ کو جانتے تھے اور نہ اس کی عبادت کرتے تھے، تب ہمارا حال یہ تھا کہ یہ لوگ جن کو تہائی کھجوریں دینے کی بات ہو رہی ہے وہ لوگ ہم سے ایک کھجور بھی نہیں لے سکتے تھے، الا یہ کہ وہ ہم سے خریدیں یا مہمان بن کر کھالیں، اور آج جب ہمیں اللہ نے ایمان کی دولت عطا کر دی ہے اور اسلام کے ذریعے ہمیں عزت بخشی ہے ہم ان کو اپنا مال دے دیں، ہم انہیں ایک گٹھلی بھی دینے کے روادار نہیں ہیں، خدا کی قسم! ان کا اور ہمارا فیصلہ تلوار کے ذریعے ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جیسا تم بہتر سمجھو، سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے وہ معاہدہ نامہ لیا اور اس پر جو تحریر لکھی گئی تھی وہ اپنے ہاتھ سے مٹا دی۔(۱)

بنو قریظہ کا نقض عہد

بنو قریظہ کے یہودیوں سے بھی مسلمانوں نے امن کا معاہدہ کر رکھا تھا، مسلمان اس معاہدے کی پاس داری کرتے چلے آرہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدشہ تھا کہ بنو نظیر کے یہودیوں کی طرح بنو قریظہ کے یہودی بھی عہد شکنی کریں گے، اور کفار و مشرکین سے جا ملیں گے، یہ لوگ مدینہ کے جنوب میں سکونت پذیر تھے، اس وقت مدینے کی تمام سمتیں اور جہتیں اہمیت کی حامل تھیں، مشرکین چاہتے تھے کہ مدینے کی جنوبی سمت غیر محفوظ ہو جائے، اس کے لیے بنو قریظہ کو اپنے ساتھ ملانا ضروری تھا۔

بنو نظیر کا سردار حی بن اخطب خود قریظہ کے سردار کعب ابن اسد کے پاس گیا، پہلے تو اس نے دروازہ نہ کھولا، اور یہ کہہ کر حی ابن خطب کو ٹرخانے کی کوشش کی ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کر رکھا ہے، اس معاہدے کو توڑنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، خدا کی قسم! میں یہ

(۱) تاریخ ابن کثیر ۴/۱۰۵۔

معاہدہ نہیں توڑوں گا، میں نے محمد کو سچا اور عہد کو پورا کرنے والا پایا ہے، ویسے بھی تو اپنے ساتھ ذلت اور رسوائی کے سوا کچھ نہیں لاتا۔

اس صاف اور دوٹوک جواب کے بعد بھی حی بن اخطب وہیں کھڑا رہا، آخر مجبور ہوکر کعب نے دروازہ کھول دیا، دونوں میں کیا باتیں ہوئیں اور کس طرح حی بن اخطب نے کعب کو شیشے میں اتارا، یہ الگ موضوع ہے، فی الحال تو یہ بتلانا مقصود ہے کہ بنوقریظہ نے معاہدۂ صلح توڑ دیا، اور مشرکین کے ساتھ مل گئے، غداری اور بدعہدی یہودیوں کی سرشت میں داخل ہے، دونوں کے درمیان طے یہ پایا کہ اگر کفار کو شکست ہوتی ہے تو حی ابن اخطب بنوقریظہ کے ساتھ اسی قلعے میں آکر رہے گا تاکہ مسلمانوں کی طرف سے جو تکلیف انہیں پہنچے حی ابن اخطب بھی اس میں شریک ہو۔

بنوقریظہ کی عہد شکنی سے کفار کے خیموں میں مسرّت کی لہر دوڑ گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس صورت حال سے سخت صدمہ ہوا، لیکن کیوں کہ ابھی کوئی بات پوری طرح واضح نہیں تھی اس لئے آپ نے تحقیق حال کے لیے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اور خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ کو بنوقریظہ کی طرف بھیجا کہ جاؤ اور تحقیق کرو کہ جو خبر ہمیں ملی ہے وہ صحیح ہے یا غلط، اگر خبر صحیح ہو تو یہاں پہنچ کر اشاروں کنایوں میں بات کرنا اور مبہم انداز میں خبر دینا، اور اگر خبر غلط ہو تو بلند آواز سے بتلانا تاکہ سب لوگ سن لیں، وفد نے واپس آکر مبہم انداز میں عرض کیا، بنوقریظہ نے وہی کیا جو عضل اور قارہ نے کیا تھا۔

خبر سچی تھی، اور بنوقریظہ سے اس کے علاوہ توقع بھی کیا جاسکتی تھی، اس کے اثرات ونتائج پریشان کن ہونے والے تھے، یہ ایک بڑا واقعہ تھا، مگر ان کی اس بدعہدی کو صبر وتحمل کے ساتھ برداشت کرنا ہی وقت کا تقاضا تھا، حالات اس بات کے متقاضی تھے کہ بنوقریظہ کی عہد شکنی کی وجہ سے مدینے کی جو سمت غیر محفوظ ہوگئی ہے اس کے تحفظ کے اقدامات کئے جائیں، چناں چہ اسی وقت سلمہ بن اسلم رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دو سو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تین سو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو روانہ کردیا گیا، دوسری طرف بنوقریظہ نے بھی جنگ میں براہ راست شرکت کرنے کے لیے بیس اونٹ روانہ کردئے جو کھجور، جو

اور انجیر سے لدے ہوئے تھے۔(۱)

محاذ جنگ کی صورت حال

بنو قریظہ کی حمایت اور براہِ راست جنگ میں شرکت کے بعد کفار کے حوصلے بلند ہوگئے، خندق عبور کرکے مسلمانوں تک پہنچنے کی ان کی کوششیں تیز ہوگئیں، رات ہوتے ہی بڑی تعداد میں ان کے گھوڑے خندق کے قریب گھومتے پھرتے، اور صبح تک اس کوشش میں رہتے کہ خندق عبور کرلیں، مگر ناکام رہتے، ایک رات خالد بن ولید نے اپنے چند گھڑسواروں کے ساتھ ایک ایسی جگہ سے خندق عبور کرنے میں کامیابی حاصل کرہی لی جہاں خندق کی چوڑائی نسبتاً کم تھی، لیکن اس محاذ پر حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ دوسو جاں بازوں کے ساتھ موجود تھے، معمولی جھڑپیں ہوئیں، حضرت طفیل بن نعمان رضی اللہ عنہ ان جھڑپوں میں شہید ہوگئے۔

دونوں طرف سے تیراندازی کا سلسلہ ایک مہینے تک چلتا رہا، کفار نے کئی تدبیریں سوچیں، مگر ناکام رہے، ایک روز مشورہ ہوا کہ بس بہت ہوچکا، اب سب کو مل کر زبردست حملہ کرنا ہے، عکرمہ بن ابی جہل، نوفل بن عبداللہ، ضرار بن خطاب، اور عمرو بن عبدود وغیرہ ایک جگہ سے خندق عبور کرنے میں کامیاب ہوگئے، انہوں نے سامنے آکر مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی، عمرُ بن عبدود بدر میں زخمی ہوگیا تھا، اس نے قسم کھائی تھی کہ میں اس وقت تک سر میں تیل نہیں لگاؤں گا جب تک اپنا بدلہ نہیں لے لوں گا، اس کی دعوت مبارزت کے جواب میں حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سامنے آئے، حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جب عمرو نے للکارا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور حضور سے مقابلے کی اجازت چاہی، آپ نے فرمایا یہ عمرو ہے، مقصد یہ بتلانا تھا کہ تم ابھی کم سن ہو، وہ مشہور اور تجربہ کار پہلوان ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے، عمرو نے پھر للکارا، حضرت علی رضی اللہ عنہ دوبارہ کھڑے ہوئے اور دوبارہ اجازت چاہی، آپ نے دوبارہ بھی یہی کہا کہ تم ابھی چھوٹے ہو، وہ پہلوان ہے، تیسری مرتبہ جب عمرو نے للکار کر کہا کوئی ہے جو میرے مقابلے میں

(۱) السیرۃ النبویہ لابن کثیر: ۳/۱۹۹، البدایہ والنہایہ: ۴/۹۵، السیرۃ الحلبیہ: ۲/۳۲۳۔

آئے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اجازت طلب کی، تب آپ نے اجازت دے دی، کہتے ہیں کہ اس وقت عمرو بن عبدود کی عمر نوے سال سے زیادہ تھی، اس نے انہیں یہ کہہ کر واپس کرنا چاہا کہ تم ابھی چھوٹے ہو، میں بچوں کو قتل کرنا پسند نہیں کرتا، میرے کسی مقابل کو بھیجو، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہایت بے خوفی سے جواب دیا لیکن میں تو تم جیسے ہی لوگوں کو قتل کرنا پسند کرتا ہوں، یہ سن کر عمرو غصے میں آگیا، گھوڑے سے اتر کر حضرت علی رضی اللہ عنہ طرف بڑھا، ان پر تلوار سے حملہ کیا، جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بہ کمال ہشیاری ڈھال سے روک لیا، اگر چہ پیشانی زخم آلود ہوگئی، دوسرا وار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہوا، عمرو اس حملے کی تاب نہ لا سکا اور وہیں ڈھیر ہوگیا، مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا، عمرو کا انجام دیکھ کر باقی لوگوں نے راہِ فرار اختیار کرنے میں ہی عافیت سمجھی، اسی افراتفری میں نوفل بن عبداللہ خندق میں جا گرا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہیں پہنچ کر اس کا خاتمہ کر دیا، ابن سعد کہتے ہیں کہ ان کو زبیر بن عوّام رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا، ممکن ہے دونوں نے ہی قتل کیا ہو، یہ دن بڑا سخت تھا، تمام دن تیر برستے رہے، پتھروں کی بارش بھی ہوتی رہی، مسلمانوں کو نمازیں پڑھنے کا موقع بھی نہیں ملا، مسلسل چار نمازیں قضا ہوگئیں۔

کفار نے اپنے سردار نوفل کی لاش لینے کے لیے دس ہزار درہم کی پیش کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ پیش کش ٹھکرادی اور فرمایا کہ وہ بھی ناپاک تھا، اس کی دیت بھی ناپاک ہے، ہم اس پر بھی لعنت بھیجتے ہیں اور اس کی دیت پر بھی، آپ نے بغیر کسی معاوضے کی اس کی لاش واپس کر دی۔(۱)

دشمنوں کی صفوں میں گھس پیٹھ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ جنگ ایک چال ہوتی ہے۔(۲) اس حدیث کا واضح مطلب یہ ہے کہ جنگ میں دشمن کو نقصان پہنچانے اور مسلمانوں کی تکلیف کو دور کرنے کے لیے

(۱) البدایہ والنہایہ:۴/۱۰۶، الکامل لابن اثیر:۴/۱۰۷، الطبقات الکبری:۲/۶۸۔ (۲) صحیح البخاری:۴/۶۴، رقم الحدیث: ۳۰۲۹، صحیح مسلم:۳/۱۳۶۱، رقم الحدیث:۱۷۳۹۔

فریق مخالف کو دھوکا دینا جائز ہے، یہ شریعت میں ممنوع نہیں ہے۔

ابھی حالات جوں کے توں تھے اور یہ اندازہ نہیں تھا کہ دونوں طرف کی افواج کتنی مدت تک اس سخت موسم میں ایک دوسرے کے خلاف یوں ہی صف آراء رہیں گی، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین جی جان سے مدینے کی اور اپنے اموال کی حفاظت میں لگے ہوئے تھے، دعاؤں کا سلسلہ بھی جاری تھا، کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین رسول اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور یوں عرض گزار ہوئے: یارسول اللہ! مارے خوف کے ہمارا برا حال ہے، کیا اس موقع کے لیے کوئی دُعا ہے جو ہم پڑھ لیا کریں، فرمایا: ہاں! تم یہ دُعا پڑھا کرو۔ اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَآمِنْ رَوْعَاتِنَا.(۱) ”اے اللہ ہمارے عیبوں کی پردہ پوشی فرما اور ہمارے خوف کو اطمینان میں تبدیل کردے“۔

رسول اللہ ﷺ کا دعاؤں میں تضرع معروف ومشہور ہے اور یہ تضرع اس وقت اور بڑھ جاتا تھا جب آپ غزوات میں ہوتے تھے، غزوۂ خندق کے موقع پر بھی آپ ربِّ کائنات کے حضور گڑگڑاتے رہے اور فتح ونصرت کی دعائیں مانگتے رہے، آپ کی زبان مبارک پر یہ دُعا کثرت سے رہتی تھی، جیسا کہ صحیحین میں عبداللہ بن اَبی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس غزوے کے موقع پر آپ نے یہ دُعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ مُنْزِلَ الْکِتَابِ سَرِیْعَ الْحِسَابِ اِھْزِمِ الْاَحْزَابَ، اَللّٰھُمَّ اھْزِمْھُمْ وَزَلْزِلْھُمْ. ”اے اللہ! کتاب نازل کرنے والے، اور جلد حساب لینے والے، ان جماعتوں اور گروہوں کو شکست دے، اے اللہ ان کو شکست دے اور ان کے پاؤں اکھاڑ دے“۔(۲)

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی دُعا قبول فرمائی، اور ایسے حالات پیدا ہوئے کہ کفار ومشرکین نے میدان جنگ سے بھاگنے ہی میں عافیت سمجھی۔

ایک دن قبیلۂ غطفان کے ایک سردار نُعیم بن مسعود اشجعی رضی اللہ عنہ چھپتے چھپاتے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے یہ عرض کیا: یارسول اللہ! میں

(۱) مسند احمد بن حنبل: ۱۷/۲۷، رقم الحدیث: ۱۰۹۹۶۔ (۲) صحیح البخاری: ۴/۴۴، رقم الحدیث: ۲۹۳۳، صحیح مسلم: ۳/۱۳۶۳، رقم الحدیث: ۱۷۴۲۔

مسلمان ہو چکا ہوں، مگر میرے قبیلے کے لوگ اس سے بے خبر ہیں، آپ جو خدمت مجھ سے لینا چاہیں وہ لے لیں، میں ہر طرح سے حاضر ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لڑائی تو حیلہ اور تدبیر ہی کا نام ہے، تم اس سلسلے میں جو کرنا چاہتے ہو وہ کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت پا کر نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ پہلے بنو قریظہ کے پاس گئے، ان کے بڑوں سے ملے، اور ان سے کہا کہ تم لوگ اس لڑائی میں شریک تو ہو گئے ہو، مگر تم نے اس کا انجام نہیں سوچا، اس جنگ میں اگر قریش اور غطفان کو فتح ہوتی ہے تب تو خیر بات دوسری ہے، لیکن اگر شکست ہوئی تو یہ لوگ تو اپنا راستہ لیں گے، پھر تمہارا کیا ہوگا، یہاں محمد ہوں گے اور تم ہوگے، اس وقت نہ تمہیں قریش بچانے آئیں گے اور نہ غطفان والے آئیں گے، بنو قریظہ نے کہا: ہاں یہ بات تو ہے، بتلاؤ کیا کریں، اگر تمہارے ذہن میں کوئی تدبیر ہو تو ہمیں اس سے آگاہ کرو، نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے ذہن میں ایک تدبیر ہے اگر تم اس پر عمل کرلو تو ہوسکتا ہے شکست کی صورت میں وہ تدبیر تمہارے کام آجائے، اپنے اطمینان کے لیے بہ طور ضمانت ان سے چند آدمی طلب کرلو جو تا اختتامِ جنگ تمہارے قبضے میں رہیں، تاکہ شکست کے بعد وہ تمہیں تنہا چھوڑ کر نہ بھاگیں، اس صورت میں وہ اپنے ان ساتھیوں کی بھی فکر کریں گے جو تمہارے پاس ہوں گے، یہودیوں نے کہا: آپ کا مشورہ بہترین ہے، ہم ضرور ان سے ضمانت کے طور پر چند آدمی طلب کریں گے۔

یہاں سے نکل کر اشجعی رضی اللہ عنہ پہلے قریش کے پاس پہنچے اور ان سے کہا کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ بنو قریظہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مصالحت کرنا چاہتے ہیں، انھوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایک پیغام بھیجا ہے جس میں انہوں نے اپنی غلطی کی معافی مانگی ہے، اور یہ کہا ہے کہ ہم معافی کے عوض آپ کی خدمت میں قریش اور غطفان کے کچھ سردار گرفتار کر کے پیش کر دیں گے، میں نے سنا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس پیش کش کو قبول کرلیں گے، قریش کے پاس سے اٹھ کر وہ غطفان کے خیموں میں گئے، ان سے بھی اسی طرح کی گفتگو کی۔

اس کے بعد قریش اور غطفان نے عکرمہ ابن ابی جہل وغیرہ کو بنی قریظہ کے پاس یہ پیغام لے کر بھیجا کہ بہت دن گزر چکے ہیں، اب لڑائی ختم ہونی چاہیے، تم لوگ بھی

میدان میں آؤ، سب مل کر مسلمانوں پر حملہ کریں تو بات بنے، بنی قریظہ نے جواب دیا کہ پہلی بات تو یہ ہے کل سبت (سنیچر) ہے اور آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ ہم سبت کے دن کوئی کام نہیں کرتے، اور دوسری بات یہ ہے کہ ہمیں تمہارا بھروسہ نہیں ہے، تم پردیسی لوگ ہو، اگر تمہیں شکست ہوگئی تو تم ہمیں تنہا چھوڑ کر چل دو گے، یہاں محمد سے لڑنے کے لیے ہم تنہا رہ جائیں گے، تم لوگ ایسا کرو کہ اپنے چند سردار ہمارے پاس گروی رکھ دو، اس جواب سے قریش اور غطفان کو یقین ہوگیا کہ بنی قریظہ ساتھ دینے والے نہیں ہیں، انھوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم کوئی آدمی تمہیں نہیں دیں گے، تم ہمارا ساتھ دینا چاہو تو دو، نہ دینا چاہو تو نہ دو، اشجعی رضی اللہ عنہ کی اس بہترین تدبیر سے قریظہ اور قریش وغطفان میں پھوٹ پڑگئی۔(۱)

تیز ہواؤں کے جھکّڑ

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں قبول فرمالیں، اندھیری رات کا سفر ختم ہوا، اور صبح مسرّت طلوع ہوئی، بڑے سخت اور صبر آزما حالات تھے، مسلمان ایک مہینے تک دشمنوں کے نرغے میں رہے، اللہ کو رحم آیا، اور اس نے فتح ونصرت کے دروازے کھول دئے، رات کا وقت تھا، دشمن کے تمام لوگ نیند کے مزے لے رہے تھے کہ تیز آندھی چلی، ان کے تمام خیمے اکھڑ گئے، سامان الٹ پلٹ ہوگیا، گردوغبار سے فضا اس قدر بھر گئی کہ سانس لینا دوبھر ہوگیا، بلکہ آنکھ کھول کر دیکھنا بھی مشکل ہوگیا، قریش وغطفان کے بہادر جوان، رؤساء اور سردار مارے خوف کے ادھر ادھر بھاگنے لگے، ٹھنڈی ہواؤں کے تیز جھکڑ تو تھے ہی نادیدہ فرشتے بھی مسلمانوں کی مدد کو آپہنچے تھے، قرآن کریم نے اس صورت حال کی ان الفاظ میں منظر کشی کی ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحاً وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْراً.(۲) ”اے ایمان والو! یاد کرو، اس وقت تم پر کیسا انعام کیا جب تم پر بہت سے لشکر چڑھ آئے تھے، پھر ہم نے ان پر ایک آندھی بھی بھیجی اور ایسے لشکر جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے، اور تم جو کچھ کر رہے تھے اللہ اس کو دیکھ رہا تھا“۔

(۱) سیرۃ ابن ہشام:۳/۲۴۴، زاد المعاد:۳/۲۷۳، البدایہ والنہایہ:۴/۱۱۱، ۱۱۳۔ (۲) الاحزاب:۹۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ہواؤں کا یہ طوفان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کھلا معجزہ تھا، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان کفار سے کچھ زیادہ دور نہیں تھے، صرف خندق درمیان میں حائل تھی، لیکن ہوا کا طوفان کفار کی طرف تھا، مسلمان بالکل محفوظ تھے، اس کے ساتھ ہی فرشتے بھی اتر آئے، انھوں نے خیمے اکھاڑ دئے اور ان کی طنابیں کاٹ دیں، روشنیاں گل کردیں، ہانڈیاں الٹ دیں، کفار کے گھوڑے ایک دوسرے پر چڑھ دوڑے، ان کے دل مارے خوف کے لرزنے لگے، ان کے لشکروں میں نعرۂ تکبیر کی آوازیں گونجنے لگیں، ہر شخص اپنے قریب کے لوگوں کو آوازیں دے رہا تھا، اور بچاؤ بچاؤ کر رہا تھا۔(۱)

وہی ہوا جو ہونا تھا، کفار ومشرکین کا یہ لشکرِ جرّار وہاں سے سراسیمہ ہوکر بھاگا، قرآن کریم میں ان کی واپسی کا ذکر کچھ اس طرح ہے: وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْراً وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا.(۲) ''اور جو لوگ کافر تھے اللہ نے انہیں ان کے تمام تر غیظ وغضب کے ساتھ اس طرح واپس کردیا کہ وہ کوئی خیر حاصل نہیں کرسکے اور اہل ایمان کی طرف سے لڑائی کے لیے اللہ خود کافی ہوگیا، اور اللہ بڑی قوت کا بڑے اقتدار کا مالک ہے''۔(۳)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں مشرکین کی طرف جاؤں اور وہاں کی خبر لے کر آؤں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کہیں میں گرفتار نہ کرلیا جاؤں، آپ نے فرمایا: انك لن تؤسر تم کسی بھی قیمت پر پکڑے نہیں جاؤ گے، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے یہ دُعا فرمائی، اَللّٰهُمَّ احْفَظْهُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ، وَعَنْ يَّمِيْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ، وَمِنْ فَوْقِهٖ وَمِنْ تَحْتِهٖ. ''اے اللہ اس کی حفاظت فرما، سامنے سے، پیچھے سے، دائیں سے بائیں سے، اوپر سے اور نیچے سے'' آپ کی دُعا سے میرا خوف جاتا رہا، اور میں پورے اطمینان کے ساتھ ان کے درمیان جا پہنچا، جب میں ان کے لشکر میں پہنچا تو ہوا اس قدر تیز تھی کہ کوئی چیز اپنی جگہ نہیں

(۱) تفسیر القرطبی: ۱۴/۱۴۴۔ (۲) الاحزاب: ۲۵۔ (۳) الطبقات الکبری: ۲/۶۹۔

ٹھہر رہی تھی، اندھیرا اس قدر تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا، میں نے ابوسفیان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ یہاں سے نکلو، ہمارے سارے جانور ہلاک ہوگئے ہیں، بنوقریظہ نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے، یہ کہہ کر ابوسفیان اونٹ پر بیٹھ کر چل دیا، میرے دل میں آیا کہ لاؤ اسے مار ڈالوں، مگر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہدایت یاد آئی کہ وہاں جا کر کوئی نئی بات نہ کرنا۔(۱)

غزوہ بنی قریظہ

یہودیوں کا قبیلہ بنی قریظہ مدینہ منورہ کے قریب ہی رہتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب یہاں ہجرت کر کے تشریف لائے تو دوسرے قبیلوں کی طرح آپ نے اس قبیلے کے ساتھ بھی امن کا معاہدہ کیا، اس معاہدہ کی پہلی شق ہی یہ تھی کہ مسلمان اور یہودِ بنوقریظہ دونوں ایک دوسرے کے دشمنوں کی مدد نہیں کریں گے، لیکن جب بنونضیر کی شہ پر ابوسفیان کی قیادت میں مشرکینِ مکہ اور غطفان وغیرہ قبائل کے دس ہزار لوگ مدینے پر حملہ کرنے کے ارادے سے جبل اُحد کے دامن میں خیمہ زن ہوئے تو بنوقریظہ کے یہود معمولی پس و پیش کے بعد دشمنوں سے جا ملے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا شدید قلق ہوا، گو آپ نے اس کا اظہار نہیں فرمایا، خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ دشمن کی فوج شدید برفیلی ہواؤں کے تھپیڑوں کا مقابلہ نہ کر سکی اور میدان سے بھاگتی نظر آئی۔ یہ تیئیس ذی قعدہ سن پانچ ہجری کا واقعہ ہے، کفار واپس چلے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو لے کر مدینے تشریف لے آئے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے ہتھیار کھول دیئے۔ ظہر کے قریب حضرت جبرئیل آئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ نے ہتھیار اتار دیئے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ انہوں نے کہا: مگر ابھی فرشتوں نے ہتھیار نہیں رکھے ہیں اور نہ وہ ابھی واپس ہوئے ہیں۔ آپ فوراً بنوقریظہ کی طرف تشریف لے چلیں۔(۲)

(۱) مستخرج ابی عوانہ: ۴/۳۲۰، رقم الحدیث: ۶۸۴۲۔ (۲) صحیح البخاری ۹/۳۸۹، رقم ۲۶۰۲۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی روانگی

حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ کہہ کر کہ ابھی فرشتوں نے ہتھیار نہیں کھولے ہیں اور نہ وہ ابھی واپس گئے ہیں، بنو قریظہ کی طرف چلے گئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بنو غنم کی گلیوں میں وہ غبار اپنی آنکھوں سے دیکھا جو جبرئیل امین کی سواری کے جانے سے اڑا تھا۔(۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قافلہ مدینے کے قریب ایک بستی سے جس کا نام صَورَین تھا گذرا، آپ نے وہاں کے لوگوں سے دریافت فرمایا: کیا ہم سے پہلے بھی کوئی یہاں سے گزرا ہے، لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! دِحیہ الکلبی گذر کر گئے ہیں، وہ ایک سفید خچر پر سوار تھے، اس کی پیٹھ پر زِین کسی ہوئی تھی اور زِین پر دیباج کی چادر پڑی ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا: وہ جبرئیل علیہ السلام تھے، جنہیں بنو قریظہ کے دلوں میں رعب پیدا کرنے کے لئے اور ان کے قلعوں کو متزلزل کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔(۲)

پڑاؤ اور محاصرہ

بنو قریظہ پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ایک کنویں کے قریب پڑاؤ ڈالا، اس سے قبل حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ لشکر اسلام کا جھنڈا لے کر بنو قریظہ پہنچ چکے تھے، جیسے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ قلعے کے قریب پہنچے یہودیوں نے قلعے کی فصیلوں پر کھڑے ہوکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں نہایت گستاخانہ کلمات کہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ قلعے کے قریب تشریف نہ لے جائیں، یہود بدزبانی پر اتر آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو انہیں بولنے کی جرأت نہ ہوتی، یہ کہہ کر آپ قلعے کی طرف بڑھے اور یہود سے مخاطب ہوکر فرمایا: اے بندرو کے بھائیو، کیا تمہیں اللہ نے ذلیل وخوار نہیں کیا اور کیا تم پر اپنا عذاب نازل نہیں فرمایا، یہود نے جواب دیا: ابوالقاسم! آپ ہمارے حال سے ناواقف نہیں ہیں، مسلمانوں کا یہ لشکر بھی تین

(۱) صحیح البخاری ۱۴/۲۳ رقم الحدیث ۳۸۰۹۔ (۲) تفسیر الطبری ۲۱/۹۵، ۹۶، البدایہ والنہایہ ۴/۱۱۷، ۱۱۸۔

ہزار نفوس پر مشتمل تھا اور اس میں چھتیس گھوڑے شامل تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے بنو قریظہ کے قلعے کا پچیس دن تک محاصرہ کیا، یہاں تک کہ وہ تنگ آ گئے اور ان پر خوف طاری ہو گیا، ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس صورت حال میں وہ کیا کریں اور کس طرح اس محاصرے کو ختم کرائیں۔(۱)

کعب بن سعد کی تقریر

ایک دن بنو قریظہ کے سردار کعب بن سعد نے تمام محصورین کو جمع کیا اور اس مصیبت سے گلو خلاصی کے لئے ان کے سامنے تین تجویزیں رکھیں اور ان سے کہا کہ اگر تم محمد (ﷺ) سے خود کو بچانا چاہتے ہو تو تمہیں میری ان تین تجویزوں میں سے ایک پر عمل کرنا ہوگا۔

۱- پہلی تجویز تو یہ ہے کہ ہمیں محمد ﷺ پر ایمان لے آنا چاہئے، خدا کی قسم! یہ بات ہم سب پر روز روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے کہ بلاشبہ محمد اللہ کے نبی اور اس کے رسول ہیں، در حقیقت یہ وہی نبی ہیں جن کا ذکر ہماری کتاب تورات میں موجود ہے۔ اگر ہم ان پر ایمان لے آئے تو ہماری جان، مال اور بیوی بچے سب بچ جائیں گے۔

اس تجویز کو مسترد کرتے ہوئے بنو قریظہ نے کہا کہ بھلا ہم اپنا دین کیسے چھوڑ سکتے ہیں، کچھ بھی ہو جائے ہم اپنے آباء و اجداد کے دین پر ہی قائم رہیں گے۔

۲- کعب بن سعد نے دوسری تجویز یہ رکھی کہ اگر تم اپنا دین ترک نہیں کرنا چاہتے تو ہم سب کو ایک فیصلہ کن جنگ کے لئے تیار ہو جانا چاہئے، مگر اس کے لئے پہلے تمہیں خود اپنے ہاتھوں سے اپنے بیوی بچوں کا قتل کرنا ہوگا، پھر بے خوف ہو کر مسلمانوں سے ٹکرانا ہوگا، بچ گئے تو بیوی بچے اور مل جائیں گے، نہ بچے تو ہمارے بعد ہماری نسلیں غلامی کا طوق پہن کر تو زندہ نہیں رہیں گی۔ بنو قریظہ نے اپنے سردار کی یہ تجویز بھی ٹھکرا دی، کہنے لگے جب بیوی بچے ہی نہ ہوں گے تو پھر زندگی میں کیا خاک لطف رہے گا، ان کے بعد لڑیں گے کس کی خاطر اور جی کر کریں گے کیا؟

(۱) سیرت ابن ہشام ۱۶۷/۳، ۱۶۸، الکامل لابن اثیر ۱۲۷/۲۔

۳-کعب نے کہا کہ اگر تمہیں یہ بھی منظور نہیں تو ایسا کرلو کہ آج دشمن پر شب خون مارنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ آج یوم السبت (سنیچر کا دن) ہے، مسلمان یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہم آج کے دن لڑائی جھگڑوں سے دور رہتے ہیں کیوں کہ یہ دن ہمارے لئے انتہائی مقدس ہے، ہمیں مسلمانوں کی اس غفلت سے فائدہ اٹھا کر حملہ کر دینا چاہئے۔ یہود نے کعب کی یہ تجویز بھی ٹھکرا دی، کہنے لگے، واقعی یہ دن مقدس ہے، ہم کسی بھی قیمت پر اس کی حرمت پامال کرنے کا جرم نہیں کر سکتے، ہمارے اسلاف اس دن کی بے حرمتی کر کے سور اور بندر بن چکے ہیں، ہم ہرگز ایسا کوئی کام نہیں کریں گے جس کی وجہ سے ہم کسی آسمانی عذاب میں گرفتار ہو جائیں۔(۱)

ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا

بنی قریظہ نے تینوں تجویزیں مسترد کردیں، کعب ابن سعد نے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا، معاملہ پھر جوں کا توں تھا، محاصرے پر چند روز اور گزر گئے، تنگ آکر بنو قریظہ نے ابولبابہ بن عبد المنذ ر رضی اللہ عنہ کو بلانے کی حکمت عملی اختیار کی، ان کے ساتھ بنو قریظہ کے دوستانہ مراسم تھے، انہیں امید تھی کہ وہ کوئی ایسا راستہ نکالنے میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے جس سے یہ محاصرہ ختم ہو جائے گا اور ہماری جان بچ جائے گی، بدر کے واقعات میں ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا ذکر آچکا ہے، آپ نے ان کو راستے سے واپس کر کے مدینے کا حاکم مقرر فرمایا تھا اور واپس آنے کے بعد ان کو مال غنیمت میں سے حصہ دیا تھا، بنو قریظہ کی یہ درخواست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچی آپ نے ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس بھیج دیا، بنو قریظہ کے پیر و جواں انہیں دیکھ کر رونے لگے، ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا دل بھر آیا، ان لوگوں کے پاس ان کی آمد و رفت رہتی تھی، جس کی بنا پر وہ ایک دوسرے سے اچھی طرح واقف بھی تھے اور مانوس بھی، ذمہ دار حضرات نے ان سے پوچھا: کیا ہم قلعے سے نکل کر محمد کے پاس چلے جائیں؟ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے جواب تو اثبات میں دیا، لیکن ساتھ ہی گلے پر ہاتھ پھیر کر یہ بھی بتلا دیا کہ تم لوگ قلعے سے اترے اور ذبح کئے گئے۔(۲)

(۱) سیرت ابن ہشام ۱۶۹/۳، البدایہ والنہایہ ۱۲۰/۴۔ (۲) سیرت ابن ہشام ۱۶۹/۳۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی ندامت اور توبہ

ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے اشارتاً یہ بات کہہ تو دی، مگر ندامت نے ان کی حالت دگرگوں کر ڈالی، خود کہتے ہیں کہ ابھی میں نے اپنی جگہ سے قدم اٹھا کر دوسری جگہ بھی نہ رکھا تھا کہ مجھے اس بات کا احساس ہو گیا کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کی ہے، مجھے یہ رازافشاں نہیں کرنا چاہئے تھے کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ وہ اسی وقت قلعے سے باہر نکل آئے، شرمندگی اتنی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی آنے کا حوصلہ نہ کر سکے، سیدھے مسجد نبوی پہنچے اور یہ کہہ کر خود کو ایک ستون کے ساتھ باندھ لیا کہ میں اس وقت تک اسی طرح بندھا رہوں گا جب تک اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول نہیں کر لیں گے۔ دوسرا عہد انہوں نے یہ کیا کہ وہ کبھی بنوقریظہ نہیں جائیں گے، کیوں کہ جس شہر میں ان سے اتنی بڑی خیانت کا ارتکاب ہوا ہے اس شہر کو وہ دوبارہ دیکھنا نہیں چاہتے۔ یہ ستون جس کے ساتھ انہوں نے خود کو باندھا تھا ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے قریب تھا۔

ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے غلطی سرزد ہوئی اور اس کی تلافی کے لئے انہوں نے اپنے لئے سزا تجویز کی، اس سے پہلے ہی یہ آیت نازل ہو چکی تھی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ.(۱) ''اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے بے وفائی نہ کرنا اور نہ جانتے بوجھتے اپنی امانتوں میں خیانت کے مرتکب ہونا'' اس آیت سے آپ کو ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی کیفیت کا علم ہوا۔ آپ نے فرمایا اگر ابولبابہ رضی اللہ عنہ میرے پاس چلے آتے تو میں ان کے لئے دعاءِ مغفرت کرتا، لیکن جب وہ ایسا کر گزرے ہیں تو میں ان کو اپنے ہاتھ سے اس وقت تک نہ کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کے سلسلے میں اپنا حکم نازل نہ فرمادے۔

روایات میں ہے کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ چھ دن تک کھجور کے ایک تنے سے بندھے رہے اور توبہ واستغفار کرتے رہے، نماز کے اوقات میں ان کی اہلیہ آتیں اور انہیں

(۱) الانفال: ۲۷۔

کھول دیتیں، نماز کے بعد پھر باندھ دیتیں، ایک دن فجر کی نماز سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تشریف فرما تھے، یکا یک آپ مسکرانے لگے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ سدا ہنستے مسکراتے رہیں، اس وقت ہنسنے کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا: ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول ہوگئی۔ میں نے عرض کیا: کیا میں ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو یہ بات نہ بتلادوں۔ آپ نے فرمایا: بتلادو۔ میں اٹھ کر کمرے کے دروازے پر آئی اور میں نے کہا: اے ابولبابہ رضی اللہ عنہ! خوش ہوجاؤ، اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی ہے۔ میری آواز سن کر لوگ ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو کھولنے کے لئے دوڑے مگر انہوں نے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی اپنے دست مبارک سے کھولیں گے۔ چنانچہ صبح کی نماز پڑھنے کے لئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرے تو آپ نے ان کو کھول دیا۔(۱)

قرآن کریم کی جو آیت حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ کے سلسلے میں نازل ہوئی وہ یہ ہے:

وَ آخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ آخَرَ سَيِّئًا. عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ. ''اور کچھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کیا ہے، انہوں نے ملے جلے عمل کئے ہیں، کچھ نیک کام اور کچھ برے، امید ہے اللہ ان کی توبہ قبول کرلے گا''۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق یہ آیت ان دس حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں نازل ہوئی جو سستی اور کاہلی کی وجہ سے غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہوئے، ان میں حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، ممکن ہے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے دو مرتبہ خود کو ستون سے باندھا ہو، ایک مرتبہ بنوقریظہ کے معاملے میں، اور دوسری مرتبہ غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کرنے پر دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ۔ ان کے نام سے ایک ستون اب بھی مسجد نبوی میں موجود ہے۔ اسے ''اسطوانۃ التوبہ'' بھی کہا جاتا ہے۔ اکثر مفسرین نے غزوۂ تبوک والے واقعے کو ترجیح دی ہے۔(۲)

(۱) سیرت ابن ہشام ۳/۲۰۷، السیرۃ الحلبیہ ۳/۱۴۰، تفسیر الطبری ۲۱/۹۷۔ (۲) اسباب النزول، واحدی، ۱۹۳۔

بنوقریظہ نے ہار مان لی

مسلمانوں کے طویل محاصرے سے عاجز اور پریشان ہوکر بنوقریظہ نے اپنے قلعے سے اتر کر نیچے آنے کا فیصلہ کرلیا اور وہ بھی اس اعلان کے ساتھ کہ ہمارے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی فیصلہ فرمائیں گے وہ ہمیں منظور ہوگا۔ ہجرت سے پہلے بنوقریظہ قبیلہ اوس کے حلیف تھے، بنونضیر کا تعلق خزرج سے تھا، جیسے ہی یہ لوگ قلعے سے باہر نکلے اوس کے بہت سے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! بنوقریظہ ہمارے قبیلے کے حلیف ہیں، ہماری درخواست ہے کہ آپ ان کو معاف فرمادیں۔ انہوں نے یہ بھی عرض کیا کہ آپ نے ہمارے خزرجی بھائیوں کے کہنے پر بنونظیر کو معاف فرمادیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ تمہارے ہی قبیلے کا کوئی شخص ان کا فیصلہ کردے۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ہمیں منظور ہے اور ہم اس کا اختیار اپنے قبیلے کے سردار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو دیتے ہیں، وہ جو فیصلہ کریں گے ہمیں منظور ہوگا۔(۱)

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

غزوۂ خندق میں تیر لگنے سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ زخمی ہوگئے تھے، اور وہ اس غزوے میں شرکت کرنے کے لئے نہیں آسکے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کو بلاؤ، لوگ ان کو بلانے کے لئے گئے، ان کا زخم ابھی مندمل نہیں ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر وہ اسی حالت میں ایک خچر پر بیٹھ کر تشریف لے آئے، آپ نے انہیں آتے ہوئے دیکھا تو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے فرمایا: اپنے سردار کی تعظیم کے لئے اٹھو، چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اٹھے اور انہیں خچر سے اتار کر حضور کے قریب لائے، راستے میں اوس قبیلے کے لوگ اپنے سردار سے درخواست کرنے لگے کہ جس طرح خزرجی بھائیوں نے اپنے حلیفوں کو معافی دلوادی تھی آپ بھی رسول اللہ سے کہہ کر اپنے حلیفوں کو معافی دلوادیں۔

---

(۱) السیرۃ الحلبیہ ۳ر۴۱۔

سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کسی کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا، نہ اثبات میں نہ نفی میں، لوگ درخواست کرتے رہے مگر وہ چپ رہے۔ بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگئے، رسول اللہ نے ان سے فرمایا: اے سعد! بنوقریظہ کے معاملے میں فیصلہ کرو، ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جانا چاہئے۔ سعد نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ اور اس کے رسول ہی فیصلے کے زیادہ حق دار ہیں، آپ نے فرمایا: اللہ چاہتا ہے تم فیصلہ کرو۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے پہلے اپنی قوم کے لوگوں سے یہ عہد لیا کہ وہ جو فیصلہ کریں گے انہیں منظور ہوگا، سب نے سمع و طاعت کا وعدہ کیا، اس کے بعد انہوں نے احتراماً اس جانب اشارہ کیا جدھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، مقصد یہ تھا کہ میری قوم تو میرے فیصلے پر رضامند رہے گی، ادھر جو حضرات ہیں وہ کیا کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! ہمیں بھی تمہارا فیصلہ منظور ہوگا، اس کے بعد انہوں نے اپنا فیصلہ سناتے ہوئے کہا کہ بنوقریظہ میں جو جوان ہٹے کٹے لڑنے والے ہیں ان کو قتل کردیا جائے، ان کے بچوں اور عورتوں کو کو غلام، باندی بنا لیا جائے اور ان کے اموال مسلمانوں میں تقسیم کردیئے جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے سعد! تم نے وہی فیصلہ کیا ہے جو خدا چاہتا ہے۔(۱)

حقیقت یہ ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں اسلام کا وسیع تر مفاد تھا، انہوں نے اپنے قبیلے کے تمام لوگوں کی اپیلیں اور گزارشات محض اس لئے مسترد کردیں کہ یہ وقت فیصلہ کن اقدامات کا متقاضی تھا، اگر آج بنوقریظہ کو پرانے رشتوں کے حوالے سے معافی دے دی جاتی کل وہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے آج سے بڑا خطرہ بن سکتے تھے، انہوں نے بغاوت کی اور باغیوں کی سزا ہر مذہب کے اساطیر اور ہر ملک کے قوانین میں صرف موت ہے، بنوقریظہ نے کھلم کھلا بغاوت کی تھی، ان کو یہی سزا ملنی چاہئے تھی جو سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے تجویز کی اور وہ شاید اسی دن کے لئے زندہ تھے، روایات میں ہے کہ اس فیصلے کے بعد ان کے زخموں سے خون بہہ پڑا اور وہ جاں بحق ہوگئے۔

---

(۱) صحیح البخاری ۱۲/۱۶۱۵، رقم الحدیث ۳۵۲۰، سیرت ابن ہشام ۳/۱۷۱، السیرۃ الحلبیہ ۳/۴۱۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس فیصلے کے بعد سعد نے یہ دعا مانگی: ''اے اللہ! تو جانتا ہے کہ مجھے اس سے زیادہ کوئی عمل پسند نہیں کہ میں تیری خاطر ان لوگوں سے جہاد کروں جنہوں نے تیرے رسول کو جھٹلایا اور ان کو وطن سے نکالا، اے اللہ! میرا خیال ہے کہ اب تو نے ہمارے اور قریش کے درمیان جنگ ختم کردی ہے، اگر یہ جنگ تھوڑی بہت باقی ہے تو مجھے زندہ رکھ تا کہ میں ان سے جہاد کرسکوں اور اگر جنگ ختم ہوچکی ہے تو میرا یہ زخم جاری کردے تا کہ میں اسی مرض میں مرجاؤں۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اس فیصلے کے بعد ان کے زخم سے خون بہہ پڑا اور وہ اسی میں وفات پا گئے۔(۱)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کی موت سے عرش الٰہی ہل گیا. ایک روایت میں ہے کہ ان کی روح کے لئے آسمان کے تمام دروازے کھول دیئے گئے اور فرشتے ان کے آنے سے خوش ہیں، ان کے جنازے میں ستر ہزار فرشتوں نے آسمان سے اتر کر شرکت کی، ان کی قبر سے مشک کی خوشبو آیا کرتی تھی۔(۲)

فیصلے کا نفاذ

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلے پر اسی وقت عمل ہوا، بنو قریظہ کے تمام لوگوں کو قیدی بنا کر مدینے لایا گیا اور ایک انصاری عورت کے کشادہ مکان میں ان کو رکھا گیا، کچھ گڑھے کھودے گئے، جن قیدیوں کے قتل کا فیصلہ ہوا ان کو دو دو چار کی تعداد میں وہاں لایا جاتا اور گڑھے کے کنارے کھڑا کرکے ان کی گردن اڑا دی جاتی اور ان کی لاشوں کو گڑھوں میں پھینک کر اوپر سے مٹی ڈال دی جاتی۔ اس طرح چار سو افراد قتل کئے گئے۔ اس تعداد میں اختلاف بھی کیا گیا ہے۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے چھ سو اور ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے سات سو کی تعداد ذکر کی ہے۔ علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ مقتولین کی تعداد آٹھ سو اور نو سو کے درمیان تھی۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ

(۱) صحیح البخاری ۲۷/۱۳، رقم الحدیث ۸۳۱۳، صحیح مسلم ۲۲۵/۹، رقم ۳۳۱۶۔(۲) صحیح البخاری ۱۶۴/۱۲، رقم ۳۵۱۹، صحیح مسلم ۲۴۰/۱۲، رقم الحدیث ۴۵۱۱، سیر اعلام النبلاء ۲۹۰/۱، ۲۹۱۔

محدثین نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے جو روایت بیان کی ہے اس میں چار سو کی تعداد ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ان مختلف روایات، میں تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ممکن ہے اصل یہودیوں کی تعداد چار سو ہو اور باقی سب ان کے نوکر چاکر اور غلام ہوں۔(۱)

نابالغ بچوں اور عورتوں کو قتل نہیں کیا گیا، صرف ایک عورت کو قتل کی سزا دی گئی، اس کا نام بنانہ بتلایا گیا ہے، اس کو اس لئے قتل کیا گیا کہ اس نے چھت سے چکی کا پاٹ گرا کر حضرت خلاد بن سُوید رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا، اس پر قصاص کی حد جاری کی گئی۔ یہ عورت بڑی ڈھیٹ تھی۔ اسے معلوم ہو چکا تھا کہ وہ بھی کچھ دیر بعد قتل کر دی جائے گی، اس کے باوجود اس کے چہرے پر کسی قسم کی کوئی گھبراہٹ نظر نہ آتی تھی، بلکہ وہ اس طرح بیٹھی باتیں کر رہی تھی جیسے کسی تقریب میں شریک ہونے کے لئے یہاں آئی ہو۔ قتل سے کچھ دیر پہلے تک بنانہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے باتیں کرتی رہی اور بات بات پر ہنستی رہی۔ اتنے میں اس کا نام پکارا گیا، وہ اٹھ کر چل دی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: کہاں جا رہی ہو؟ کہنے لگی، میرا نام آگیا ہے، میں قتل ہونے جا رہی ہوں۔ میں نے ایک جرم کیا تھا اس کی سزا پانے جا رہی ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ جواب سن کر سخت تعجب ہوا، اکثر فرمایا کرتی تھیں کہ مجھے اس کی ہنسی پر اور مزاحیہ جملوں پر آج تک تعجب ہوتا ہے۔(۲)

حی ابن اخطب یہودی

ان قیدیوں میں قبیلۂ بنونضیر کا سردار حی بن اَخطب بھی تھا، اسی نے بنوقریظہ کو عہد شکنی پر آمادہ کیا تھا، بنوقریظہ نے اس شرط کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا معاہدہ ختم کیا تھا کہ جنگ میں شکست ہونے پر وہ شخص ہمارے ساتھ ہمارے قلعے میں رہے گا، غزوۂ خندق میں شکست کے بعد حی ابن اخطب اپنے وعدے کے مطابق بنوقریظہ کے پاس ان کے قلعے میں آگیا، جب بنوقریظہ کو گرفتار کر کے لایا گیا تو یہ شخص بھی قیدیوں میں شامل ہوا اور اس کے قتل کا بھی فیصلہ ہوا، جس وقت اس کو قتل گاہ کی طرف لے جایا جا رہا تھا وہ کچھ

(۱) فتح الباری، ۷/۴۱۴۔ (۲) البدایہ والنہایہ ۴/۱۴۹، سنن ابی داؤد: ۳/۵۴، رقم الحدیث: ۲۶۷۱، مسند احمد بن حنبل: ۴۳/۳۸۳، رقم الحدیث: ۲۶۳۶۴۔

دیر کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رکا اور آپ کی طرف دیکھ کر کہنے لگا کہ میں آپ کی عداوت میں خود کو ملامت نہیں کروں گا، بات صرف اتنی ہے کہ جس کو اللہ ذلیل کرنا چاہے وہ ذلیل ہو کر رہتا ہے، پھر وہ لوگوں کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا: اے لوگو! جو کچھ ہوا وہ اللہ کے حکم سے، اس کی لکھی ہوئی تقدیر کے مطابق ہوا، یہ ایک سزا تھی جو اللہ نے بنی اسرائیل کی قسمت میں لکھ دی تھی، پھر وہ بیٹھ گیا، گردن اڑانے والوں نے اس کی گردن اڑادی۔(۱)

زُبیر بن بَاطا قُرَظی

یہ ایک بوڑھا یہودی تھا جو قید ہو کر آیا تھا، اس پر حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی نظر پڑگئی، عہد جاہلیت میں جنگ بعاث کے موقع پر اس شخص نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو پکڑ لیا تھا، ان کو قتل کرنے کے بہ جائے پیشانی کے بال کاٹ کر انہیں آزاد کر دیا تھا۔ آج حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے اس بوڑھے کو دیکھا تو اس کا احسان یاد آگیا، وہ اس کے قریب گئے اور پوچھا: بڑے میاں! مجھے پہچانتے ہو؟ اس نے کہا: بھلا میں تمہیں کیسے بھول سکتا ہوں۔ انہوں نے کہا: میں تمہارے احسان کا بدلہ چکانا چاہتا ہوں، اس نے کہا: شریف آدمی ہی شریف آدمی کے احسان کا بدلہ چکا تا ہے۔ یہ سن کر حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میری خاطر اس کا خون معاف کر دیجئے، میں اس کے پرانے احسان کا بدلہ چکانا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو معاف فرمادیا۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بوڑھے کے پاس آئے اور اس سے کہا تم آزاد ہو، جہاں چاہو جا سکتے ہو، اس نے کہا: میں بوڑھا آدمی، اہل وعیال کے بغیر زندہ رہ کر کیا کروں گا۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے حضور سے کہہ کر اس کے اہل وعیال بھی واپس دلا دیئے، بیوی بچے پا کر بوڑھا بولا، حجاز میں بیوی بچے ہوں اور مال و دولت نہ ہو، ایسی زندگی سے کیا فائدہ، حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے اس کا مال بھی واپس دلا دیا۔

چاہئے تو یہ تھا کہ وہ بوڑھا حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کا شکریہ ادا کرتا اور کہیں جا کر بس

(۱) تاریخ ابن کثیر ۴/۱۲۴، ۱۲۵، عیون الاثر ۲/۱۰۹، زاد المعاد ۳/۱۳۵۔

جاتا، یا اس حسنِ سلوک پر اسلام ہی قبول کر لیتا، مگر بعض لوگوں کے دلوں میں قوم پرستی کا نشہ اندر تک سرایت کر جاتا ہے۔ اس بوڑھے کے ساتھ بھی معاملہ کچھ ایسا ہی تھا۔ سب کچھ پانے کے بعد بھی اسے اپنے دوستوں اور قبیلے کے سرداروں کی فکر تھی۔ اس نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اچھا یہ بتلاؤ کہ ہمارے سردار کعب بن سعد کا کیا ہوا؟ انہوں نے جواب دیا اس کو قتل کر دیا گیا، اور حیی ابن اخطب کس حال میں ہے؟ فرمایا: وہ بھی قتل ہو چکا ہے، اور شداد بن سموئل کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا ہے؟ انہوں نے بتلایا کہ وہ بھی اب زندہ نہیں ہے، یہ سن کر بوڑھا یہودی کہنے لگا: ان سب کے بعد اب جینے میں کیا لطف باقی ہے، اگر مجھ پر احسان ہی کرنا ہے تو یہ کرو کہ مجھے جلد از جلد میرے دوستوں سے ملا دو، حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر آگے کر دیا، کچھ ہی لمحوں میں وہ بھی اپنے دوستوں کے پاس جا چکا تھا۔(۱)

غزوۂ خندق کے بعد

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ غزوۂ خندق میں کفار و مشرکین کو ذلت ناک شکست کا سامنا کرنا پڑا، گذشتہ چار پانچ سالوں کی صورت حال یہ رہی کے مکہ مکرمہ کے قریش مسلسل یہ کوشش کرتے رہے کہ مسلمان مدینہ منورہ میں سکون سے نہ رہیں، اس سلسلے میں کئی جنگیں بھی انھوں نے لڑیں، مدینے پر حملہ آور بھی ہوئے، چیلنج دے کر بھی گئے، غزوۂ خندق کے لیے وہ لوگ بڑے طمطراق کے ساتھ آئے تھے، دوسرے قبائل کو بھی اپنے ساتھ لگا کر لائے، دس ہزار کا بڑا لشکر تھا، گھوڑے، اونٹ بڑی تعداد میں تھے، اسلحہ بھی بہت تھا، کافروں کو مکمل یقین تھا کہ مسلمانوں کے خلاف ان کی یہ آخری جنگ ہوگی، اور ان کا قصہ اس جنگ کے ساتھ ہی ختم ہو جائے گا، لیکن خندق کھودنے کی حکمت عملی کی وجہ سے دونوں فریقوں میں دو بہ دو جنگ کی نوبت ہی نہیں آئی، کوہِ احد کے دامن میں وہ بیس پچیس دن اسی طرح پڑے رہے، پھر خدا کی نصرت مسلمانوں کے شامل حال ہوئی، اور دشمنوں کو دُم دبا کر بھاگنا پڑا۔

(۱) مجمع الزوائد ۶/۱۴۱، ۱۴۲، سیرت ابن ہشام ۳/۲۴۲۔

قدرتی طور پر مسلمانوں کو دشمن کی شکست سے بڑا حوصلہ ملا، اس کے برعکس مشرکین کے حوصلے پوری طرح پست ہو گئے، اس صورت حال کے پیش نظر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے فرمایا: الآن نغزوهم، ولا يغزوننا، نحن نسير إليهم.(۱) ''اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے، وہ ہم پر چڑھ کر آنے کے قابل نہیں رہے، اب ہم ان تک پہنچیں گے'' حدیث بالکل واضح ہے کہ اب تک تو یہ لوگ ہم پر چڑھ چڑھ کر آیا کرتے تھے، آج کی شکست نے ان کی کمر توڑ دی ہے، اب یہ لوگ اس قابل نہیں رہے کہ ہم پر حملہ آور ہوں، چناں چہ ایسا ہی ہوا، غزوۂ خندق کے بعد کفار اقدامی جنگ نہ لڑ سکے، دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں کو چین سے بیٹھنے نہیں دیا، اور ان کے ٹھکانوں تک ان کا پیچھا کیا، غزوۂ خندق سن پانچ ہجری کی آخری جنگ تھی، آنے والے سال میں یعنی سن چھ ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو غزووں میں حصہ لیا، اور تقریباً چودہ سرایا مختلف قبائل میں ان کی سرکوبی کے لئے روانہ کئے، ان غزوات اور سرایا کا مقصد دشمن کی رہی سہی طاقت کو کچلنا تھا، اگر ان پر لگاتار یورشیں نہ ہوتیں تو وہ پھر منظم ہو کر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہو سکتے تھے، یہ تدبیر مؤثر ثابت ہوئی، اور دشمن کو دوبارہ ابھرنے اور سر اٹھانے کا موقع نہ مل سکا۔

سَرِیّہ بنی قُرطاء

تیس سواروں کا ایک دستہ محمد بن مَسلَمہؓ کی قیادت میں نجد کے ایک مشہور قبیلے بنی بَکر بن کلاب کی سرکوبی کے لیے دس محرم الحرام سن چھ ہجری کو روانہ کیا گیا، یہ قبیلہ مدینہ منورہ سے پانچ سو کلومیٹر کی دوری پر واقع ضَرِیّہ قصبے کے قُرطاء نامی گاؤں میں آباد تھا، آج کل یہ پورا علاقہ سعودی عرب کے مشہور شہر قَصِیم کے ماتحت ہے، یہ دستہ طویل سفر کر کے قُرطاء پہنچا، اور اچانک ہی اس نے دشمن کو گھیر لیا، دشمن کے دس آدمی قتل ہوئے، باقی لوگ فرار ہو گئے، ڈیڑھ سو اونٹ اور تین ہزار بکریاں مال غنیمت کے طور پر ہاتھ آئیں، تمام تیس صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین خیر و عافیت کے ساتھ انتیس محرم کو مدینے واپس پہنچ گئے، پورے سفر میں

(۱) صحیح البخاری: ۵/۱۱۰، رقم الحدیث: ۴۱۱۰۔

انیس دن لگے، رسول اللہ ﷺ نے خمس نکال کر تمام مال غنیمت ان تیس افراد میں تقسیم فرمادیا جنھوں نے اس سریّے میں حصہ لیا تھا، دس بکریوں کو ایک اونٹ کے برابر قرار دیا گیا۔(۱)

ثُمامہ بن اُثال کی گرفتاری

واپسی پر بنوحنیفہ کے ایک سردار ثمامہ بن اثال سے آمنا سامنا ہوگیا، محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء ثمامہ سے واقف نہیں تھے، ان کو دشمن قبیلے کا ایک فرد سمجھ کر گرفتار کیا اور مدینے لے آئے، اور مسجد نبوی کے ایک ستون سے ان کو باندھ دیا، رسول اللہ ﷺ کو اس قیدی کے بارے میں بتلایا گیا، اس وقت یہ واضح ہو چکا تھا کہ ثمامہ کا تعلق بکر بن وائل سے ہے، اور یہ قبیلہ جس کی ایک شاخ بنوحنیفہ ہے یمامہ بحرین میں سکونت پذیر ہے، یہ قبیلہ بھی مسلمانوں سے سخت عداوت رکھتا تھا، رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: اے ثمامہ! تم میرے متعلق کیسا گمان رکھتے ہو، انھوں نے عرض کیا: میرا گمان آپ کے متعلق اچھا ہے، اگر آپ مجھے قتل کردیں گے تو یہ ایک خونی مجرم کا قتل ہوگا، اور اگر آپ اچھا سلوک فرمائیں گے تو یہ ایک ایسے شخص پر احسان ہوگا جس کا سر ہمیشہ باراحسان سے جھکا رہے گا، اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو میں مال بھی پیش کرسکتا ہوں، آپ خاموش رہے، دوسرے دن آپ پھر تشریف لے گئے، اور ثمامہ سے وہی دریافت فرمایا جو پہلے دن پوچھا تھا، ثمامہ نے جواب دیا اگر آپ احسان فرمائیں تو یہ ایک شکر گزار شخص پر آپ کا احسان ہوگا، آپ آج بھی خاموش رہے، تیسرے دن آپ نے پھر وہی سوال کیا، انھوں نے جواب میں کہا کہ میں اس سے پہلے دو مرتبہ اس سوال کا جواب دے چکا ہوں، میرا جواب آج بھی وہی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ثمامہ کو رہا کردیا جائے، آزاد ہونے کے بعد ثمامہ قریب کے ایک باغ میں گئے، نہائے دھوئے، اور مسجد نبوی میں واپس آکر مسلمان ہوگئے، کلمۂ شہادت پڑھنے کے بعد انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آج سے پہلے آپ

(۱) تاریخ الاسلام للذہبی ص:۳۵۱۔

کے چہرے سے زیادہ کوئی چہرہ میرے نزدیک ناپسندیدہ نہیں تھا اور آج آپ کا روئے مبارک روئے زمین کے تمام چہروں سے زیادہ مجھے عزیز ہے، آج سے پہلے آپ کے دین سے زیادہ کوئی دین مجھے برا نہیں لگتا تھا اور آج آپ کا دین مجھے سب سے زیادہ پسند ہے، آج سے پہلے آپ کا یہ شہر مجھے سخت ناپسند تھا، آج آپ کا یہ شہر ہی مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے، پھر عرض کیا: یارسول اللہ! میں تو عمرہ کرنے کے ارادے سے نکلا تھا، آپ کے لوگ مجھے گرفتار کر کے یہاں لے آئے، اب میرے لیے کیا حکم ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کرنے کی اجازت عطا فرمائی، اور یہ بھی فرمایا ان شاء اللہ تم سلامتی کے ساتھ یہ سفر کرو گے۔

ثمامہ مکے میں

مدینے سے رخصت ہو کر حضرت ثمامہ مکّے پہنچے، تلبیہ ان کی زبان پر تھا، بیت اللہ کا طواف کیا، لیکن بتوں کی طرف نگاہ بھی نہیں کی، ذرا سی دیر میں یہ بات جنگل کی آگ کی طرح مکّے میں پھیل گئی کہ بنوحنیفہ کا سردار ثمامہ بن وائل ناصبی (بے دین) ہو گیا ہے، انھوں نے اپنے اسلام کو چھپانے کی کوشش نہیں کی، بلکہ دھڑلّے سے کہا کہ بے دین اور ناصبی تو تم لوگ ہو، میں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمان ہو گیا ہوں، اور اے اہل مکہ کان کھول کر سن لو، تمھیں یمامہ کے گیہوں کا ایک دانہ بھی نہیں ملے گا، ہاں اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیں گے تو میں تمھیں گیہوں لانے دوں گا، ثمامہ نے جو دھمکی دی تھی وہ انھوں نے پوری کر کے دکھائی، یمامہ جا کر انھوں نے مکّے کے لیے گیہوں کی برآمد پر پابندی لگا دی، اہل مکہ کے لیے یمامہ کا گیہوں بڑی اہمیت رکھتا تھا، اس پابندی سے ان کے لیے سخت مشکلات پیدا ہوئیں، بالآخر مکہ مکرمہ کے سرکردہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ وہ ثمامہ سے کہہ کر یہ پابندی ہٹوا دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمامہ سے فرمایا کہ وہ اہل مکہ کو گیہوں فروخت کرنے کا سلسلہ جاری رکھیں۔ (۱) حضرت ثمامہ پہلے مسلمان ہیں جنھوں نے عمرہ کیا، اور تلبیہ پڑھا، کہتے ہیں کہ انھوں نے باواز بلند تلبیہ پڑھا، جسے سن کر

(۱) صحیح البخاری: ۵/۱۷۰، رقم الحدیث: ۴۳۷۲، صحیح مسلم: ۳/۱۳۸۶، رقم الحدیث: ۱۷۶۴۔

قریش کے نوجوان بپھر گئے، وہ سمجھے کہ کوئی مسلمان عمرہ کرنے مدینے سے یہاں چلا آیا ہے، ذرا سی دیر میں بھیڑ اکٹھی ہوگئی، کچھ لوگوں نے تلواریں نکال لیں، تاکہ اس مسلمان کو قتل کردیں جس نے خانۂ کعبہ میں اپنے نئے دین کے ساتھ گھسنے اور عمرہ کرنے کی کوشش کی تھی، قریب تھا کہ کچھ لوگ ان پر حملہ کرتے، اچانک بڑے بوڑھے وہاں پہنچ گئے، انھوں نے نوجوانوں سے کہا جانتے بھی ہو یہ شخص کون ہے، یہ یمامہ کے سردار ہیں، اگر تم ان کو قتل کردیتے ہو تو اس کا انجام انتہائی خطرناک ہوگا، ان کے قتل سے جنگ کی جو آگ بھڑکے گی وہ کئی قبیلوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی اور اسے بجھانا مشکل ہو جائے گا۔

حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ نے لمبی عمر پائی، انھوں نے غزوۂ موتہ میں بھی حصہ لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب یمامہ میں ارتداد پھیلا اور مسیلمہ بن کذاب کے فتنے نے سر ابھارا تو یہ حضرت ثمامہ ہی تھے جنھوں نے ان فتنوں کا بے جگری کے ساتھ سامنا کیا، ان کی کوششوں سے تین ہزار مرتد دوبارہ حلقہ بہ گوش اسلام ہو گئے۔(۱)

غزوۂ بنی لحیان

غزوۂ بنی قریظہ سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ ماہ تک کسی جنگی مہم میں بہ راہِ راست شرکت نہیں فرمائی اور نہ مدینے سے باہر تشریف لے گئے، چھ ماہ بعد آپ نے رجیع کے شہیدوں کا بدلہ لینے کا ارادہ فرمایا، گذشتہ صفحات میں رجیع کا دردانگیز واقعہ تفصیل کے ساتھ لکھا جاچکا ہے، حضرت عاصم بن ثابت اور حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہما اور ان کے متعدد رفقاء کو بنی لحیان نے رجیع نامی کنویں پر گھیر کر بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کرڈالا تھا، اس واقعے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گہرا صدمہ پہنچا تھا، مگر عسکری مہمات اور نوزائدہ مملکت کی انتظامی مصروفیات کے باعث آپ ان ظالموں کی سرکوبی کے لیے تشریف نہ لے جاسکے تھے، اب اس کا ارادہ فرمایا اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو حکم دیا کہ وہ ایک بڑے مقصد کے لیے نکلنے کی تیاری کریں۔

تقریباً دو سو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا لشکر اس مقصد کے لیے تشکیل دیا گیا، اس لشکر میں

(۱) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: ۱/ ۲۱۵۔

بیس گھوڑے بھی شامل تھے، حسبِ سابق حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنا کر آپ نے مدینے سے کوچ فرمایا، جنگی حکمت عملی کے تحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنولحیان کی طرف جانے والا سیدھا راستہ اختیار کرنے کے بہ جائے شام کی طرف جانے والا راستہ اختیار فرمایا، بنولحیان کی آبادی مدینے سے تقریباً دوسو میل کے فاصلے پر تھی، آپ اُدھر بہ راہِ راست بھی تشریف لے جاسکتے تھے، لیکن آپ نے مصلحتاً اپنا ارادہ مخفی رکھا، یہاں تک کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین بھی اس بات سے واقف نہیں تھے، بلکہ یہ سمجھ رہے تھے کہ شام کی جانب کوئی مہم درپیش ہے، جبلِ غراب سے ہوتے ہوئے آپ مُخیض تک پہنچے، بَتْرا ء سے گزرنا ہوا، اس کے بعد بائیں جانب مڑ گئے، اور وادیٔ یَیْن سے ہوتے ہوئے صُخَیرات الیُمام تک جا پہنچے، یہاں سے ایک راستہ مکہ مکرمہ کی طرف جاتا ہے، یہاں پہنچ کر آپ نے وہ راستہ اختیار فرمایا، اس راستے پر آپ نے تیز رفتاری کے ساتھ سفر کیا اور وادیٔ غُران تک پہنچ گئے، یہی اصل منزل تھی، بنولحیان کی آبادی اسی وادی کے اطراف میں پھیلی ہوئی تھی، یہاں پہنچ کر آپ نے پڑاؤ ڈال دیا، اطلاع ملی کہ بنولحیان اپنی بستیوں سے نکل کر پہاڑوں میں روپوش ہوگئے ہیں، آپ نے سفر کو مخفی رکھنا چاہا لیکن بنولحیان کو اس کی خبر ہو ہی ہوگئی کہ مسلمانوں کا لشکر ان سے لڑنے کے لیے مدینے سے نکل چکا ہے، اسی لئے وہ اپنے گھروں سے فرار ہوگئے۔

ان حالات میں یہاں ٹھہرنا بے سود تھا، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عُسفان تک جانے کا فیصلہ فرمایا، تاکہ اہل مکہ دیکھ لیں کہ مسلمان ان کے دروازوں تک پہنچ چکے ہیں، عسفان پہنچ کر آپ نے پہلے دو سوار کُراع الغَمِیم تک روانہ فرمائے، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مزید دس سوار ان کے پیچھے پیچھے بھیجے، کراع الغمیم عسفان سے بہ جانبِ مکہ آٹھ میل کے فاصلے پر ایک وادی ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دستہ کراع الغمیم تک پہنچا تو مشرکین مکہ میں خوف و ہراس پھیل گیا، اور یہی وادی عسفان میں آنے اور ٹھہرنے کا مقصد بھی تھا، کچھ وقت قیام کرنے کے بعد مسلمانوں کا یہ کارواں جانب مدینہ عازم سفر ہوا۔(۱)

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۳/۲۰۶، ۲۰۷، زاد المعاد: ۳/۵۲۔

غزوۂ ذی قرد

اس غزوے کا دوسرا نام غزوۂ غابہ بھی ہے، قرد ایک چشمے کا نام ہے، جو مدینہ منورہ سے پینتیس کلومیٹر دوری پر تھا، غابہ جنگل کو کہتے ہیں، یہ وہ میدان تھا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیاں چرا کرتی تھیں، یہ جگہ جبلِ سلع کے قریب تھی، یہاں درختوں کی بہتات تھی، مدینے سے اس کا فاصلہ لگ بھگ بارہ میل ہے، ایک رات بنو غطفان کی ایک شاخ فزارہ کے سردار عیینہ بن حصن نے چالیس سواروں کے ساتھ غابہ پر حملہ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیس اونٹنیاں ہنکا کر لے گیا، حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بیٹے اپنی بیوی کے ساتھ اس چراگاہ کی دیکھ بھال پر مامور تھے، حملہ آوروں نے ان کو قتل کر دیا، اور ان کی بیوی کو اٹھا کر لے گئے، ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلام حضرت رباح رضی اللہ عنہ کو اپنی اونٹنیوں کو دیکھنے کے لیے بھیجا، جس وقت رباح رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے فزارہ کے حملہ آور لوٹ مار کر کے واپس جا رہے تھے، اتفاق سے صحابیٔ رسول حضرت سلمہ ابن الاکوع رضی اللہ عنہ نے مدینے سے نکلتے ہوئے انہیں دیکھ لیا، سلمہ ایک تیز رفتار گھوڑے پر سوار جبلِ سلع کے قریب سے گزرے تو انہیں اندازہ ہوا کہ کچھ لوگ غابہ پر حملہ کر کے واپس جا رہے ہیں، وہ ایک بہترین تیر انداز بھی تھے، پہلے تو انھوں نے جبلِ سلع پر چڑھ کر واصباحا، واصباحا، پکارا، اس کے بعد انھوں نے رباح سے کہا کہ تم یہ گھوڑا لے جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے کی خبر دو، ہم دشمن کے تعاقب میں جاتے ہیں، حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بڑے نڈر اور بہادر انسان تھے، انھوں نے دشمن کا تعاقب کیا اور ان پر تیر برسائے، ان کے ہر تیر نے دشمن کے ایک فرد کو زخمی کر دیا، دشمن اس ناگہانی افتاد سے گھبرا گئے، اور اونٹ چھوڑ کر بھاگ گئے، حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے پہلے اونٹوں کو اپنے قبضے میں لیا اور انہیں مدینے کی طرف ہنکا کر پھر دشمن کے پیچھے چل دئے، وہ اس وقت بالکل تنہا تھے، دشمن کی گھبراہٹ کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے اپنے نیزے اور دوسرے ہتھیار راستے میں پھینکتے رہے اور حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ انہیں اٹھا اٹھا کر محفوظ مقامات پر رکھتے رہے، تیس نیزے اور تیس چادریں ان

کے ہاتھ آئیں۔

دوسری طرف حضرت رباح رضی اللہ عنہ نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر حادثے کی اطلاع دی تو مدینے میں یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی کہ بنی غطفان کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیاں لے گئے ہیں اور انھوں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بیٹے ذر کو قتل کر کے ان کی بیوی کو قیدی بنالیا ہے، یہ خبر سن کر سب سے پہلے مقداد بن الاسود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہ گھوڑے پر سوار تھے، آپ نے ان کے نیزے سے جھنڈا بندھوایا اور حکم دیا کہ وہ فوراً دشمنوں کے تعاقب میں جائیں، سلمہ تنہا ان کا پیچھا کر رہے ہیں، ان کے بعد عباد بن بشر، سعد بن زید، اُسَید بن ظُہَیر، عکاشہ بن محصن، محرز بن نضلہ، ابوقتادہ، ابوعیاش اور عبید بن زید گھوڑوں پر سوار ہو کر آگئے، آپ نے ان کو بھی روانہ کر دیا، اس کے بعد آپ پانچ سو صحابہ کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے، حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو جاں نشیں مقرر فرمایا، اور تین سو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو مدینے کی حفاظت پر مامور فرمایا، سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر کیا۔(۱)

اب تک تو سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ ہی دشمن سے مقابلہ کر رہے تھے، اب وہ شہ سوار بھی اس مقابلے میں شامل ہو گئے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا، سب سے پہلے اخرم آگے بڑھے، راوی کہتے ہیں کہ ہم نے انہیں پکڑ لیا وہ کہنے لگے: اے اخرم! اگر تم خدا اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو اور جنت دوزخ کو حق سمجھتے ہو تو میرے اور شہادت کے درمیان حائل نہ ہو، میں نے ان کے گھوڑے کی لگام چھوڑ دی، وہ آگے بڑھے، عبدالرحمٰن بن فزاری سے ان کا مقابلہ ہوا، اور شہید ہو گئے، اس کے بعد ابوقتادہ آگے آئے، اور انھوں نے عبدالرحمٰن بن عیینہ کو قتل کر دیا، حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے ان کا دن بھر تعاقب کیا، نہ انہیں کھانے دیا، نہ کسی چشمے پر پانی پینے دیا، مغرب تک ان کا تعاقب کرتے رہے، اور ان پر تیر برساتے رہے، یہاں تک کہ وہ اپنے دو گھوڑے چھوڑ کر فرار ہو گئے۔

دن بھر کی مقابلہ آرائی اور بھاگ دوڑ کے بعد حضرت سلمہ ذی قرد پر واپس آئے،

(۱) سیرت ابن ہشام: ۳/۲۰۸، ۲۰۹، زاد المعاد: ۳/۵۴، ۵۵، عیون الاثر: ۲/۷۲، ۷۳۔

دیکھا تو حضور ﷺ وہاں تشریف فرما ہیں، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ گوشت بھون رہے ہیں، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ سب بھوکے پیاسے ہیں، مجھے سو آدمی دیجئے، میں سب کو قتل کردوں گا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اب جب کہ تم نے غلبہ حاصل کرلیا ہے نرمی اختیار کرو، ویسے بھی دشمن کے لوگ اب غطفان پہنچ گئے ہیں۔(۱)

بخاری کی روایت

بخاری شریف میں یہ قصہ کچھ مختلف طریقے پر مذکور ہے، اس کے راوی خود حضرت سَلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ ہیں، کہتے ہیں کہ میں اذان صبح سے قبل (مدینے سے) نکل کر غابہ کی طرف گیا، رسول اللہ ﷺ کی اونٹنیاں ذی قرد میں چر رہی تھیں، راستے میں مجھے عبد الرحمٰن بن عوف کا غلام ملا، کہنے لگا کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنیاں پکڑ لی گئی ہیں، میں نے پوچھا: کس نے پکڑی ہیں، اس نے کہا: غطفان نے، (یہ سن کر) میں نے تین مرتبہ چیخ کر کہا: یا صَبَاحَا، (دشمنوں نے حملہ کردیا ہے) میری یہ آواز مدینے کی پوری آبادی میں گونج گئی، (اس کے بعد) میں آگے کی طرف روانہ ہوگیا، یہاں تک کہ وہ مجھے مل گئے، وہ جانوروں کو پانی پلانے کی تیاری کررہے تھے، میں ان پر تیر برسانے لگا، میں تیر چلا رہا تھا اور یہ کہتا جارہا تھا میں سَلمہ بن الاکوع ہوں آج کمینوں کی ہلاکت کا دن ہے، نتیجہ یہ نکلا کہ میں نے تمام اونٹنیاں ان سے چھڑالیں، اور میں نے ان سے تیس چادریں بھی چھین لیں، (اتنے میں) رسول اللہ ﷺ اور دوسرے حضرات بھی آگئے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے ان لٹیروں کو تیر مار کر بھگا دیا اور ان کو پانی بھی پینے نہیں دیا، وہ پیاسے ہیں، آپ اسی وقت ان کے تعاقب میں فوج روانہ کیجئے، آپ نے ارشاد فرمایا: اے اکوع کے بیٹے! جب وہ تیرے قابو میں آگئے تو اب نرمی کر، آپ نے مجھے اپنے پیچھے اونٹنی پر بٹھالیا، ہم مدینے واپس آگئے۔(۲)

اس روایت میں حضرت رَباح کو حضرت عبد الرحمٰن کا غلام کہا گیا ہے، اور مسلم شریف میں ان کو رسول اللہ ﷺ کا غلام کہا گیا ہے، تاہم اس میں کوئی تعارض نہیں کیوں

(۱) زاد المعاد: ۳/ ۵۷، ۵۸۔ (۲) صحیح البخاری: ۱۳/ ۹۴، رقم الحدیث: ۳۸۷۳۔

کہ عین ممکن ہے کہ غلام تو عبد الرحمٰن بن عوف کے ہوں، اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے ہوں، اسی لئے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام کہہ دیا گیا ہو۔(۱)

اس غزوے میں دو شخص شہید ہوئے، ایک اخرم یعنی محرز بن نضلہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے وقاص بن محرز المدلجی رضی اللہ عنہ، اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ طور ہمت افزائی فرمایا، سواروں میں سب سے بہتر ابوقتادہ رضی اللہ عنہ ہیں، اور پیادوں میں سب سے بہتر سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ ہیں۔(۲)

غزوۂ ذی قرد کی تاریخ میں اختلاف

اہل سیر ومغازی اس پر متفق ہیں کہ غزوۂ ذی قرد سن چھ ہجری میں صلح حدیبیہ سے پہلے پیش آیا، حافظ ابن سعد نے طبقات میں چھ ربیع الاول کی تاریخ لکھی ہے، بعض حضرات چھ جمادی الاولیٰ کہتے ہیں، حافظ محمد ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ شعبان سن چھ ہجری کہتے ہیں، ان تمام اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ غزوۂ ذی قرد حدیبیہ سے پہلے کا ہے، کیوں کہ حدیبیہ کا واقعہ ذی قعدہ سن چھ میں پیش آیا ہے، اور جب غزوۂ ذی قرد کا وقوع حدیبیہ سے پہلے ہے تو ظاہر ہے خیبر سے بھی پہلے ہوگا، کیوں کہ غزوۂ خیبر حدیبیہ کے بعد سن سات ہجری میں پیش آیا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے غزوۂ ذی قرد کی روایت سے پہلے جو باب باندھا ہے اس میں وہ یہ فرماتے ہیں، یہ وہ غزوہ ہے جس میں لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دودھ والی اونٹنیاں بھگا کر لے گئے تھے، خیبر سے تین دن قبل یہ واقعہ رونما ہوا۔(۳)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمۃ الباب سے پتہ چلتا ہے کہ یہ واقعہ حدیبیہ کے بعد ہوا، حافظ ابن قیم اور علامہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہما بھی یہی کہتے ہیں، امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی جو مفصل روایت ذکر کی ہے اس سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ یہ غزوۂ خیبر سے تین دن پہلے ہوا۔(۴)

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان متعارض اقوال میں تطبیق دیتے ہوئے فرمایا کہ

(۱) کشف الباری: ۹/۴۰۵۔ (۲) زاد المعاد: ۳/۵۹۔ (۳) صحیح البخاری: ۱۳/۹۳۔ (۴) صحیح مسلم: ۹/۳۰۳، رقم الحدیث: ۳۳۷۱۔

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی مفصل روایت میں جس خیبر کا ذکر ہے ممکن ہے وہ مشہور غزوۂ خیبر نہ ہو، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی طرف کئی بار لشکر روانہ فرمائے ہیں، لیکن ان کی اس بات میں اس لئے وزن نہیں کہ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے مَرحَب یہودی کا بھی ذکر کیا ہے، جس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقابلہ ہوا تھا، اور یہ مقابلہ مشہور غزوۂ خیبر ہی میں ہوا تھا، لہٰذا اس کو کسی دوسرے غزوۂ خیبر پر بلا دلیل محمول کرنا درست نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں قسم کی روایات میں تطبیق دینے کے لیے غزوۂ خیبر کو متعدد ماننے کے بجائے غزوۂ ذی قرد کو متعدد مانا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن حفص فزاری نے ذی قرد کے مقام پر کئی مرتبہ حملہ کیا ہے، اس لئے جس غزوۂ ذی قرد کا تذکرہ اس وقت ہو رہا ہے وہ حدیبیہ سے پہلے پیش آیا ہے، اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جس غزوۂ ذی قرد کو خیبر سے تین دن پہلے کہتے ہیں وہ حدیبیہ کے بعد پیش آیا ہے۔ (۱)

سَرِیَّہ عُکاشہ بن مِحصن

غزوۂ ذِی القَرد کے فوراً بعد اسی ماہِ ربیع الاول میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عکاشہ بن مِحصن کو بنو اسد کے مقابلے کے لیے غَمر روانہ کیا، ان کے ساتھ چالیس جاں باز صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین تھے، مسلمانوں کی آمد کی خبر پاتے ہی وہ لوگ اپنے گھروں کو خالی چھوڑ کر فرار ہو گئے، انہیں تلاش کیا گیا، مگر ایک شخص کے علاوہ کوئی ہاتھ نہ آیا، اسی کو پکڑ کر لے آئے، اس سے پوچھ گچھ کی گئی، وہ مفرورین کا پتہ تو بتا نہ سکا، البتہ اس نے بنو اسد کی چراگاہ کی نشان دہی کر دی، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین وہاں گئے اور دو سو اونٹ پکڑ کر مدینے لے آئے، اس سریّے میں حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ثابت بن اَقرم اور سِباع بن وہب رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ (۲)

حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کا شمار اجلہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں ہوتا ہے، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر سے تبوک تک ہر جنگ میں حصہ لیا، سن بارہ ہجری میں

(۱) طبقات ابن سعد: ۱/۸۰، ۸۱، زاد المعاد: ۳/۵۶، دلائل الامام للبیہقی: ۴/۱۷۸، فتح الباری: ۷/۴۶۰، ۴۶۱، بہ حوالہ کشف الباری: ۸/۴۰۳، ۴۰۴۔ (۲) تاریخ الطبری: ۲/۶۴۰۔

مرتدین سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔(۱)

سَرِیَّہ محمد بن مَسلَمہؓ

ربیع الثانی سن چھ ہجری کو ایک فوجی دستہ ذوالقصّہ کی طرف بھیجا گیا، اس جگہ کا فاصلہ مدینہ منورہ سے چوبیس میل ہے، اس دستے میں صرف دس افراد شامل تھے، حضرت محمد بن مَسلَمہؓ اس کی قیادت کر رہے تھے، بنو ثعلبہ اور بنو محوالی کے متعلق کچھ خبریں مل رہی تھیں، دس آدمیوں کا یہ دستہ ان کی سرکوبی کے لیے بھیجا گیا تھا، یہ لوگ رات کو وہاں پہنچے، دشمن پہاڑوں میں چھپ گیا، یہ لوگ سو گئے، سو آدمیوں کے ایک جتھے نے ان پر اچانک حملہ کر دیا، نو آدمی شہید ہو گئے، محمد بن مَسلَمہؓ بھی شدید زخمی ہوئے، دشمن انہیں مردہ سمجھ کر چلے گئے، کوئی شخص مدینے جا رہا تھا، اس نے زخمی محمد بن مَسلَمہؓ کو مدینے پہنچایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جیسے ہی اس واقعے کی اطلاع ملی آپ نے چالیس صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا ایک لشکر حضرت ابوعُبیدہ بن جرّاح رضی اللہ عنہ کی قیادت میں جائے وقوع پر روانہ فرمایا، لیکن دشمن کے لوگ فرار ہو گئے، کچھ مویشی صحابہؓ کے ہاتھ لگے جنہیں پکڑ کر وہ مدینے لے آئے، اس کو سَرِیّہ ذوالقصّہ ثانی بھی کہا جاتا ہے، چند ہفتوں کے بعد بنی ثعلبہ کے کچھ آدمی اپنے اونٹوں کو چرانے کے لیے مدینے کے قریب ایک چراگاہ میں لے کر آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو دوبارہ چالیس افراد کے ساتھ بھیجا، وہ لوگ خود تو بھاگ گئے لیکن اپنے مویشی چھوڑ گئے، جن کو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے اپنے قبضے میں لے لیا۔(۲)

سَرِیّہ جُموم

اسی مہینے میں ایک اور سریّہ ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی گئی تھی کہ بنو سُلیم کے لوگ کسی غلط ارادے سے جمع ہو رہے ہیں، آپ نے حضرت زید بن حارثہؓ کی قیادت میں ایک پندرہ نفری دستہ ان کی گوش مالی کے لیے روانہ فرمایا، یہ لوگ بنو سُلیم کے ٹھکانے کے قریب جُموم چشمے پر پہنچے، یہ جگہ مدینے سے چار میل کے فاصلے پر ہے، وہاں ایک عورت

(۱) الاستیعاب: ۲/ ۲۰۸۔ (۲) کتاب المغازی للواقدی: ۲/ ۵۵۱، طبقات ابن سعد: ۲/ ۷۵۔

پانی بھر رہی تھی، اس نے بنو سلیم کے مکانوں تک رہنمائی کی، زید بن حارثہ اور ان کے ساتھی کچھ لوگوں کو پکڑ کر مدینے لے آئے، بیس اونٹ مال غنیمت میں ملے۔(۱)

سَرِیّہ عِیص

جمادی الاولیٰ سن چھ ہجری میں ایک اور مہم در پیش رہی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ قریش کا ایک تجارتی قافلہ مدینے سے تقریباً پچاس میل مشرق میں ارض بنو سُلیم سے گزرنے والا ہے، آپ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ایک سو ستر سواروں کے ساتھ عِیص کی طرف روانہ فرمایا، شام کی جانب سے آنے والا یہ قافلہ کسی جگہ ٹھہرا ہوا تھا، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ان کو للکارا، مقابلہ ہوا، کچھ قریش شکست کھا کر بھاگ نکلے اور کچھ قید ہو گئے، ان کا تمام مال ومتاع مسلمانوں کے ہاتھ آیا، مال غنیمت میں چاندی کی کافی مقدار تھی جو بیت المال میں داخل کر دی گئی، قیدیوں میں حضور کے داماد، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر ابو العاص بن رَبیع بھی تھے، اور ان کی والدہ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی بہن ہالہ بنت خُوَیلد بھی تھیں۔(۲)

لیکن بعض مؤرخین اور اصحابِ سیر کہتے ہیں کہ ابو العاص گرفتار نہیں ہو سکے تھے، بلکہ وہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے، چناں چہ علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جو مال غنیمت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کے ہاتھ آیا وہ تمام مال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں میں تقسیم کر دیا، جو سریّے میں شریک تھے، اس کے بعد ابو العاص چھپتے چھپاتے مدینے پہنچے، اور اپنی اہلیہ محترمہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امان کے طالب ہوئے، آپ نے اپنے شوہر کو امان دے دی، صبح فجر کی نماز میں انھوں نے اس کا اعلان بھی کر دیا، حسب ضابطہ ان کی امان تسلیم کی گئی، ابو العاص نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے درخواست کی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ کر میرا اور دوسرے لوگوں کا مال بھی واپس دلوا دیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل سریّہ کو بلا کر فرمایا: اس شخص کا ہمارے نزدیک کیا مقام ہے تم اچھی طرح جانتے ہو، تم نے اس کا

(۱) طبقات ابن سعد: ۲/ ۷۵۔ (۲) طبقات ابن سعد: ۲/ ۸۷۔

اور اس کے ساتھیوں کا جو مال؛ غنیمت میں حاصل کیا ہے، اس پر تمہارا حق ہے جو اللہ نے تمہیں عطا کیا ہے، تم لوگ چاہو تو یہ مال انہیں واپس کر دو، اور نہ چاہو تو نہ کرو، اس مال پر تمہارا پورا حق ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم ان کا مال واپس کر دیں گے، چناں چہ سب لوگ مال واپس لائے، کسی کے پاس کوئی کیل، یا کوئی رسی بھی تھی وہ بھی لے کر آگیا۔

ابو العاص یہ سامان لے کر مکے واپس گئے، لوگوں تک ان کی امانتیں پہنچائیں پھر لوگوں سے کہا اے اہل قریش! یہ بتلاؤ کہ کیا تم میں سے کسی کا کوئی حق مجھ پر باقی رہ گیا ہے، لوگوں نے کہا: اللہ آپ کو جزائے خیر دے، ہمارا کوئی حق آپ کے اوپر باقی نہیں ہے، آپ نہایت شریف النفس انسان ہیں اور حقوق کی ادائیگی میں کھرے ہیں، ابو العاص نے کہا کہ میں مدینے میں اسلام قبول بھی کر سکتا تھا مگر میں اس ڈر سے مسلمان نہیں ہوا کہ تم لوگ یہ کہو گے کہ اس نے ہمارا مال ہڑپنے کے لیے اسلام قبول کیا ہے، اب جب کہ میں تمہارے حساب کتاب کی پائی پائی ادا کر چکا ہوں تو کہتا ہوں: اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله.(۱)

سَرِیّہ طَرِف

طَرِف مدینہ منورہ سے چھتیس میل دور مشرق کی سمت ایک چشمے کا نام ہے، خبر آئی تھی کہ کچھ دیہاتی لوگ مدینے پر حملہ کرنے کے ارادے سے جمع ہو رہے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں پندرہ افراد کو روانہ کیا، مگر وہ لوگ اپنے مستقر سے فرار ہو گئے، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بیس اونٹ اور کچھ بکریاں لے کر چار راتوں کے بعد مدینے واپس آ گئے، یہ واقعہ جمادی الاخری سن چھ ہجری کا ہے۔(۲)

سَرِیّہ حِسمیٰ

مدینے میں خبر آئی کہ بنو جذام؛ جو وہاں سے کوئی تین سو میل شمال میں تیماء کے قریب رہتے ہیں، مدینے سے آنے جانے والے قافلوں کو لوٹ لیتے ہیں، حضرت

(۱) زاد المعاد: ۳/۲۰۵۔ (۲) زاد المعاد: ۳/۲۰۵۔

دِحیہ کلبی رضی اللہ عنہ ؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گرامی نامہ لے کر قیصر روم کے پاس گئے تھے، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے قیمتی تحائف حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو دیے، بنو جزام کے ایک شخص ہُنید نے اپنے قبیلے کے کچھ افراد کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے اس قافلے کو روک لیا اور ان سے تمام قیمتی چیزیں چھین لیں، صرف ایک پرانی اور بوسیدہ چادر رہنے دی، حضرت رِفاعہ بن زید رضی اللہ عنہ جو اسی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے اور مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے، اس واقعے کی اطلاع پاکر اپنے قبیلے میں گئے اور لٹیروں سے پورا سامان لاکر حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو دے دیا، حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ نے واپس آکر پورا واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا، آپ نے پانچ سو افراد کا ایک بڑا لشکر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں روانہ فرمایا، حِسمی کے مقام پر قبیلۂ بنو جُزام اور مسلمانوں میں جنگ ہوئی، یہ جگہ وادی القری سے شمال کی جانب فَدَک اور تیماء کے درمیان واقع ہے، مدینہ منورہ سے اس کا فاصلہ ایک سو پچیس میل ہے، گویا بنو جزام کے لوگ اپنی آبادیوں سے نکل کر مدینے کی جانب بڑھ رہے تھے، راستے میں مڈبھیڑ ہوگئی، بنو جزام کو زبردست شکست ہوئی، ہنید اور اس کا بیٹا قتل ہوا، سو عورتیں اور بچے گرفتار ہو گئے، باقی لوگ ایک ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں چھوڑ کر فرار ہو گئے، غلطی سے حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کے بیوی بچے بھی گرفتار ہو گئے، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کو رہا کرنے کی درخواست کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ وہ زید رضی اللہ عنہ سے کہہ کر تمام قیدیوں کو رہا کرادیں اور ان کا تمام مال بھی واپس کردیں، یہ جنگ بھی جمادی الاخری سن چھ ہجری میں ہوئی۔(۱)

صاحب ''زادالمعاد'' کہتے ہیں کہ یہ واقعہ یقینی طور پر حدیبیہ کے بعد پیش آیا، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ سے واپس تشریف لانے کے بعد ایک ہی دن میں چھ قاصد مختلف شاہان عالم کے پاس روانہ فرمائے تھے، ان میں سے ایک دِحیہ بن خلیفہ الکلبی رضی اللہ عنہ بھی ہیں، ان کو قیصر روم کے پاس خط لے کر بھیجا گیا تھا۔(۲)

(۱) طبقات ابن سعد: ۲/۸۸۔ (۲) زادالمعاد: ۳/۲۰۶۔

سَرِیّہ دُومۃ الجُندَل

دُومۃ الجُندَل، سعودی عرب کا ایک قدیم تاریخی شہر ہے، یہ شہر فی الوقت صوبہ جوف کا دار الحکومت ہے، ریاض سے اس کی مسافت نو سو کلو میٹر اور مکہ مکرمہ سے بارہ سو کلو میٹر ہے، مدینہ منورہ کے جنوب مغرب میں واقع ہے، علامہ حموی معجم البلدان میں لکھتے ہیں کہ اس شہر میں دُوماء بن اسماعیل نے ایک قلعہ تعمیر کیا تھا، جَندَل، پتھروں کو کہتے ہیں، اس کا واحد جَندَلۃ ہے، (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان چھ ہجری میں یہاں بنو کلب کی تأدیب واصلاح کے لیے ایک لشکر روانہ فرمایا، یہ لوگ مدینے کے قافلوں اور مسافروں کو تنگ کیا کرتے تھے، یہ بھی خبر ملی تھی کہ وہاں کے باشندوں کا ارادہ مدینے پر حملہ کرنے کا ہے، اس لئے ضرورت تھی کہ بلا تاخیر اقدام کیا جائے، ویسے بھی یہ علاقہ حجاز اور شام کی سرحد پر واقع ہونے کی وجہ سے تجارتی قافلوں کے لیے بڑی اہمیت کا حامل تھا، یہاں سے بحر احمر اور خلیج عرب کا فاصلہ مدینہ منورہ کے مقابلے میں تقریباً نصف رہ جاتا ہے، اگر دومۃ الجندل کے لوگ اس علاقے میں حاوی ہو جاتے تو مسلمانوں کے لیے شام کی جانب آمد ورفت میں مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں، مدینہ منورہ سے یہاں تک کا سفر پندرہ راتوں میں پایۂ تکمیل کو پہنچتا تھا۔

اس سَرِیّے کی روانگی کے سلسلے میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک طویل روایت ہے، فرماتے ہیں: ہم دس لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر تھے، ابوبکر، عمر، عثمان، علی، عبد الرحمٰن بن عوف، عبد اللہ بن مسعود، معاذ بن جبل، حذیفہ الیمان، ابوسعید الخدری اور دسواں میں (رضی اللہ عنہم اجمعین) اتنے میں ایک انصاری نوجوان حاضر خدمت ہوا اور سلام کر کے بیٹھ گیا، (پھر) اس نے عرض کیا:

یارسول اللہ! سب سے اچھا مسلمان کون سا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: وہ مسلمان سب سے بہتر ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں، اس نے پھر پوچھا: یارسول اللہ! سب سے زیادہ ہشیار اور سمجھ دار مسلمان کون سا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا وہ مسلمان سب

(۱) معجم البلدان: ۲/۲۵۲۔

سے زیادہ سمجھ والا ہے جو موت کو سب سے زیادہ یاد کرتا ہو، اور موت آنے سے پہلے موت کی سب سے زیادہ تیاری کرنے والا ہو، ایسے ہی لوگ سمجھ دار اور ہشیار ہوتے ہیں، سنن ابن ماجہ میں یہ روایت اتنی ہی ہے، البتہ دوسری کتابوں میں اضافہ بھی ہے، راویِ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مزید فرماتے ہیں کہ نوجوان تو یہ دوسوال پوچھ کر خاموش ہوگیا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے گروہِ مہاجرین! پانچ عادتیں ایسی ہیں کہ اگر وہ تم میں پیدا ہوجائیں یا تم ان میں مبتلا ہوجاؤ، خدا نہ کرے ایسا ہو، تو وہ بہت خطرناک ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) جس قوم میں بے حیائی عام ہوجاتی ہے اس میں طاعون کی بیماری پھیل جاتی ہے اور وہ ایسی بیماریوں میں مبتلا ہوجاتی ہے جو پہلی نسلوں میں نہ دیکھی گئیں اور نہ سنی گئیں۔

(۲) جو لوگ کم تولتے ہیں، یا کم ناپتے ہیں ان کو قحط سالی میں مبتلا کردیا جاتا ہے، یا وہ شدید ترین مصائب میں گرفتار کرلئے جاتے ہیں یا ان پر ظالم حکمراں مسلط کردئے جاتے ہیں۔

(۳) جو قوم اپنے مال کی زکوۃ نہیں نکالتی اس سے بارش روک لی جاتی ہے، اگر جانور نہ ہوتے تو کسی کو ایک قطرہ بھی بارش کا میسر نہ آتا۔

(۴) جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ نقضِ عہد کرتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ دشمنوں کو مسلط کردیتے ہیں جو ان پر حملہ کرتے ہیں اور ان کا مال چھین لیتے ہیں۔

(۵) جب فیصلے کتاب اللہ کے خلاف کئے جانے لگیں تو اللہ تعالیٰ ان میں پھوٹ ڈال دیتا ہے۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وہ ایک سریّے پر جانے کے لیے تیار رہیں، صبح سویرے آپ نے انہیں طلب فرمایا اور ان کے سر پر سیاہ عمامہ باندھا، اور چار انگل شملہ پیچھے کی طرف چھوڑ دیا، پھر فرمایا: اے ابن عوف! عمامہ اس طرح باندھا کرو، یہ اچھا بھی لگتا ہے، اس کے بعد آپ نے بلال کو جھنڈا لانے کے لیے فرمایا، وہ لے کر آئے، آپ نے یہ جھنڈا عبدالرحمٰن بن عوف کے نیزے پر لگا دیا، پھر آپ

نے اللہ کی حمد وثنا بیان فرمائی، خود پر صلاۃ وسلام بھیجا اور فرمایا اے ابن عوف! اللہ کے راستے میں جا کر جہاد کرو، جو کفر کریں ان سے قتال کرو، مگر بدعہدی نہ کرو، اور نہ کسی کا مثلہ کرو، یہ اللہ کا عہد ہے اور اس کے نبی کی سنت ہے۔(۱)

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو سات سو آدمیوں کے لشکر کے ساتھ دُومۃ الجندل کی جانب روانہ فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ اگر وہ اسلام کی دعوت قبول کرلیں تو ان کے سردار کی بیٹی سے نکاح کرنے میں پس وپیش نہ کرنا، چناں چہ حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ نے وہاں پہنچ کر انہیں دین کی دعوت دی، تمام لوگ مسلمان ہوگئے، قبیلے کے سردار اصبغ بن عمر و الکلبی نے اپنی بیٹی تماضر کا نکاح حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ سے کردیا، آپ اس کو اپنے ساتھ مدینے لے کر آئے، مشہور تابعی حضرت سلمہ بن عبد الرحمٰن بن عوف؛ اسی تماضر رضی اللہ عنہا کے بیٹے ہیں۔(۲)

سَرِیّہ فدک

اسی سال شعبان میں سو آدمیوں کا ایک فوجی لشکر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی قیادت میں فدک روانہ کیا گیا، خبر ملی تھی کہ اس علاقے کے باشندے بنو سعد بن بکر یہودیوں کی مدد کرنا چاہتے ہیں، اس سلسلے میں انہوں نے ایک شخص کو بات چیت کی غرض سے خیبر بھی بھیجا تھا، جو لشکر والوں کے ہاتھ آگیا، پوچھ گچھ ہوئی تو پتہ چلا کہ بنو سعد یہودیوں سے خیبر کی نصف پیداوار پر معاہدہ کرنا چاہتے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ دن میں چھپتے اور رات میں سفر کرتے، ایک دن اچانک پہنچ کر ان پر حملہ کردیا، وہ سب لوگ جنگلوں کی طرف بھاگ گئے، پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں ہاتھ آئیں جن کو مدینے لایا گیا،(۳) فدک ایک تاریخی مقام ہے، مدینہ منورہ سے اس کا فاصلہ تقریباً دو سو پچاس کلو میٹر شمال میں ہے، اس کا محل وقوع وادی القری اور خیبر کے درمیان ہے، فی الحال یہ سعودی عرب کے صوبے حائل میں شامل ہے۔

(۱) سنن ابن ماجہ: ۱۲/۳۱۱، رقم الحدیث: ۴۲۴۹، المعجم الاوسط للطبرانی: ۱۰/۳۸۴، رقم الحدیث: ۴۸۲۷۔ (۲) طبقات ابن سعد: ۲/۸۹۔ (۳) طبقات ابن سعد: ۲/۹۰، زاد المعاد: ۳/۲۰۶۔

سریّہ اُمّ قِرفہ

ایک مرتبہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تجارت کی غرض سے شام گئے، واپسی میں وادی القری سے گزرے جو قبیلۂ بنی فزارہ کا ٹھکانہ تھا، فاطمہ بنت ربیعہ جس کی کنیت ام قرفہ ہے اس قبیلے کی سربراہ تھی، قبیلے کے کچھ جوانوں نے حضرت زید اور ان کے ساتھیوں کو مارا پیٹا اور ان کا تمام سامان چھین لیا، مدینے پہنچ کر ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کیا، آپ نے ایک لشکر تشکیل دیا اور حضرت زید ہی کی قیادت میں اس لشکر کو وادی قری روانہ کیا، انہوں نے کچھ لوگوں کو قتل کیا، کچھ بھاگ گئے، اور کچھ عورتیں گرفتار کر کے مدینے لائی گئیں، یہ واقعہ رمضان المبارک سن چھ ہجری کا ہے۔

بعض مؤرخین نے ام قرفہ کے متعلق لکھا ہے کہ اس نے مالک بن حذیفہ بن بدر سے شادی کی تھی، جس کے نتیجے میں اس کے تیرہ اور بعض روایات کے مطابق تیس بیٹے پیدا ہوئے، بڑے کا نام قرفہ تھا، یہ عورت اپنے اسی بیٹے کی کنیت سے مشہور ہوئی، شاعرہ بھی تھی، قوم میں اس کا بڑا دبدبہ تھا، کہتے ہیں کہ اگر کبھی اس کا قبیلہ پڑوسی قبیلے بنی غطفان سے باہم دست وگریباں ہوتا تو وہ ایک نیزے پر اپنا ڈوپٹہ ٹانگ کر بھیج دیتی، دونوں قبیلے فوراً مصالحت کر لیتے۔

ام قرفہ نے کسی وقت میں اسلام قبول کر لیا تھا، لیکن وہ غزوۂ احد کے موقع پر مرتد ہوگئی تھی، ارتداد کے بعد ام قرفہ نے چالیس سواروں کا ایک دستہ تشکیل دیا جس میں اس کے بیٹے اور پوتے شامل تھے، اس دستے کو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی ذمہ داری تفویض کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے ارادے کی اطلاع ملی تو آپ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ اس کو قتل کرنے کے لیے بھیجا، ان لوگوں نے اسے قتل کر دیا اور اس کی زرہ اتار کر لے آئے، بعض روایات میں ہے کہ اس کی لاش لے کر آئے۔(۱)

(۱) طبقات ابن سعد: ۲/ ۸۷، فتح الباری: ۷/ ۲۳۰۔

سریہ عبداللہ بن رواحہ

ابورافع یہودی کا قصہ گزر چکا ہے کہ اسے حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر قتل کر دیا تھا، یہ لوگ رات کے وقت اس کے قلعے نما گھر میں داخل ہو گئے تھے اور دشمن خدا ابورافع یہودی کو کیفر کردار تک پہنچا کر خیریت کے ساتھ واپس آگئے تھے، ہم نے یہ واقعہ سن تین ہجری کے واقعات کے ضمن میں بیان کیا ہے، بعض سیرت نگاروں نے پانچ ہجری میں اور بعض نے چھ ہجری رمضان المبارک میں اس کا ذکر کیا ہے۔

ابورافع کے قتل کے بعد خیبر کے یہودیوں نے اُسَیر بن رزام کو اپنا سردار بنالیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ اُسَیر؛ قبائل غطفان سے مدد مانگنے کے لیے گیا ہے، آپ نے پہلے حضرت عبداللہ بن رواحہ سمیت تین افراد کو تحقیق حال کے لیے روانہ کیا، انھوں نے آکر بتلایا کہ اُسَیر؛ قبائل غطفان کے ساتھ مل کر جنگ کرنا چاہتا ہے، آپ نے شوال چھ ہجری میں عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تیس صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا ایک دستہ روانہ کیا، اور انہیں ہدایت کی کہ وہ اُسَیر اور اس کے ساتھیوں کو لے کر آئیں تاکہ ان سے گفت وشنید کی جا سکے، اُسَیر اپنے تیس ساتھیوں کے ساتھ اس طرح روانہ ہوا کہ ایک اونٹ پر دو آدمی تھے، ایک مسلمان اور ایک یہودی، راستے میں یہودیوں کا ارادہ بدل گیا، انھوں نے تلواریں نکال لیں اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا، مسلمان بھی خم ٹھونک کر میدان میں آگئے، ذراسی دیر میں سارے یہودی قتل ہو گئے، الحمدللہ مسلمانوں کو کوئی نقصان نہیں ہوا۔(۱)

سریہ کرز بن جابر الفہری

شوال سن چھ ہجری میں عُکَل اور عُرَینہ قبیلوں کے چند افراد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمت میں حاضر ہوئے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ان میں سے چار آدمیوں کا تعلق قبیلۂ عرینہ سے تھا، تین قبیلۂ عُکَل کے تھے اور ایک کسی اور قبیلے کا، ان

(۱) المواہب اللدنیہ: ۱/۳۴۵، طبقات ابن سعد: ۲/۹۰۔

لوگوں نے اسلام قبول کرنے کی خواہش ظاہر کی اور مسلمان ہو گئے، چند روز کے بعد انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم مویشی پالنے والے لوگ ہیں، کھیتی باڑی کرنے والے نہیں، ان کا مطلب یہ تھا کہ ہمیں شہروں کی آب وہوا موافق نہیں آتی، جنگلوں کی آب وہوا ہمارے مزاج کے مطابق ہے، یہاں مدینے میں تو ہم بیمار پڑ گئے ہیں، روایات میں ہے کہ ان لوگوں کو استسقاء کی بیماری ہو گئی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو کچھ اونٹ دئے اور فرمایا کہ انہیں لے جاؤ اور شہر سے باہر نکل کر رہو، ان اونٹنیوں کا دودھ اور پیشاب پیو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چرواہے کو بھی جس کا نام یسار تھا ساتھ کر دیا۔

یہ تمام لوگ حرہ میں جا کر رہے، اور کچھ ہی دنوں میں اونٹنی کے دودھ اور پیشاب کے استعمال سے بالکل تن درست ہو گئے، اس کے بعد وہ اپنے دین پر واپس لوٹ گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹ لے کر فرار ہو گئے، جیسے ہی اس کی خبر مدینے پہنچی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کرز بن جابر فہری کو بیس افراد کے ساتھ ان کی تلاش میں روانہ فرمایا، حضرت کرز بن جابر اور ان کے ساتھیوں نے ان کو پکڑ لیا اور مدینے لے کر آگئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھروائیں، پھر ان کے ہاتھ پیر کٹوائے، اور اسی حال میں ان کو حرہ کے ایک گوشے میں ڈلوا دیا، جہاں وہ تمام لوگ تڑپ تڑپ کر مر گئے۔(۱)

یہ واقعہ مُثلہ کی حرمت سے قبل کا ہے، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ جو اس واقعے کے راوی ہیں کہتے ہیں کہ اس واقعے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو خیرات کی ترغیب دیتے تھے، اور مثلہ کرنے سے (ناک، کان کاٹنے اور آنکھ پھوڑنے سے) منع فرماتے تھے اور صدقہ کرنے کی ترغیب دیا کرتے تھے۔(۲)

ان لوگوں کو سخت سزا اس لئے دی گئی کہ انھوں نے ڈاکہ ڈالا، قتل کیا، اسلام لانے کے بعد کفر کیا، اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کی، سورۂ مائدہ کی آیت تینتیس میں

(۱) صحیح البخاری: ۲/۱۳۰، رقم الحدیث: ۱۵۰۱، فتح الباری: ۷/۲۳۳، طبقات ابن سعد: ۲/۹۳۰، کتاب المغازی للواقدی: ۲/۵۶۸۔ (۲) صحیح البخاری: ۵/۱۲۹، رقم الحدیث: ۴۱۹۲۔

اللہ و رسول کے ساتھ جنگ کرنے والوں اور زمین میں فتنہ و فساد پھیلانے والوں کے لیے جو سزائیں رکھی گئی ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو پھانسی دے دی جائے، یا ان کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں ایک دوسرے کی مخالف سمت سے کاٹ دیا جائے یا ان کو ملک بدر کردیا جائے، مفسرین نے اس آیت کے نزول کے جو اسباب لکھے ہیں ان میں ایک سبب عرینہ اور عکل کا واقعہ بھی ہے۔(۱) سببِ نزول کی روشنی میں اس تاویل کی ضرورت نہیں ہے کہ عکل اور عرینہ کو جو سزا دی گئی وہ مثلہ کی حرمت سے پہلے کی تھی۔

صُلحِ حُدیبیہ اور فتحِ مُبین کا مُژدہ

صلحِ حدیبیہ کا واقعہ تاریخ اسلام کا عظیم الشان واقعہ ہے، بعد کے سماجی اور سیاسی حالات پر اس واقعے نے بڑے بہترین اثرات مرتب کیے، اور مسلمانوں کے لیے مکہ مکرمہ میں باعزت واپسی کی راہیں ہموار کیں، معاہدے کے بعد بہ ظاہر ایسا لگ رہا تھا کہ مسلمانوں نے زبردست عسکری قوت وطاقت رکھنے کے باوجود دب کر صلح کرلی ہے، تقریباً سب ہی صحابہؓ اس فیصلے سے شکستہ دل اور آزردہ خاطر نظر آئے، لیکن اللہ نے اس وقت کی پسپائی میں مستقبل کے روشن امکانات رکھ دیے تھے، گویا یہ صلح فتح مبین کی خوش خبری تھی جو پوری ہوکر رہی، اور جن لوگوں کو مکہ مکرمہ میں داخل ہوکر عمرہ کرنے سے روکا گیا تھا وہ دوسال بعد فاتحانہ شان کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوگئے۔

حدیبیہ کا محلِ وقوع

مکہ مکرمہ سے چھبیس کلومیٹر پہلے حدیبیہ واقع ہے، اب اس علاقے کو شُمَیْسِی کہتے ہیں، جدہ سے مکہ جانے والے مسافر اس جگہ سے ہوکر گزرتے ہیں، اس کا وہ حصہ جو مکہ مکرمہ کی طرف ہے حدود حرم میں داخل ہے اور جو حصہ جدہ کی طرف ہے وہ حدود حرم سے باہر ہے، یہاں ایک پرانا کنواں تھا، جس کو حدیبیہ کہا جاتا تھا، بعد میں پورے علاقے کو حدیبیہ کہا جانے لگا، فی الحال یہاں حدیبیہ کے باغات ہیں، اور ایک عظیم الشان مسجد بھی

(۱) تفسیر القرطبی: ۱۰/۲۴۲، ۲۴۴۔

ہے، جو ترکوں نے بیعتِ رضوان کی یادگار کے طور پر تعمیر کی تھی، سعودی حکومت نے اس کو وسعت دے کر ایک عظیم الشان مسجد میں تبدیل کر دیا ہے، مسجد کا نام مسجد الرضوان ہے، کیوں کہ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین مکہ سے مصالحت کی تھی اس لئے اس واقعے کو صلح حدیبیہ کہا جاتا ہے، ابتداءً یہ سفر عمرے کے لیے ہوا تھا اس لئے اس کو عمرۃ الحدیبیہ بھی کہہ دیتے ہیں اور آگے جا کر جنگ کے حالات پیدا ہوئے اس لئے اس کو غزوۂ حدیبیہ بھی کہنے لگے۔

صلح حدیبیہ کی تاریخ

یہ واقعہ یکم ذوالقعدہ بروز پیر سن چھ ہجری میں رونما ہوا، صحیح قول یہی ہے، بعض راویوں نے شوال اور رمضان کہا ہے، علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق یہ قول صحیح نہیں ہے، حضرت عائشہ، حضرت انس، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہم اجمعین اور محدثین میں سے امام زہری، قتادہ، موسیٰ بن عقبہ، اور محمد ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہم نے اپنی کتابوں میں ذوالقعدہ کے مہینے کی صراحت کی ہے (۱) صحیحین میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کئے، اور سب کے سب ذوالقعدہ میں کئے، پہلے عمرے کے لیے حدیبیہ میں تشریف لائے، یہیں قربانی کی اور یہیں حلق کرایا، دوسرا عمرہ مدینے سے کیا، اور تیسرا عمرہ جِعرانہ سے کیا جہاں ٹھہر کر آپ نے غزوۂ حُنین میں حاصل ہونے والے اموالِ غنیمت بھی تقسیم فرمائے، چوتھا عمرہ حجۃ الوداع کے موقع پر کیا، یہ تمام عمرے ذوالقعدہ میں فرمائے۔ (۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب

صلح حدیبیہ کا قصہ مختصراً یہ ہے کہ جو لوگ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے اپنی زمین، جائے داد، مال و دولت، عزیز و اقارب سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ منورہ جا کر بس گئے تھے ان کے دل میں رہ رہ کر یہ خواہش دبی ہوئی چنگاری کی طرح

(۱) زاد المعاد: ۳/ ۲۰۷، ۲۰۸۔ (۲) صحیح مسلم: ۲/ ۹۱۶، رقم الحدیث: ۱۲۵۳۔

سلگتی رہتی تھی کہ کاش وہ لوگ مکے جائیں، اپنی آنکھوں سے اپنا وطن دیکھیں، جسے چھوڑے ہوئے چھ طویل سال گزر گئے تھے، اپنے رشتے داروں سے ملیں، اپنے مکانات دیکھیں کہ وہ کس حال میں ہیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ کے گھر کا طواف کریں۔

ایک رات رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ عمرہ کرنے کے مقصد سے احرام کی حالت میں مکہ مکرمہ تشریف لے گئے ہیں، آپ کے ساتھ قربانی کے جانور بھی ہیں، صبح کو آپ نے اپنا خواب صحابہ کو سنایا، سب کے چہرے فرطِ مسرت سے کھل اٹھے، ان کے دلوں میں مکے جا کر خانۂ کعبہ کی زیارت اور طواف کرنے کی امید پیدا ہوگئی، رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ کے ساتھ ساتھ دیہی علاقوں میں بھی یہ اعلان کرادیا کہ ہمارا ارادہ عمرے کے لیے جانے کا ہے، جو شخص ہمارے ساتھ جانا چاہے وہ چل سکتا ہے، آپ کی خواہش یہ تھی کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سفر میں ساتھ رہیں، کیوں کہ قریش سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے اصحاب کو آسانی سے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے دیں گے، ان کی طرف سے رکاوٹ ڈالنے کے پورے امکانات تھے، ایسی صورت میں مزاحمت بھی ضروری ہوگی، جس کے لیے افرادی قوت زیادہ سے زیادہ ہونی چاہئے، لیکن آپ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ کسی پر عمرے کے لیے زبردستی کی جائے۔

عازمینِ سفر کی تعداد

اس کے باوجود صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی ایک بڑی تعداد ساتھ ہوگئی، اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں، تیرہ سو، چودہ سو اور پندرہ سو تک کی تعداد بیان کی گئی ہے، لیکن مشہور قول یہ ہے کہ چودہ سو صحابہ اس سفر میں آپ کے ساتھ روانہ ہوئے، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ بیعت رضوان میں کتنے حضرات نے شرکت کی تھی، انھوں نے جواب دیا پندرہ سو، میں عرض کیا کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں تو چودہ سو کی تعداد ہے، انہوں نے کہا اللہ جابر پر رحم کرے، ان کو مغالطہ ہوا ہے، شرکاء کی تعداد پندرہ سو تھی، اکثر محدثین نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ

کے قول پر ہی زیادہ اعتماد کیا ہے، براء بن عازب، معقل بن یسار، سلمہ ابن الاکوع، اور مسیّب بن الحزن وغیرہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی چودہ سو ہی کی تعداد بتلائی ہے، حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے بھی ایک قول اسی طرح کا مروی ہے۔(۱)

سفر کے لیے روانگی

کیوں کہ یہ سفر محض عمرے کی نیت سے تھا، اس لئے اس کی وضاحت کردی گئی تھی کہ ہم صرف بیت اللہ شریف کی زیارت اور طواف کے مقصد سے جارہے ہیں، تیاری بھی اسی مقصد کو سامنے رکھ کر کی گئی، مسلمانوں نے صرف تلواریں ساتھ لیں اور وہ بھی نیام میں رکھی ہوئی، ذوالقعدہ کے مہینے کا انتخاب بھی آپ نے اسی لئے کیا کہ یہ اشہرِ حرم (حرمت والے چار مہینوں) میں سے ایک ہے، آپ نہیں چاہتے تھے کہ اس سفر سے قریش میں خوف وہراس پھیلے، اور انہیں یہ کہنے کا موقع ملے کہ محمد اپنے ساتھیوں کو ساتھ لے کر جنگ کے ارادے سے آرہے ہیں، اس طرح کے بہانے بنا کر وہ معتمرین کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روک بھی سکتے ہیں۔(۲)

ذوالحلیفہ پر پہنچ کر آپ نے احرام زیب تن فرمایا، تمام صحابہ نے بھی آپ کی اتباع میں احرام پہن لیا، ذوالحلیفہ مدینے سے بہ جانبِ مکہ تقریباً آٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، اس علاقے کو آبارِ علی بھی کہا جاتا ہے، یہاں سے اہل مدینہ یا مدینے کی جانب سے آنے والے حجاج و معتمرین احرام باندھتے ہیں اور تلبیہ پڑھتے ہیں، عمرے اور حج کی نیت سے جانے والوں کے لیے یہاں سے بغیر احرام باندھے اور بلا نیت کئے گزرنا جائز نہیں ہے، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ کو اہل مدینہ کے لیے، جُحفہ کو اہل شام کے لیے، قَرنُ المنازِل کو اہل نجد کے لیے اور یَلَملَم کو اہل یمن کے لیے میقات قرار دیا ہے، ذوالحلیفہ کے مقام پر سب سے پہلے حضرت عمر و بن عبدالعزیز نے ایک مسجد تعمیر کرادی تھی، بعد کے خلفاء و امراء اس کی تجدید و توسیع کراتے رہے، سعودی حکومت نے اب اس مسجد کو نہایت کشادہ کردیا ہے اور تمام تر سہولتوں سے

(۱) صحیح البخاری: ۵/۱۲۲، رقم الحدیث: ۴۱۵۰، زاد المعاد: ۳/۲۰۹۔ (۲) المغازی للواقدی: ۱/۲۲۸۔

آراستہ بھی، مردانہ اور زنانہ حصے الگ الگ ہیں، یہاں مرد و خواتین آرام کے ساتھ وضو غسل کرتے ہیں اور احرام پہنتے ہیں، ذوالحلیفہ سے ہی آپ نے ہدی یعنی قربانی کے جانوروں کی اشعار اور تقلید کی۔

اشعار یہ ہے کہ اونٹ کے کوہان کو دونوں جانب سے تھوڑا تھوڑا شق کردیا جائے، اور تقلید یہ ہے کہ جانور کے گلے میں قلادہ وغیرہ ڈال دیا جائے، ان دونوں علامتوں کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہوتا ہے کہ یہ جانور قربانی کے لیے مخصوص ہیں، قافلے میں کل ستر اونٹ قربانی کی غرض سے لے جائے جارہے تھے، ان میں ابوجہل کا وہ اونٹ بھی شامل تھا جس کی ناک میں چاندی کے نکیل پڑی ہوئی تھی، یہ اونٹ بدر کی جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ لگا تھا اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت میں تھا۔(۱)

جاسوس کی روانگی

ذوالحلیفہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشر بن سفیان الکعبی رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ کی طرف روانہ کیا تا کہ وہ وہاں جا کر یہ دیکھیں کہ ہمارے اس سفر کا قریش پر کیا ردِّ عمل ہوا ہے، وہ تیزی کے ساتھ قافلے سے آگے بڑھ گئے اور ضروری معلومات حاصل کر کے واپس آئے، انہوں نے عسفان میں حاضر ہو کر آپ سے ملاقات کی، اور عرض کیا: یارسول اللہ! قریش کو آپ کے تشریف لانے کی اطلاع مل چکی ہے، وہ چیتوں کی کھال پہن کر اور جوان اونٹوں پر سوار ہو کر مکے سے نکل کھڑے ہوئے ہیں، اس وقت وہ وادی طوی میں خیمہ زن ہیں، انھوں نے یہ عہد کیا ہے کہ وہ آپ کو کسی بھی قیمت پر خانۂ کعبہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے، خالد بن ولید دو سو گھڑ سواروں کے ساتھ ان کے مقدمۃ الجیش کے طور پر کُراع الغمیم پہنچ چکے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریش کا برا ہو، انہیں تو جنگ نے برباد کردیا ہے، کیا ہو جاتا اگر وہ میرے اور تمام عرب کے درمیان نہ پڑتے، اگر وہ صحیح ہوتے تو ان کا مقصود حاصل ہو جاتا، اور اگر اللہ مجھے غلبہ دیتا تو وہ بھی اسلام میں داخل ہو جاتے، قریش کے لوگ کیا سمجھتے ہیں؟ اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے میں اپنی

(۱) زاد المعاد: ۳/۲۰۹۔

جد و جہد جاری رکھوں گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو غالب کردے، آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے مشورہ کیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! ہم کسی سے مقابلے کے لیے نہیں نکلے ہیں، لیکن اگر کوئی شخص ہمارے اور بیت اللہ کے درمیان مزاحم ہوگا، ہم اس سے جنگ کریں گے۔(۱)

راستے کی تبدیلی

آپ نے سفر جاری رکھنے کا حکم دیا، مگر اس اطلاع کے بعد کہ خالد بن ولید کُراع الغمیم پر بیٹھے ہوئے ہیں، اور وہ مسلمانوں کا راستہ روک سکتے ہیں، آپ نے اپنا راستہ تبدیل کردیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم حتی الامکان اس کوشش میں تھے کہ قریش سے ٹکراؤ نہ ہو اور جس مقصد کے لیے یہ سفر کیا جارہا ہے اسے پورا کرکے واپسی ہوجائے، سیدھے راستے سے جانے کا مطلب خالد بن ولید اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ مزاحمت اور ٹکراؤ تھا، جو راستہ اب اختیار کیا گیا وہ اگرچہ ہموار نہیں تھا، مگر موجودہ حالات میں یہ واحد راستہ تھا جس کے ذریعے خالد بن ولید سے بچ کر مکے تک پہنچا جاسکتا تھا، اگرچہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین جنگ کے لیے پوری طرح تیار تھے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی جنگ کی نہیں تھی، اس لئے سب خاموشی کے ساتھ اسی دشوار راستے پر چل پڑے، یہاں تک کہ ثنیۃ المرار میں داخل ہوگئے، وہاں آپ کی اونٹنی قصواء بیٹھ گئی، اس کو اٹھانے کی بہت کوشش کی گئی، لیکن نہیں اٹھی، یہ دیکھ کر صحابہؓ کہنے لگے، خَلَأَتِ الْقُصْوَاءُ قصواء اڑ گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قصواء اڑی نہیں ہے، اور نہ وہ ایسی ہے جس ذات نے اصحاب فیل کو مکّے سے روک دیا تھا اسی نے قصواء کو بھی روک دیا ہے، خدا کی قسم میں وہ تمام باتیں قبول کروں گا جن میں حرمِ مکہ کی تعظیم وتوقیر ہوگی، اس کے بعد آپ نے قصواء کو اٹھایا وہ چلنے لگی، یہاں تک کہ یہ کارواں حدیبیہ میں آکر ٹھہر گیا، اس جگہ ایک پرانا کنواں تھا جس میں پانی کی مقدار بہت کم تھی، کہتے ہیں کہ اس کنویں کا نام ہی حدیبیہ تھا، بعد میں پورے علاقے کو حدیبیہ کہا جانے لگا۔(۲)

(۱) سیرت ابن ہشام: ۳/۲۳۰۔ (۲) زاد المعاد: ۳/۲۰۹، ۲۱۰، سنن ابی داؤد: ۲/۲۷۷ا۔

ایک معجزہ رونما ہوا

رسول اللہ ﷺ نے اسی پرانے کنویں کے قریب پڑاؤ ڈالا، لوگ تھکے ہوئے تھے، اور پیاسے بھی، ذرا اوسان بحال ہوئے تو سب لوگ کنویں کی طرف دوڑے، ذرا سی دیر میں کنویں کا تمام پانی ختم ہوگیا، لوگ پیاس سے بلبلا اٹھے، ہر شخص کی زبان پر تھا العطش، العطش پیاس، پیاس! کچھ لوگ پانی اور کنویں کا معاملہ لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے، آپ نے اسی وقت اپنے ترکش میں سے ایک تیر نکال کر ان لوگوں کی طرف بڑھایا، اور فرمایا اس تیر کو کنویں کی تہہ میں گاڑ دو، ناجیہ بن جندب جو رسول اللہ ﷺ کی قربانی کے اونٹ ہنکا کر لا رہے تھے کنویں میں اترے اور آپ کا دیا ہوا تیر زمین میں گاڑ دیا، دیکھتے ہی دیکھتے کنویں سے پانی ابلنے لگا، جب تک لوگ وہاں رہے خوب سیر ہو کر پانی پیتے رہے اور اپنی ضرورتوں میں بھی استعمال کرتے رہے، یہ بھی روایت ہے کہ آپ ﷺ کنویں کی منڈیر پر تشریف لے گئے، پانی منگوایا اور منہ میں ڈال کر کنویں میں کلی کی، اس سے کنویں کے اندر پانی اچھلنے لگا، شراح حدیث نے دونوں روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ ہوسکتا ہے آپ ﷺ نے کلی بھی کی ہو اور تیر بھی گڑوایا ہو۔(۱)

قریش کو پیغام

رسول اللہ ﷺ کی کوشش یہی تھی کہ وہ اپنے عمل سے بھی اچھی طرح واضح کردیں کہ ہم محض عمرے کے لیے آئے ہیں، لڑنا ہمارا مقصد نہیں ہے، اسی لئے آپ نے وہ راستہ تبدیل کردیا جدھر جانے سے ٹکراؤ کا اندیشہ تھا، آپ حدیبیہ پہنچ کر ٹھہر گئے، آپ قریش کو یہ بات سمجھانا چاہتے تھے کہ بیت اللہ کی زیارت اور تعظیم وتکریم مسلمانوں کا بھی حق ہے، جس طرح غیر مسلم آکر خانۂ کعبہ کی زیارت کرتے ہیں اسی طرح مسلمانوں کو بھی

(۱) صحیح البخاری: ۵/۱۲۲، رقم الحدیث: ۴۱۵۱، مسند الامام احمد بن حنبل: ۴/۳۲۳، ۳۲۹، فتح الباری شرح صحیح البخاری: ۱۱/۱۶۴، المغازی للواقدی: ۲/۵۸۸۔

اس کی اجازت ہونی چاہیے۔

قریش کو یہ بات سمجھانے کے لیے سب سے پہلے آپ نے حضرت خراش بن امیہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا، مگر قریش نے ان کی بات ہی نہیں سنی، بلکہ انہیں گرفتار کرلیا، ان کا اونٹ ذبح کر کے کھا گئے، وہ لوگ انہیں قتل بھی کرنا چاہتے تھے، مگر کچھ سمجھ دار لوگوں نے ان کی جاں بخشی کرائی اور انہیں قریش کی قید سے نکالا، خراش رضی اللہ عنہ نے حدیبیہ پہنچ کر تمام قصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا (۱) اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو قریش کی طرف بھیجنا چاہا، مگر انھوں نے یہ کہہ کر معذرت کردی کہ اب مکہ مکرمہ میں بنی کعب کا کوئی فرد موجود نہیں ہے، قریش کو مجھ سے سخت دشمنی ہے، اگر میں مکے جاتا ہوں اور قریش میرے ساتھ ناروا سلوک کرتے ہیں تو وہاں میری حمایت کرنے والا کوئی نہ ہوگا، مناسب ہو تو آپ عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیج دیجیے، ان کے کافی رشتے دار مکّے میں موجود ہیں، تجویز معقول تھی آپ نے قبول فرمائی، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس پیغام کے ساتھ مکّے روانہ فرمادیا کہ وہ جاکر قریش سے کہیں کہ ہم لوگ جنگ کی غرض سے یہاں نہیں آئے ہیں، ہم تو بس عمرہ کرنا چاہتے ہیں، تم انہیں اسلام کی دعوت بھی دینا، اور ان پر یہ بات واضح کردینا کہ عن قریب ہمیں فتح حاصل ہونے والی ہے، اللہ اپنے دین کو ہر حال میں غالب کر کے رہے گا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یہ پیغام لے کر مکے کی طرف روانہ ہوگئے، ابھی بَلدَح نامی وادی میں پہنچے ہی تھے کہ قریش کے کچھ لوگ مل گئے، انھوں نے پوچھا: کہاں کا قصد ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تم لوگوں کے پاس ہی جارہا ہوں، مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے تاکہ میں تمہیں اسلام کی دعوت دوں، اور تمہیں یہ بتلادوں کہ ہم اس وقت لڑنے کے ارادے سے نہیں آئے ہیں، ہم صرف عمرہ ادا کرنا چاہتے ہیں، قریش کے لوگوں نے کہا، ٹھیک ہے، تمہیں جیسا کہا گیا ہے ویسا کرو، اَبان بن سعید بن العاص بھی وہاں موجود تھے، انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خوش آمدید کہا اور اپنے ساتھ گھوڑے پر بٹھا

(۱) الکامل فی التاریخ: ۱/۳۱۳۔

کر مکے پہنچے اور انہیں اپنے گھر میں ٹھہرایا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قریش کے سر برآوردہ لوگوں سے ملاقات بھی کی اور بات بھی کی، مگر وہ کسی بھی طرح اس پر راضی نہ ہوئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکے کے اندر داخل ہوں، البتہ انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ چاہیں تو طواف کر سکتے ہیں، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر طواف نہیں کروں گا، بعض مسلمانوں کا خیال تھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے طواف کرلیا ہوگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، وہ ہمارے بغیر طواف نہیں کریں گے، لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ یہ بات کیسے کہہ سکتے ہیں، عثمان کو موقع ملا ہے، وہ احرام کی حالت میں ہیں، سامنے بیت اللہ ہے، آپ نے فرمایا: عثمان کو جو محبت ہم سے ہے، اس کی بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں، کہ انھوں نے طواف نہیں کیا ہے، چناں چہ جب وہ واپس آئے، ساتھیوں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ نے طواف کرلیا، انھوں نے کہا: نہیں، میں حضور کے بغیر کیسے طواف کر لیتا، اگر مجھے سال بھر بھی احرام کی حالت میں رہنا پڑتا تب بھی میں طواف نہ کرتا، تم لوگوں نے میرے متعلق غلط گمان قائم کرلیا، قریش نے مجھ سے طواف کرنے کے لیے کہا مگر میں نے انکار کردیا، قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکے میں روکے رکھا، بلکہ بعض روایات میں تو یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو طواف کرنے سے انکار کرنے کی وجہ سے قریش نے ان کو قید کردیا تھا مگر بعد میں جب مسلمانوں کے حملے کا خطرہ ہوا تو انہیں چھوڑ دیا، واپسی میں تاخیر کی وجہ سے مسلمانوں میں یہ افواہ بھی پھیل گئی تھی کہ انہیں شہید کردیا گیا ہے۔(۱)

بیعت رضوان

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سن کر آپ کو شدید صدمہ پہنچا، آپ اس وقت کیکر کے ایک درخت کے نیچے تشریف فرما تھے، صحابہ بھی وہیں جمع ہوگئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی جگہ بیٹھ کر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے جاں نثاری اور وفا شعاری پر بیعت لی، آپ نے ہر شخص سے الگ الگ اس بات پر عہد لیا کہ اگر قریش کے ساتھ جنگ ہوتی

(۱) زاد المعاد: ۳/۲۱۰، سیرت ابن ہشام: ۳/۲۳۵، سیرت حلبیہ: ۳/۷۵۔

ہے تو وہ راہ فرار اختیار نہیں کرے گا اور نہ اپنی جان کی پرواہ کرے گا، حدیث، سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں اس بیعت کو بیعتِ رضوان کا نام دیا گیا ہے، قرآن کریم میں یہ آیت اسی موقع کے لیے نازل ہوئی ہے: لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَافِي قُلُوْبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحاً قَرِيْبًا.(۱) ”یقیناً اللہ ان مؤمنوں سے بڑا خوش ہوا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کررہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ (محبت اور خلوص) تھا وہ بھی اللہ کو معلوم تھا، اس لئے اس نے ان پر سکینت اتاردی اور ان کو انعام میں ایک قریبی فتح عطا فرمادی“۔

یہ سورت جس کا نام الفتح ہے صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی، اس میں ان مختلف واقعات کا حوالہ دیا گیا ہے جو اس سفر میں پیش آئے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی تعریف کی گئی ہے کہ انھوں نے ہر جگہ ہر موقع پر بڑی بہادری، اور جذبۂ جاں فروشی کے ساتھ مکمل اطاعت کا مظاہرہ کیا، اس آیت میں جس فتح مبین کا ذکر ہے وہ فتح مکہ کی صورت میں مسلمانوں کو ملنے والی تھی، اللہ کا وعدہ سچا تھا، بہت جلد مسلمان فاتحانہ شان کے ساتھ حرمِ مکہ میں داخل ہوئے۔

سب سے پہلے ابوسفیان الاسدی رضی اللہ عنہ نے بیعت کی، سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ بیعت کی، ایک مرتبہ شروع میں، دوسری مرتبہ درمیان میں، تیسری مرتبہ آخر میں، ہر شخص نے اپنا ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر رکھ کر اس طرح کے الفاظ کہے کہ اگر جنگ ہوئی تو میں موت سے نہیں ڈروں گا اور نہ میں راہِ فرار اختیار کروں گا، ایک شخص کے علاوہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے بیعت کی، اس شخص کا نام جد بن قیس ہے، وہ بیعت کے وقت اونٹ کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا تھا، آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بایاں ہاتھ دائیں پر رکھا اور فرمایا یہ عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے بیعت ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس وقت موجود نہیں تھے، مکے گئے ہوئے تھے اور یہاں حدیبیہ میں ان کی شہادت کی خبریں پھیلی ہوئی تھیں، بیعت کا یہ سلسلہ اس طرح کی خبروں کے بعد ہی شروع ہوا، لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ

(۱) الفتح:۱۸۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بہ قید حیات ہیں، قریش نے ان کو چھوڑ دیا ہے، بیعت کے بعد وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر بھی ہو گئے۔(۱)

قریش کے نمائندوں کی آمد

قریش کو اپنے جاسوسوں کے ذریعے یہ اطلاع مل چکی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے جاں نثاری اور سرفروشی پر بیعت لی ہے، یہ خبر سن کر ان کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی، کہاں تو وہ کوئی بات سننے کے لیے تیار نہیں تھے اور کہاں ان کا یہ حال ہوا کہ گفت وشنید کے لیے اپنے نمائندے بھیجنے لگے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے قبیلۂ بنی خزاعہ کے سردار بُدَیل بن وَرْقاء اپنے قبیلے کے چند آدمیوں کو ساتھ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، یہ قبیلہ اگرچہ مسلمان نہیں ہوا تھا، مگر اسلام کے تعلق سے اس کا رویّہ نہایت نرم تھا، بدیل بن ورقاء بہ ذات خود نہایت شریف طبع اور مخلص انسان تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک خاص قسم کا تعلق بھی رکھتے تھے، دشمنوں کی خبریں آپ تک پہنچادیا کرتے تھے، اور کچھ خیر خواہانہ مشورے بھی دیتے رہتے تھے، لوگ کہا کرتے تھے کہ وہ مسلمان ہیں، مگر فی الحقیقت وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تئیں بے حد مخلص اور اسلام کے حق میں نہایت ہمدرد تھے۔

اس تعلق کی بنا پر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انہیں تھا بدیل بن ورقاء حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ قریش کے لوگ حدیبیہ کے نواحی علاقوں تک آپہنچے ہیں، انھوں نے پانی کے بڑے بڑے چشموں پر قبضہ کرلیا ہے، وہ ہر قیمت پر آپ کو بیت اللہ میں داخل ہونے سے روکنا چاہتے ہیں، ان کے ساتھ دودھ دینے والی اونٹنیاں بھی ہیں، ایسا لگتا ہے کہ وہ طویل قیام کے ارادے سے آئے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے، بلکہ صرف عمرہ کرنے آئے ہیں، لڑائی نے قریش کو برباد کر کے

(۱) صحیح مسلم: ۳/۶۸، رقم الحدیث: ۱۴۸۳، صحیح البخاری: ۵/۱۵، رقم الحدیث: ۳۶۹۸، سنن الترمذی: ۵/۶۲۹، رقم الحدیث: ۳۷۰۶، الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ۷/۹۲۔

رکھ دیا ہے، اس کے باوجود وہ جنگ کرنا چاہتے ہیں، جنگیں ان کے لیے نقصان دہ ہیں، وہ اگر چاہیں تو ہمارے اور ان کے درمیان ایک مخصوص مدت کے لیے مصالحت ہوسکتی ہے، اس عرصے میں ہم ایک دوسرے کے ساتھ کوئی تعرض نہ کریں، بلکہ وہ مجھے میرے حال پر اور عربوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیں، اگر عرب غالب آگئے تو قریش کی دلی مراد برآئے گی، وہ چاہتے بھی یہی ہیں کہ ہم مغلوب ہوں، اور اگر اللہ کے فضل سے ہم غالب آگئے تو وہ ہمارے اس دین میں داخل ہوسکتے ہیں، اور صحیح بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو غالب کر کے رہے گا، اس نے اپنے دین کے ظہور اور غلبے کا اور مسلمانوں کی فتح ونصرت کا وعدہ کیا ہے، اللہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا، اس کے بعد بھی اگر قریش جنگ کرنا چاہتے ہیں تو ہم بھی پیچھے رہنے والے نہیں ہیں، خدا کی قسم، اس دین کے لیے ہم ان سے اس وقت تک لڑیں گے جب تک یہ دین غالب نہ آجائے یا میں ہی زندہ نہ رہوں۔

بُدیل یہاں سے اٹھ کر قریش کے پاس پہنچے، اور بولے کہ میں محمد کے پاس سے آرہا ہوں، میں نے ان سے کچھ باتیں سنی ہیں، اگر تم چاہو تو میں وہ باتیں تمہارے گوش گزار کردوں، ان میں سے جو لوگ جذباتی قسم کے تھے جیسے عکرمہ بن ابی جہل اور حکم بن العاص وغیرہ؛ کہنے لگے کہ آپ ان کی باتیں اپنے پاس رکھیں، ہمیں کوئی ضرورت نہیں ان کی باتیں سننے سنانے کی، البتہ قریش کے عمر رسیدہ اور تجربہ کار لوگوں نے بدیل سے کہا کہ آپ ضرور بتلائیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں، بدیل کہتے ہیں کہ میں نے جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا وہ سب کچھ ان کو بتلا دیا، اور اپنی یہ رائے بھی ان کے سامنے رکھ دی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے آدمیوں کے ساتھ تمہارا یہ رویّہ مناسب نہیں ہے، وہ جنگ کے لیے نہیں آئے ہیں بلکہ عمرہ کرنے آئے ہیں، قریش کہنے لگے بے شک وہ عمرہ کرنے آئے ہیں مگر ہم ان کو کسی بھی قیمت پر مکّے میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔(۱)

بُدیل کے بعد مِکرز بن حفص آیا، اسے آتا ہوا دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ شخص غدار ہے، اس نے حاضر خدمت ہو کر جو کچھ کہا کہا، آپ نے اس سے بھی وہی

(۱) السیرۃ النبویہ لابن ہشام: ۳/۲۳۲، البدایہ والنہایہ: ۴/۱۶۶۔

کچھ کہا جو آپ بدیل سے کہہ چکے تھے، وہ آپ کی تمام باتیں سن کر چلا گیا، گفتگو بے نتیجہ رہی۔(۱)

اس کے بعد قریش نے حُلَیس بن عَلقمہ کو بھیجا، یہ شخص قبیلۂ احابیش کا سردار تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حُلَیس کے متعلق ارشاد فرمایا: اس کا تعلق ایسی قوم سے ہے جو اللہ کو مانتی ہے تم لوگ قربانی کے جانور اس کے سامنے سے گزار دو، چناں چہ اس نے قربانی کے جانور اِدھر اُدھر پھرتے ہوئے دیکھے تو بڑا متاثر ہوا، اس کے اندر اتنی ہمت نہ ہوئی کہ وہ آگے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرتا، راستے ہی سے واپس چلا گیا، اس نے قریش سے جا کر کہا کہ تم لوگ محمد اور ان کے ساتھیوں کو عمرہ کرنے سے کیوں روک رہے ہو، وہ لوگ تو اپنے ساتھ قربانی کے جانور لے کر آئے ہیں، قریش کہنے لگے، تم گاؤں کے رہنے والے گنوار ان باتوں کو کیا جانو، حُلَیس کو غصہ آ گیا، کہنے لگا، بہ خدا ہم نے تمہارے ساتھ جو عہد وفا باندھا ہے اور جو رشتۂ مودت استوار کیا ہے وہ اس لئے نہیں کیا کہ تم بیت اللہ کی تعظیم کے لیے آنے والوں کو طواف کرنے سے روکو، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے یا تو تم محمد اور ان کے ساتھیوں کو آنے دو، ورنہ میں احابیش کو لے کر تم سے الگ ہو جاتا ہوں، قریش نے حلیس کے غصے کو ٹھنڈا کرنے کے لیے کہا، اچھا ذرا ٹھہرو، ہمیں کسی ایسے فیصلے پر پہنچنے دو جس پر ہم سب راضی ہوں۔(۲)

عروہ بن مسعود بھی پہنچے

بنو ثقیف کے سردار عروہ بن مسعود ثقفی کا شمار معززینِ مکہ میں ہوا کرتا تھا، کہتے ہیں کہ قریش نے نزولِ قرآن کے سلسلے میں یہ کہا تھا کہ قرآن محمد ہی پر کیوں اترا ہے، اس بستی میں اور بھی دو بڑی شخصیتیں ہیں، اس وقت ان دو شخصیتوں سے قریش کی مراد عروہ بن مسعود اور خالد بن ولید کے باپ ولید بن مغیرہ سے تھی، اس سے مکہ مکرمہ میں ان کی اہمیت اور قریش میں ان کی عظمت و توقیر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، اسلام قبول کرنے کے بعد بھی وہ معزز ہی رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا

(۱) مسند احمد بن حنبل: ۴۰/۳۲۳۔ (۲) البدایہ والنہایہ: ۱/۱۶۶، سیرت ابن ہشام: ۳/۲۳۳۔

کہ وہ عروہ بن مسعود کے بہت زیادہ مشابہ تھے۔(۱)

ایک دن عروہ نے قریش سے کہا: کیا میں تمہارے لئے باپ جیسا اور تم میرے لیے بیٹوں جیسے نہیں ہو، لوگوں نے کہا بلاشبہ یہی بات ہے، ہم آپ کی بالکل اسی طرح عزت کرتے ہیں اور آپ کی اسی طرح اطاعت کرتے ہیں جیسے اپنے باپ کی کرتے ہیں، اور آپ بھی ہم سے اپنے بچوں کی طرح پیار کرتے ہیں اور ہمیں اپنے بیٹوں جیسا سمجھتے ہیں، اس تمہید کے بعد عروہ نے کہا کہ اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو کچھ بھی کہا ہے تمہاری بھلائی اور بہتری کے لیے کہا ہے، تمہیں ان کی باتیں قبول کر لینی چاہئیں، اگر تم کہو تو میں خود ان کے پاس جاؤں اور ان سے موجودہ حالات پر بات چیت کروں، لوگوں نے کہا: ہماری طرف سے اجازت ہے، آپ ضرور جائیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں صلح حدیبیہ کے واقعات باب شروط الجہاد والمصالحۃ میں نہایت شرح وبسط کے ساتھ لکھے ہیں، ان تفصیلی واقعات کے چشم دید گواہ بلکہ واقعات میں براہ راست شریک حضرت مسوّر بن مخرمہ اور حضرت مروان ہیں، دونوں ہی نے ایک دوسرے کے بیان کی تصدیق بھی کی ہے، دونوں حضرات کہتے ہیں عروہ بن مسعود ثقفی آپ کے پاس آئے، اور گفتگو کرنے لگے، انھوں نے کہا: اے محمد! اگر تم اپنی جڑ بنیاد بالکل ہی کاٹ ڈالو گے تو اس سے تمہیں کیا فائدہ پہنچے گا، کیا تم نے کسی عرب کے متعلق سنا ہے کہ اس نے اپنی قوم کو ہلاک کر دیا ہو، اگر دوسری بات ہو جائے، یعنی تم مغلوب ہو جاؤ، پھر کیا ہوگا، اور ہونا یہی ہے، کیوں کہ میں تمہارے آس پاس کچھ ایسے لوگوں کو دیکھ رہا ہوں جو تمہیں چھوڑ کر بھاگ جائیں گے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے، انہیں یہ بات سن کر غصہ آ گیا، انہوں نے عروہ کو گالی دی، اُمْصُصْ بِبَظْرِ اللَّاتِ. تو جا کر لات (ایک بت کا نام) کی شرم گاہ چوس، (عربوں میں یہ بہت بری گالی سمجھی جاتی تھی) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ کیا تو سمجھتا ہے کہ ہم میدان جنگ سے بھاگ جائیں گے، کیا ہم ان کو تنہا چھوڑ دیں گے، عروہ نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتلایا یہ ابوبکر ہیں،

(۱) الاستیعاب: ۶/ ۳۲۸۔

انھوں نے کہا تم نے مجھ پر ایک احسان کررکھا ہے اور میں آج تک اس کا بدلہ نہیں چکا پایا، خدا کی قسم اگر یہ احسان نہ ہوتا تو میں اس گالی کا جواب ضرور دیتا۔

راوئ حدیث حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عروہ جب بھی کوئی بات کرتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی کی طرف اپنا ہاتھ ضرور لے جاتے، یہ عربوں کا طریقہ تھا کہ جب انہیں کسی کی خوشامد مقصود ہوتی تو وہ اس کی داڑھی کو ہاتھ ضرور لگایا کرتے تھے، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو یہ طریقہ بے حد ناگوار گزر رہا تھا، چناں چہ وہ جب بھی اپنا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی کی طرف لے جاتے، صحابہ کو غصہ آجاتا، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جو آپ کے سرہانے کھڑے ہوئے تھے، غصے سے اپنی تلوار کی بٹ اس کے ہاتھ پر مار کر کہتے، اے عروہ! اپنا ہاتھ پیچھے رکھ، عروہ نے سر اٹھا کر مارنے والے کو دیکھا اور پوچھا یہ شخص کون ہے، لوگوں نے بتلایا کہ یہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ہیں تمہارے بھتیجے، عروہ نے ان سے کہا: اچھا تو کیا میں تیری غداری بھول جاؤں گا۔

مغیرہ کی غداری کے حوالے سے محدثین نے لکھا ہے کہ شاہ مُقوِقس کے دربار میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور چند دوسرے لوگ ایک ساتھ گئے، شاہ مقوقس نے کچھ تحائف ان لوگوں کو دئے، مغیرہ کو کم، اوروں کو زیادہ، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو یہ تفریق پسند نہیں آئی، واپسی کے سفر میں ان لوگوں کا قافلہ ایک جگہ ٹھہرا، کھانا وانا ہوا، شراب بھی پی گئی، ناؤنوش کی اس محفل کے بعد سب لوگ سو گئے، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام ساتھیوں کو قتل کر ڈالا، اور ان کا مال لے کر مدینے آگئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے، آپ نے ان کا اسلام تو قبول کرلیا، لیکن مال یہ کہہ کر واپس کردیا کہ یہ دھوکے سے لیا گیا مال ہے، ان تمام مقتولین کا خوں بہا عروہ نے اپنے پاس سے ادا کیا تھا، مغیرہ کو دیکھ کر عروہ رضی اللہ عنہ نے دھوکے اور بے وفائی کا جو طعنہ دیا ہے اس میں اسی قصے کی طرف اشارہ ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو نہ پہچاننے کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات اس وقت زرہ پہنے ہوئے تھے، صرف آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔

عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسلسل محو گفتگو تھے، مگر ان کی نگاہیں کہیں اور تھیں، وہ چشم حیرت سے یہ منظر دیکھ رہے تھے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنی محبت کرتے ہیں، آپ کا کس قدر احترام کرتے ہیں اور آپ کی حفاظت کے لیے کتنے فکر مند رہتے ہیں، جب بھی آپ تھوکتے، کوئی نہ کوئی شخص آپ کے لعاب دہن کو زمین پر گرنے سے پہلے ہی اپنی ہتھیلیوں پر لے لیتا اور اسے اپنے چہرے اور بدن پر مل لیتا، جب آپ وضو کرتے تو وہ آپ کے وضو کے بچے ہوئے پانی پر لڑ پڑتے، جب آپ بولتے تو وہ لوگ اپنی آوازیں پست کر لیتے، کوئی بھی شخص ادب واحترام کی وجہ سے ان کی طرف نظر بھر کر دیکھنے کی جرأت نہ کرتا تھا۔

عروہ کچھ دیر بعد واپس چلے گئے، انھوں نے اپنی قوم سے کہا: لوگو! میں بہت سے بادشاہوں کے درباروں میں جا چکا ہوں، میں نے قیصر وکسریٰ اور نجاشی کو بھی دیکھا ہے، خدا کی قسم! میں نے محمد کے علاوہ کوئی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا جس کی اس کے اصحاب اس قدر تعظیم کرتے ہوں، حد تو یہ ہے کہ وہ جب تھوکتے ہیں، جس کے ہاتھ میں بھی وہ تھوک پڑتا ہے، وہ اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مل لیتا ہے، جب محمد کسی کام کے لیے کہتے ہیں تو وہ لوگ اسے کرنے میں سبقت کرتے ہیں، جب وضو کرتے ہیں تو بچے ہوئے پانی کے لیے وہ لوگ ایک دوسرے سے لڑ پڑتے ہیں، جب وہ گفتگو کرتے ہیں تو ان کی مجلس میں خاموشی چھا جاتی ہے، ان کے دلوں میں محمد کی اس قدر عظمت اور عزت ہے کہ وہ ان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی بھی ہمت نہیں کرتے، اے گروہ قریش! انہوں نے تمہارے سامنے بہترین تجویز رکھی ہے، تمہیں ان کی تجویز قبول کر لینی چاہئے۔(۱)

سہیل بن عمرو کی سفارت

سب سے آخر میں سہیل بن عمرو آئے، یہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، بعد میں جلیل القدر صحابی بنے، دین حق کے لیے ان کی بڑی خدمات ہیں، ایام جاہلیت میں ان کی خطابت کا بڑا شہرہ تھا، تمام لوگوں کی ناکام سفارت کے بعد قریش نے اپنے بہترین

(۱) صحیح البخاری: ۳/۱۹۳، ۲۷۳۱، فتح الباری: ۵/۳۴۰، سیرۃ ابن ہشام: ۳/۲۲۴۔

خطیب اور صاحب عقل و دانش سہیل بن عمرو کو بھیجنے کا فیصلہ کیا، ان کو آتا ہوا دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب قریش نے اس شخص کو بھیجا ہے، ایسا لگتا ہے کہ وہ صلح کرنا چاہتے ہیں، آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے یہ بھی فرمایا کہ تمہارا معاملہ اب کچھ آسان ہو گیا ہے۔

سہیل بن عمرو اس پیغام کے ساتھ آئے کہ ہم مصالحت کے لیے تیار ہیں، لیکن ہماری اولین شرط یہ ہے کہ محمد اس سال تو واپس چلے جائیں، البتہ آئندہ سال وہ عمرے کے لیے آجائیں، اس مرحلے میں اگر ہم نے آپ کو طواف کرنے کی اجازت دے دی تو عرب کے لوگ یہ کہیں گے کہ قریش محمد سے ڈر گئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنی رضامندی ظاہر فرمادی، اب انھوں نے مزید شرائط پیش کیں، ان پر تبادلۂ خیال ہوا، بالآخر چند شرطوں پر اتفاق ہو گیا، اور یہ بھی طے ہو گیا کہ تمام شرائط لکھ لی جائیں اور ان پر جانبین کے دستخط ہو جائیں۔

روایات میں ہے کہ سہیل بن عمرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں مؤدب ہو کر بیٹھے، انہوں نے اپنی گفتگو کے دوران آپ کا احترام پورے طور پر ملحوظ رکھا، اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین پہلی شرط سن کر ہی ناراض ہو گئے، وہ نہیں چاہتے تھے کہ عمرہ کیے بغیر ہی مدینے واپسی ہو، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے سہیل سے سخت لہجے میں بھی بات کی، گفتگو کے دوران طرفین کی آوازیں بھی بلند ہوئیں، سہیل کسی صحابی کے ساتھ زور سے بولے تو حضرت عبادہ بن بشر رضی اللہ عنہ نے انہیں ڈانٹا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اپنی آواز بلند مت کرو، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مصالحت سے متفق تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مصالحت پر آمادہ دیکھ کر صحابہ بھی خاموش ہو گئے۔

صلح نامہ لکھنے کا وقت آیا تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا اے علی! لکھو، بسم اللہ الرحمن الرحیم، سہیل فوراً بولے، بسم اللہ تو ٹھیک ہے لیکن الرحمن الرحیم ہمارے یہاں رائج نہیں ہے، ہمارا جو طریقہ ہے وہ باسمک اللّٰھم لکھنے کا ہے، آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ایسا ہی لکھ دو، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے

باسمك اللّٰهم لکھ دیا، اگلا فقرہ جو آپ نے لکھوایا وہ یہ تھا هذا ما قاضى عليه محمد رسول الله. یہ وہ معاملہ ہے جس پر اللہ کے رسول محمد نے صلح کی ہے، سہیل نے اس جملے پر یہ اعتراض کیا کہ اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مانتے تو جھگڑا کس بات کا تھا، ساری لڑائی ہی اس لیے ہے کہ آپ خود کو اللہ کا نبی اور رسول کہتے ہیں، اور ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے، اس لئے آپ صرف اپنا نام محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب لکھوائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا کی قسم! میں اللہ کا رسول ہوں اگرچہ تم یہ بات تسلیم نہیں کرتے اور مجھے جھٹلاتے ہو، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اس عبارت کو کاٹ کر میرا نام لکھ دو، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں ہرگز یہ عبارت نہیں مٹاؤں گا، آپ نے فرمایا اچھا وہ جگہ بتلاؤ جہاں لفظ رسول اللہ لکھا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انگلی رکھ کر بتلایا وہ جگہ یہ ہے، آپ نے خود اپنے دست مبارک سے وہ لفظ مٹادیا، بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محمد بن عبداللہ لکھ دیا۔ (۱)

شرائط صلح

(۱) اس سال مسلمان واپس چلے جائیں۔

(۲) اگلے سال آئیں اور صرف تین دن قیام کریں۔

(۳) مسلمانوں کو صرف تلواریں لانے کی اجازت ہوگی اور وہ بھی نیام میں رکھ کر۔

(۴) جو مسلمان مکے میں مقیم ہیں ان میں سے کسی کو ساتھ لے کر نہ جائیں، اور اگر کوئی مسلمان مکے میں رہنا چاہے تو اسے نہ روکیں۔

(۵) اگر اہل مکہ میں سے کوئی مدینے چلا جائے تو اسے واپس کردیا جائے، اور کوئی مدینے سے مکے آجائے تو اسے واپس نہ مانگا جائے۔

(۶) قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ وہ جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ کریں، دونوں فریق اس کا احترام کریں گے۔

(۷) یہ صلح دس برس کے لیے ہوگی۔

(۱) صحیح مسلم: ۹/۲۵۸، رقم الحدیث: ۳۳۷، سیرت ابن ہشام: ۳/۲۳۷۔

اس صلح نامے پر کچھ مسلمانوں نے اور چند مشرکین نے بہ طور گواہ دستخط کئے، مسلمانوں میں سے جن لوگوں نے اس پر دستخط کئے ان کے نام ہیں، ابوبکر صدیق، عمر بن خطاب، عبدالرحمٰن بن عوف، عبداللہ بن سہیل بن عمرو۔ سعد بن ابی وقاص، محمود بن مسلمہ، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم اجمعین، مشرکین کی طرف سے مکرز بن حفص اور سہیل بن عمرو نے دستخط کئے۔(۱)

مشرکین کا حملہ

ابھی صلح نامے کی کتابت کا عمل جاری تھا کہ قریش کے کچھ نوجوانوں نے جن کی تعداد اسّی بتلائی گئی ہے تنعیم کی جانب سے آکر مسلمانوں پر حملہ کردیا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حملے کی اطلاع دی گئی، آپ نے ان کے لیے بددُعا فرمائی، تمام حملہ آوروں کی بصارت سلب ہوگئی، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے انہیں گرفتار کرلیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر آئے، عمرو بن سہیل اُس وقت شرائط صلح پر بحث کررہے تھے، کچھ شرائط لکھی جاچکی تھیں اور کچھ لکھنی باقی تھیں، وہ اس اچانک حملے سے ورطۂ حیرت میں پڑ گئے، انھوں نے قوم کی براءت کرتے ہوئے کہا کہ یہ سرپھرے نوجوان خود ہی اپنی مرضی سے یہاں آئے ہیں، مکّے کے کسی ذی شعور انسان کی تحریک پر نہیں آئے، آپ انہیں میرے حوالے کردیں، یہ کسی جنگ کے نتیجے میں قید نہیں ہوئے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کو اس وقت تک واپس نہیں کیا جائے گا جب تک ہمارے وہ لوگ جو قریش کی قید میں ہیں آزاد ہوکر یہاں نہ پہنچ جائیں، عمرو بن سہیل نے کہا آپ نے انصاف کی بات کی ہے، اسی وقت شُتَیم بن عبد مناف تیمی کو قریش کے پاس بھیجا گیا، وہ تمام مسلمان قیدیوں کو جن کی تعداد تقریباً دس تھی رہا کراکے اپنے ساتھ لایا، ان میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی تھے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حملہ آوروں کو قتل نہیں کیا، سورۃ الفتح کی یہ آیت اسی صورت حال کی عکاسی کرتی ہے، فرمایا: وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا

(۱) سیرت ابن ہشام: ۳/ ۲۳۸، البدایہ والنہایہ: ۴/ ۱۶۸۔

تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا. (۱) ''اور اللہ وہی ہے جس نے وادیِ مکہ میں تم سے ان کے ہاتھوں کو روک دیا (یعنی وہ تم پر حملہ نہ کر پائے) اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روک دیا اس کے بعد کہ اس نے تمہیں ان پر غالب بنا دیا تھا۔ (۲)

ابو جندل کی آمد اور واپسی

ابھی یہ معاہدہ لکھا ہی جا رہا تھا کہ ایک مسلمان مکے سے وہاں اس حال میں پہنچا کہ اس کے ہاتھوں میں زنجیریں پڑی ہوئی تھیں، صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ قید تھا اور کسی طرح چھٹ کر وہاں آ پہنچا تھا، بے بسی اور کرب اس کے چہرے سے جھلک رہا تھا، جسم پر زخموں کے نشان تھے، گویا اسے قید ہی نہیں رکھا گیا تھا بلکہ اس کو اذیت بھی دی جا رہی تھی، وہ نوجوان آ کر رسول اللہ کے قدموں میں گر پڑا، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے بڑھ کر اسے اٹھایا اور اپنی حفاظت میں لے لیا، اس مسلمان کا نام تھا ابو جندل رضی اللہ عنہ، سہیل بن عمرو کے بیٹے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ کر معاہدے کی شرائط لکھوا رہے تھے، انہوں نے ابو جندل کو دیکھا، باپ کے دل میں بیٹے کی محبت نہیں جاگی، بلکہ قومی حمیت جاگ گئی، کہنے لگے، یا محمد! معاہدے کی رو سے آپ ابو جندل کو واپس کر دیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معاہدہ لکھا جا رہا ہے، ابھی اس پر عمل شروع نہیں ہوا ہے، بلکہ دستخط تک بھی نہیں ہوئے ہیں، سہیل نے کہا، معاہدے کی تمام شرائط پر اتفاق ہو چکا ہے، آپ اس کو میرے ساتھ واپس کر دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار اپنی بات کا اعادہ کرتے رہے، مگر سہیل بن عمرو اپنی ضد پر اڑے رہے، بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جندل کو ان کے حوالے کر دیا۔

بڑی دردناک صورت حال تھی، ایک مسلمان؛ مشرکین کی قید میں تھا اور عرصے سے ان کی اذیتیں جھیل رہا تھا، کسی طرح آزاد ہو کر مسلمانوں کے پاس آ گیا، مگر اسے پھر اسی عذاب خانے میں بھیجا جا رہا تھا، ابو جندل نے درد و غم کی تصویر بن کر انتہائی لجاجت اور بے بسی سے کہا، اے مسلمانو! کیا تم پھر مجھے انہی کافروں کے حوالے کر رہے ہو جو مجھے میرے دین کی وجہ سے تکلیف پہنچا رہے تھے، انہوں نے مسلمانوں کو اپنے بدن کے زخم

(۱) الفتح: ۲۴۔ (۲) صحیح البخاری: ۳/۱۹۳، رقم الحدیث: ۲۷۳۱۔

بھی دکھلائے، مگر کیا ہوسکتا تھا، معاہدے پر عمل کرنا بھی ضروری تھا، یہ بڑا دل سوز منظر تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجندل سے فرمایا: ''ابوجندل! صبر کرو، اور اللہ سے یہ امید رکھو کہ وہ عن قریب تمہاری رہائی اور نجات کی کوئی سبیل ضرور نکالے گا، ہم معاہدے کی خلاف ورزی کرنا پسند نہیں کرتے''، اس طرح ابوجندل کو پھر مشرکین کے حوالے کردیا گیا۔

ابوجندل جن کا اصل نام عبداللہ بن سہیل بن عمرو ہے ان صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے ہیں جنھوں نے اسلام کے راستے میں بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں، جس وقت ان کو باپ کے حوالے کیا جارہا تھا، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک تلوار ان کے اتنے قریب رکھ دی کہ وہ اسے اٹھا کر اپنے باپ پر حملہ کرسکیں، اور آہستہ سے یہ بھی کہا کہ کفار کا خون بہانا ہمارے لیے اسی طرح جائز ہے جس طرح کتے کا خون بہانا جائز ہے، مگر وہ ڈرے ہوئے تھے، ان میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ تلوار اٹھا کر باپ کو قتل کردیتے، بعد کے واقعات میں یہ ہے کہ ان کو مکے لے جا کر قید کردیا گیا، کچھ دنوں کے بعد وہ پھر بھاگ نکلے، اس مرتبہ وہ مدینے نہیں گئے، بلکہ ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساحل سمندر کے قریب جا کر رہنے لگے، وہاں سے یہ دونوں دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مل کر قریش کے تجارتی قافلوں کو نشانہ بناتے تھے، ان حملوں سے تنگ آکر قریش نے خود یہ کہنا شروع کردیا کہ کسی طرح یہ لوگ مدینے جا کر مسلمانوں کے ساتھ رہنے لگیں۔(۱)

مسلمانوں کا تأثر

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین شرائط صلح سے بے حد دل گرفتہ تھے، عمرہ کیے بغیر واپس جانے کا غم الگ تھا، ابوجندل رضی اللہ عنہ کی آمد اور ان کی واپسی نے ان کو اندر سے توڑ کر رکھ دیا تھا، مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس واقعے کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اس قدر شدید اثر ہوا کہ وہ ضبط نہ کرسکے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے دلی جذبات اور کیفیات کا اظہار کچھ اس طرح کیا: یارسول اللہ! کیا آپ اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں، آپ

(۱) مسند احمد بن حنبل: ۳۱/۲۱۲، رقم الحدیث: ۱۸۹۱۰، فتح الباری: ۵/۲۶۳، البدایہ والنہایہ: ۴/۱۶۹، الاستیعاب: ۲/۶۲۲۔

نے فرمایا: کیوں نہیں، میں اللہ کا سچا نبی ہوں، عرض کیا: کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں ہیں، فرمایا: کیوں نہیں! تم حق پر ہو، عرض کیا: پھر ہم اپنے دین میں نرمی کیوں برتیں، فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں، اس کی نافرمانی نہیں کرتا، وہی میرا معین ومددگار ہے، عرض کیا: آپ ہی نے تو فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ کی زیارت کریں گے اور اس کا طواف کریں گے، فرمایا: ہاں میں نے ایسا کہا تھا، لیکن کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال جائیں گے، عرض کیا: نہیں، فرمایا: تم ضرور وہاں جاؤ گے اور طواف بھی کرو گے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، اور ان سے بھی اسی طرح کے سوال وجواب کیے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ بلاشبہ وہ اللہ کے رسول ہیں، وہ اپنے رب کی نافرمانی نہیں کرتے، اللہ ان کا مددگار ہے، تم ان کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس گستاخی پر میں بہت نادم ہوا، اور اس کی معافی تلافی کے لیے میں نے بہت سی نفلی عبادتیں کیں، صدقہ وخیرات کیا اور کئی غلام آزاد کیے۔(۱)

قربانی کرنے اور سر منڈانے کا حکم

صلح نامے پر دستخط ہو گئے، اور یہ بات طے ہو گئی کہ اب واپس مدینے جانا ہے، سب لوگ احرام کی حالت میں تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو قربانی کرنے اور سر منڈانے کا حکم دیا، سب لوگ اس قدر آزردہ خاطر اور شکستہ دل تھے کہ حضور کا حکم سن کر بھی بیٹھے رہے، آپ نے تین بار حکم دیا، کوئی بھی اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوا، آپ کے ہمراہ اس سفر میں ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں، آپ خیمے کے اندر تشریف لے گئے اور ان کو سارا ماجرا سنایا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نہایت سلجھی ہوئی خاتون تھیں اور فہم وادراک کی دولت سے بھی مالا مال تھیں، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی کیفیت سن کر انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مشورہ دیا کہ زبان سے کہنے کے بہ جائے آپ عملی اقدام کریں، اپنی قربانی کریں اور حلق بھی کرالیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے ایسا ہی کیا، جب صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے یہ دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کر رہے ہیں اور حلق

(۱) صحیح البخاری: ۳/۱۹۳، رقم الحدیث: ۲۷۳۱، فتح الباری: ۵/۲۶۵، تاریخ الطبری: ۲/۶۳۴۔

کرار ہے ہیں تو وہ لوگ بھی اٹھے، سب نے قربانی کی، اور ایک دوسرے کے بال بھی مونڈے، راوی کہتے ہیں کہ غم کی وجہ سے ان کا یہ حال تھا کہ وہ ایک دوسرے کو قتل بھی کر سکتے تھے۔ (۱) روایات میں ہے کہ بعض صحابہ نے حلق کرایا یعنی گنجے ہو گئے، اور کچھ نے قصر کرایا یعنی کچھ بال کاٹ دیئے اور کچھ رہنے دیئے، اس عمل سے فراغت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی، یا اللہ محلقین پر رحم فرما، صحابہ نے عرض کیا: اور مقصرین پر؟ رسول اللہ نے فرمایا: اے اللہ محلقین پر رحم فرما، صحابہ نے عرض کیا: اور مقصرین پر؟ آپ نے فرمایا: اے اللہ قصر کرانے والوں پر رحم فرما، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اونٹ کی قربانی بھی دی جو کبھی ابوجہل کی ملکیت تھا، اس کی ناک میں چاندی کا حلقہ پڑا ہوا تھا، اس اونٹ کو قربان ہوتا ہوا دیکھ کر مشرکین کے سینوں پر سانپ لوٹنے لگے۔ (۲)

صلحِ حدیبیہ اور سورۂ فتح

تقریباً بیس دن قیام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قافلہ حدیبیہ سے مدینے کی طرف روانہ ہوا، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے قربانی کا فریضہ انجام دیا، حلق اور قصر کرایا، احرام بھی کھول دیئے، مگر دلوں پر زبردست بوجھ تھا، مایوسی تھی، آزردگی تھی، انہی کیفیات اور احساسات کے ساتھ روانگی کا حکم ملا، روانہ بھی ہو گئے، حسرت سے پیچھے مڑ مڑ کر دیکھتے رہے، یہاں آنا خواب وخیال کی بات ہو گئی، آتے ہوئے جس قدر خوش تھے جاتے ہوئے اتنے ہی غم زدہ نظر آرہے تھے، ابھی کراع الغمیم تک پہنچے تھے کہ سورہ الفتح نازل ہوئی، اس کا آغاز اس آیت کریمہ سے ہوتا ہے: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُّبِيناً. (۳) ''(اے پیغمبر) یقین جانیے، ہم نے آپ کو کھلی ہوئی فتح عطا کر دی ہے''۔

بہ ظاہر جو حالات پیش آئے، اور جن شرائط پر صلح کی گئی، ان کی روشنی میں اس صلح کو فتح مبین یعنی کھلی ہوئی فتح کہا گیا، یہ عجیب سی بات تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے گویا یہ پیش گوئی کر دی کہ یہ مصالحت ایک بڑی اور کھلی ہوئی فتح کا پیش خیمہ ہے، بالآخر اس کے نتیجے میں مکہ فتح ہو گا، اور کفار و مشرکین کو شکستِ فاش ہو گی۔

(۱) صحیح البخاری: ۳/۱۹۳، رقم الحدیث: ۲۷۳۱، فتح الباری: ۵/۲۶۶۔ (۲) سیرت ابن ہشام: ۳/۲۴۰۔ (۳) الفتح: ۱۔

سورۃ الفتح کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو جمع کیا، اور یہ سورت تلاوت فرمائی، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین تعجب سے پوچھنے لگے: یارسول اللہ! کیا یہ فتح مبین ہے، آپ نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے یہ فتح ہی ہے، اس وضاحت کے بعد مسلمانوں کے دلوں سے مایوسی کے بادل چھٹ گئے اوران کے چہروں پر خوشی کے آثار نمایاں نظر آنے لگے۔(۱)

صلح حدیبیہ کے اثرات

قرآن کریم نے اس پسپائی کو فتح مبین سے تعبیر کیا ہے، بہ ظاہر یہ تعبیر حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ مسلمانوں نے دب کر صلح کی اور مشرکین نے جو چاہا وہ لکھوایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ہر مطالبہ تسلیم کیا، مگر بعد میں اس صلح کے جو اثرات مرتب ہوئے اور عرب کی فضا خود بہ خود اسلام اور مسلمانوں کے حق میں جس طرح سازگار ہوتی چلی گئی وہ قرآن کے اس دعوے کو تسلیم کرنے کے لیے کافی ہے، دیکھا جائے تو اس سے مسلمانوں کی اہمیت میں اضافہ ہوا اور خطے میں ان کا دبدبہ بڑھا، اس سلسلے میں یہ امور قابل غور ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ قریش نے پہلی مرتبہ مسلمانوں کے وجود کا کھلے طور پر اعتراف کیا، کیوں کہ معاہدہ طرفین میں برابری کی بنیاد پر ہوتا ہے، اپنے سے کمزور لوگوں سے کوئی مصالحت کے معاہدے نہیں کرتا، نیز پہلی بار قبائل عرب نے یہ محسوس کیا کہ خود کو قائد اور سردار کہلانے والے قریش میں گھبراہٹ ہے، بہ ظاہر انھوں نے اپنی کچھ باتیں منوالی ہیں مگر دراصل یہ مطالبے خوف کی نفسیات کے زیر اثر کئے گئے تھے، طاقت ور کبھی اس طرح کے مطالبوں سے اپنا وقار بحال نہیں کرتا، پہلی مرتبہ قبائل عرب نے یہ بھی محسوس کیا کہ اس پورے معاملے میں قریش کا رویّہ غیر منصفانہ رہا ہے، طوافِ بیت اللہ سے روکنا، اور قربانی نہ ہونے دینا کسی بھی حال میں صحیح فیصلہ نہیں ہوسکتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس مصالحت کے بعد مشرکین کے حملوں کے خطرات ٹل گئے، مسلمانوں کو موقع ملا کہ وہ اطمینان کے ساتھ اسلام کی دعوت اور اس کی نشر واشاعت

(۱) سنن ابی داود: ۳/۷۶، ۲۷۳۶، مسند احمد بن حنبل: ۲۱/۲۳۲، رقم الحدیث: ۱۳۶۳۸۔

کے کام میں لگیں، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا، امام زہری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آنے والے مسلمانوں کی تعداد تیرہ سو سے پندرہ سو تک تھی، لیکن دو سال بعد فتح مکہ کے موقع پر یہ تعداد بڑھ کر دس ہزار ہوگئی، خود مشرکین کے نمایاں افراد نے اسلام قبول کرنا شروع کردیا، متعدد لوگ کسی جبر، خوف اور لالچ کے بغیر اسلام کی خوبیوں سے متاثر ہوئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئے، ان میں ایک اہم نام حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا ہے، ان سے بڑا شہ سوار، بہادر، اور جنگ جو مکے میں کوئی دوسرا نہ تھا، دوسرے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ تھے جن کی فہم وفراست کے اپنے اور غیر سب قائل تھے، تیسرے عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ تھے، یہ خانہ کعبہ کی کنجیاں رکھنے والے گھرانے کے ایک فرد تھے، جب یہ تینوں حضرات مدینہ منورہ پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے مخاطب ہوکر فرمایا: إنَّ مكّةَ قَدْ القت الينا افلاذ كبدها. ''مکے نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو ہمارے حوالے کردیا ہے''۔(۱)

ان حضرات کا مشرف بہ اسلام ہونا ایک عظیم الشان واقعہ ہے، حقیقت میں یہ حضرات مکّے کے دل اور جگر کے ٹکڑے تھے، جو اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں آکر گرے تھے، یہ وہ حضرات ہیں جنھوں نے اسلام کے لیے بڑی قربانیاں دی ہیں، عراق، فارس، شام، آرمینیا، ایشیاء اور ماوراء النہر کے بہت سے علاقے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ذریعے فتح ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سیف اللہ المسلول کے لقب سے نوازا، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس لقب کی شان بڑھائی، اس طرح حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں فلسطین اور مصر جیسے بڑے ممالک مفتوح ہوئے، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسلم الناس وآمن عمرو بن العاص. ''عمرو بن العاص مسلمان نہیں ہوئے بہت سے لوگ بہ یک وقت مسلمان ہوگئے''۔(۲)

(۱) دلائل النبوۃ للبیہقی: ۳/۴۴۳، الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب: ۲/۴۲۸۔ (۲) اسد الغابہ: ۴/۲۳۲، رقم الحدیث: ۳۹۷۱، سنن الترمذی: ۵/۶۸۷، مسند احمد بن حنبل: ۲۸/۶۲۹، رقم الحدیث: ۱۷۴۱۲، سیرت ابن ہشام: ۳/۲۴۱۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ فتح مکہ کو فتح کہتے ہو، بلاشبہ یہ اسلام کی فتح تھی، مگر ہم لوگ حدیبیہ کی بیعت الرضوان کو فتح مانتے تھے،(۱) شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں کہ فتح مبین کی ابتدا صلح حدیبیہ سے ہوئی، کیوں کہ اس مصالحت کے بعد جو ماحول بنا وہ مسلمانوں کے حق میں بہت بہتر ثابت ہوا، امن کا قیام، جنگ کے خطرات کا خاتمہ، قبول اسلام کے لیے بلاخوف وخطر مدینے آنے والوں کی تعداد میں اضافہ، جیسے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ وغیرہ نے آکر اسلام قبول کیا۔(۲)

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جنگ بندی عظیم ترین فتوحات میں سے ایک فتح ہے، اس سے اُس فتح عظیم کی راہ ہموار ہوتی ہے جس سے اللہ رب العزت نے اپنے رسول کو اور اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو عزت بخشی اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے، مصالحت کے بعد مدینے سے مکے تک جو امن قائم ہوا، اس کو فتح عظیم کی کنجی یا اس کا دروازہ کہا جاسکتا ہے، اور یہ اللہ رب العزت کی سنت ہے کہ وہ جب کوئی بڑا فیصلہ کرتا ہے اس سے پہلے کچھ ایسے حالات پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں جو اس بڑے کام کے مقدمات کے طور پر ظہور میں آتے ہیں۔(۳)

حضرت مولانا سلیم اللہ خاں رحمۃ اللہ علیہ نے صلح حدیبیہ کا بہترین تجزیہ کیا ہے، فرماتے ہیں: ''جب آپ نے صلح کرلی تو اگرچہ بہ ظاہر وہ صلح دب کر کی گئی تھی، لیکن اس کے شان دار اور حیرت ناک نتائج ظاہر ہوئے، اول تو سیاسی طور پر ایک فائدہ یہ ہوا کہ قریش مسلمانوں کی کوئی قانونی حیثیت نہیں مانتے تھے، ان کا خیال تھا کہ یہ چند سر پھرے لوگ ہیں انہوں نے انتشار اور تشویش کو جنم دیا ہے، باپ کو بیٹے سے، بیوی کو شوہر سے، اور بھائی کو بھائی سے لڑوا دیا ہے، یہ لوگ دہشت گردی پر اتر آئے ہیں، کچھ دن میں اپنے انجام کو پہنچ کر یہ لوگ ختم ہوجائیں گے، آج صلح کے ذریعے کفار قریش نے مسلمانوں کو اپنے مدِ مقابل ایک فریق کی حیثیت سے تسلیم کیا اور باقاعدہ صلح کی، دوسرے اس صلح کے ذریعے مسلمانوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا، عمرے کے لیے کل چودہ سو پندرہ سو کی

(۱) صحیح البخاری: ۱۲۲/۵، رقم الحدیث: ۴۱۵۰۔ (۲) فتح الباری: ۴۴۲/۷۔ (۳) زاد المعاد: ۳۰۹/۳۔

تعداد آپ کے ہمراہ تھی، تقریباً اتنے ہی مسلمان اور تھے جو آپ کے ہمراہ نہ تھے، لیکن دو سال سے بھی کم عرصے میں آٹھ ہجری میں تیس ہزار یا اس سے بھی زیادہ مجاہدین آپ کے ہمراہ تھے، اور اس کے دو سال بعد دس ہجری میں ایک لاکھ پچیس ہزار افراد حجۃ الوداع میں شامل ہوئے، حدیبیہ کا واقعہ چھ ہجری کا ہے تیرہ سال مکے کے، چھ سال مدینے کے، ان سالوں میں اہل اسلام کی تعداد تین چار ہزار تک پہنچ پائی، لیکن صلح حدیبیہ کے بعد صرف چار سال میں یہ تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی، وجہ یہ تھی کہ صلح سے پہلے جنگ کی حالت تھی، آپس کی کشیدگی اور نفرت کی وجہ سے ملاقاتوں کی نوبت ہی نہیں آتی تھی اور اگر کبھی یہ نوبت آئی بھی تو نفرتوں کی وجہ سے صحیح طریقے پر غور وفکر نہیں کیا جاتا تھا، اول تو صلح سے آپس کی نفرتیں کم ہوئیں اور ملنے جلنے کی صورتیں پیش آنے لگیں، مسلمان مکے جانے لگے، کفار کی مدینے میں آمد ورفت شروع ہوگئی، جب یہ ہوا تو کافروں نے دیکھا اور بار بار دیکھا اور آزمایا کہ یہ ہمارے بھائی بند اسلام میں داخل ہونے کے بعد بالکل ہی بدل گئے اور ان میں تو عجیب وغریب انقلاب آیا ہے۔ یہ صدق ووفا کے پیکر بن گئے، امانت ودیانت ان کی سرشت میں داخل ہوگئی، شرافت وعظمت ان کی علامت اور پہچان قرار پائی۔ یہ زیردست اور کمزوروں کے محافظ اور ظالموں اور سرکشوں کی سرکوبی اور سرزنش کے لئے طاقتور اور مضبوط ہیں، تو اس مشاہدے کے بعد وہ اسلام کی طرف مائل ہوئے اور بہ کثرت اسلام میں داخل ہونے لگے۔

سوئم حدیبیہ کے واقعے سے پہلے صورت حال یہ تھی کہ مدینہ منورہ کے جنوب میں مکہ تھا اور وہاں قریش اسلام کے دشمن رہتے تھے جن سے کئی جنگیں بھی ہوچکی تھیں اور شمال میں خیبر تھا جہاں یہود آباد تھے، اہل کتاب ہونے کے وجہ سے وہ بھی برتری کے زعم میں مبتلا تھے اور دینی سیادت وقیادت کا استحقاق اپنے سوا کسی کے لئے نہیں مانتے تھے ۔ادھر بنو نضیر کے اخراج من المدینہ کا واقعہ پیش آچکا تھا اور یہ لوگ مدینے سے نکل کر خیبر ہی میں آباد ہوگئے تھے۔ بنو قریظہ کے غدر کے نتیجے میں مدینہ منورہ کے اندر ان کے قتل عام کا واقعہ پیش آچکا تھا۔ تو ایک طرف قریش مکہ اسلام اور مسلمانوں کے جانی دشمن تھے جن

کے ساتھ بدر، احد اور خندق جیسے معرکے پیش آچکے تھے اور وہ بدر و خندق کی شکست کا غم نہ بھولے تھے، دوسری طرف خیبر کے یہود تھے جن کو بنی نضیر کی جلاوطنی اور بنو قریظہ کے قتل کا رنج وغم کھائے جارہا تھا اور اسلام کی ترقی ان کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھی، پھر قریش اور یہود میں مسلمانوں کے خلاف آپس کا گٹھ جوڑ بھی رہا کرتا تھا، جیسا کہ بدر کے بعد یہود نے قریش کو جنگ کے لئے اشتعال دلایا اور احد کا واقعہ پیش آیا۔ پھر خندق کے موقع پر بھی یہودِ خیبر اور بنو قریظہ نے مسلمانوں کے خلاف قریش کے ساتھ ساز باز کی۔ ان حالات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ مدینہ بیچ میں ہے اور دونوں طرف شمال وجنوب میں دشمن موجود ہے، یہ بھی خطرہ رہتا تھا کہ یہ دونوں مل کر کے یکبارگی مدینے پر حملہ آور نہ ہوجائیں اور اس صورت میں یہ بھی ممکن نہیں تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکّے پر لشکر کشی کر کے قریش کا کوئی بندوبست کریں۔ اس لئے کہ اس صورت میں خیبر سے یہود کے حملے کا اندیشہ تھا وہ مدینے کو خالی پا کر مدینے پر حملہ آور ہوسکتے تھے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہود کے شر کو رفع کرنے کے لئے خیبر پر چڑھائی کرتے ہیں تو خطرہ ہے کہ مدینے کو خالی دیکھ کر قریش حملہ نہ کر بیٹھیں۔ عجیب تشویش ناک صورت تھی۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ دونوں میں سے کسی ایک فریق سے صلح کی جائے خواہ وہ کسی بھی صورت میں کتنی بھی مدت کیلئے ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کے لئے قریش کو ترجیح دی، اول تو اس لئے کہ ان سے رشتے داریاں تھیں، وہ ہم وطن بھی تھے ان کا خبث باطن بھی شاید یہود سے کچھ کم تھا۔ یہود کا غدر بھی پہلے واقع ہوچکا تھا اور خیال یہ تھا کہ اس صلح کے فوراً بعد بشرطیکہ اس میں حرمات اللہ کی تعظیم میں خلل نہ آئے یہود پر چڑھائی کر کے ان کے شر سے محفوظ ہونے کا انتظام کرلیا جائے، پھر قریش رہ جائیں گے وہ جب تک صلح کی پابندی کرتے ہیں ٹھیک ہے صلح رہے گی اور جب وہ صلح کی خلاف ورزی کریں گے تو ان کا انتظام پھر مشکل نہ رہے گا۔ چنانچہ اس مصلحت کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دب کر صلح کی اور ابھی اس صلح نامے کی سیاہی خشک نہ ہونے پائی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّے سے واپس آکر محرم میں صلح حدیبیہ میں شریک ہونے والے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین ہی کو لے کر خیبر پر چڑھائی کردی اور یہود کا ایسا انتظام کردیا کہ وہ پھر

سر نہ اٹھا سکیں۔ ذی قعدہ کے آخر میں صلح حدیبیہ ہوئی ہے اور ایک ماہ بیچ میں ہے کہ محرم میں یہود پر فتح حاصل کر لی گئی۔ اب قریش رہ گئے کچھ عرصے تک انہوں صلح کی پاس داری کی، دو سال نہیں ہوئے تھے کہ قریش نے صلح کی خلاف ورزی کی اور رمضان آٹھ ہجری میں مکے پر لشکر کشی کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ اس طرح فتح کر لیا جیسے کہ وہ کوئی مشکل کام تھا ہی نہیں، اور اس طرح پورے عرب کو بہ شمول یمن، دار الاسلام بنالیا گیا۔ اسی لئے فتح مبین کا مصداق بجائے فتح مکہ کے صلح حدیبیہ کو قرار دیا گیا چونکہ یہی صلح درحقیقت فتح مکہ کا پیش خیمہ بنی اور یہ دیگر مصالح پر بھی مشتمل تھی۔(۱)

ابو بصیر کا قصہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے مدینے تشریف لا چکے تھے، ایک روز مکہ مکرمہ سے فرار ہو کر ایک شخص حاضر خدمت ہوا، اس کا نام ابو بصیر عُتبہ بن اُسید بن جاریہ تھا، مسلمان ہو چکے تھے، لیکن مکّے سے نکلنے میں کامیاب نہ ہو پائے تھے، اپنا اسلام بھی چھپا کر نہ رکھ سکے، مشرکین مکہ ان پر مسلسل ظلم وستم ڈھاتے رہے، ایک دن موقع دیکھ کر فرار ہو گئے، اور سیدھے مدینہ منورہ پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، قریش نے ان کی تلاش میں آدمی دوڑائے، دو قاصد مدینہ منورہ بھی پہنچے، اور آپ سے ابو بصیر کی واپسی کا مطالبہ کرنے لگے، ان دونوں نے معاہدے کی اس شق کا حوالہ بھی دیا کہ اگر ہمارا کوئی آدمی بھاگ کر آپ کے پاس آتا ہے تو آپ اسے واپس کرنے کے پابند ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاہدے کے خلاف کوئی عمل نہیں کرنا چاہتے تھے، اس لئے آپ نے ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو ان دونوں آدمیوں کے حوالے فرما دیا، ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ مجھے مشرکین کے حوالے کر رہے ہیں، حالاں کہ وہ چاہتے ہیں کہ میں اپنا دین چھوڑ دوں، اپنی بات منوانے کے لیے وہ مجھے طرح طرح کی تکلیفیں بھی پہنچاتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ابو بصیر، صبر کرو، ہمت سے کام لو، ان شاء اللہ عن قریب اللہ تمہارے لئے نجات کا کوئی راستہ ضرور نکالے گا۔

(۱) کشف الباری: ۸/۳۶۶، ۳۶۷۔

ابو بصیر رضی اللہ عنہ ان دو آدمیوں کے ساتھ مکے روانہ ہوگئے، راستے میں کسی جگہ تینوں کھانا کھانے بیٹھے، ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک شخص سے کہا کہ تمہاری یہ تلوار بہت بہترین ہے، اس شخص نے خوش ہوکر تلوار میان سے نکال کر لہرائی، ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے کہا: ذرا مجھے دکھانا تو، اس نے تلوار ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھما دی، ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے تلوار ہاتھ میں لیتے ہی اس زور سے گھمائی کہ اس کا سر تن سے جدا ہوگیا، دوسرا شخص ڈر کر بھاگ گیا، ابو بصیر رضی اللہ عنہ دوبارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اپنی ذمہ داری پوری کر چکے ہیں، آپ نے مجھے ان کے حوالے کر دیا تھا، اللہ نے مجھے بچالیا، انہوں نے یہ بھی بتلا دیا کہ وہ ایک دشمن کو قتل کر چکے ہیں، آپ نے فرمایا: ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے لیے بڑی خرابی کی بات ہے، اگر اس کے ساتھ کچھ اور لوگ ہوتے تو یہ جنگ کی آگ بھڑکا دیتا۔

محدثین کی رائے یہ ہے کہ آپ نے یہ جملہ ابو بصیر کی مدح میں ارشاد فرمایا، نہ کہ مذمت میں، گویا آپ بہ طور اشارہ یہ فرمانا چاہتے تھے کہ ابو بصیر میں اتنی صلاحیت ہے کہ وہ چند افراد کو لے کر جنگ کی آگ بھڑکا سکتا ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس جملے میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ تم فرار ہوجاؤ، اس ارشاد میں لوگوں کو ساتھ ملا کر مشرکین کے ساتھ جنگ کرنے کی ترغیب وتحریض بھی ہے، جمہور علماء کہتے ہیں کہ ایسے حالات میں صراحتاً تو کچھ کہنا جائز نہیں، البتہ اشارتاً کہا جاسکتا ہے۔(۱)

ابو بصیر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ اگر وہ یہاں رہے تو انہیں پھر مشرکین کے حوالے کر دیا جائے گا، اس لئے وہ مدینے سے نکل کر ساحل سمندر کے کنارے واقع عیص تک جا پہنچے، اور انہوں نے وہیں اپنا ٹھکانہ بنالیا، یہ جگہ شام سے مکّے آنے والے راستے پر واقع ہے، ادھر سے ہوکر قریش کے تجارتی کارواں مکّے آتے جاتے رہتے تھے، جلدی ہی ابو جندل رضی اللہ عنہ بھی مکّے سے بھاگ کر ابو بصیر کے پاس آگئے، کچھ اور لوگ بھی آگئے، یہاں تک کہ آنے والوں کی تعداد ستر سے تجاوز کر گئی، علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے تو الروض الانف میں

(۱) فتح الباری: ۳۵۰/۵۔

تین سو کی تعداد لکھی ہے، یہ وہ مسلمان تھے جو مکے کے مشرکین کا ظلم محض اس لئے سہہ رہے تھے کہ انھوں نے اسلام قبول کرلیا تھا، یہ بھاگ تو سکتے تھے مگر بھاگ کر کہاں جاتے، مدینے کے دروازے فی الحال بند تھے، کیوں کہ مشرکین نے مسلمانوں سے معاہدہ کرلیا تھا، اور اس معاہدے کی رو سے مکہ مکرمہ سے بھاگا ہوا کوئی شخص وہاں نہیں رہ سکتا تھا، ابوبصیر نے ساحل سمندر کے قریب ٹھکانہ بنایا تو تمام ڈرے سہمے، مجبور اور لاچار مسلمان ایک ایک دو دو کرکے ان کے پاس پہنچ گئے۔

ابوبصیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی قریش کے تجارتی قافلوں کو نشانہ بناتے، ان کو مارتے اور ان کا سامان لوٹ لیتے، یہی لوٹ ان کی گذر بسر کا ذریعہ بھی تھی، اور یہی ان کا انتقام بھی، ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے مسلسل حملوں نے مشرکین کو اتنا عاجز کیا کہ وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کرنے پر مجبور ہوگئے کہ خدارا ان مسلمانوں کو آپ مدینے بلالیجئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ وہ اپنے ساتھیوں سمیت میرے پاس آجائیں، جس وقت آپ کا یہ خط ابوبصیر رضی اللہ عنہ تک پہنچا وہ بستر مرگ پر تھے اور بس چند لمحوں کے مہمان تھے، انہوں نے مکتوب گرامی کو اپنے سینے پر رکھا آنکھوں سے لگایا، اور اسی حال میں اپنے مولیٰ سے جاملے، ابوجندل رضی اللہ عنہ وغیرہ نے ان کو اسی جگہ دفنا دیا، قریب میں ایک مسجد بنادی اور دوسرے رفقاء کو لے کر مدینے روانہ ہوگئے۔(۱)

ابوبصیر کی چھاپہ مار کاروائیوں کے اثرات پر ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری نے بہترین تبصرہ کیا ہے وہ لکھتے ہیں ”حضرت ابوجندل اور حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہما نے ایمان کی خاطر بے انتہا تکلیفیں سہیں، لیکن انھوں نے انتہائی استقامت، خلوص نیت اور اولوالعزمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی جدوجہد اس وقت تک جاری رکھی جب تک مشرکین کا سر نیچا نہ کردیا، وہ مسلمانوں سے اس سخت شرط کو ہٹانے کا ذریعہ بن گئے جو مشرکین نے صلح حدیبیہ میں ان پر عائد کی تھی، یہ واقعہ ایمان سے وابستگی اور اس کے لیے جدوجہد کی ایک روشن

(۱) صحیح البخاری: ۳/۱۹۳، رقم الحدیث: ۲۷۳۱، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۹/۲۲۷، تاریخ الطبری: ۲/۱۲۵، الروض الانف للسہیلی: ۴/۵۷۔

مثال ہے، اس واقعے سے یہ اصول بھی اخذ ہوتا ہے کہ کبھی فرد واحد وہ کام کر جاتا ہے جو پورا معاشرہ نہیں کرسکتا۔

ابو بصیر رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء نے مشرکین کو ایسے وقت میں زک پہنچائی جب اسلامی مملکت ایسا کرنے سے قاصر تھی، کیوں کہ مسلمان مشرکین سے صلح اور امن کی شرائط طے کر چکے تھے، حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء چاہے بہ ظاہر ہی سہی مگر ریاست مدینہ کی عمل داری سے باہر تھے، تاہم انھوں نے اور ان کے ساتھ مکے کے مظلوم مسلمان ساتھیوں نے یہ تمام کاروائیاں محض ایسے اجتہاد سے نہیں کی تھیں جس میں حضور کی رضا شامل نہ ہو، اگر رسول اللہ چاہتے تو شروع ہی میں ابو بصیر کو قریشی قافلوں پر حملوں سے منع کر دیتے، یا مکے واپس جانے کا حکم دے دیتے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا جو آپ کی رضا مندی کی علامت تھی۔

حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء نے جو کیا وہ یقیناً عقل مندی تھی، انہوں نے مکے میں رہ کر مظالم برداشت کرتے رہنا بھی گوارا نہیں کیا اور نہ ہی یہ گوارا کیا کہ انہیں ان کے دین سے ہٹانے کی کوششیں کی جاتی رہیں، انہوں نے ایک ایسی تدبیر اختیار کی جس سے نہ صرف انہیں اہل مکہ کے ظلم وستم سے نجات مل گئی، بلکہ ان کاروائیوں سے مملکت مدینہ کو بھی مدد ملی، کیوں کہ ان کاروائیوں سے قریش کی معیشت کو نقصان پہنچا، ان کاروائیوں کا ایک نفع یہ بھی سامنے آیا کہ صلح کے دور میں بھی قریش کو اپنے تحفظ کا خدشہ لگا رہا، یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے طرز عمل کی بالواسطہ حوصلہ افزائی کی، کیوں کہ آپ نے فرمایا تھا اگر ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ہوتے یہ جنگ کی آگ بھڑکا دیتا۔(۱)

سہیل بن عمرو کو مکے میں یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے ان کے ایک آدمی کو قتل کر دیا ہے، اس نے اعلان کیا کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اپنے مقتول کی دیت لے گا، ابوسفیان نے کہا کہ تم دیت نہیں لے سکتے، کیوں کہ اس قتل میں محمد کی رضا مندی شامل نہیں

(۱) السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ :۴۵۱/۲، ۴۵۲، بہ حوالہ تاریخ امت مسلمہ :۳۱۴/۱، ۳۱۵۔

تھی اور نہ انہوں نے اس کا حکم دیا تھا، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ابوبصیر کو تمہارے آدمیوں کے سپرد کرچکے تھے، اس نے راستے میں یہ حرکت کی ہے، تمہارا کوئی حق نہیں بنتا کہ تم محمد سے دیت کا مطالبہ کرو۔(۱)

مہاجر خواتینِ اسلام کی واپسی کا معاملہ

ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے واقعے کے بعد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہی رہا کہ اگر کوئی شخص مکّے سے فرار ہوکر مدینے آجاتا آپ اسے فوراً واپس فرمادیتے، اسی دوران کچھ خواتین بھی ہجرت کرکے مدینے آگئیں، سب سے پہلے ام کلثوم بنت عقبہ بن اُبی معیط رضی اللہ عنہا نے ہجرت کی، پیچھے پیچھے ان کے دو بھائی عمارہ اور ولید آگئے، ان دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ اس معاہدے کے تحت جو قریش کے اور آپ کے درمیان ہوا ہے ہماری بہن کو ہمارے سپرد کردیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مطالبہ یہ کہہ کر مسترد کردیا کہ اللہ نہیں چاہتا کہ مہاجر خواتین کو واپس کیا جائے، ویسے بھی معاہدے میں خواتین کا ذکر نہیں ہے، بعض روایات کے مطابق معاہدے کی تحریر میں لا یاتیہ رجل الخ ہے، یعنی اگر کوئی مرد آیا تو اس کو واپس کیا جائے گا، رجل مردوں کے لیے خاص ہے، اس میں عورتیں کیسے شامل ہوسکتی ہیں، مشرکین نے بہت چاہا کہ عورتوں کو بھی اس معاہدے میں شامل کیا جائے، مگر آپ نے مشرکین کا یہ مطالبہ منظور نہیں فرمایا، کیوں کہ وحی الٰہی کے ذریعے اس کو پہلے ہی نامنظور کیا جاچکا تھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ.(۲) ”اے ایمان والو! جب مسلمان عورتیں ہجرت کرکے تمہارے پاس آئیں تو ان کو آزمالو (کہ کس لئے ہجرت کرکے آئی ہیں) ویسے اللہ ان کے ایمان کے بارے میں زیادہ جانتے ہیں، اگر تم ان کے ایمان کو جانچ کرکے یہ معلوم کرلو کہ یہ عورتیں مسلمان ہیں تو اب انہیں کفار کی طرف واپس نہ کرو، نہ تو وہ عورتیں کفار کے لیے حلال ہیں

(۱) سیرت ابن ہشام: ۳/۲۴۲۔ (۲) الممتحنة: ۱۰۔

اور نہ کفار ان عورتوں کے لیے“۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کسی بھی مہاجر مسلمان خاتون کو واپس نہیں کیا گیا، بلاشبہ اسلام کا یہ موقف عورتوں کی قدر و منزلت کو نمایاں کرتا ہے، بعد میں مشرکین نے بھی مطالبہ نہیں کیا، حالاں کہ عورتیں ہجرت کرکے برابر آتی رہیں، خاص طور پر وہ خواتین کافی تعداد میں آئیں جن کے شوہر مکہ چھوڑ چکے تھے، شیخ محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے بعد مسلمانوں نے خواتین کو واپس کرنے سے انکار کردیا، ایک تو اس لئے کہ صلح نامے میں عورتوں کے تعلق سے کوئی شق ہی نہیں تھی، دوسرے یہ کہ مسلمانوں کو یہ اندیشہ تھا کہ اگر عورتوں کو واپس کیا گیا تو وہ اپنے جسمانی ضعف کی بنا پر کفار کی تعذیب وایذا رسانی کی متحمل نہیں ہوسکیں گی، یا تو ہلاک ہوجائیں گی یا اپنا دین چھوڑ دیں گی، مدینے کے علاوہ کسی جگہ جا کر رہنا بھی ان کے لیے مشکل کا باعث تھا۔(۱)

غزوۂ خیبر کا پس منظر

خیبر ایک شہر کا نام ہے، مدینہ منورہ سے اس کا فاصلہ تقریباً ایک سو پینسٹھ کلومیٹر ہے، سطح سمندر سے اس کی بلندی آٹھ سو چون میٹر ہے، شمال کی جانب شام کی طرف جانے والی شاہ راہ تبوک پر واقع ہے، یہ علاقہ شروع ہی سے بڑا سرسبز وشاداب اور زرخیز رہا ہے، یہاں پانی کی فراوانی ہے، کھجوروں کے باغات کثرت سے ہیں، دوسرے پھل بھی وافر مقدار میں پیدا ہوتے ہیں، زمین قابل کاشت ہے، اس لیے سبزیاں اور غلّہ جات بھی اگائے جاتے ہیں، خیبر بڑی بڑی وادیوں پر مشتمل ہے، آبادی بھی اچھی خاصی ہے۔

ارضِ خیبر شروع ہی سے بڑی زرخیز رہی ہے، اگرچہ یہاں بعض علاقے ایسے بھی ہیں جہاں سیاہ پتھریلی چٹانیں زمین میں ابھری ہوئی ہیں، کہتے ہیں کسی زمانے میں یہاں آتش فشاں پہاڑوں میں دھماکہ ہوا تھا جس سے کئی پتھریلی وادیاں بن گئی ہیں، اس کے باوجود یہاں کی زمین کا بڑا حصہ قابل کاشت ہے، جس میں یہودیوں نے کھجوروں کے بڑے بڑے باغ لگا رکھے تھے، صرف خیبر کے باغوں میں درختوں کے اڑتالیس ہزار جھنڈ

(۱) فقہ السیرۃ ص:۳۶۷۔

تھے، باغات میں غلّے کی کاشت بھی ہوتی تھی، فی الحال اس علاقے میں قبیلہ عنزہ کی نسل کے لوگ رہتے ہیں جو غرس سے نورشیر تک جانے والی پوری وادی میں سکونت پذیر ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہاں ملی جلی آبادی تھی، عرب بھی تھے، اور یہود بھی، آخر الذکر قوم کی اکثریت تھی، اور وہ اس علاقے میں مرکزی حیثیت اختیار کیے ہوئے تھے۔

ارضِ خیبر اصلاً یہودیوں کا علاقہ نہیں ہے بلکہ جزیرۂ عرب میں یہ لوگ مہمان بن کر داخل ہوئے تھے، قوقاز اور شام کے علاقوں میں جب یہودی اپنی خباثتوں کی بنا پر مقابل قوموں کی بربریت کا نشانہ بنے تو انہوں نے اسی میں عافیت سمجھی کہ وہ ان علاقوں کو چھوڑ کر کسی اور جگہ کا رخ کریں، یہودی اس جگہ جہاں آج خیبر ہے پہنچے تو انہوں نے وہاں کے عرب باشندوں سے درخواست کی کہ وہ انہیں یہاں قیام کی اجازت دے دیں، عرب شروع ہی سے فیاض اور دریادل واقع ہوئے ہیں، ان کی مہمان نوازی اور مظلوموں کے تئیں ان کی نرم مزاجی بھی مشہور ہے، اس لئے یہودیوں کو سہولت کے ساتھ اس علاقے میں بسنے کی اجازت مل گئی، محنتی اور جفاکش قوم ہے، اگرچہ سازشی ذہن بھی رکھتی ہے، اور احسان فراموشی میں تو اس کا کوئی ثانی ہی نہیں، جلدی ہی خیبر میں چھا گئے، وہاں کی زمینوں کو قابل کاشت بنا کر انہوں نے کھجور کے باغات لگائے اور مزے سے زندگی بسر کرنے لگے، یثرب یہاں سے قریب تھا، کچھ یہودی قبیلے وہاں بھی منتقل ہو گئے، تبّع بادشاہ کے زمانے میں بھی بہت سے یہودی یثرب میں آکر بس گئے تھے۔

جس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینے تشریف لائے اس وقت یہودیوں کے کئی بڑے قبیلے جیسے بنو قینقاع، بنو نظیر اور بنو قریظہ یہاں آباد تھے، اہل کتاب ہونے کی وجہ سے یہودیوں سے یہ امید تھی کہ وہ اس آسمانی دعوت کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر تشریف لائے تھے قبول کرنے میں پس وپیش نہیں کریں گے، مگر انہوں نے اس دعوت پر لبیک کہنے کے بجائے اس کے خلاف معاندانہ رویّہ اختیار کیا، مشرکینِ عرب بالخصوص مشرکینِ مکہ کے ساتھ مل کر انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں شروع کردیں، یہودیوں کا ایک مشہور قبیلہ تھا بنو قریظہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض دینی

مصلحتوں کی بنا پر اس قبیلے سے اتحاد باہمی کا معاہدہ کرلیا تھا، اس معاہدے میں یہ دفع بھی شامل تھی کہ وہ مسلمانوں پر ہونے والے کسی بھی حملے میں دشمن کا ساتھ نہیں دیں گے، بلکہ مسلمانوں کی حمایت کریں گے، اور ان کے ساتھ مل کر لڑیں گے، اس کے برعکس جب قریشِ مکہ دس ہزار کا لشکر لے کر مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے ارادے سے آئے تو بنو قریظہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا عہد توڑ کر قریش کی مدد کی، غزوۂ خندق کے بیان میں اس کی تفصیل آچکی ہے، اس غزوے سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ ابھی ہتھیار نہ رکھیں بلکہ بنو قریظہ کو ان کی بدعہدی اور غداری کی سزا دیں، چناں چہ مسلمانوں نے پچیس روز تک بنو قریظہ کا محاصرہ کیا، بالآخر وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوگئے، ان کے مردوں کو گرفتار کر کے قتل کردیا گیا، اور ان کی عورتوں بچوں کو باندی غلام بنالیا گیا۔

اس سے پہلے بنو نضیر کو مدینے سے جلاوطن کیا گیا تھا، اس قبیلے کے زیادہ تر افراد جن میں ان کے زعما بھی تھے یہاں سے نکل کر خیبر میں آباد ہوگئے تھے، اس واقعے سے بہت پہلے معرکۂ بدر کے بعد بنو قینقاع نے بھی اسی طرح کی حرکتیں کی تھیں، ان سے بھی کہا گیا تھا کہ وہ لوگ مدینہ اور مضافات مدینہ چھوڑ کر چلے جائیں، ان قبیلوں کے زیادہ تر لوگ مدینے سے تو نکل گئے مگر خیبر میں جا کر آباد ہوگئے، اس طرح ان کی آبادی بڑھ گئی، ان کی طاقت میں بھی اضافہ ہوگیا، اور کیوں کہ یہ قبائل تجارت پیشہ تھے اس لئے خیبر پہنچ کر بھی انہوں نے اپنا پیشہ برقرار رکھا جس سے ان کی اقتصادی حالت بھی مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئی، غرض یہ کہ مدینے سے جلاوطن ہونے والے بنو نضیر اور بنو قینقاع کے بہت سے فسادی لوگ خیبر میں جمع ہوگئے اور اپنے مذہبی بھائیوں کی سازش میں شریک ہوگئے، اس طرح یہ علاقہ جزیرۃ العرب میں یہودیوں کی طاقت کا سب سے بڑا مرکز بن گیا، ان کے قلعوں میں بیس ہزار مسلح افواج ہمہ وقت موجود رہتی تھیں۔

خیبر کے یہود بھی اسلام دشمنی میں بنو قریظہ سے کم نہ تھے، انہوں نے بھی غزوۂ احزاب کے موقع پر قریش کی بھرپور مدد کی تھی، اس لئے ضروری تھا کہ ان کو بھی سبق سکھایا جائے گا، بنو نضیر کے سردار حُیَیّ بن اَخطب کے قتل کے بعد سلام بن اَبی الحقیق (ابورافع

عبداللہ) یہود کا سربراہ مقرر ہوا تھا، اس نے خیبر کو مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا مرکز بنالیا تھا، وہ اسلام کے خلاف مسلسل زہر اگلا کرتا تھا، اور آس پاس کے قبیلوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتا رہتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کو خفیہ مہم پر بھیج کر اس کو قتل کرادیا، اس کے بعد یسیر بن ازام خیبر کا سردار بنا، وہ بھی اپنے پیش رؤں کے نقش قدم پر چلا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فہمائش بھی کی اور عبداللہ بن اُنیس اور عبداللہ بن رواحہ کو بھیج کر اسے یہ پیش کش بھی کی کہ وہ مدینے آکر صلح کی بات چیت کرے، وہ مذاکرات کے لیے روانہ بھی ہوا، راستے میں اس نے حضور کے قاصدوں کو نہتا کرنے کی کوشش کی جس سے کشیدگی پیدا ہوگئی، دونوں طرف سے تلواریں نکل آئیں اور یسیر بن رزام مارا گیا، اس واقعے کے بعد اہل خیبر سے مصالحت کی کوئی امید باقی نہیں رہی، لیکن کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابھی تک خیبر پر چڑھائی کرنے کا حکم نہیں ملا تھا، اس لئے سن چھ ہجری کے اختتام تک انہیں مہلت ملتی رہی، گذشتہ صفحات میں صلح حدیبیہ کا ذکر آیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چودہ سو اصحاب رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے تشریف لے گئے تھے، قریش نے جانے نہیں دیا، آپ نے بعض مصالح کی بنا پر دب کر مصالحت کرلی اور عمرہ کئے بغیر ہی واپس تشریف لے آئے، آپ اور تمام صحابہ احرام پہنے ہوئے تھے، مصالحت کے بعد سب نے قربانی کی، حلق کرایا اور احرام کھول دیا۔

سورۂ فتح کا نزول

ابھی راستے ہی میں تھے کہ سورۂ فتح نازل ہوئی، اس میں اللہ رب العزت نے یہ وعدہ فرمایا کہ تمہیں بہت سی فتوحات حاصل ہوں گی، اور بڑی غنیمتیں تمہارے ہاتھ آئیں گی، ایک فتح تو بہت جلد حاصل ہونے والی ہے، اور مکہ مکرمہ میں بھی تم لوگ عن قریب فاتح بن کر داخل ہوگے، اس سورت میں دو آیتیں ہیں: فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ. (۱) اور وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا. (۲) مفسرین کہتے ہیں کہ ان دونوں آیتوں میں جس فتح کا ذکر ہے اس سے فتح خیبر مراد ہے، (۳) بہتر ہوگا کہ یہ دونوں آیتیں مع ترجمہ پیش کردی جائیں تاکہ فتح خیبر

(۱) الفتح: ۲۰۔ (۲) الفتح: ۱۸۔ (۳) تفسیر الطبری: ۲۲/ ۲۲۸، تفسیر البغوی: ۷/ ۳۰۶، تفسیر فتح القدیر: ۶/ ۴۱۷۔

کے پس منظر کو سمجھنے میں آسانی ہو: لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوْبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحاً قَرِيْباً وَمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَأْخُذُوْنَهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزاً حَكِيْماً. وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَأْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطاً مُّسْتَقِيْماً. وَأُخْرىٰ لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَلىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْراً.(۱) ''یقیناً اللہ ان مؤمنوں سے بڑا خوش ہوا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کررہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا وہ بھی اللہ کو معلوم تھا، اس لئے ان پر سکینت اتاردی اور ان کو انعام میں ایک قریبی فتح عطا فرمادی اور غنیمت میں ملنے والے بہت سے مال بھی جو ان کے ہاتھ آئیں گے، اور اللہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک ہے، اللہ نے تم سے بہت سے مالِ غنیمت کا وعدہ کررکھا ہے جو تم حاصل کروگے، اب فوری طور پر اُس نے تمہیں یہ فتح دے دی ہے، اور لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا تاکہ یہ مؤمنوں کے لیے ایک نشانی بن جائے اور تمہیں اللہ سیدھے راستے پر ڈال دے، اور ایک فتح اور بھی ہے جو ابھی تمہارے قابو میں نہیں آئی، لیکن اللہ نے اُس کو اپنے احاطے میں لے رکھا ہے اور اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے''۔

یہی وہ حالات ہیں جن کی وجہ سے خیبر پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنا، اور اس پر بلا تاخیر عمل بھی ہوا، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف سبقت نہ فرماتے تو امروز فردا میں خیبر کے یہود خود ہی مدینے پر حملہ کردیتے، اس سمت میں ان کی تیاریاں پورے طور پر جاری تھیں۔

خیبر کے لیے روانگی

صلح حدیبیہ سے واپس تشریف لانے کے بعد ذی الحجہ اور اوائلِ محرم میں آپ کا قیام مدینہ منورہ میں رہا، اچانک حکم ہوا کہ خیبر پر حملہ کردیا جائے، دوسرا حکم یہ ہوا کہ اس مہم میں آپ کے ساتھ صرف وہی لوگ جائیں گے جو حدیبیہ میں آپ کے ہمراہ تھے، اس طرح منافقین کے جانے پر پابندی عائد کردی گئی، یہ لوگ حدیبیہ کے موقع پر آپ کے ساتھ نہیں

(۱) الفتح: ۱۸-۲۱۔

گئے تھے، اس سلسلے میں قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی: سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ قُل لَّن تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِن قَبْلُ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا. (۱) ''مسلمانو! جب تم غنیمت کے مال لینے کے لیے چلو گے تو یہ (حدیبیہ کے سفر سے) پیچھے رہ جانے والے تم سے کہیں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے دو، وہ چاہیں گے کہ اللہ کی بات کو بدل دیں، تم کہہ دینا: کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چلو گے، اللہ نے پہلے سے یوں ہی فرمارکھا ہے، اس پر وہ کہیں گے کہ دراصل آپ لوگ ہم سے حسد رکھتے ہیں، بلکہ (حقیقت یہ ہے) یہ لوگ بہت کم سمجھتے ہیں''۔ مدینے میں یہ اعلان پہلے ہی کردیا گیا تھا کہ خیبر کی طرف جانے والے لشکر میں صرف وہ ہی لوگ شامل ہوں گے جو گذشتہ سفر میں شریک رہے ہیں، حدیبیہ میں جانے والے صحابۂ کرام کی تعداد چودہ سو تھی یہی حضرات اس وقت بھی روانہ ہوئے، ان میں دو سو سوار تھے اور بارہ سو پیدل چل رہے تھے، وحی کے مطابق منافقین یہ درخواست لے کر حاضر خدمت ہوئے کہ انہیں بھی ساتھ لے لیا جائے مگر آپ نے ان کی درخواست قبول نہیں فرمائی، دراصل یہ لوگ مال غنیمت کے لالچ میں جانا چاہتے تھے، یہ خبر عام ہوچکی تھی کہ اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوگی، اور بہت سا مال غنیمت بھی ہاتھ آئے گا، ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اس سفر میں حق رفاقت ادا کررہی تھیں، حدیبیہ میں بھی وہی شریک سفر تھیں، کچھ خواتین بھی میدان جنگ میں ضروری خدمات انجام دینے کے لیے ساتھ تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کو مدینے میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔ (۲)

خیبر کی تاریخ میں قدرے اختلاف ہے، حافظ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ غزوہ محرم سات ہجری میں ہوا، واقدی کہتے ہیں، صفر یا ربیع الاول سات ہجری میں ہوا، حافظ ابن سعد نے جمادی الاولی کہا ہے، حضرت امام زہری اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ محرم چھ ہجری میں یہ غزوہ واقع ہوا، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ

(۱) الفتح: ۱۵۔ (۲) طبقات ابن سعد: ۲/۶۲۔

کے قول کو ترجیح دی ہے۔(۱)

بہ ہر حال مسلمانوں کا یہ لشکر جو اگرچہ تعدادِ افراد کے اعتبار سے مختصر تھا مگر جوشِ ایمانی اور جذبۂ روحانی کے لحاظ سے بڑے بڑے لشکروں کے مقابلے میں کہیں بڑھا ہوا تھا خیبر کی طرف روانہ ہوا، انہیں معلوم تھا کہ خیبر میں بڑے بڑے قلعے ہیں جو انتہائی مضبوط اور مستحکم بھی ہیں اور ہر طرح محفوظ بھی، ان قلعوں میں ان کی فوج سے کئی گنا بڑی فوج رہتی ہے، ان سے مقابلہ کرنا آسان نہیں ہے، لیکن خدا اور اس کے رسول کا حکم تھا، جسے ہر حال میں بجالانا تھا، اس لئے راستوں کی دوری اور منزلوں کی مشکلات ان کے سامنے سب کچھ ہیچ تھیں، صحابہ کے جوش وخروش کا یہ عالم تھا کہ وہ زور زور سے نعرۂ تکبیر بلند کررہے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ وہ اپنے ساتھ نرمی کا معاملہ کریں اور اتنی زور سے نعرے نہ لگائیں، آپ نے فرمایا: اے لوگو! اپنی جانوں پر رحم کھاؤ، تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے ہو، تم سننے والے کو اور قریب رہنے والی ذات کو آواز دے رہے ہو، وہ تمہارے ساتھ ہے، اور میں اس کے پیچھے ہوں۔(۲)

خیال رہے یہ سفر رات میں ہو رہا تھا، جس میں سکون ہوتا ہے، اطمینان ہوتا ہے، ایسے میں ایک صحابی حضرت سلمہ ابن الاکوع رضی اللہ عنہ نے کچھ رجزیہ اشعار پڑھنے شروع کردئے۔

اللهم لَوْ لا انت ما اهتدينا ولا تصدقنا ولا صلينا
فاغفر فداء لك ما ابقينا وثبت الاقدام ان لا قينا
والقين سكينة علينا إنا اذا صيح بنا ابينا
وبالصباح عولوا علينا(۳)

اے اللہ! اگر تیری رحمت نہ ہوتی تو ہمیں ہدایت نہ ملتی، نہ ہم صدقہ وزکوۃ دیتے اور

(۱) سیرۃ ابن ہشام: کتاب المغازی: ۲/۶۳۴، طبقات ابن سعد: ۲/۶۲، تاریخ دمشق: ۱/۳۳، فتح الباری: ۱۲/۱۴۔ (۲) صحیح البخاری: ۱۳/۱۰۵، رقم الحدیث: ۳۸۸۳، صحیح مسلم: ۱۳/۲۲، رقم الحدیث: ۴۸۷۳۔ (۳) صحیح البخاری: ۱۳/۹۷، رقم الحدیث: ۳۸۷۶۔

نہ نماز پڑھتے، اے خدا! ہم تجھ پر فدا اور قربان جب تک ہم زندہ ہیں، جب ہم لڑائی کے محاذ پر ہوں تو ہمیں ثابت قدم رکھ، اور ہم پر سکینت اور اطمینان نازل فرما، جب وہ ناحق چیختے ہیں تو ہم ان کی بات سنتے نہیں ہیں، وہ چیخ چیخ کر ہم سے نجات حاصل کرتے ہیں۔

حضرت عامر بن الاکوع رضی اللہ عنہ کا قصہ

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ اشعار سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: یہ کون گا رہا ہے، عرض کیا گیا: عامر ابن الاکوع، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ اس پر رحم کرے، ایک شخص (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) یہ سن کر کہنے لگے، اب تو عامر کے لیے جنت واجب ہوگئی یا رسول اللہ! آپ ہمیں عامر سے اور فائدہ اٹھانے دیتے۔ اصل میں جہاد وغیرہ کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے متعلق اس طرح کے الفاظ استعمال فرماتے تو اس کا یہ مطلب ہوتا کہ یہ شخص اس جنگ میں شہید ہو جائے گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات معلوم تھی اس لئے انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے ان کو رحمت و مغفرت کی دعا دی، کاش یہ ابھی اور زندہ رہتے اور ہمیں ان کی بہادری سے اور فائدہ اٹھانے کا موقع ملتا۔

راوی کہتے ہیں کہ جب قوم نے صف بندی کی تو حضرت عامر بن الاکوع رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی کی پنڈلی پر تلوار مارنے کے لیے اٹھائی، تلوار چھوٹی تھی، پلٹ کر حضرت عامر کے گھٹنے پر لگی جس کی وجہ سے ان کا انتقال ہوگیا، حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ ان کے بھائی ہیں، کہتے ہیں کہ جب ہم لوگ خیبر سے واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے افسردہ اور غم زدہ دیکھ کر دریافت فرمایا: کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، لوگ کہہ رہے ہیں کہ عامر کی قربانی رائگاں چلی گئی، وہ شہید نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے خودکشی کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے یہ بات کہی ہے غلط کہی ہے، عامر کو دُہرا اجر ملے گا، آپ نے دونوں انگلیوں کو جمع کر کے یہ بات فرمائی، پھر فرمایا: وہ تو کفار کے مقابلے میں مشقت اٹھانے والا ایک مجاہد آدمی تھا، کوئی عرب مدینے میں عامر جیسا پیدا نہیں ہوا۔(۱)

(۱) صحیح البخاری: ۱۳/۹۷، رقم الحدیث: ۳۸۷۵۔

مقام رجیع میں پڑاؤ

جیسا کہ عرض کیا گیا چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں روانہ ہوئے، اس سفر کے لیے تین علم تیار کئے گئے تھے، خاص علم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ میں تھا، دوسرا حضرت حُباب بن المنذر رضی اللہ عنہ کو، اور تیسرا اسعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو دیا گیا تھا، خیبر اور غطفان کے درمیان میں ایک مقام آتا ہے رجیع، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں پڑاؤ ڈالا، اس جگہ قیام کی وجہ یہ تھی کہ قبیلۂ غطفان کے متعلق یہ خبریں مل رہی تھیں کہ وہ خیبر والوں کی مدد کے لیے لشکر جمع کر رہے ہیں، یہ قبیلہ یہودِ خیبر کا حلیف تھا، اگر مسلمان براہ راست خیبر پر حملہ کردیتے تو پیچھے سے غطفان کا لشکر آتا، اور مسلمانوں کو دوطرفہ محاذوں پر لڑنا پڑتا، غطفان کے لوگ اپنی آبادیوں سے نکل بھی آئے لیکن رات میں انہیں کچھ شور غل سنائی دیا، اس سے وہ لوگ یہ سمجھے کہ مسلمانوں نے ان کے قبیلے پر حملہ کردیا ہے، اہل غطفان وہیں سے اپنی آبادیوں کی طرف واپس چلے گئے اور وہیں رہ گئے، انہیں خیال ہوا کہ اگر ہم خیبر گئے تو مسلمان ہمارے قبیلے پر حملہ کردیں گے، یہ سوچ کر انہوں نے خیبر کے یہودیوں کی مدد کا ارادہ ترک کردیا، یہودیوں نے قبیلۂ غطفان کے بہادروں کی خدمات خیبر کی نصف پیداوار کے بدلے حاصل کی تھیں۔(۱)

خیبر کے قریب

مسلمانوں کی فوج رجیع سے نکل کر خیبر کے قریب واقع وادئ صہباء میں پہنچی، وہاں عصر پڑھی، آپ نے نمازِ عصر کے بعد زادراہ طلب فرمایا، صرف ستو موجود تھا وہ پیش کردیا گیا، آپ نے اور تمام صحابہ نے ستو پیا، مغرب کا وقت آگیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلی کرکے نماز پڑھائی، وضو نہیں کیا، جب یہ قافلہ خیبر کے انتہائی نزدیک پہنچ گیا تو آپ نے صحابہ سے فرمایا: ٹھہرو، پھر آپ نے یہ دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰاتِ وَمَا اَظْلَلْنَ، وَرَبَّ الْاَرْضِیْنَ وَمَا اَقْلَلْنَ، وَرَبَّ الشَّیَاطِیْنِ وَمَا اَضْلَلْنَ، وَرَبَّ الرِّیَاحِ

(۱) الکامل لابن الاثیر: ۲/۱۴۷۔

وَمَاذَرَيْنَ، فَإِنَّا نَسْأَلُكَ خَيْرَ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ وَخَيْرَ أَهْلِهَا وَخَيْرَ مَا فِيْهَا، وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ أَهْلِهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا. اس دُعا کے بعد فرمایا اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو۔(۱)

''اے اللہ! آسمانوں کے اور جن چیزوں پر وہ سایہ فگن ہیں ان کے رب، زمینوں کے اور جن کو وہ اٹھائے ہوئے ہیں ان کے رب، شیاطین اور جن کو وہ گمراہ کرتے ہیں ان کے رب، ہواؤں کے اور جن کو وہ بکھیر دیتی ہیں ان کے رب، ہم تجھ سے اس بستی کی بھلائی، اس کے رہنے والوں کی خیر خواہی اور جو کچھ اس بستی کے اندر ہے اس کی بہتری کے خواست گار ہیں، اور تجھ سے اس بستی کے شر سے اور اس کے رہنے والوں کے شر سے اور جو کچھ اس میں ہے اس کے شر سے تیری پناہ چاہتے ہیں''۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب آپ کسی بستی میں داخل ہوتے تو یہ مخصوص دُعا پڑھا کرتے تھے پھر اگر رات میں پہنچنا ہوتا تو حملے کے لیے صبح کا انتظار فرماتے، رات میں حملہ نہیں کرتے تھے، اسی طرح اگر کسی بستی سے فجر کی اذان سنائی دیتی تب بھی حملہ نہ فرماتے، خیبر پہنچنے کے بعد آپ نے صبح کا انتظار فرمایا، ادھر خیبر کے لوگ جب صبح اپنے کام پر نکلے تو انہیں مسلمانوں کا لشکر دِکھائی دیا، وہ لوگ الٹے پاؤں اپنے قلعوں کی طرف یہ کہتے ہوئے بھاگے ''محمدٌ والخمیسُ'' محمد اپنے لاؤ لشکر سمیت آگئے، یہ عربی زبان کا ایک محاورہ ہے، عربی میں الخمیس لشکر کو کہتے ہیں، کیوں کہ لشکر پانچ حصوں میں تقسیم ہوتا ہے، (۱) مقدمہ (۲) میمنہ (۳) میسرہ (۴) قلب (۵) ساقہ، یہودی حالاں کہ تعداد میں مسلمانوں سے کہیں زیادہ تھے، جیسا کہ لکھا گیا ہے کہ ان کے پاس بیس ہزار افراد پر مشتمل زبردست فوج تھی، ظاہر ہے اس اعتبار سے اسلحہ بھی بہت رہا ہوگا، پھر ان کے مضبوط اور کشادہ قلعے بھی تھے، اس کے باوجود مسلمانوں کو دیکھ کر وہ لوگ اس قدر خوف زدہ ہوئے کہ اپنے قلعوں میں گھس گئے اور ان کے آہنی دروازے اندر سے بند کر لئے، اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللّٰہ اکبر، خربت خیبر، إنا

(۱) دلائل النبوۃ للبیہقی: ۴/ ۲۸۰، رقم الحدیث: ۱۵۴۵۔

اذا نزلنا بساحۃ قوم فساء صباح المنذرین. ''اللہ بہت بڑا ہے، خیبر تو برباد ہو گیا، ہم جب کسی صحن میں اتریں گے تو جن لوگوں کو خبر دار کیا جا چکا ہے ان کی وہ صبح بہت بری صبح ہو گی۔(۱)

خیبر کے قلعے

خیبر میں آٹھ قلعے تھے: اَلنَّطَاۃ، الشَقُّ، اَلْکُتَیْبَہ، اَلْوَطِیْح النَّاعِم، السُّلَالِم، قلعہ صَعْب بن مَعاذ، الْقَمُوص. تمام قلعے کشادہ اور مضبوط و مستحکم تھے، ان میں سب سے بڑا قلعہ قموص تھا، جو مَرحَب بن عنتر نامی یہودی کا تھا، یہ شخص نہایت طاقت ور تھا، اس کو قوت میں ایک ہزار آدمیوں کے برابر سمجھا جاتا تھا، یہودیوں نے جنگی حکمت عملی کے تحت اپنی عورتوں اور بچوں کو ایک پرانے قلعے میں رکھ چھوڑا تھا، کھانے پینے کی چیزیں قلعہ ناعم اور صعب میں تھیں، تمام فوجی جوان النطاۃ میں جمع تھے۔(۲)

مسلمانوں نے سب سے پہلے قلعہ النطاۃ پر حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا، بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ سب سے پہلے قلعۂ ناعم فتح ہوا، یہاں ایک صحابی حضرت محمود بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا حادثہ پیش آیا، یہ صحابی بڑی بہادری اور دلیری سے لڑ رہے تھے، دیر تک لڑتے رہے، تھک گئے تو قلعے کی دیوار کے نیچے ستانے کے لیے بیٹھ گئے، اونگھ آ گئی، قلعے کی فصیل سے کنانہ بن ربیع نے ان کے اوپر چکی کا پاٹ گرا دیا، جس سے وہ موقع پر ہی شہید ہو گئے، اس کے بعد قلعہ صعب کا محاصرہ ہوا، اس میں اشیائے خورد و نوش بڑی مقدار میں جمع تھیں، مسلمانوں نے آسانی کے ساتھ اس کو بھی فتح کر لیا، یہاں سے کھانے پینے کی چیزیں مال غنیمت میں ملیں، جس سے لشکر اسلام میں غذائی قلت کی شکایت دور ہو گئی، حافظ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ انہی دنوں قبیلہ بنو سہیم کے لوگ مسلمان ہوئے تھے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! بھوک سے بے حال ہیں، ہمارے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی کچھ نہ تھا جو انہیں دیتے، آپ نے دعا فرمائی، یا اللہ! تو ان کے حال سے واقف ہے، میرے پاس

(۱) البدایہ والنہایہ: ۴/ ۳۰۹۔ (۲) السیرۃ النبویۃ فی ضوء مصادرہا الاصلیۃ ص: ۵۰۱۔

بھی ان کو دینے کے لیے کچھ نہیں ہے، تو کوئی ایسا قلعہ فتح کرادے جس سے ان کی عسرت دور ہو جائے، اس کے بعد صعب بن معاذ کا قلعہ فتح ہوا، یہاں کھانے پینے کی چیزوں کا بڑا ذخیرہ تھا، اس کے بعد مسلمانوں نے قلّہ نامی قلعہ کی طرف پیش قدمی کی، یہ ایک پہاڑی چوٹی پر بنا ہوا تھا، اسی لئے اس کو حصن قلّہ کہا جاتا تھا، قلعہ انتہائی مضبوط تھا، اور وہاں تک پہنچنا سخت دشوار تھا، مسلمانوں نے تین روز تک اس کا محاصرہ جاری رکھا، مگر کچھ بھی نہ ہوا، ایک دن کسی یہودی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آکر عرض کیا کہ آپ ایک مہینے تک بھی محاصرہ جاری رکھیں گے، تب بھی کچھ بھی نہ ہوگا، کیوں کہ ان کے پاس کھانے کا سامان وافر مقدار میں ہے، رہا پانی تو وہ لوگ رات کے وقت قلعے سے نکل کر پہاڑی کے دامن میں واقع چشمے سے پانی بھر کرلے جاتے ہیں جو انہیں ایک دن کے لیے کفایت کرجاتا ہے، اگر آپ یہ قلعہ فتح کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے اس چشمے پر اپنے آدمی متعین کیجئے، اور ان لوگوں کے وہاں تک پہنچنے کا راستہ مسدود کردیجئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا پانی بند کردیا، مجبور ہو کر وہ لوگ قلعے سے باہر نکل آئے، جنگ ہوئی، دس یہودی مارے گئے، کچھ مسلمان بھی شہید ہوئے، تھوڑی سے مزاحمت کے بعد مسلمانوں نے اس قلعے پر قبضہ کرلیا۔(۱)

قلعۂ قموص کی فتح

مسلمانوں کو سب سے زیادہ مزاحمت کا سامنا قلعۂ قموص کی فتح کے موقع پر کرنا پڑا، یہ قلعہ تمام قلعوں میں سب سے زیادہ بڑا اور مستحکم تھا، اس کا مالک مرحب بن عنتر یہودی تھا، جس کی طاقت کے ڈنکے بجے ہوئے تھے، کہتے ہیں کہ وہ ایک ہزار آدمیوں سے تنہا مقابلہ کرسکتا تھا، جس وقت مسلمان قلعہ قموص کی سمت بڑھے مرحب قلعے کے اندر موجود تھا اور فوجی کارروائی کی نگرانی کررہا تھا، اس قلعے کا محاصرہ تقریباً بیس روز جاری رہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دردِ شقیقہ کی وجہ سے محاذ جنگ تک تشریف نہ لے جاسکے، پہلے دن علم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا گیا، اس دن قلعہ فتح نہیں ہوسکا، دوسرے روز

(۱) الکامل لابن اثیر: ۲/ ۱۴۸، سیرۃ ابن ہشام: ۳/ ۲۴۷، دلائل النبوۃ للبیہقی: ۴/ ۲۲۴۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے، شدید جنگ ہوئی لیکن قلعہ فتح نہیں ہوا۔

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں کل صبح کو یہ جھنڈا ایک ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ و رسول اس سے محبت کرتے ہیں، وہ شخص یہ قلعہ زبردستی فتح کرلے گا، سہل ابن سعد ایک راوی ہیں وہ کہتے ہیں، اس دن صبح کو ہر شخص یہ تمنا کررہا تھا کہ کاش آج کے دن جھنڈا اس کو مل جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: علی کہاں ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے، عرض کیا: یارسول اللہ! میری آنکھیں دکھنے آرہی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگادیا، جس سے ان کی تکلیف اس طرح جاتی رہی جیسے کبھی تھی ہی نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم اہل قموص کے پاس جاؤ، ان کو اسلام کی دعوت دو، اگر وہ انکار کردیں تو ان سے جنگ کرو، حسب الحکم حضرت علی کرم اللہ وجہہ افواج اسلام کے ساتھ قلعہ قموص تک گئے، یہودی قلعے کی فصیلوں سے جھانک رہے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو اسلام کی دعوت دی مگر انہوں نے یہ دعوت قبول کرنے سے انکار کردیا، اور جنگ کا بگل بجادیا، سب سے پہلے مرحب یہودی پہلوان رجزیہ اشعار پڑھتا ہوا قلعے سے باہر آیا، اس کے دو شعر یہ تھے:

قد علمت خیبر إنی مرحب شاکی السلاح بطل مجرب

سارا خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، مسلح ہوں، اور تجربہ کار جنگ جو ہوں۔

انا الذی سمتنی اُمّی حیدر کلیث غابات کریه المنظر

میں وہ ہوں جس کا نام اس کی ماں نے حیدر رکھا ہے، میں جنگل کے خوف ناک شیر کی طرح ہوں۔

روایات میں ہے کہ مرحب نے انتہائی حقارت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا اور کہا کہ کیا عربوں کی فوج میں تم سے بہتر کوئی آدمی نہیں تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ذرا سامنے آؤ، مرحب آگے بڑھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تلوار سے وار کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اچھل کر ایک طرف کو ہوگئے، دوسرا وار حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس چابک دستی سے کیا کہ تلوار

اس کے خود اور کھوپڑی کو چیرتی ہوئی نکل گئی، مرحب زمین پر گر کر مر گیا، اس کی فوج بھاگ نکلی، اس طرح پورے بیس روز بعد یہ قلعہ فتح ہو گیا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اسی لئے فاتح خیبر کہتے ہیں کہ انہوں نے مرحب یہودی کو قتل کر کے خیبر کی فتح کا راستہ آسان کر دیا تھا۔(۱)

ان تمام قلعوں پر فتح پانے کے بعد افواج اسلام نے وطیح اور سُلالم کی طرف پیش قدمی کی، یہود نے اپنے اکثر قلعے کھو دئے تھے، اب ان کا پورا زور انہی دو قلعوں کی حفاظت پر تھا، چودہ دن تک ان دو کا بھی محاصرہ رہا، مجبور ہو کر یہودیوں نے صلح کی درخواست کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ درخواست منظور فرمائی، ابن أبي الحقيق مصالحت پر گفتگو کے لیے آیا، آپ نے اس شرط پر ان کی جان بخشی کی کہ اس سرزمین سے فوراً نکل جائیں، اپنے ساتھ سونا چاندی اور دیگر قیمتی چیزیں ہتھیار وغیرہ لے کر نہ جائیں، کوئی چیز چھپا کر نہ لے جائیں اس شرط کی خلاف ورزی کی گئی تو اللہ ورسول بری الذمہ ہیں، شرط پر عمل کرتے ہوئے یہودیوں نے اپنا تمام مال قلعوں میں چھوڑ دیا اور خود باہر نکل گئے، مسلمانوں کو ان دو قلعوں کے اندر سے ایک سو زرہیں، چار سو تلواریں ایک ہزار نیزے اور پانچ سو تیر و کمان ملے۔(۲)

مگر یہودیوں نے اس شرط کی خلاف ورزی کی، حی بن اخطب کا ایک تھیلا جس میں اس کے زیورات اور نقد سرمایہ محفوظ تھا غائب ملا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنانہ بن الربیع کو بلا کر پوچھا کہ وہ تھیلا کہاں ہے، اس نے کہا کہ سارا پیسہ لڑائیوں میں خرچ ہو گیا، آپ نے فرمایا: ایسا نہیں ہوسکتا، پیسہ بہت زیادہ تھا، دوسرے لوگوں سے بھی معلومات کی گئیں سب نے یہی کہا سارا پیسا خرچ ہو گیا، آپ نے ایک انصاری صحابی کو حکم دیا کہ وہ قلعے میں جائیں، تھیلا فلاں درخت کی جڑ میں چھپا کر رکھا گیا ہے اور ان لوگوں سے کہا کہ اگر تھیلا مل گیا تو تمہاری خیر نہیں، انصاری صحابی گئے اور کچھ ہی دیر میں انہیں وہ تھیلا ایک درخت کی جڑ میں دبا ہوا مل گیا، اس میں دس ہزار دینار کی مالیت کے زیورات تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) صحیح مسلم: ۹/۳۰۴، رقم الحدیث: ۳۳۷۲، فتح الباری: ۱۲/ ۱۸، البدایہ والنہایہ: ۴/۲۱۳۔(۲) دلائل البیہقی: ۴/۲۲۵۔

نے کنانہ بن الربیع اور سعیہ وغیرہ یہودی لیڈروں کو اس جرم میں قتل کر دیا، کنانہ بن الربیع ویسے بھی حضرت محمود بن سلمہ رضی اللہ عنہ کا قاتل تھا، اس کو ان کے قصاص میں بھی قتل کیا گیا، باقی لوگوں کو معافی دے دی گئی، اور وہ لوگ قلعے خالی کر کے چلے گئے۔(۱)

اس غزوے میں ترانوے یہودی مارے گئے، چودہ یا پندرہ صحابہ نے شہادت کا جام پایا، فتح کے بعد جب مال غنیمت اور قیدی جمع کیے گئے تو ان میں یہودیوں کے سردار حی بن اخطب کی بیٹی اور کنانہ بن الربیع کی بیوی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں، وہ ابھی کچھ ہی دن پہلے رشتۂ ازواج میں منسلک ہوئی تھیں کہ غزوہ خیبر شروع ہو گیا، کنانہ ابن الربیع کو ایک صحابی کو شہید کرنے اور حی ابن اخطب کو مال کے متعلق غلط بیانی کرنے کے جرم میں قتل کر دیا گیا تھا۔

اموال غنیمت کی تقسیم

خیبر کے قلعوں سے جو اموال غنیمت حاصل ہوئے ان میں کپڑے، چادریں، مویشی، کھانے پینے کی چیزیں، اور ہتھیار وغیرہ تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تمام سامان ایک جگہ جمع کرنے کا حکم دیا اور حضرت فردہ بن عمرو بیاضی رضی اللہ عنہ کو اس کا محافظ اور نگراں متعین فرما دیا، پانچواں حصہ نکال کر آپ نے تمام سامان فروخت کرنے کا حکم دیا، چناں چہ فردہ بن عمرو نے ایک ایک سامان کی کم سے کم قیمت کا اعلان کیا، لوگ بڑھ چڑھ کر بولی لگانے لگے، دو دنوں میں وہ تمام چیزیں فروخت ہو گئیں، جب کہ خیال یہ تھا کہ شاید یہ چیزیں فروخت نہ ہوں اور ویسے ہی پڑی رہ جائیں، جو لوگ سامان خرید رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں خیر و برکت کی دعاؤں سے بھی نواز رہے تھے، پانچویں حصے میں سے آپ نے اہل بیت کو بھی دیا، بنو عبد المطلب کے مردوں اور عورتوں کو بھی کپڑے وغیرہ عطا فرمائے، یتیموں اور مانگنے والوں کو بھی محروم نہ فرمایا، باقی چار حصے غزوۂ خیبر کے شرکاء میں تقسیم کر دئے گئے۔(۲)

خیبر کی زمینوں کو ابتداءً آپ نے چھتیس حصوں پر تقسیم فرمایا، پھر ہر حصے کے سو حصے

(۱) سیرۃ ابن ہشام، سیرۃ حلبیہ: ۳/۴۴۔ (۲) کتاب المغازی للواقدی: ۱/۶۸۱۔

فرمائے، کل چھتیس سو حصے ہوگئے، ان میں سے آدھے یعنی اٹھارہ سو حصے غزوے میں شریک ہونے والوں میں تقسیم کردئے گئے، تمام مجاہدین کو ایک ایک حصہ ملا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک ہی حصہ لیا، البتہ جن کے پاس گھوڑے تھے ان کو تین تین حصے دئے گئے، پیدل چلنے والوں کو ایک ایک حصہ ملا، باقی اٹھارہ سو حصے مسلمانوں کی ضرورتوں کے لیے رکھ دئے گئے۔(۱)

اگر غزوۂ خیبر میں حصہ لینے والے مجاہدین کی تعداد چودہ سو تھی تو یہ تقسیم حضرت امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کے مسلک کے مطابق ہے، کیوں کہ یہ تینوں حضرات سوار کے لئے تین حصے کہتے ہیں، البتہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پیدل کے لیے ایک حصہ اور سوار کے لیے دو حصے ہیں، ان کے نزدیک خیبر میں بھی اسی طرح تقسیم عمل میں آئی، احناف ابوداؤد کی روایت میں بیان کردہ تعدادِ مجاہدین کو حجت بناتے ہیں، امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں حضرت مجمع بن جاریہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے، جس میں لشکر کی تعداد پندرہ سو بیان کی گئی ہے اس لحاظ سے تمام سواروں کو دو حصے اور تمام پیدل چلنے والوں کو ایک ایک حصہ دیا گیا ہے۔(۲)

یہود کو زمین کاشت کے لئے دی گئی

خیبر کے قلعوں، زمینوں اور باغوں پر قبضہ کرلیا گیا تھا، اور یہود کو حکم دے دیا گیا تھا کہ وہ خیبر خالی کردیں، اور جہاں جی چاہے چلے جائیں، لیکن ہتھیار وغیرہ یا کوئی قیمتی چیز لے کر نہ جائیں، یہود نے درخواست کی کہ آپ ہمیں یہیں رہنے دیں، ہم آپ کی زمینوں پر کھیتی کریں گے، پیداوار میں سے نصف ہمیں دے دیجئے گا اور نصف آپ رکھ لیجئے گا، ہم ان زمینوں کو کاشت کرنا اچھی طرح جانتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تجویز منظور فرمالی، کیوں کہ اس میں مسلمانوں کی مصلحت پوشیدہ تھی، فی الوقت صحابہ توسیعِ مملکتِ اسلامیہ اور دعوتِ دینِ اسلام کے کاموں میں مشغول تھے، ان میں سے کچھ لوگوں کو خیبر میں چھوڑنا

(۱) زاد المعاد دلائل البیہقی: ۴/۲۳۵، صحیح البخاری: ۹/۱۷۴، رقم الحدیث: ۲۶۵۱۔ (۲) سنن ابی داؤد: ۸/۲۴۹، رقم الحدیث: ۲۶۲۰۔

حالات کے تقاضوں کے مطابق نہ ہوتا، اس لئے آپ نے یہود کی درخواست قبول فرمالی، مگر ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ ہم جب تک چاہیں گے آپ لوگوں کو یہاں رکھیں گے، اور جب چاہیں گے یہاں سے نکال دیں گے، چناں چہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں یہ محسوس کیا کہ اب یہودیوں کا جزیرۃ العرب میں رہنا مناسب نہیں ہے، ان کو باہر کا راستہ دکھادیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں یہودیوں کو صرف خیبر سے ہی نہیں نکالا گیا بلکہ جہاں جہاں بھی وہ آباد تھے وہاں سے ان کو شام بھیج دیا گیا اور ان کو متبادل زمینیں فراہم کردی گئیں۔

یہ طے ہوجانے کے بعد کہ یہودی خیبر کی زمینوں پر کاشت کریں گے، اور حق محنت کے طور پر وہ نصف پیداوار کے مستحق ہوں گے آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا وہ ہر فصل پر یہاں آیا کریں، اور پیداوار کو برابر برابر تقسیم کردیا کریں، چناں چہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ہر فصل کے موقع پر خیبر پہنچتے اور پیداوار کے دو برابر برابر حصے کرکے یہودیوں کو اختیار دیتے کہ وہ ان میں سے جو حصہ چاہیں لے لیں، ایک دو مرتبہ یہودیوں نے یہ کوشش کی ابن رواحہ ان کے حصے میں کچھ زیادہ لگادیں، اس سلسلے میں انہوں نے رشوت دینے کی پیش کش بھی کی اس پر حضرت عبداللہ ناراض ہوگئے، انہوں نے کہا او دشمنانِ خدا کیا تم مجھے رشوت دینا چاہتے ہو، خدا کی قسم میں جس شخصیت کے پاس سے یہاں آیا ہوں وہ مجھے دنیا جہان سے زیادہ محبوب ہے اور تم مجھے انتہائی برے لگتے ہو، تمہارا شمار تو بندروں اور خنزیروں میں ہوتا ہے، اس کے باوجود میں عدل کرنے پر مجبور ہوں، یہ سن کر یہودی کہنے لگے: اسی انصاف سے دنیا قائم ہے۔(۱)

زہر آلود بکری کا قصہ

فتح کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دنوں تک زرعی زمینوں اور باغوں کے انتظامات اور غنائم کی تقسیم کے کاموں میں مصروف رہے، ظاہر ہے ان کاموں کے لیے قیام وہیں

(۱) سنن ابی داؤد: ۹/ ۲۶۱، رقم الحدیث: ۲۶۹۱، سنن ابن ماجہ: ۵/ ۴۰۱، رقم الحدیث: ۱۸۱۰، السنن الکبری للبیہقی: ۶/ ۱۱۵، تاریخ الاسلام للذہبی ص: ۴۲۴۔

ضروری تھا، اسی دوران ایک عورت نے جس کا نام زینب بنت الحارث تھا اور جو سلّام بن مشکم کی بیوی تھی رسول اللہ ﷺ کو زہر دے کر (نعوذ باللہ) ہلاک کرنے کی سازش کی، اس نے پروگرام بنایا کہ رسول اللہ ﷺ کو بکری کا بھنا ہوا گوشت پیش کیا جائے اور اس میں زہر ملا دیا جائے، پہلے اس نے صحابہ سے یہ معلوم کیا کہ آپ ﷺ کو بکری کا کون سا حصہ مرغوب ہے، لوگوں نے بتلایا کہ آپ بکری کی ران شوق سے کھاتے ہیں، اس منحوس عورت نے بکری ذبح کی، اور اس کا گوشت زہر آلود کر دیا، خاص طور پر بکری کی ران پر زیادہ زہر لگا دیا، اور اسے آپ ﷺ کے خیمے میں لے کر آئی، آپ مغرب کی نماز ادا کر کے خیمے میں تشریف لائے، دیکھا تو ایک عورت خیمے کے باہر آپ کا انتظار کر رہی تھی، آپ نے اس سے آنے کا سبب پوچھا: عورت نے کہا کہ اے ابو القاسم! میں آپ کے لیے بکری کا بھنا ہوا گوشت ہدیہ کے طور پر لائی ہوں، اسے معلوم تھا کہ آپ ہدیہ قبول فرما لیتے ہیں، صدقہ قبول نہیں فرماتے، آپ نے صحابہ سے فرمایا اس سے کھانا لے لو۔

اس کے بعد آپ نے صحابہ سے جو اس وقت وہاں موجود تھے کھانے کے لیے فرمایا، آپ نے بکری کا بازو لے لیا اور اسے منہ میں رکھا، حضرت بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے بھی گوشت کا ایک ٹکڑا منہ میں رکھ لیا، ابھی رسول اللہ ﷺ نے بازو منہ سے لگایا ہی تھا کہ اس نے خبر دی کہ مجھے زہر آلود کیا گیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فوراً تھوک دیا، اگرچہ اس کا تھوڑا بہت اثر زبان پر رہ گیا، دوسری طرف حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی سوءِ ادبی کے خیال سے کھانا نہ تھوک پائے، حالاں کہ آپ نے فرما دیا تھا کوئی شخص یہ کھانا نہ کھائے اس میں زہر ملا ہوا ہے۔

زینب بنت الحارث کو طلب کیا گیا، آپ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا، کیا اس کھانے میں تو نے زہر ملا دیا تھا، اس نے عرض کیا، جی: میں نے ملایا تھا، آپ کو کیسے پتہ چلا، فرمایا: مجھے اس ہڈی نے بتلا دیا تھا کہ میں زہر آلود ہوں، آپ نے فرمایا: تو نے ایسا کیوں کیا؟ کہنے لگی آپ نے میرے باپ کو چچا کو اور شوہر کو قتل کر دیا ہے، میری قوم کو بھی تباہ و برباد کیا ہے، میں نے سوچا اگر آپ نبی ہوئے تو یہ زہر آپ پر اثر نہیں کرے گا اور آپ

بچ جائیں گے، اور اگر بادشاہ ہوں گے تو ہمیں آپ سے نجات مل جائے گی، آپ نے اسے کچھ نہیں کہا، جانے دیا، صحابہ نے عرض بھی کیا کہ اس کو سزا ملنی چاہئے، مگر آپ نے درگزر سے کام لیا، انبیاء کی یہی شان ہوتی ہے، اور ہمارے حضور تو عفو ودرگزر میں سب سے بڑھ کر تھے، جن صحابہ نے گوشت منہ میں رکھ کر تھوک دیا تھا ان پر زہر کا اثر کم تھا، آپ نے ان سے فرمایا کہ سر میں پچھنے لگوالیں یعنی فاسد خون نکلوادیں، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے ایسا ہی کیا، البتہ حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ زہر کے اثر سے وفات پا گئے، تب آپ نے اس یہودی عورت کو قصاص میں قتل کرادیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعے کے تین برس تک حیات رہے، لیکن اس زہر کا اثر محسوس فرماتے رہے، یہاں تک کہ مرض وفات میں اس کا اثر کچھ زیادہ ہی محسوس فرمایا، ایک روز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے عائشہ! میں نے خیبر میں جو کھانا کھالیا تھا میں اس کا اثر آج تک محسوس کررہا ہوں، اسی لئے علماء فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت پائی ہے۔(۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ خیبر فتح ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک زہر آلود بکری پیش کی گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو یہودی یہاں موجود ہیں انہیں میرے پاس بلا کر لاؤ، جب ان کو جمع کرلیا گیا تو آپ نے ان سے فرمایا کہ میں تم سے کچھ پوچھوں گا کیا تم سچ بولو گے، انہوں نے عرض کیا: یا ابا القاسم! ہم سچ بولیں گے، آپ نے فرمایا: تمہارا باپ کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا: فلاں شخص ہمارا باپ ہے، آپ نے فرمایا: غلط! تمہارا باپ فلاں نہیں، فلاں ہے، یہودیوں نے کہا آپ سچ فرماتے ہیں، آپ نے فرمایا: میں کچھ پوچھوں گا کیا تم سچ بتلاؤ گے، انہوں نے عرض کیا: اے ابوالقاسم! ہم جو کہیں گے سچ کہیں گے، اگر ہم نے جھوٹ بولا تو آپ ہمارا جھوٹ پکڑ لیں گے جیسا کہ ابھی آپ نے ہمارا جھوٹ پکڑا ہے، آپ نے ان سے

(۱) صحیح البخاری: ۱۰/ ۴۲۸، رقم الحدیث: ۲۹۳۳، طبقات ابن سعد: ۲/ ۲۰۱، فتح الباری: ۷/ ۳۸۰، مسند احمد بن حنبل: ۱۹/ ۴۹۴، رقم الحدیث: ۹۴۵۱، البدایہ والنہایہ: ۴/ ۲۱۱۔

دریافت فرمایا: اچھا یہ بتلاؤ، دوزخ میں کون لوگ جائیں گے، انہوں نے عرض کیا: ہم تو کچھ دیر وہاں رہیں گے، پھر آپ لوگ ہماری جگہ آجائیں گے، آپ نے فرمایا: تم اس میں ذلیل ہو کر پڑے رہو گے، خدا کی قسم! ہم کبھی تمہاری جگہ نہیں آئیں گے، اس کے بعد آپ نے فرمایا: ایک بات اور بتلاؤ، لیکن دیکھو، جھوٹ مت بولنا، انہوں نے عرض کیا: پوچھئے، ہم جھوٹ نہیں بولیں گے، آپ نے دریافت فرمایا: کیا تم لوگوں نے اس بکری کو زہر آلود کیا تھا، عرض کیا: جی ہاں! پوچھا: کیوں؟ کہنے لگے کہ ہم نے یہ سوچ کر ایسا کیا تھا کہ اگر آپ جھوٹے ہیں تو ہمیں آپ سے چھٹکارا مل جائے گا اور اگر آپ نبی ہیں تو آپ کو زہر سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔(۱)

ایک دیہاتی کی شہادت

فتحِ خیبر کے موقع پر کچھ اور ایمان افروز واقعات بھی پیش آئے، روایات میں ہے کہ ایک دیہاتی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے، اور آپ کے ساتھ خیبر کی جنگ میں شرکت کے لیے چلے، خیبر میں مالِ غنیمت ملا تو آپ نے ان صحابی کا حصہ بھی رکھا، حالاں کہ وہ جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اونٹ چرانے کے لیے بھیج رکھا تھا، واپس آئے تو ساتھیوں نے ان کو مالِ غنیمت میں ملا ہوا حصہ پیش کیا، صحابی نے پوچھا یہ کیا ہے؟ ساتھیوں نے کہا کہ یہ تمہارا حصہ ہے، وہ یہ مال لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ! یہ کیا ہے، آپ نے فرمایا: مالِ غنیمت میں سے تمہارا حصہ ہے، انہوں نے عرض کیا: میں اس لئے تھوڑی آپ کے ساتھ آیا ہوں، میں تو یہاں تیر کھانا چاہتا ہوں، انہوں نے اپنی شہ رگ کی طرف اشارہ کیا اور شہید ہو کر جنت میں جانا چاہتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إن تصدق الله يَصْدُقك. ''اگر تم سچے ہو تو خدا یہ سچ کر دکھائے گا'' بہ ہر حال انہوں نے جنگ میں حصہ لیا اور شہید ہوئے، ان کی لاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائی گئی، آپ نے فرمایا: کیا یہ وہی شخص ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا: جی ہاں! یا رسول

(۱) صحیح البخاری: ۱۵/ ۲۲۸، رقم الحدیث: ۲۹۳۳۔

اللہ! یہ وہی ہے، آپ نے فرمایا: یہ شخص خدا کے ساتھ سچا تھا، خدا نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔(۱)

اسود راعی کا قصہ

اسود نام کا ایک چرواہا خیبر میں یہودیوں کی بکریاں چرانے پر مامور تھا، جن دنوں خیبر کے قلعوں کا محاصرہ جاری تھا یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اسلام کے بارے میں کچھ بتلائیں، آپ نے اسے اسلام کے بارے میں بتلایا کہ ایک اللہ کی عبادت کرنا اور مجھے اس کا رسول ماننا اسلام ہے، اس نے عرض کیا اگر ہم مسلمان ہو گئے تو ہمیں کیا ملے گا، آپ نے فرمایا: تمہیں جنت ملے گی، اس گفتگو سے پہلے اس نے اپنے آقاؤں کو دیکھا کہ وہ جنگ کی تیاری میں مصروف ہیں، اس نے ان لوگوں سے پوچھا: کیا ہوا، کس سے جنگ ہے، کیسی جنگ ہے، یہودیوں نے اسے بتلایا کہ ہم ایک ایسے شخص سے جنگ کرنے والے ہیں جو نبی ہونے کا دعوی کرتا ہے اسود حبشہ کا رہنے والا سیدھا سادا انسان تھا، پہلی بار لفظ نبی اس کے کانوں میں پڑا اور دل پر نقش ہو گیا، یہی چیز اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئی، آپ کے یہاں ادنی اعلا، گورے کالے میں کوئی فرق کوئی امتیاز نہیں تھا، اس نے اسلام کے متعلق پوچھا، آپ نے توجہ کے ساتھ اس کی بات سنی اور شوق کے ساتھ اس سے بات چیت کی، یہاں تک اسلام اس کے دل میں گھر کر گیا اور وہ اسی وقت مسلمان ہو گیا۔

مسلمان ہونے کے بعد اسود نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں یہودیوں کی بکریاں چراتا ہوں، یہ بکریاں ان کی امانت ہیں، اب ان کا کیا کروں، آپ نے فرمایا: تم ان پر پھونک مار کر چھوڑ دو، یہ بکریاں خود اپنے مالک کے پاس چلی جائیں گی، اس نے ایسا ہی کیا، بکریاں اپنے مالک کے پاس پہنچ گئیں، تب یہودی کو علم ہوا کہ اس کا غلام مسلمان ہو گیا ہے، ایک مرتبہ آپ صحابہ میں وعظ فرما رہے تھے، آپ نے فرمایا: اے لوگو! اٹھو، جہاد کے لیے تیار ہو جاؤ، اسود نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں سیاہ فام ہوں، میرا چہرا بدشکل ہے،

(۱) سنن النسائی: ۷/ ۳۸، رقم الحدیث: ۱۹۲۷، زاد المعاد: ۳/ ۳۴۴، السنن الکبری للبیہقی: ۴/ ۱۶، المستدرک للحاکم: ۱۵/ ۱۸۷، رقم الحدیث: ۶۶۰۴۔

میرے جسم سے بدبو آتی ہے اور میں نہایت غریب انسان ہوں، کیا میں خدا کی راہ میں لڑسکتا ہوں، اگر لڑوں اور قتل ہو جاؤں تو کیا مجھے جنت ملے گی، آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں ملے گی، یہ سن کر وہ بھی محاذ جنگ پر پہنچا، ابھی لڑنے کے لیے قلعے کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ اوپر سے ایک پتھر آیا، جس کی چوٹ سے وہ جاں بر نہ ہوسکا، وہیں شہید ہو گیا، اس کی لاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی گئی، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے اس کی لاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت کی طرف رکھ دی اور اسے ڈھانپ دیا، کچھ دیر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مڑ کر دیکھا اور فوراً ہی اپنا رخ پھیر لیا، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے رخ کیوں پھیر لیا، فرمایا: اس کے پاس بڑی بڑی آنکھوں والی دو حوریں ہیں، آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا چہرا حسین بنا دیا اور اس کے بدن کو خوشبوؤں سے مہکا دیا۔

اسود حبشی وہ صحابی ہیں جنہوں نے کوئی نماز نہیں پڑھی، اسلام قبول کرنے کے علاوہ کوئی اور عمل خیر نہیں کیا، کوئی دوسری عبادت نہیں کی، لیکن اللہ نے انہیں اس مرتبے پر فائز کر دیا۔(۱)

ایک شخص ایسا بھی تھا

خیبر میں ایک ایسا شخص بھی نظر آیا جو مسلمانوں کی فوج میں شریک تھا اور مشرکین پر بڑھ چڑھ کر حملے کر رہا تھا، وہ کبھی کسی تنہا شخص پر حملے کرتا ہوا نظر آتا اور کبھی دشمنوں کے ہجوم میں گھس کر تلوار چلاتا ہوا ملتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھ کر فرمایا: یہ شخص تو دوزخ میں جانے والا ہے، صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر یہ شخص دوزخی ہے تو پھر جنت میں کون جائے گا؟ ایک شخص جو اس معرکے میں اس کے قریب تھا اور اس پر مسلسل نظر رکھے ہوئے کہتا ہے کہ وہ شخص زخمی ہو گیا، زخم گہرے اور انتہائی تکلیف دہ تھے، اس شخص سے زخموں کی شدت برداشت نہ ہوسکی اس نے زمین پر تلوار کھڑی کی اور اپنا سینہ اس پر رکھ کر سارے جسم کا بوجھ اس پر ڈال دیا، تلوار اس کے جسم سے پار ہوگئی اور وہ مر گیا، اس نے تکلیف برداشت کرنے کے بجائے خودکشی کرنے کو ترجیح دی، اس طرح رسول اللہ کا فرمایا ہوا بالکل

(۱) سیرت ابن ہشام: ۳/ ۲۵۷، ۲۵۸، زاد المعاد: ۳/ ۲۳۳، ۲۳۴، السیرۃ الحلبیہ: ۳/ ۱۱۲، ۱۱۳۔

سچ ثابت ہوا، وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا، آپ نے اس سے پوچھا تمہیں مسلمان ہونے پر کس چیز نے آمادہ کیا، اس نے پورا واقعہ بتلایا، آپ نے ارشاد فرمایا: آدمی بہ ظاہر جنت میں لے جانے والے عمل کرتا ہے لیکن اس کا ٹھکانہ جہنم میں ہوتا ہے، دوسری طرف ایک شخص بہ ظاہر ایسے کام کرتا ہے جو اسے دوزخ کا ایندھن بنانے والے ہیں، مگر وہ جنت میں چلا جاتا ہے۔(۱)

وادیِ قُریٰ

فدک کے معاملات سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وادیِ قُریٰ کا رخ فرمایا، یہاں یہودیوں کی کچھ بستیاں آباد تھیں، کچھ عرب بھی یہاں رہ رہے تھے، وہاں پہنچ کر سب سے پہلے آپ نے وہاں کے باشندوں کو اسلام کی دعوت دی، لیکن جواب میں انہوں نے تیر برسانے شروع کر دیے، جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ جنگ کرنا چاہتے ہیں، ان کے تیروں کی زد میں آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک غلام مِدْعَم شہید ہو گئے، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا: مدعم کو جنت مبارک ہو، آپ نے ارشاد فرمایا: خدا کی قسم اس پر آگ بھڑکنے کے لیے تیار ہے، اس نے خیبر کی غنیمت کا کچھ مال چھپا لیا تھا جو اس کے حصے میں شامل نہیں تھا، مدعم کا حال سن کر لوگ ڈر گئے، ایک شخص جوتے کا ایک تسمہ یا دو تسمے واپس کرنے کے لیے حاضر خدمت ہوا، آپ نے فرمایا یہ ایک تسمہ بھی دوزخ کی آگ کا تھا اور دو تسمے بھی دوزخ کی آگ کے ہیں۔(۲)، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ وہ جنگ کے لیے تیار ہو جائیں اور صفیں بنا لیں، ایک جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کو، دوسرا حباب ابن المنذر رضی اللہ عنہ کو، تیسرا سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو اور چوتھا حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو دیا گیا، صفیں درست کرنے کے بعد بستی کے لوگوں سے کہا گیا کہ وہ اسلام قبول کر لیں، لیکن انہوں نے یہ بات قبول نہیں کی، بلکہ شخصی مقابلے کے لیے ایک شخص کو بھیج دیا، جس کو حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا، دوسرا آیا اسے بھی

(۱) صحیح البخاری: ۱۳/۱۰۳، رقم الحدیث: ۳۸۸۱۔ (۲) صحیح البخاری: ۱۰/۳۱۵، رقم الحدیث: ۶۲۱۳، صحیح مسلم ۱/۲۹۱، رقم الحدیث: ۱۶۶۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے موت کے گھاٹ اتار دیا، تیسرے کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نمٹا دیا، اس طرح یکے بعد دیگرے ان کے گیارہ آدمی مارے گئے، آپ ہر قتل کے بعد ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے، اس دوران اگر کسی نماز کا وقت آجاتا تو آپ نماز باجماعت بھی ادا فرماتے، پورے دن یہی سلسلہ چلتا رہا، اگلے دن ابھی سورج نے اپنے سفر کا تھوڑا ہی حصہ طے کیا تھا کہ مسلمانوں نے فتح حاصل کرلی، دشمنوں نے جو کچھ ان کے پاس تھا وہ چھوڑ دیا، جس پر مسلمانوں نے قبضہ کرلیا، یہ مال غنیمت وہیں مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا، یہودیوں کی درخواست پر زمینیں اور باغات نصف پیداوار کی شرط پر ان کے پاس رہنے دی گئیں، یہاں آپ نے اپنا ایک عامل مقرر فرمادیا۔(۱)

وادیِ تیماء

یہاں سے فارغ ہوکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی تیماء کی طرف بڑھے، یہاں کے لوگوں کو وادیٔ قری، فدک اور خیبر کے یہودیوں کے ساتھ معاملات کا علم ہو چکا تھا، اس لئے وہ فوراً ہی مصالحت پر آمادہ ہو گئے، ان کے ساتھ کوئی تعرض نہیں کیا گیا، زمینیں اور باغات نصف پیداوار کی شرط کے ساتھ یہودیوں کے پاس رہنے دئے گئے۔

ان چاروں علاقوں میں یہ صورت حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک برقرار رہی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی یہودیوں کے ساتھ معاملات اسی طرح باقی رکھے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تھے، البتہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ملکی مصالح کی بنا پر خیبر اور فدک کے یہودیوں کو یہاں سے نکال دیا بلکہ جزیرۃ العرب سے ہی باہر کر دیا، البتہ وادیِ قری اور تیماء کے یہودیوں کو اپنی جگہ برقرار رکھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک فدک اور خیبر کی زمینیں جزیرۃ العرب میں داخل ہیں، وادیٔ قری اور تیماء کے علاقے ارض شام میں داخل ہیں۔(۲)

(۱) زاد المعاد: ۳/۲۵۶، ۲۵۷، اصح السیر: ۲۱۰، ۲۱۱۔ (۲) زاد المعاد: ۳/۲۵۷، البدایہ والنہایہ: ۲/۲۱۲، ۲۱۳، تاریخ الطبری: ۳/۹۱۔

سریہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تھی کہ نجد کے بنی فزارہ کی شاخ بنو کلاب کے لوگ مسلمانوں کے خلاف سازش کرنے میں مصروف ہیں، اس خبر کی بنیاد پر آپ نے شعبان سات ہجری میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک دستہ ان کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا، اس میں حضرت سلمہ ابن الاکوع رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، ان حضرات نے اس قبیلے کے چشمۂ آب پر پہنچ کر پڑاؤ ڈال دیا، صبح فجر کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دشمنوں پر حملہ کرنے کا حکم دیا، حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے ان پر حملہ کر کے چند افراد کو قتل کر دیا، اتنے میں میری نظر کچھ لوگوں پر پڑی جو پہاڑ کی جانب بڑھ رہے تھے، مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر یہ لوگ پہاڑ پر ہم سے پہلے پہنچ گئے تو وہ ہم پر آسانی کے ساتھ قابو پالیں گے، چناں چہ میں تیزی سے بڑھا اور میں نے ایک تیر پھینکا جو ان کے اور پہاڑ کے بیچ میں جا کر گرا، وہ لوگ وہیں ٹھہر گئے، کچھ دیر بعد میں ان کو ہنکا کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس لے آیا، چناں چہ ان کو قیدی بنالیا گیا، میرے حصے میں ایک خوب صورت لونڈی آئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لونڈی مجھ سے واپس لے لی، اس کے بدلے میں ان مسلمان قیدیوں کو رہا کرایا گیا جو مکے میں تھے۔(۱)

سریۂ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

قبیلۂ ہوازن کے متعلق یہ اطلاع مدینے پہنچی کہ یہ قبیلہ بھی مسلمانوں کے خلاف دشمنی پر آمادہ ہے، یہ قبیلہ مکے سے دو دن کی مسافت پر تربہ نامی جگہ پر مقیم تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک سوتیس نفری دستہ وہاں بھیجا، مسلمانوں کے پہنچنے سے پہلے ہی قبیلے کے لوگ اپنی جائے قیام سے بھاگ گئے، مسلمان اس بستی میں پہنچے تو وہاں کوئی بھی موجود نہیں تھا، حالاں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے سفر کو مخفی رکھنے کی حتی الامکان کوشش کی، آپ رات کو چلتے اور دن میں پہاڑوں میں چھپ جاتے،

(۱) صحیح مسلم: ۳/۱۳۷۵، رقم الحدیث: ۱۷۵۵، زاد المعاد: ۳/۲۶۱۔

اس کے باوجود قبیلۂ ہوازن کو خبر ہوگئی، اس دستے میں ایک شخص راستے کی طرف رہ نمائی کرنے والا بھی تھا، واپسی کے سفر میں اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ قبیلۂ خثعم پر حملہ کریں گے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، مجھے ان پر حملہ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے، چناں چہ آپ اس قبیلے کو نظر انداز کر کے مدینے کی طرف روانہ ہوگئے۔ (۱)

سریّہ بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ

فدک کے ایک قبیلے بنی مرہ کی سرکوبی کے لیے تیس افراد کا ایک دستہ جس کی قیادت حضرت بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ کر رہے تھے روانہ کیا گیا، وہاں پہنچے تو قبیلے کے لوگ اپنے مکانوں میں موجود نہیں تھے، کچھ چرواہے وہاں مل گئے، مسلمانوں نے ان سے بکریاں وغیرہ چھین لیں، ابھی فدک کے قریب ہی تھے کہ بنی مرہ کے لوگوں نے رات کے وقت اس دستے پر دھاوا بول دیا، دونوں طرف سے تیروں کی بارش ہوئی، اور صبح تک ہوتی رہی، یہاں تک کہ مسلمانوں کے تیر ختم ہوگئے، صبح کے وقت دونوں گروپوں میں شدید جھڑپیں ہوئیں، کئی مسلمانوں نے شہادت کا جام پیا، حضرت بشیر رضی اللہ عنہ پورے دن زخمی حالت میں مقتولین کے درمیان پڑے رہے، شام کے وقت بڑی مشکل سے چل کر فدک میں ایک یہودی کے پاس پہنچے اور صحت یاب ہونے تک اسی کے پاس رہے، بنی مرہ کے لوگ اپنی بکریاں وغیرہ واپس لے گئے۔ (۲)

سریّہ حضرت غالب بن عبداللہ کلبی رضی اللہ عنہ

رمضان کے مبارک مہینے میں ایک فوجی دستہ مَیفعہ روانہ کیا گیا، یہاں قبیلۂ جہینہ کی شاخ حرقات کے لوگ آباد تھے، اس دستے کی قیادت حضرت غالب بن عبداللہ کلبی رضی اللہ عنہ کر رہے تھے، حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بھی دستے میں شامل تھے، اس وقت ان کی عمر تقریباً اٹھارہ سال کی تھی، قبیلے کے قریب پہنچ کر امیر لشکر نے اپنے مخبر بھیجے، اور ان کے ذریعے ضروری معلومات حاصل کیں، پھر اپنے ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ میں اللہ کی حمد و ثنا بیان کرتا ہوں اور تمہیں اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں جو ایک ہے، اس کا

(۱) زاد المعاد: ۳/۲۶۱۔ (۲) زاد المعاد: ۳/۲۶۱۔

کوئی شریک نہیں ہے، تم میری اطاعت کرو، میری نافرمانی نہ کرو، اور نہ میرے حکم کی خلاف ورزی کرو، کیوں کہ جس کی اطاعت نہیں کی جاتی اس کی رائے کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا، پھر انہوں نے لشکر میں ایک ترتیب بنائی، اور دو دو آدمیوں کو ایک ساتھ اس طرح رہنے کی تلقین کی کہ وہ کسی بھی حال میں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں، انہوں نے کہا کہ مجھے یہ پوچھنے کی نوبت نہ آنی چاہئے کہ تمہارا ساتھی کہاں ہے، جب میں نعرۂ تکبیر بلند کروں تم بھی نعرۂ تکبیر بلند کرنا، جب میں تلوار نکالوں تم بھی نکال لینا، اس کے بعد دستے کے تمام لوگوں نے مل کر قبیلے پر حملہ کر دیا، وہ سب تلواروں کی زد میں آگئے، مسلمان انہیں جس طرح چاہتے تھے مارتے تھے۔

اسی دوران حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے ایک مشرک کو گھیر لیا، اس کا نام مِرْدَاس بن نُہَیک تھا، اس نے اپنے سر کے اوپر تلوار چمکتے ہوئے دیکھی تو وہ زور زور سے کلمہ پڑھنے لگا، لیکن حضرت اُسامہ نے یہ سمجھ کر اسے قتل کر ڈالا کہ اس نے دل سے نہیں بلکہ موت کے خوف سے کلمہ پڑھا ہے، جنگ ختم ہوگئی، مسلمانوں نے قبیلے کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا، ان کے اونٹ اور بکریاں ہنکا کر مدینے لے آئے، تمام مجاہدین کے حصے میں دس بکریاں یا ان کے مساوی اونٹ آئے، لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کے واقعے کی خبر دی، آپ کو یہ بات نہایت گراں گزری کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے شخص کو جو کلمہ پڑھ رہا تھا قتل کر دیا، آپ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم نے کلمہ پڑھنے کے باوجود اسے قتل کر دیا؟ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس نے دل سے کلمہ نہیں پڑھا تھا، بلکہ موت سے بچنے کے لیے پڑھا تھا، آپ نے فرمایا: افلا شققت عن قلبه حتى تعلم من اجل ذلك قالها أم لا. ”کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا کہ تمہیں یہ معلوم ہوتا کہ اس نے یہ کلمہ ڈر سے کہا ہے یا نہیں“ یہ ابوداؤد کی روایت کے الفاظ ہیں، جس کے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ خود راوی بھی ہیں، بخاری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یا اسامة اقتلته بعد ما قال لا إله إلا الله. ”اے اسامہ! کیا تم نے کلمۂ لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد بھی اسے قتل کر دیا، اس

کے راوی بھی حضرت اسامہ ہیں، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ بار بار دہرایا، میں (گھبرا کر) یہ تمنا کرنے لگا کہ کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا، صحیح مسلم میں یہ روایت اس طرح ہے کہ واپسی کے بعد مجھے اپنے کیے پر خود تردّد ہوا، میں نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! نہیک بن مرداس کے ساتھ یہ قصہ پیش آیا، میری یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد دکھ ہوا، آپ نے مجھ سے فرمایا: اے اسامہ! تم قیامت کے روز لا الہ الا اللہ کا کیا جواب دو گے، آپ یہ فقرہ بار بار دہراتے رہے، حتی کہ میں یہ تمنا کرنے لگا کہ کاش آج سے پہلے میں اسلام نہ لایا ہوتا، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آج کے بعد میں کسی ایسے شخص کو قتل نہیں کروں گا جو لا الہ الا اللہ پڑھ لے گا، آپ نے فرمایا: میرے بعد بھی، میں نے عرض کیا: جی ہاں! آپ کے بعد بھی۔(۱)

شارحین حدیث لکھتے ہیں کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے جو یہ تمنا کی کہ کاش! میں آج ہی اسلام لایا ہوتا، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ نعوذ باللہ کفر کی تمنا کر رہے تھے، بلکہ اس جملے سے اپنی سنگین غلطی کے تدارک کا راستہ یہی تھا کہ وہ آج ہی مسلمان ہوتے تو بہتر تھا، کیوں کہ ان کے پیش نظر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی تھا: **الاسلام یهدم ما كان قبله.** ''اسلام ماقبل کے گناہ ختم کر دیتا ہے''۔ اگر وہ آج مسلمان ہوئے ہوتے تو جو غلطی ان سے سرزد ہوئی ہے وہ معاف ہو جاتی۔

غالب بن عبد اللہ کی زیر قیادت ایک اور سریہ

یہ سریہ بنی الملوح کی طرف بھیجا گیا، یہ قبیلہ کَدِید میں رہتا تھا، اسے قَدِید بھی کہا جاتا ہے، ایک صحابی جن کا اسم گرامی جندب بن مکیث الجہنی ہے اور جو اس دستے میں شامل تھے کہتے ہیں جب ہمارا دستہ قدید پہنچا تو حارث بن مالک لیثی ہمیں وہاں ملا، ہم نے اس کو گرفتار کر لیا، وہ کہنے لگا کہ میں تو مسلمان ہونے کے لیے یہاں آیا ہوں، ہمارے سپہ سالار غالب بن عبد اللہ نے اس سے کہا کہ اگر تو مسلمان ہونے کے لیے آیا ہے تو ایک شب و روز

(۱) صحیح البخاری: ۹/۴، رقم الحدیث: ۴۲۶۸، صحیح مسلم: ۱/۹۷، رقم الحدیث: ۹۶، زاد المعاد: ۳/۳۶۲۔

کی اس قید سے کوئی فرق پڑنے والا نہیں ہے، اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہے تو ہمارا یہ اقدام حق بہ جانب ہوگا، بہ ہر حال ہم لوگ اس کے ہاتھ پیر باندھ کر وہیں چھوڑ گئے، اور ایک چھوٹے سے سیاہ فام شخص کو اس کی نگرانی پر مامور کر گئے، غالب بن عبداللہ نے اس سے کہہ دیا تھا کہ ہماری واپسی تک اس کی چوکسی کرنا، اگر یہ واویلا کرے یا کوئی اور حرکت کرے تو اس کا سرتن سے جدا کر دینا، راوی کہتے ہیں کہ ہم وادیِ قدید میں عصر کے بعد پہنچے، میرے ساتھیوں نے مجھے قبیلے والوں کی خبریں لینے کے لیے بھیجا، میں ان کی آبادی سے دور ایک ٹیلے پر چڑھا اور ان کی بستی کا جائزہ لینے لگا، اسی دوران ایک شخص نے مجھے ٹیلے پر لیٹے ہوئے دیکھ لیا، وہ اپنی بیوی سے کہنے لگا کہ مجھے اس ٹیلے پر کچھ سیاہی سی نظر آرہی ہے، صبح کے وقت تو یہاں کچھ نہ تھا، دیکھنا کوئی کتا تمہارے برتن وغیرہ لے کر تو نہیں گیا، اس کی بیوی نے کہا واللہ! سب برتن موجود ہیں، تب اس شخص نے مجھ پر دو تیر پھینکے، ایک میرے پہلو میں لگا، میں نے آہستگی سے اسے نکال دیا، اور اس طرح نکالا کہ میرے بدن میں کوئی حرکت نہیں ہوئی، دوسرا تیر میرے مونڈھے پر لگا، یہ تیر بھی میں نے نکال کر پھینک دیا، اور اسی طرح بے حس وحرکت لیٹا رہا، وہ شخص اپنی بیوی سے کہنے لگا، خدا کی قسم! میں نے اپنے تیر بلا وجہ ضائع کر دئے، اگر کوئی جان دار ہوتا تو وہ ضرور حرکت کرتا، صبح جا کر دونوں تیر اٹھا لانا۔

راوی کہتے ہیں کہ کچھ ہی دیر بعد قبیلے والوں نے اپنے جانوروں کا دودھ دوہا، اندھیرا چھا گیا اور ہر طرف خاموشی پسر گئی، جب رات زیادہ ہوگئی تو ہم نے قبیلے پر حملہ کر دیا، جنہیں قتل کرنا تھا انہیں قتل کیا، اور ان کے جانور ہانک کر چل دئے، انہوں نے قوم کو آوازیں لگانی شروع کیں، مگر ہم تیزی کے ساتھ آگے بڑھے، حارث کو اور جو ہمارے آدمی وہاں تھے انہیں ساتھ لیا، وہ لوگ بھی ہمارے پیچھے پیچھے آرہے تھے، ہم ان کی آوازیں سن رہے تھے، ہمارے اور ان کے درمیان وادیِ قدید حائل تھی، اس سے پہلے کہ وہ یہ وادی عبور کر کے ہم تک پہنچتے اچانک کسی طرف سے سیلاب کے پانی کا زبردست ریلا

آ گیا، حالاں کہ پہلے سے بارش کے آثار نہیں تھے، ہم انہیں دیکھ رہے تھے اور وہ ہمیں، مگر ان میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ وہ پانی کو عبور کر کے ہم تک پہنچتے، ہم تیز رفتاری سے چلتے ہوئے مدینے پہنچ گئے۔(۱)

سریّہ بشیر بن سعد

ایک صحابی ہیں حُسَیل بن خارجہ بن نُویرہ اشجعی رضی اللہ عنہ، خیبر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے راستوں کی نشان دہی کے لیے ان کو ساتھ رکھا تھا، ایک دن وہ وادیِ قری اور خیبر کے درمیان واقع الجناب سے حاضر خدمت ہوئے، آپ نے ان سے دریافت فرمایا: وہاں کے کیا حالات ہیں، عرض کیا: یمن، غطفان اور حیان کے لوگ جمع ہیں، عیینہ کے ساتھ مل کر یہ قبائل مدینے پر حملہ کرنا چاہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مشورہ فرمایا، ان دونوں حضرات نے عرض کیا کہ آپ بشیر بن سعد کو وہاں بھیجیے، آپ نے تین سو صحابہ پر مشتمل ایک فوجی دستے کا قائد بنا کر حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کو اس ہدایت کے ساتھ روانہ فرمایا کہ وہ رات کو چلیں اور دن کو روپوش ہو جائیں، انہوں نے ایسا ہی کیا، مگر جب مطلوبہ جگہ پر پہنچے تو وہاں کوئی نہ تھا، سب فرار ہو چکے تھے، اونٹ، بکریاں وغیرہ جانور موجود تھے، یہ حضرات ان کو ہنکا کر مدینے لے آئے، راستے میں عیینہ کا ایک مخبر پکڑا گیا، جس کو ان حضرات نے قتل کر دیا، اس شخص کے دو اور آدمی بھی گرفتار ہوئے جن کو مدینے لایا گیا، یہ وہی عیینہ ہے جو ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیاں چُرا کر لے گیا تھا۔(۲)

سریہ اَبی حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ

حضرت ابو حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میری نئی نئی شادی ہوئی تھی اور میرا نکاح دو سو درہم مہر پر ہوا تھا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ مالی مدد کی

(۱) سیرت ابن ہشام: ۲/۶۲۹، زاد المعاد: ۳/۲۶۲، ۲۶۳۔(۲) زاد المعاد: ۳/۲۶۳، ۲۶۴، الطبقات الکبریٰ: ۳/۵۳۲۔

درخواست کی، آپ نے فرمایا: میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس سے میں تمہاری مدد کرسکوں، کچھ دن کے بعد اچانک ایک سریّہ پیش آگیا، اس میں مجھے اتنے اونٹ ملے کہ میں مالا مال ہوگیا، اس سریّے کا قصہ وہ خود اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جشم بن معاویہ کا ایک آدمی جس کا نام رفاعہ بن قیس یا قیس بن رفاعہ تھا ایک بھاری جمعیت کے ساتھ قبیلۂ قیس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ پر آمادہ کرنے کے لیے آیا، یہ شخص قبیلۂ جشم کے معززین میں شمار ہوتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ نے مجھے اور دو اور لوگوں کو بلایا اور فرمایا کہ تم تینوں اس شخص کو جا کر دیکھو اور کوئی خبر لاؤ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سفر کے لیے ایک اونٹنی بھی عطا فرمائی جو انتہائی لاغر تھی، اسے کھڑا کرنے کے لیے بھی پیچھے سے سہارا لگانا پڑتا تھا، آپ نے فرمایا تم لوگ اس اونٹنی پر پہنچ جاؤ گے، ہمارے ساتھ ہمارے تیر اور تلواریں بھی تھیں، حکم کے مطابق ہم دشمن کی طرف روانہ ہوئے، غروب آفتاب کے وقت ہم منزل پر پہنچے، میں نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا کہ میں اِدھر چھپ جاتا ہوں، تم دونوں اُدھر چھپ جاؤ، اور جب میں اللہ اکبر کا نعرہ لگاؤں تم بھی نعرہ لگانا، منصوبے کے مطابق ہم لوگ چھپ گئے اور صبح کا انتظار کرنے لگے تاکہ کچھ روشنی پھیلے تو ہم کوئی کاروائی کریں۔

اتفاق ایسا ہوا کہ اس دن ان کا چرواہا جانور لے کر شام تک واپس نہیں پہنچا، انہیں خیال ہوا کہ شاید وہ پکڑا گیا ہے یا اسے کوئی حادثہ پیش آگیا ہے، رفاعہ بن قیس نے ہتھیار سنبھالے اور چرواہے کی تحقیق حال کے لئے چلنے لگا، لوگوں نے کہا ہم بھی ساتھ چلتے ہیں، آپ تنہا ہرگز نہ جائیں، مگر اس نے سختی سے منع کردیا کہنے لگا خدا کی قسم میں تنہا جاؤں گا، تم میں سے کوئی بھی میرے ساتھ نہیں جائے گا، چناں چہ وہ شخص روانہ ہوا، جب وہ میرے قریب سے گزرا میں نے اس کے سینے پر تیر چلادیا، جس کے نتیجے میں وہ آواز نکالے بغیر ڈھیر ہوگیا، میں نے تیزی کے ساتھ آگے بڑھ کر اس کا سرتن سے جدا کردیا، پھر میں نے زور سے نعرۂ تکبیر کہا جواب میں میرے ساتھیوں نے بھی نعرہ لگایا، قبیلے میں سراسیمگی پھیل گئی، سب لوگ اپنے بیوی بچوں کو لے کر نکل کھڑے ہوئے، انہوں نے ہلکا پھلکا سامان

بھی ساتھ لے لیا اور جس کا جدھر سینگ سمایا ادھر چلا گیا، ہم لوگوں کو کافی مال غنیمت ملا، جسے لے کر ہم مدینے آگئے، ہمارے ساتھ رفاعہ کا سر بھی تھا، آپ نے مجھے مال غنیمت میں سے تیرہ اونٹ عنایت فرمائے جس سے میں مال دار ہو گیا۔(۱)

سریہ مُحلِّم بن جثّامہ رضی اللہ عنہ

انہی دنوں ایک فوجی دستہ قبیلۂ اَضم کی طرف روانہ کیا گیا، اس میں ابو قتادہؓ اور مُحلِّم بن جَثّامہؓ بھی تھے، راستے میں ان کی ملاقات عامر بن اضبط اشجعی سے ہوئی جو دودھ کا ایک مشکیزہ لئے ہوئے اونٹنی پر سوار ہو کر کہیں جا رہے تھے، اس نے مسلمانوں کے طریقے پر ان دونوں کو سلام کیا، انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا، محلم بن جثامہ نے طیش میں آکر اسے قتل کر دیا، شاید ان دونوں کے درمیان پہلے سے کوئی عداوت تھی، جب یہ لوگ کام سے فارغ ہو کر مدینے واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے کی خبر دی گئی، آپ نے محلم سے فرمایا: کیا تو نے آمنت باللہ (میں اللہ پر ایمان لایا) کہنے کے باوجود اس کو قتل کر ڈالا، قرآن کریم کی یہ آیت اسی سلسلے میں نازل ہوئی: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِندَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ كَذَٰلِكَ كُنتُم مِّن قَبْلُ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا.(۲) ''اے ایمان والو! جب تم اللہ کے راستے میں سفر کرو تو تحقیق سے کام لیا کرو، اور جو شخص تم کو سلام کرے تو دنیوی زندگی کا سامان حاصل کرنے کی خواہش میں اس کو یہ نہ کہو کہ تم مؤمن نہیں ہو، کیوں کہ اللہ کے پاس مال غنیمت کے بڑے ذخیرے ہیں، تم بھی تو پہلے ایسے ہی تھے، پھر اللہ نے تم پر فضل کیا، لہٰذا تحقیق سے کام لو، بے شک جو کچھ تم کرنے والے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے''۔

اس واقعے کے بعد عامر بن بدر حاضر خدمت ہوا آپ اس وقت خیبر میں تھے، اس نے عامر بن اخبط کے قتل کی دیت طلب کی، عامر بن بدر قبیلۂ قیس کا سردار تھا، دوسری

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۲/۶۳۰۔ (۲) النساء: ۹۴۔

طرف قبیلۂ خندف کے سردار حابس بن بردتھے، جو عامر کے دفاع میں کھڑے ہوئے تھے، ایک قتل کی دیت میں سو اونٹ دئے جاتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر کی قوم سے فرمایا کہ پچاس اونٹ اب لے لو، باقی پچاس اونٹ مدینے جاکر دے دئے جائیں گے، مگر عیینہ بن بدر رضامند نہیں ہوا، اور یہی کہتا رہا کہ یا تو ابھی سو اونٹ دیت کے دو، ورنہ ہم عامر کے قبیلے کی عورتوں کو وہی تکلیف پہنچائیں گے جو تکلیف اس نے ہماری عورتوں کو دی ہے، اس کا اشارہ قتل کی طرف تھا، کچھ لوگ بیچ میں پڑے انہوں نے عیینہ بن بدر کو کافی سمجھایا، تب جاکر وہ پچاس اونٹ لینے پر رضامند ہوا۔

دیت کا معاملہ تو اس طرح نمٹ گیا، لیکن محلم کا مسئلہ بھی پیچیدہ تھا، ان کی قوم کے لوگ یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محلم سے سخت ناراض ہیں، کچھ لوگ معافی تلافی کے لیے ان کو لے کر آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! ان کے لیے دعائے مغفرت کردیجئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ محلم کی مغفرت نہ فرما، آپ نے یہ جملہ تین مرتبہ ارشاد فرمایا، محلم روتے ہوئے وہاں سے گئے، حافظ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عامر بن اخبط اشجعی کی قوم کا دعوی یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں محلم کے لیے دعائے مغفرت فرمائی تھی، ہوسکتا ہے ایسا ہو، کیوں کہ آپ انتہا سے زیادہ رحم دل اور اپنے رفقاء پر شفقت فرمانے والے تھے۔(۱)

غزوۂ مؤتہ

مؤتہ ایک شہر ہے جو اس زمانے میں جس کا ذکر چل رہا ہے شام کے علاقے بَلقاء میں واقع تھا، فی الحال یہ مشرقی اردن کی ایک بستی ہے، اس کا صدر مقام کرک ہے، مؤتہ سے اس کا فاصلہ بارہ کلومیٹر ہے، اُردن کے دارالحکومت عمان سے اس کی دوری ایک سو چالیس کلومیٹر ہے، مؤتہ کے قریب ایک بستی مزار نامی ہے، اس میں ان حضرات صحابہؓ کے مزارات ہیں جو غزوۂ مؤتہ میں شہید ہوئے تھے، سیرت کی معروف اصطلاح میں اس جنگ

(۱) مسند احمد بن حنبل: ۳۹/۳۰۶، رقم الحدیث: ۲۳۸۷۹، سنن ابی داؤد: ۴/۱۷۱، رقم الحدیث: ۴۵۰۳، ابن ماجہ: ۲/۸۷۶، رقم الحدیث: ۲۶۲۵، سیرت ابن ہشام: ۲/۶۲۸، ۶۲۹، زادالمعاد: ۳/۲۶۵، ۲۶۶۔

پر سریہ کا اطلاق ہونا چاہئے کیوں کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس شرکت نہیں فرمائی، لیکن کیوں کہ اسلامی جنگی مہمات میں اس جنگ کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی بڑی تعداد نے اس میں شرکت کی ہے اس لئے اس کو غزوہ کہا جاتا ہے، اس کو غزوہ کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگر چہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس جنگ میں بہ نفس نفیس شریک نہیں تھے لیکن عین جنگ کے وقت آپ کی نگاہوں کے سامنے سے تمام حجابات ہٹا دئے گئے تھے اور میدان جنگ آپ کے سامنے اس طرح تھا گویا آپ وہاں موجود ہیں اور جنگ کے تمام مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، غزوۂ موتہ جمادی الاولیٰ سن آٹھ ہجری مطابق اگست سن چھ سو انتیس عیسوی میں ہوا، ایک طرف تین ہزار مسلمان تھے، دوسری جانب بازنطینی روما کا زبردست لشکر تھا، مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس لشکر میں ایک لاکھ رومی فوج تھی اور ایک لاکھ حلیف قبائل عرب کے جنگ جو تھے۔

غزوۂ موتہ کا پس منظر

صلح حدیبیہ کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے امراء وسلاطین کے نام دعوتی خطوط ارسال فرمائے، اسی ضمن میں آپ نے ایک خط امیر شام شرحبیل بن ابی شمر الغسانی کے نام بھی تحریر فرمایا، یہ شخص قیصر روم کی طرف سے شام کا حاکم تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مکتوب گرامی حضرت حارث بن عمیر الاسدی رضی اللہ عنہ لے کر روانہ ہوئے، قدیم زمانے سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ دوسرے ملکوں سے آنے والے قاصدوں اور سفیروں سے کوئی تعرض نہیں کیا جاتا بلکہ ان کو عزت واحترام کا مستحق سمجھا جاتا ہے خواہ وہ دشمنوں ہی کی طرف سے کیوں نہ آئے ہوں، لیکن شرحبیل نے اس دستور کی خلاف ورزی کی، جب حضرت حارث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب مبارک لے کر ارض موتہ میں پہنچے تو شرحبیل نے یہ جاننے کے باوجود کہ وہ مدینے سے مسلمانوں کا قاصد بن کر آیا ہے انہیں قتل کرا دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حارث کے قتل سے ملال بھی ہوا اور غصہ بھی آیا، شرحبیل نے قاصد رسول کو قتل نہیں کیا تھا بلکہ اس کے پردے میں مسلمانوں کو جنگ کا پیغام دیا تھا، اس لئے آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو حکم دیا کہ وہ بلا تاخیر شام کی طرف روانہ ہوں، یہ پہلا لشکر تھا جو جزیرۃ العرب کی حدود

سے باہر جانے کے لیے تشکیل دیا گیا تھا، اس میں تین ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے حصہ لیا، غزوۂ خندق کے بعد تعداد کے اعتبار سے یہ دوسرا بڑا لشکر تھا۔(۱)

لشکر کے امراء کا انتخاب اور ان کو آداب جنگ کی تلقین

لشکر کی روانگی سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین امراء کا انتخاب فرمایا، زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو پہلا امیر مقرر فرمایا، آپ نے ارشاد فرمایا اگر زید قتل ہو جائیں تو لشکر کے امیر جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہوں گے، جعفر قتل ہو جائیں تو عبد اللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ ہوں گے، اور اگر وہ بھی قتل ہو جائیں تو مسلمانوں کو اختیار ہوگا کہ وہ کسی کو بھی اپنا امیر منتخب کرلیں۔(۲)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امراء لشکر کو حکم دیا کہ وہ اس جگہ جائیں جہاں حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کو قتل کیا گیا ہے، پہلے وہاں کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں، اگر وہ لوگ دعوت قبول کرلیں تو ان سے کوئی تعرض نہ کریں، اور اگر انکار کردیں تو اللہ سے مدد مانگیں اور ان پر حملہ کردیں، حسب معمول آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جنگی آداب کی تلقین بھی فرمائی، آپ نے ارشاد فرمایا: میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی اور جو مسلمان تمہارے ساتھ جارہے ہیں ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی نصیحت کرتا ہوں، اللہ کے نام سے اس کے راستے میں کفار ومشرکین سے جہاد کرو، کسی کو دھوکا نہ دو، کسی بچے کو قتل نہ کرو، نہ کسی عورت کو مارو، نہ کسی بوڑھے انسان کو قتل کرو اور نہ کسی ایسے شخص کو مارو جو کسی گرجا گھر میں گوشہ نشین ہو، کھجور کا کوئی باغ مت اجاڑو، نہ کوئی درخت کاٹو، نہ کوئی عمارت گراؤ، اگر کسی دشمن سے تمہارا سامنا ہو تو اسے تین میں سے ایک بات کی دعوت دو، یا تو وہ اسلام قبول کرلے، یا جزیہ دے کر گلو خلاصی پالے، یا جنگ کے لیے تیار ہو جائے، ان میں سے وہ جس بات پر بھی راضی ہو، اسے قبول کرلو، ان کے مسلمان ہونے کی صورت میں ان سے کہو کہ وہ دار المہاجرین مدینے منتقل ہو جائیں، ہجرت کرنے کی صورت میں ان کو وہ حقوق حاصل ہوں گے جو مہاجرین کو حاصل ہیں، اور ان کے وہ فرائض ہوں گے جو مہاجرین کے ہیں، اسلام لانے

(۱) تاریخ الطبری: ۳/۱۰۳۔ (۲) صحیح البخاری: ۵/۱۴۳، رقم الحدیث: ۴۲۶۱، فتح الباری: ۷/۵۱۱۔

کے بعد اگر وہ لوگ ہجرت نہ کریں اور اپنے گاؤں، بستی یا شہر میں رہنا چاہیں تو ان کی حیثیت (ہمارے) دیہات میں آباد مسلمانوں جیسی ہوگی، ان پر اسلام کے تمام احکام نافذ ہوں گے، مال غنیمت میں سے انہیں اس وقت حصہ ملے گا جب وہ دوسرے مجاہدین کے ساتھ جہاد کریں گے، اگر وہ لوگ جزیہ دینا پسند کرتے ہیں تو ان کا جزیہ قبول کرلو، اور ان پر حملہ نہ کرو، البتہ جزیہ نہ دینے کی صورت میں اللہ سے مدد طلب کرو اور ان سے جنگ کرو، اگر تم کسی شہر یا قلعے کا محاصرہ کرو اور دشمن تم سے اللہ کے حکم کے مطابق معاملے کی بات کرنے کی پیش کش کریں تو ان کی پیش کش مسترد کرو، بلکہ اپنی رائے سے کوئی فیصلہ کرو، اس لئے کہ تم نہیں جانتے کہ تم اللہ کے حکم اور فیصلے کے مطابق معاملہ کر پاؤ گے یا نہیں، اسی طرح اگر محاصرے کی صورت میں وہ لوگ اللہ کے نام سے کوئی وعدہ لینا چاہیں تب بھی کوئی وعدہ نہ کرو، بلکہ اپنے اور اپنے ساتھیوں کی ذمہ داری پر کوئی وعدہ کرو، اگر تم نے کوئی وعدہ کرلیا اور اسے نباہ نہ پائے یہ اس سے بہتر ہے کہ تم اللہ کے نام سے کوئی وعدہ کرو اور اس کو پورا نہ کرسکو۔(۱)

لشکر اسلامی کی روانگی

یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کا ایک بڑا لشکر دور دراز علاقے میں دشمنوں سے لڑنے کے لیے جا رہا تھا اس لئے مدینے میں ایک زبردست ہلچل تھی، لوگ گھروں سے باہر نکل آئے تھے اور جانے والوں کو گلے مل مل کر رخصت کر رہے تھے، ساتھ ہی یہ دُعا بھی کر رہے تھے کہ اے اللہ! ہمارے بھائیوں کو سلامتی کے ساتھ اور فتح وکامرانی کے ساتھ واپس لانا، اے اللہ ان کی حفاظت کرنا، خواتین بھی اپنے شوہروں کو رخصت کرنے کے لیے گھروں سے باہر تھیں، ان کی زبانوں پر یہ الفاظ تھے ”اللہ تم لوگوں کو ہمارے پاس واپس لائے“، حضرت عبد اللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے بآواز بلند کہا کہ اللہ مجھے واپس نہ لائے، یہ ان کے شوق شہادت کی انتہا تھی۔(۲)

روایات میں ہے کہ جب لوگ حضرت عبد اللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ سے رخصتی مصافحے کرنے لگے اور ان سے گلے ملنے لگے تو عبد اللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو

(۱) کتاب المغازی للواقدی: ۲/۷۵۷، ۷۵۸۔ (۲) سیرۃ ابن ہشام: ۴/۲۸۸۔

چھلک آئے، لوگ حیرت سے کہنے لگے اے ابن رواحہ! کیا تم رو رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ مجھے دنیا کی محبت نے رونے پر آمادہ نہیں کیا، مجھے تو قرآن کریم کی یہ آیت یاد آ گئی: وَإِنْ مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْماً مَّقْضِيًّا.(۱) ''اور تم میں سے کوئی نہیں ہے جس کا اس (دوزخ) پر سے گذر نہ ہو''، مجھے نہیں معلوم کہ اس پر میرا گزر کیسے ہوگا اور میں کیسے باہر آؤں گا، مسلمانوں نے انہیں تسلی دی، اور یاد دلایا کہ اس کے بعد ایک اور آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے یہ خوش خبری سنائی ہے نیک لوگ تو اس پل سے اس طرح گزر جائیں گے کہ انہیں دوزخ کی ذرا سی بھی تکلیف نہیں ہوگی اور کافر اور بدعمل لوگوں کو دوزخ میں اوندھے منہ ڈال دیا جائے گا، مسلمانوں نے انہیں الوداع کہتے ہوئے یہ دعا دی کہ اللہ تمہارا رفیق سفر ہو، اور تمہاری حفاظت کرے، اور تمہیں ہمارے پاس سلامتی کے ساتھ واپس لائے، جواب میں عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے یہ شعر پڑھے۔

لٰكِنَّنِي أَسْأَلُ الرَّحْمٰنَ مَغْفِرَةً ۔۔۔ وَضَرْبَةً ذَاتَ فَرَاغٍ تَقْذِفُ الزَّبَدَا
أَوْ طَعْنَةً بِيَدَيْ حَرَّانَ مُجْهِزَةً ۔۔۔ بِحَرْبَةٍ تَنْفِذُ الْأَحْشَاءَ وَالْكَبِدَا
حَتّٰى يُقَالَ إِذَا مَرُّوْا عَلٰى جَدَثِيْ ۔۔۔ أَرْشَدَهُ اللّٰهُ مِنْ غَازٍ وَقَدْ رَشَدَا

(لیکن میں واپسی نہیں چاہتا بلکہ اللہ کی مغفرت چاہتا ہوں، اور ایک ایسا زخم چاہتا ہوں جو جھاگ اڑاتا ہو، یا ایسا کاری زخم ہو جو تیز ہو، اور ایسے نیزے سے لگے جو انتڑیوں اور جگر کے پار ہو جائے، یہاں تک کہ جب لوگ میری قبر سے گزریں تو یہ کہیں کہ واہ! کیا بہترین غازی تھا اور کس قدر کامیاب رہا)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصتی کے وقت حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے یہ تین شعر پڑھے:

فَثَبَّتَ اللّٰهُ مَا آتَاكَ مِنْ حَسَنٍ ۔۔۔ تَثْبِيتَ مُوسٰى وَنَصْراً كَالَّذِيْ نُصِرُوْا
إِنِّي تَفَرَّسْتُ فِيْكَ الْخَيْرَ نَافِلَةً ۔۔۔ فِرَاسَةً خَالَفَتْ فِيْكَ الَّذِيْ نَظَرُوْا
أَنْتَ الرَّسُوْلُ فَمَنْ يُحْرَمْ نَوَافِلَهُ ۔۔۔ وَالْوَجْهُ مِنْهُ فَقَدْ أَزْرٰى بِهِ الْقَدَرُ

(۱) مریم: ۷۱۔

(اللہ تعالیٰ موسیٰ کی طرح آپ کے محاسن برقرار رکھے اور دوسرے انبیاء کی طرح آپ کی مدد فرمائے، میں نے آپ میں خیر کو زیادہ سے زیادہ پہچانا، اور میرا یہ پہچانا مشرکین کے نظریئے کے برعکس تھا، بلاشبہ آپ اللہ کے رسول ہیں جو شخص آپ کے فضل وکمال سے اور آپ کے چہرۂ اقدس کے دیدار سے محروم رہا گویا مشیت ایزدی نے اس کی تحقیر کی)(۱)۔

لشکر اسلام ارضِ شام میں

ہفتوں کی مسافت طے کرنے کے بعد مسلمانوں کا یہ لشکر جو تین ہزار نفوس پر مشتمل تھا ارضِ شام میں اس شان کے ساتھ داخل ہوا کہ امیر لشکر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سفید پرچم اپنے ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے تھے، لشکر کا پہلا پڑاؤ معان میں ہوا، یہ ایک شہر ہے جو پہلے شام کا حصہ تھا، اب اردن میں ہے، یہاں پہنچ کر مسلمانوں کو اطلاع ملی کہ ہرقل ایک لاکھ آدمیوں کی فوج لے کر مآب میں پہنچ چکا ہے، یہ جگہ بلقاء کے قریب واقع تھی، مآب اور بلقاء دونوں فی الوقت اردن کا حصہ ہیں، مآب کو اب موٓب لکھا جاتا ہے، مسلمانوں کو اپنے ذرائع سے یہ خبر بھی ملی کہ قبائل لخم، جذام، بلقین، بُہراء وغیرہ سے مزید ایک لاکھ افراد مآب پہنچنے والے ہیں، خبر تشویش ناک تھی، مسلمان محض تین ہزار تھے اور مقابلے میں دو لاکھ کی فوج تھی، دو دن مشورے میں گزر گئے، سوال یہ تھا کہ ان حالات میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے، آگے بڑھا جائے اور دو لاکھ افراد کا مقابلہ کیا جائے یا واپسی کا سفر کیا جائے، کسی نے رائے پیش کی کہ پورے معاملے کی خبر رسول اللہ ﷺ کو دی جانی چاہئے، آپ چاہیں گے تو مزید فوج بھیج دیں گے، اور قتال کا حکم ہوگا تو ہم قتال سے گریز نہیں کریں گے، رسول اللہ ﷺ کی مرضی کے بغیر ہمیں کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہئے، کسی نے کہا کہ خود کو ہلاکت میں ڈالنے سے بہتر واپسی ہے۔(۲)

(۱) سیرت ابن ہشام: ۴/ ۲۸۹۔ (۲) زاد المعاد: ۳/ ۲۷۸، تاریخ دمشق ابن عساکر: ۱/ ۳۹۶۔

عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کی تقریر

لیکن حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے یہ دونوں رائیں مسترد کیں، انہوں نے پورے جوش وولولے اور ایمانی قوت سے کہا کہ اے لوگو! تم جس چیز کی طلب میں نکل کر یہاں تک پہنچے ہو وہ اللہ کے راستے میں شہادت کی طلب ہے، اور شہادت ہمیں ملنے والی ہے، پھر یہ بھی یاد رکھو ہم لوگوں سے ان کی تعداد، ان کی قوت اور کثرت دیکھ کر نہیں لڑتے بلکہ ہم تو اس دین کو سامنے رکھ کر لڑتے ہیں جس کے ذریعے اللہ نے ہمیں عزت عطا کی ہے، ساتھیو! آگے بڑھو، تمہیں دو اچھی چیزوں میں سے ایک ضرور ملنے والی ہے، شہادت کی موت، یا جنگ میں فتح۔(۱)

حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کی اس تقریر نے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے دلوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا، ایسا لگا جیسے کسی نے ان کے جذبات میں آگ لگادی ہو، سب لوگوں نے بہ یک زبان کہا: ابن رواحہ رضی اللہ عنہ سچ کہتے ہیں، اس کے بعد واپسی کا کوئی خیال کسی کے دل میں نہیں آیا، اور نہ کسی نے مشورے پر اصرار کیا، تمام لوگ اپنے اوّلین قائد اور امیر الجیش حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں آگے بڑھنے لگے، مسلمانوں کا یہ پرجوش کارواں مُوتہ کے مقام پر جاکر ٹھہرا، یہاں ہرقل کی دو لاکھ فوجیں پہلے ہی سے جمع تھیں، مقابلہ شروع ہوا، تاریخ نے اس جنگ کی نظیر نہیں دیکھی ہوگی اور نہ کسی کے حاشیۂ خیال میں کسی ایسی جنگ کا منظر کبھی آیا ہوگا، اور نہ آئے گا کہ تین ہزار کا معمولی لشکر دو لاکھ کے جم غفیر سے ٹکرانے چلا ہو، یہ محض دین اسلام کو سربلند کرنے کا جذبہ تھا اور شہادت کی تمنا اور طلب تھی جو انہیں انسانوں کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں گھسنے پر مجبور کررہی تھی، سب سے آگے حضرت زید رضی اللہ عنہ تھے، ان کے ایک ہاتھ میں اسلامی جھنڈا تھا اور دوسرے ہاتھ میں تلوار تھی، وہ تلوار چلاتے ہوئے دشمن کی صفوں میں اندر تک گھس گئے، یہاں تک کہ تیروں نے ان کا جسم چھلنی کردیا۔(۲)

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ

(۱) زاد المعاد: ۳/ ۲۷۸۔ (۲) تاریخ الطبری: ۲/ ۱۵۰۔

نے فوج کی کمان سنبھالی، ان کے بھی ایک ہاتھ میں جھنڈا تھا اور دوسرے ہاتھ میں تلوار، وہ بھی انتہائی بے جگری سے لڑے، حضرت جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی تلوار دشمنوں کو ڈھیر کر رہی تھی اور زبان پر یہ شعر جاری تھے:

يَا حَبَّذَا الْجَنَّةُ وَاقْتِرَابُهَا
طَيِّبَةً وَبَارِدًا شَرَابُهَا
وَالرُّوْمُ رُوْمٌ قَدْ دَنَا عَذَابُهَا
كَافِرَةٌ بَعِيْدَةٌ اَنْسَابُهَا
عَلَيَّ اِذْ لَاقَيْتُهَا ضِرَابُهَا

(جنت اور اس کا قرب کیا ہی بہترین چیز ہے، اس کا پانی نہایت ٹھنڈا ہے، رومیوں کے عذاب کا وقت قریب آ گیا ہے، وہ لوگ کافر ہیں اور ان کے نسب ہم سے بہت دور ہیں، یعنی ان کے اور ہمارے درمیان کوئی قربت نہیں ہے، مقابلے کے وقت ان کو مارنا میرے اوپر لازم ہوگا)۔

دشمن نے انہیں بھی گھیر لیا وہ اپنے سرخ رنگ گھوڑے سے نیچے کود گئے اور اس کی اگلی ٹانگیں کاٹ دیں، تا کہ وہ دشمن کے ڈر سے فرار نہ ہو سکیں اور نہ ان کے بعد دشمن ان کے گھوڑے پر سوار ہو سکے، حضرت جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے ایک اعلا مقصد کے لیے گھوڑے کی ٹانگیں کاٹ ڈالیں، بعد میں تو اس طرح کے متعدد واقعات ہوئے، ان کے دائیں ہاتھ میں پرچم تھا، دشمن کی تلواروں سے ان کا دایاں بازو کٹ گیا، انہوں نے پرچم کو گرنے نہیں دیا بلکہ اپنے بائیں ہاتھ سے پرچم سنبھال لیا، بایاں بازو بھی کٹ کر گر پڑا، اس وقت بھی انہوں نے پرچم گرنے نہیں دیا، بلکہ دونوں بازوؤں کے باقی ماندہ حصوں کو ملا کر پرچم کو سینے سے لگا کر بلند رکھا، جسم چھلنی چھلنی ہو گیا، بالآخر شہید ہو گئے، ان کی عمر اس وقت محض تینتیس سال تھی، حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ جو اسی غزوے میں شریک تھے کہتے ہیں کہ ہم نے جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو تلاش کیا وہ ہمیں

مقتولین میں مل گئے، ہم نے ان کے جسم پر نوے سے زیادہ زخم شمار کئے جو تیر اور نیزے سے لگے ہوئے تھے، بعض چشم دید راوی تو یہاں تک کہتے ہیں کہ یہ تمام زخم ان کے سینے اور پیٹ پر تھے، پیٹھ پر کوئی زخم نہ تھا، اللہ تعالیٰ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے کٹے ہوئے بازوؤں کا یہ صلہ دیا کہ انہیں اپنے کرم اور فضل سے دو پر عطا کر دئے جن کے ذریعے وہ جنت میں جہاں ان کا دل چاہتا ہے اڑتے پھرتے ہیں۔(۱)

حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت

رسول اکرم ﷺ کے حکم اور ہدایت کے بموجب حضرت جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر جھنڈا اٹھالیا، وہ بھی گھوڑے پر سوار تھے، ایک لمحے کو ان کے نفس نے کچھ تردد کیا، مگر اگلے ہی لمحے سنبھل گئے اور نفس کو مخاطب کر کے کہنے لگے، اے نفس! تجھے قسم ہے، تو گھوڑے سے نیچے اتر کر دشمنوں سے لڑ، اب یہ تیرے اوپر موقوف ہے کہ تو زبردستی اترتا ہے یا بہ رضا و رغبت یہ کام کرتا ہے، لوگ چیخ و پکار کر رہے ہیں، تلواریں ایک دوسرے سے ٹکرا رہی ہیں، اور تو جنت کو ناپسند کر رہا ہے، تجھے ہوا کیا ہے، تو ہمیشہ مطمئن رہا ہے، ویسے تیری حقیقت ہی کیا ہے، تو رحم مادر میں ایک نطفہ تھا، اے نفس! اگر تو آج نہ مارا گیا تو کل ضرور مرے گا، یہ ممکن نہیں کہ تو ہمیشہ زندہ رہے، تو نے جس چیز کی تمنا کی تھی وہ تجھے آج مل رہی ہے، اگر تو نے زید رضی اللہ عنہ اور جعفر رضی اللہ عنہ جیسا کام کیا تو تجھے ہدایت ملے گی۔

اس کے بعد حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ گھوڑے سے نیچے اتر پڑے، اتنے میں ان کے ایک چچازاد بھائی نے گوشت کا ایک ٹکڑا یہ کہتے ہوئے ان کی طرف بڑھایا کہ لو یہ کھالو، ذرا طاقت آئے گی، یہ بڑا مشکل وقت ہے، انہوں نے وہ ٹکڑا لے لیا ابھی بھنبھوڑا ہی تھا کہ میدان کارزار سے ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے دو حریف آپس میں ٹکرا رہے ہوں حضرت عبداللہ نے گوشت کا وہ ٹکڑا پھینکا اور میدان کی طرف بڑھ گئے، اور شہید ہو گئے،

(۱) صحیح البخاری: ۵/۱۴۳، رقم الحدیث: ۴۲۶۱، سنن ابی داؤد: ۳/۲۹، رقم الحدیث: ۲۵۷۳، الطبقات الکبریٰ: ۲/۱۲۹، البدایہ والنہایہ: ۴/۲۴۴۔

دشمنوں کے زخم کھا کر زمین پر گرنے سے پہلے انہوں نے چیخ کر کہا تھا، مسلمانو! اپنے بھائی کی لاش کو بچا لینا، یہ سن کر مسلمان رومیوں کی طرف بڑھے اور انہیں پیچھے دھکیل کر حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کا جسد خاکی اپنی طرف اٹھا لانے میں کامیاب ہو گئے، یہ واقعہ دن کے آخری حصے میں پیش آیا۔(۱)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا انتخاب

رسول اللہ ﷺ کے منتخب کردہ تینوں امیر شہادت کے درجے پر فائز ہو چکے تھے، کسی نہ کسی کو تو یہ مورچہ سنبھالنا ہی تھا، اتنے میں بنی عجلان سے تعلق رکھنے والے ایک صحابی حضرت ثابت ابن اقرم رضی اللہ عنہ آگے آئے اور جھنڈا اٹھا لیا، انہوں نے باآواز بلند کہا: اے مسلمانو! تم کسی ایک شخص کو اپنا امیر منتخب کرلو، لوگوں نے کہا: آپ ہی ہمارے امیر ہیں، انہوں نے کہا: نہیں! میں یہ ذمہ داری صحیح طریقے پر انجام نہیں دے سکتا، یہ کہہ کر انہوں نے جھنڈا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو پکڑا دیا، انہوں نے جھنڈا لینے میں کچھ تردد کیا، حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ ایک بہادر انسان ہیں، اور لڑائی کا طویل تجربہ رکھتے ہیں، آج کے دن مسلمانوں کی قیادت کا اہل آپ سے زیادہ کوئی دوسرا نہیں ہے، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے جھنڈا لے لیا، ان کے سامنے زبردست چیلنج تھا، رومیوں کی بھاری بھرکم فوج کے سامنے تین ہزار کا یہ معمولی سا لشکر اس وقت سخت آزمائش میں تھا، لڑائی جاری رکھنے کی صورت میں یہ اندیشہ تھا کہ تمام قیمتی جانیں ہلاک ہو جائیں گی، واپسی میں یہ اندیشہ تھا کہ رومی افواج دور تک ان کا پیچھا کریں گی اور انہیں موت کے گھاٹ اتار دیں گی، صبح کے وقت جب مسلمان تازہ دم تھے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ کل جو لوگ سامنے تھے وہ پیچھے چلے جائیں اور جو لوگ پیچھے تھے وہ آگے آجائیں، لشکر کی تبدیل شدہ ہیئت دیکھ کر رومی یہ سمجھے کہ مسلمانوں کے پاس نئی کمک آگئی ہے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جنگی حکمت عملی کے تحت مسلمانوں کی کچھ ٹکریوں کو رات کے وقت لشکر سے کچھ دور بھیج دیا تھا، وہ لوگ صبح کے وقت نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ آملے، اس سے

(۱) سیرت ابن ہشام: ۴/۲۹۳۔

رومیوں کا یہ خیال یقین میں بدل گیا کہ مدینے سے نئی فوج آ گئی ہے، یوں بھی مقدمۃ الجیش کے نئے جھنڈوں کو دیکھ کر رومیوں میں کھل بلی مچ گئی تھی، صبح سویرے جب دونوں فوجیں میدان کارزار میں آمنے سامنے ہوئیں تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کسی تاخیر کے بغیر اپنے مقدمۃ الجیش کو حکم دیا کہ وہ رومیوں پر حملہ کر دیں، چناں چہ مسلمان اپنے امیر اور قائد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دشمنوں کی صفوں میں گھستے چلے گئے اور ان کو گاجر مولی کی طرح کاٹنے لگے، رومیوں میں سراسیمگی پھیل گئی، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے موقع کا فائدہ اٹھایا، خود بھی بے جگری سے لڑے اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی داد شجاعت دی، حافظ ابن سعد کے ایک راوی ابو عامر کہتے ہیں کہ جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے رومیوں پر حملہ کیا تو ان کو ایسی شکست دی کہ میں نے ایسی شکست کبھی نہیں دیکھی، مسلمان جہاں چاہتے تھے وہیں اپنی تلوار رکھتے تھے، خود حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے دشمنوں پر نو تلواریں توڑ دیں، بخاری میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ غزوۂ موتہ میں میرے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں البتہ ایک یمنی تلوار باقی رہ گئی وہ نہیں ٹوٹی، رومی الٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہوئے، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ان کا تعاقب مناسب نہیں سمجھا۔(۱)

غزوۂ مُوتہ کے شہداء

اس غزوے میں بارہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے شہادت پائی، ان تمام حضرات کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

۱- حضرت جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ

۲- حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

۳- حضرت مسعود بن الاسود بن حارثہ بن نضلہ رضی اللہ عنہ

۴- حضرت وَہب بن سعد بن اَبی سَرح رضی اللہ عنہ

۵- حضرت عبد اللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ

(۱) البدایہ والنہایہ:۴/۲۴۷، الواقدی:۲/۷۶۷، صحیح البخاری:۵/۱۴۴، رقم الحدیث:۴۲۶۶، طبقات ابن سعد:۲/۱۳۰۔

۶- حضرت عباد بن قیس رضی اللہ عنہ

۷- حضرت حارث بن نعمان بن اُساف بن نضلہ رضی اللہ عنہ

۸- حضرت سُراقہ بن عمرو بن عطیہ بن خنساء رضی اللہ عنہ

۹- حضرت ابوکلیب بن عمرو بن زید بن عوف رضی اللہ عنہ

۱۰- حضرت جابر بن عمرو بن زید بن عوف رضی اللہ عنہ

۱۱- حضرت عمرو بن سعد بن الحارث بن عباد بن سعد رضی اللہ عنہ

۱۲- حضرت عامر بن سعد بن الحارث بن عباد بن سعد رضی اللہ عنہ۔(۱)

مدینے میں معجزہ رونما ہوا

ادھر شام کی دور افتادہ زمین پر یہ معرکہ انجام پا رہا تھا، دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو جنگ کی خبر دے رہے تھے اور اس کے واقعات بتلا رہے تھے، روایات میں ہے کہ عین جنگ کے وقت مدینے سے شام تک کے تمام حجابات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے ہٹا دیئے گئے، یا زمین ہٹا دی گئی اور سب کچھ اس طرح نظر آنے لگا جیسے آنکھوں کے سامنے ہی دونوں فوجوں کے درمیان لڑائی جاری ہو، آپ نے اعلان کرایا کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین مسجد میں حاضر ہو جائیں، جب سب لوگ جمع ہو گئے آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ارشاد فرمایا: مجھے پتہ چلا ہے کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے علم اٹھایا، اور دشمنوں سے جنگ کی یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے اور جنت میں داخل ہوئے، زید کے بعد جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اٹھایا، انہوں نے بھی جنگ کی یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے اور جنت میں داخل ہوئے، وہ فرشتوں کے جھرمٹ میں اپنے بازوؤں کے ساتھ جنت میں اڑتے پھرتے ہیں، اتنا فرمانے کے بعد آپ نے سکوت اختیار فرمایا، انصار کے چہرے اس اندیشے سے پیلے پڑ گئے کہ کہیں عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے حکم عدولی نہ کی ہو، کچھ دیر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پھر اسلام کا جھنڈا عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے پکڑا، انہوں نے بھی دشمنوں سے قتال کیا، وہ بھی شہید ہو گئے، یہ تینوں

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۳/۲۹۹، ۳۰۰۔

حضرات جنت میں اٹھا لئے گئے ہیں، وہ سونے کے تخت پر متمکن ہیں، البتہ میں عبد اللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کا تخت کچھ ہلتا ہوا دیکھتا ہوں، جب کہ ان کے دونوں ساتھیوں کے تخت اپنی جگہ جامد ہیں، میں نے کہا کہ عبد اللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کا تخت کیوں ہل رہا ہے، مجھے بتلایا گیا کہ ابتدا میں ان کو کچھ تردد تھا، بعد میں وہ تردد ختم ہو گیا اور وہ آگے بڑھے، جب کہ زید رضی اللہ عنہ اور جعفر رضی اللہ عنہ بلا تردد آگے بڑھے۔

اس تقریر کے دوران رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے اشک بہتے رہے، اس کے بعد آپ نے فرمایا: پھر سیف من سیوف اللہ (خالد بن ولید رضی اللہ عنہ) نے اسلام کا جھنڈا اٹھایا۔(۱)

میدان جنگ سے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کی آمد

جب جنگ ختم ہو گئی تو ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو جلد از جلد مدینے پہنچنے کے لیے کہا گیا تا کہ وہ واقعات کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیں، چناں چہ وہ تیز رفتاری کے ساتھ سفر کرتے ہوئے مدینے پہنچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس سے پہلے کہ وہ کچھ عرض کرتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تم چاہو تو ہمیں بتلا دو ورنہ ہم تمہیں بتلاتے ہیں کہ وہاں کیا ہوا، صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ہی بتلا دیجیے، چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان جنگ کے تمام واقعات تفصیل کے ساتھ بیان فرما دیے، صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے آپ نے تمام واقعات بلا کم و کاست بیان فرما دیے، کچھ بھی تو نہ چھوڑا، واقعی یہ تمام واقعات اسی طرح پیش آئے جس طرح آپ نے بیان فرمائے ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا: جس وقت لڑائی جاری تھی اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو اٹھا دیا تھا یعنی اس کی دوری ختم کر دی تھی۔(۲)

اس تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ عین جنگ کے وقت موتہ کا میدان جنگ آپ کی نگاہوں کے سامنے کر دیا گیا تھا اور آپ ایک ایک منظر اپنی آنکھوں سے اس طرح دیکھ

(۱) الطبقات الکبریٰ: ۲/۱۳۰، مجمع الزوائد للہیثمی: ۶/۱۶۰۔ (۲) سیرۃ حلبیہ: ۳/۱۶۰۔

رہے تھے جس طرح ہم قریب کی کوئی چیز پوری طرح دیکھ لیا کرتے ہیں، یہی نہیں بلکہ ان تینوں حضرات کی شہادت کے بعد آپ نے ان تینوں کو جنت کے سنہرے تخت پر اس طرح لیٹے ہوئے دیکھا جیسے کوئی شخص اپنی مسہری پر آرام سے سو رہا ہو، البتہ حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کا تخت کچھ ہل رہا تھا، اور ایسا اس لئے تھا کہ جس وقت یہ دونوں حضرات شہید ہو گئے تو انہیں جھنڈا اٹھانے میں لمحہ بھر کو کچھ تردد ہوا، خوف انسانی فطرت کا تقاضا ہے، یہ تردد بھی اسی خوف کی وجہ سے تھا، لیکن جلدی ہی انہوں نے ان تمام اندیشوں اور وسوسوں کو دل سے جھٹک دیا اور میدان جنگ کی طرف بڑھ گئے، روایات میں یہ بھی ہے کہ عین اس وقت جب حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ جھنڈا اٹھانے جا رہے تھے شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ پیدا کیا، کچھ لمحوں کے لیے انہیں بہ تقاضائے بشریت تردد ہوا لیکن جلدی ہی وہ شیطان کو شکست دینے میں کامیاب بھی ہو گئے۔(۱)

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی شہادت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنج وغم

آپ اس واقعۂ شہادت سے شدید طور پر رنجیدہ نظر آئے جس وقت منبر پر بیٹھ کر آپ میدان جنگ کے احوال بیان فرما رہے تھے اس وقت بھی آپ رنج وغم کی تصویر بنے ہوئے تھے، آنکھوں سے لگاتار اشک بہہ رہے تھے، اس کے بعد آپ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے، حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب جعفر اور ان کے ساتھیوں کو شہید کر دیا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، اس وقت تک میں چالیس کھالوں کو دباغت دے چکی تھی، میں نے اپنے بچوں کو نہلا دیا تھا، میں آٹا گوندھ چکی تھی اور اب بچوں کے سروں پر تیل لگا رہی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اور مجھ سے فرمایا کہ جعفر رضی اللہ عنہ کے بچوں کو میرے پاس لے کر آؤ، میں بچوں کو آپ کے پاس لے کر آ گئی، آپ نے ان کے سروں پر بوسہ دیا، اس وقت آپ کی آنکھوں سے ٹپاٹپ آنسو گر رہے تھے، میں نے گھبرا کر عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ کیوں رو رہے ہیں، آپ نے فرمایا کہ جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں

(۱) سیرت حلبیہ: ۳/۱۶۰۔

مجھے یہ خبر ملی ہے کہ وہ جنگ میں قتل کردئے گئے ہیں، یہ سن کر میں کھڑی ہوگئی اور رونے چلانے لگی، میری آواز سن کر عورتیں میرے پاس آگئیں، آپ اپنے گھر تشریف لے گئے، اور گھر والوں سے فرمایا کہ جعفر کے بیوی بچوں کی طرف سے غافل نہ رہنا، ان کے لیے کھانا تیار کرکے بھجوا دینا، وہ لوگ اس وقت جعفر کے صدمے میں مبتلا ہیں۔(۱) اسی سے فقہاء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ میت کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرکے بھجوانا ایک مستحسن امر ہے، کیوں کہ اس کی موت سے وہ صدمے میں مبتلا ہوتے ہیں، انہیں کھانا بنانے بلکہ کھانا کھانے تک کا ہوش نہیں رہتا، رشتے داروں اور پڑوسیوں کو چاہئے کہ وہ میت کے گھر والوں کے لیے اس دن (دو وقت) کے کھانے کا نظم کریں، ان کو اصرار کرکے کھلائیں اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھائیں۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ جس دن حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر ملی اس دن ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر رنج وملال کے آثار دیکھے، اسی دوران ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! عورتوں نے رو رو کر ہمیں عاجز کردیا ہے اور ہمیں پریشانی میں مبتلا کردیا ہے، آپ نے فرمایا: واپس جاؤ اور انہیں خاموش کرو، یہ صاحب واپس گئے، پھر لوٹ کر آئے اور وہی الفاظ دہرائے جو پہلے کہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جا کر انہیں خاموش کرو، اگر وہ رونا دھونا بند نہ کریں تو ان کے منہ میں مٹی جھونک دینا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے اپنے دل میں کہا کہ اے شخص تجھے خدا کا بعد ہو، تو نے اپنے اوپر قابو نہ پایا کہ بار بار آکر ان عورتوں کی شکایت کررہا ہے اور تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی نہ کرپایا کیوں کہ ان کے منہ میں مٹی جھونکنا تیرے بس کی بات نہیں ہے۔(۲)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے اور آپ کے چہرۂ مبارک پر حزن وملال کی کیفیت محسوس کی گئی، یہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے، جس کی شریعت میں کوئی

(۱) سنن ابن ماجہ: ۱/۵۱۴، رقم الحدیث: ۱۶۱۱۔ (۲) صحیح البخاری: ۵/۱۴۳، رقم الحدیث: ۴۲۶۳، صحیح مسلم: ۲/۶۴۴، رقم الحدیث: ۹۳۵۔

ممانعت نہیں ہے، البتہ بیان کر کے رونا، یا شدت غم کی وجہ سے سینہ کوبی کرنا، مرنے والے کا ذکر کر کے خود بھی رونا اور دوسروں کو بھی رُلانا ممنوع ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو آنسو آنکھ سے ہو اور جو غم دل سے ہو وہ اللہ کی جانب سے ہے اور اس کی رحمت کا حصہ ہے، اور جو ہاتھ اور زبان سے ہو وہ شیطان کی طرف سے ہے۔(۱) اسی لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے صحابی رضی اللہ عنہم اجمعین سے فرمایا کہ جا کر جعفر کی بیوی کو اور دوسری خواتین کو خاموش کرائیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان صحابی کی یہ بات اس لیے ناگوار گزری کہ وہ بار بار آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے رونے کی خبر دے رہے تھے، اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوہرا صدمہ ہو رہا تھا، ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ وہ صحابی خود ہی ان خواتین کو خاموش کرا دیتے۔

اسلامی فوج کی واپسی

غزوۂ موتہ سے فارغ ہو کر لشکرِ اسلام نے مدینہ طیبہ کا رُخ کیا، جب یہ لشکر مدینے کے قریب پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ہمراہ مدینے سے باہر تشریف لے جا کر ان کا استقبال فرمایا، البتہ کچھ بچوں اور جوانوں نے غازیانِ اسلام پر آوازے کسے اور انہیں میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کرنے کا طعنہ دیا، اور ان پر مٹی پھینکی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں یہ راہ فرار اختیار کرنے والے نہیں ہیں، بلکہ یہ کرار ہیں یعنی لوٹ کر جانے والے ہیں، ام المومنین حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ میں نے سلمہ بن ہشام بن مغیرۃ رضی اللہ عنہ کی بیوی سے پوچھا کہ سلمہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں کیوں نظر نہیں آتے، اس عورت نے جواب دیا کہ وہ تو گھر سے نکل ہی نہیں سکتے، کیوں کہ جیسے ہی وہ گھر سے نکلتے ہیں لوگ آوازے کسنے لگتے ہیں یا فرّار یافرّار فی سبیل اللہ، اے راہ خدا سے بھاگ کر آنے والے۔

یہی وہ واقعات ہیں جن کی بنا پر بعض سیرت نگاروں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ غزوۂ موتہ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی، یہ حافظ ابن سعد کی رائے ہے، علامہ ابن القیمؒ

(۱) السنن الکبریٰ للبیہقی: ۴/۷۱۱، رقم الحدیث: ۷۱۶۰۔

کہتے ہیں کہ اس غزوے میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی، اور یہی حقیقت ہے، امام بخاری نے غزوۂ موتہ کے بیان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل فرمائی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید رضی اللہ عنہ، جعفر رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کی خبر لوگوں کو سنا دی، حالاں کہ (ابھی تک) ان کی کوئی خبر مدینے میں نہیں پہنچی تھی، آپ نے فرمایا کہ پہلے زید نے (امارت اور قیادت کا) جھنڈا لیا، وہ شہید ہوئے، پھر جعفر نے سنبھالا، وہ بھی شہید ہوئے، پھر عبد اللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اٹھایا وہ بھی شہید ہو گئے، یہ فرماتے ہوئے آپ کی آنکھوں سے اشک جاری تھے، پھر فرمایا اس کے بعد اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار (حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ) نے جھنڈا اٹھایا، اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھ پر فتح دی۔(۱)

رہی یہ بات کہ پھر واپس آنے والے صحابہ کو یا فرّار کہہ کر مطعون کیوں کیا جارہا تھا اور ان پر مٹی کیوں پھینکی جارہی تھی، اس سلسلے میں صحیح بات یہ ہے کہ اس زمانے میں لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات راسخ ہو چکی تھی کہ میدان جنگ سے شہید ہوئے بغیر واپس ہونا گویا میدان سے راہِ فرار اختیار کرنا ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین عیسائیوں کے لشکر جرار کو دیکھ کر مدینے واپس ہو گئے ہوں، ایسے ہی لوگوں کو واپسی پر مطعون کیا گیا ہو، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت کہنے والوں کو یہ کہہ کر روک دیا کہ ان لوگوں نے فرار اختیار نہیں کیا بلکہ یہ لوگ تو پھر جانے والے ہیں اور بار بار جانے والے ہیں۔

غزوۂ ذَاتُ السَّلَاسِل

یہ سریّہ ماہ جمادی الثانیہ سن آٹھ ہجری میں روانہ کیا گیا، جس جگہ یہ سریّہ بھیجا گیا تھا وہاں پانی کا ایک چشمہ تھا جس کا پانی سَلسَال یعنی نہایت خوش گوار تھا، اسی مناسبت سے اس سریے کو ذات السلاسل کہا گیا، بعض علماء محققین نے کہا ہے کہ سَلاسِل، سِلسِلَۃ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں زنجیر اور بیڑی، کفار و مشرکین نے لڑنے کے لیے اپنے پیروں میں زنجیریں ڈال لیں تھی تاکہ وہ جنگ کے میدان سے راہ فرار اختیار نہ کرسکیں، تیسری تحقیق یہ

(۱) صحیح البخاری: ۵/ ۲۷، رقم الحدیث: ۳۷۵۷۔

ہے کہ جس علاقے میں یہ واقعہ پیش آیا وہاں کی زمین ریتیلی تھی، سلاسل درحقیقت اس ریت کو کہتے ہیں جو تہہ بہ تہہ جمی ہوئی ہو، یہ علاقہ مدینے سے دس دن کی مسافت پر ہے۔(۱)

ذات السلاسل میں بنی قضاعہ کے دو قبیلے لخم اور جذام آباد تھے، لخم مالک بن عدی بن حارث کا لقب تھا، اسی کی طرف یہ قبیلہ منسوب ہے، جذاب لخم کا بھائی تھا، اس کا پورا نام عمرو بن عدی ہے، بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ سریّہ بنی عذرہ اور بنو القین کے ساتھ پیش آیا، یہ بھی بنی قضاعہ کے دو قبیلے ہیں۔

جو واقعات اس موقع پر پیش آئے ان کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ملی کہ بنی قضاعہ سے تعلق رکھنے والے بعض قبائل مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں، یہ خبر سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اور ان کی سرکردگی میں ایک دستہ بنی قضاعہ کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ خود یہ بات بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلا کر بھیجا، اور فرمایا کپڑے اور ہتھیار لے کر میرے پاس آجاؤ، میں حاضر خدمت ہوا، آپ اس وقت وضو فرما رہے تھے، آپ نے گہری نظروں سے مجھے دیکھا اور فرمایا کہ میں تمہیں ایک فوج کا قائد بنا کر روانہ کرنا چاہتا ہوں، اللہ تمہاری حفاظت فرمائے گا اور تمہیں مال غنیمت سے نوازے گا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ میں نے مال حاصل کرنے کے لیے اسلام قبول نہیں کیا ہے، بلکہ مجھے یہ دین پسند آیا اس لیے میں مسلمان ہو گیا، آپ نے فرمایا اے عمرو! اچھا مال اچھے انسان کے لیے ہی تو ہے۔(۲)

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سو افراد پر مشتمل ایک دستہ تشکیل دیا، ان کے ساتھ تیس گھوڑے بھی تھے، یہ لوگ ذات السلاسل کی طرف روانہ ہوئے، انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اجازت مرحمت فرمادی تھی کہ وہ راستے میں پڑنے والے ہم خیال قبائل سے بھی گفت وشنید کریں اور ہو سکے تو انہیں اپنے ساتھ لے لیں، دس دن کی طویل مسافت

(۱) فتح الباری: ۸/۴۷، معجم البلدان: ۳/۲۳۳۔ (۲) ابن حبان: ۸/۷، رقم الحدیث: ۳۲۱۱۔

طے کرنے کے بعد یہ دستہ شام کی سرحد پر واقع ذات السلاسل تک پہنچ گیا، وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ دشمنوں کی تعداد زیادہ ہے، طے پایا کہ حضرت رافع بن مکیث الجہنی رضی اللہ عنہ کو اس درخواست کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ کیا جائے کہ مزید آدمی بھیجے جائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسوافراد کا ایک دستہ تشکیل دیا اور اسے حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ذات السلاسل کی طرف بھیجا، اور انہیں یہ نصیحت فرمائی کہ عمرو بن العاص سے جا کر ملو، اور اتفاق واتحاد کو پیش نظر رکھو، اس دوسرے دستے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے، اس طرح مسلمانوں کی تعداد پانچ سو ہوگئی جو دشمن کے مقابلے میں نہایت کم تھی، مسلمانوں نے بنی قضاعہ کی طرف اپنی پیش قدمی جاری رکھی، دشمنوں کو پتہ چلا تو وہ دم دبا کر بھاگ گئے، حملہ کرنے کی نوبت نہیں آئی۔

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ دوسو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی قیادت کرتے ہوئے ذات السلاسل تک پہنچے اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں سے ملے، نماز کا وقت آیا تو حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ وہ امامت کریں، مگر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ فوج کے امیر بنا کر نہیں بھیجے گئے ہیں بلکہ آپ ہماری مدد کے لیے یہاں تشریف لائے ہیں، آپ کو امامت کا حق نہیں ہے، میں امیر ہوں، مہاجرین نے کہا: نہیں! آپ اپنے دستے کے قائد اور امیر ہیں، ابوعبیدہ اپنے دستے کے امیر ہیں، مگر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ یہی کہتے رہے کہ تم لوگ ہماری مدد کرنے کے لیے آئے ہو، الگ سے تمہارا کوئی دستہ نہیں ہے، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نرم مزاج اور بلند اخلاق کے حامل انسان تھے، جب انہیں یہ احساس ہوا کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اپنی رائے سے پیچھے نہ ہٹیں گے تب انہوں نے امامت کا اپنا ارادہ ملتوی کردیا اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے عمرو! مطمئن رہو، میں امامت نہیں کروں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چلتے وقت مجھے جو نصیحت فرمائی تھی وہ یہ تھی کہ جب تم اپنے ساتھی سے ملو تو اس کے ہم خیال رہنا، اس سے اختلاف نہ کرنا، میں تمہاری ہر حال میں اطاعت کروں گا، چناں چہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ امامت کرتے رہے، اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان کے

پیچھے نمازیں ادا کرتے رہے۔

ایک دن یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو رات کے وقت بدخوابی کی شکایت ہوئی، سردی کی راتیں تھیں، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے غسل کرنے کے بجائے تیمّم کیا اور لوگوں کو نماز پڑھائی، مدینے واپس پہنچنے کے بعد لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا: اے عمرو! کیا تم نے ناپاکی کی حالت میں اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی، تم نے غسل کیوں نہیں کرلیا تھا، انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے قرآن کریم میں پڑھا ہے: وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ.(۱) ''تم لوگ خود کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں مت ڈالو'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی یہ بات سن کر مسکرائے اور کچھ نہ کہا۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ زمانۂ جاہلیت ہی سے مضبوط رائے کے حامل انسان سمجھے جاتے تھے، یہاں بھی ان کا یہ وصف نمایاں رہا، چناں چہ انہوں نے صحابۂ کرامؓ کی مرضی کے علی الرغم متعدد فیصلے کئے اور ان فیصلوں پر مضبوطی کے ساتھ قائم بھی رہے، ایک مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے آگ جلانی چاہی، کیوں کہ راتیں سرد تھیں، اور سردی سے بچنے کا واحد ذریعہ آگ تھا، مگر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے آگ جلانے سے سختی کے ساتھ منع کیا، اور فرمایا کہ اگر کسی نے آگ جلانے کی کوشش کی تو میں اسے آگ میں پھینک دوں گا، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے درخواست کی وہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو سمجھائیں مگر انہوں نے ان دونوں حضرات کی بات بھی نہیں مانی۔

یہ بھی ہوا کہ جب بنی قضاعہ کے لوگ مسلمانوں سے ڈر کر بھاگے تو اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی رائے ہوئی کہ ان کا پیچھا کیا جائے، اور کوشش کی جائے کہ وہ لوگ قتل ہوں یا گرفتار کئے جائیں، مگر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس رائے سے بھی اتفاق نہیں کیا بلکہ حکم دیا کہ سب لوگ واپسی کا راستہ پکڑیں، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین جب مدینے واپس

(۱) البقرہ: ۱۹۵۔

آئے تو یہ دونوں باتیں بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیان کر دیں، آپ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! دشمن کے تعاقب سے میں نے اس خیال سے روکا تھا کہ اگر ہم نے تعاقب کیا تو دوسرے لوگ ان کی مدد کو آسکتے ہیں، اس صورت میں ہمیں خود نقصان اٹھانا پڑ سکتا تھا، آگ جلانے سے میں نے اس لئے منع کیا تھا کہ آگ کی روشنی میں دشمن ہمیں دیکھتے اور ہماری تعداد کا اندازہ کر لیتے، آپ نے ان کے دونوں فیصلوں کو سراہا۔(۱)

سریۂ سیف البحر

یہ سریہ ساحل سمندر کی طرف روانہ کیا گیا تھا اس لئے اس کو سریۂ سیف البحر کے نام سے موسوم کیا گیا، سِیف کنارے کو کہتے ہیں، اس کو سریۂ خَبط بھی کہا جاتا ہے، خبط درخت کی پتیوں کو کہتے ہیں، کیوں کہ اس سفر میں زادِ راہ بالکل ختم ہو چکا تھا، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو درختوں کی پتیوں پر گزارا کرنا پڑا تھا، اس لئے اس سریہ کو سریۂ خبط بھی کہتے ہیں، بخاری و مسلم میں اس کی تفصیلات ملتی ہیں، یہ سریہ رجب سن آٹھ ہجری میں فتح مکہ سے کچھ ہی پہلے واقع ہوا، قبیلۂ جہینہ کی سرکوبی مقصود تھی، یہ مشرکین کا ایک بڑا قبیلہ تھا، بعض حضرات اسے سن سات ہجری کا واقعہ قرار دیتے ہیں، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، کیوں کہ صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے قریش کے کسی قبیلے یا ان کے کسی حریف کی طرف کوئی سریہ روانہ نہیں فرمایا، اس لئے یہ واقعہ صلح حدیبیہ سے کچھ پہلے کا ہے، یہ وہ زمانہ ہے کہ قریش نے صلح حدیبیہ کے معاہدے کی خلاف ورزی شروع کر دی تھی، بنو بکر نے بنو خزاعہ کے خلاف فوج کشی کی تھی، قریش نے معاہدۂ صلح کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بنو بکر کا ساتھ دیا تھا، اکثر محدثین اور اصحاب سیرت کی رائے یہی ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تین سو صحابہ کو قریش کے قافلے پر حملہ کرنے کے لیے نہیں بلکہ اس کی حفاظت کے لیے بھیجا تھا، قریش کا ایک قافلہ سامان تجارت کے ساتھ واپس آرہا تھا، مدینے میں یہ اطلاع پہنچی تھی کہ قبیلۂ جہینہ کے لوگ اس قافلے پر حملہ کرنا اور اسے لوٹنا چاہتے تھے،

(۱) طبقات ابن سعد: ۲/۱۳۱، سنن ابی داؤد: ۱/۹۲، رقم الحدیث: ۳۳۴، البدایہ والنہایہ: ۴/۲۷۳۔

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سیرت میں یہی موقف اختیار کیا ہے، لیکن شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سمیت بہت سے شارحین حدیث کہتے ہیں کہ حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ کے زیر قیادت تین سو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی یہ جماعت قریش کے تجارتی قافلے کے تعاقب میں روانہ کی گئی تھی۔(۱)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ جو اس دستے میں شامل تھے کہتے ہیں کہ ہم لوگ مدینے سے روانہ ہوئے، ابھی راستے ہی میں تھے کہ زادِ راہ ختم ہوگیا، فوج کے قائد ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ سب لوگ اپنا اپنا توشہ لے کر آئیں، چناں چہ ایسا ہی کیا گیا، دو تھیلے کھجوروں کے بھر گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک تھیلی کھجوروں کی دی تھی، ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ان تھیلوں میں سے ہر روز تھوڑی تھوڑی کھجوریں کھانے کے لیے دیا کرتے تھے، جب وہ کھجوریں کم رہ گئیں تو ہمیں ہر دن ایک کھجور ملنے لگی، ایک صاحب نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ بھلا ایک کھجور سے کیا کام چلتا ہوگا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ ایک کھجور بھی بڑی غنیمت تھی، اس کا احساس ہمیں اس وقت ہوا جب وہ ایک کھجور بھی ملنی بند ہوگئی۔

اس کے بعد اونٹ ذبح ہونے لگے، پہلے دن تین اونٹ ذبح ہوئے، دوسرے دن بھی تین اونٹ ذبح ہوئے، تیسرے دن بھی یہی سلسلہ رہا، تین دن کے بعد حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اونٹ ذبح کرنے سے منع کردیا، اس کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے درختوں کے پتے کھانے شروع کردئے، سفر اسی مشقت کی حالت میں جاری رہا، یہاں تک کہ سمندر کے کنارے پہنچ گئے، ایک روز سمندر سے ایک بہت بڑی مچھلی کنارے پر آگئی، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ مچھلی مردہ ہے، اس کا کھانا جائز نہیں، بعد میں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اس پر متفق ہوگئے کہ اضطرار کی حالت میں مردار کھانا جائز ہے، ہر دن اس مچھلی سے ایک بڑے بیل کے برابر ٹکڑا کاٹا جاتا تھا، اس کا گوشت پکا کر کھایا جاتا، اور اس کی چربی سے چراغ جلائے جاتے، اٹھارہ دن تک یہ مچھلی کھائی گئی، یہاں تک کہ اس کی

(۱) فتح الباری: ۶۳/۸، سیرت النبی: ۳۴۱/۱، کشف الباری: ۵۸۲/۸۔

پسلیاں باقی رہ گئیں، وہ مچھلی جس کو حدیث کی کتابوں میں عنبر کہا گیا ہے اتنی بڑی تھی کہ ایک چھوٹا موٹا پہاڑ معلوم ہوتی تھی، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کی دونوں پسلیوں کو زمین پر کھڑا کیا، پھر قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو جو سب سے طویل قامت انسان تھے اونٹ پر سوار کیا اور ان سے فرمایا کہ وہ ان پسلیوں کے درمیان سے گزریں، چناں چہ وہ اونٹ پر بیٹھ کر اس طرح نکلے کہ ان کا سر ہڈیوں کے بالائی حصے سے نہیں ٹکرایا، اس مچھلی کی آنکھوں کا حلقہ اتنا بڑا تھا کہ اس میں بہ یک وقت تیرہ آدمی بیٹھ جاتے تھے، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ کوئی معمولی جسامت کی مچھلی نہیں تھی، اسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی کرامت بھی کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کے کھانے کا اس طرح نظم فرمایا کہ ان کی ضیافت کے لیے ایک عظیم جثے والی مچھلی ساحل پر لاکر ڈال دی، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے مدینے واپس پہنچ کر جب اس واقعے کا ذکر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے رزق بھیج دیا تھا، اگر اس کا کچھ گوشت بچا ہوا ہو تو ہمیں بھی کھلاؤ، چناں چہ کسی نے کچھ گوشت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، آپ نے تناول فرمایا۔(۱)

فتحِ مکہ کا پس منظر

حدیبیہ کے واقعات تفصیل کے ساتھ لکھے جاچکے ہیں، اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور قریش کے درمیان جو صلح نامہ لکھا گیا تھا اس کی ایک اہم شق یہ تھی کہ دس سال تک ان دونوں کے درمیان کوئی جنگ نہیں ہوگی، دس سال کے بعد اس پر غور کیا جائے گا کہ معاہدۂ صلح باقی رکھا جائے یا ختم کردیا جائے، اس معاہدے میں تمام قبائل عرب کو اختیار دیا گیا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے جس فریق کے ساتھ چاہیں رہیں، اگر کوئی قبیلہ کسی ایک فریق کا حلیف بن کر رہنا چاہتا ہے تو دوسرے قبیلے کو اس پر اعتراض کا کوئی حق نہیں ہوگا، چناں چہ قبیلۂ بنی خزاعہ نے مسلمانوں کا ساتھ اختیار کیا، اور قبیلۂ بنی بکر نے قریش کا دامن پکڑا، اس معاہدے کے بعد دونوں طرف کے لوگ سترہ مہینوں تک پُر امن ماحول میں زندگی گزارتے رہے۔

(۱) صحیح البخاری: ۱۶۶/۵، رقم الحدیث: ۴۳۶۰۔

بنی بکر اور بنی خزاعہ کی آبادیاں مکہ مکرمہ کے قریب تھیں، قدیم زمانے سے ان دونوں کے درمیان رنجش چلی آرہی تھی، اور وقتاً فوقتاً اس کا اظہار بھی ہوتا رہتا تھا، ظہورِ اسلام سے پہلے بنی خزاعہ کے لوگوں نے بنی بکر کے حلیف سردار اَسود بن رَزن کو قتل کردیا تھا، وہ مال تجارت کے ساتھ بنی خزاعہ کے قریب سے گزر رہا تھا، بنی بکر نے اپنے حلیف کی حمایت میں بنی خزاعہ کے ایک شخص کو قتل کردیا، اس واقعے سے مشتعل ہوکر بنی خزاعہ کے لوگوں نے اسود بن رزن کے دو بیٹوں سلمی کلثوم اور ذؤیب کو قتل کردیا، ان کا تعلق بنی کنانہ سے تھا، اور یہ اپنے علاقے میں انتہائی معزز سمجھے جاتے تھے، ان کے دبدبے کا یہ حال تھا کہ عام طور پر ایک قتل کی دیت سو اونٹ تھی، لیکن بنی کنانہ کے ان معزز سرداروں کے قتل کی دیت دوسو اونٹ مقرر کی گئی تھی۔

یہ حالات تھے جب اسلام کا ظہور ہوا، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی دعوت وتبلیغ میں ہمہ تن مصروف ہوئے، بنوبکر کے لوگ خزاعہ سے انتقام لینا چاہتے تھے مگر کچھ عرصے تک ان کو اس کا موقع نہ مل سکا، انتقام کی آگ ان کے دلوں میں بھڑک رہی تھی کہ صلح حدیبیہ کا غیر معمولی واقعہ پیش آگیا، سترہ مہینے خاموشی کے ساتھ گزر گئے، اسود بن رزن اور اس کے بیٹوں کا قتل کوئی معمولی بات نہیں تھی، ایک دن موقع پاکر بنوبکر کی شاخ بنوالدیل کے سردار نوفل بن معاویہ نے اپنے قبیلے کے جوانوں کے ساتھ مل کر بنی خزاعہ پر حملہ کردیا، اور ان کے ایک شخص کو قتل کردیا جو الوتیر نامی چشمۂ آب پر موجود تھا، بنی خزاعہ کے کچھ لوگ مقتول کے دفاع میں آئے تو ان پر بھی حملہ کیا گیا، بعض ان میں سے قتل بھی ہوئے، کچھ لوگ بھاگ کر مکہ مکرمہ چلے گئے اور حرم میں داخل ہوگئے۔ انہوں نے آواز لگائی، اے نوفل! اب رُک جاؤ، ہم حرم میں داخل ہوچکے ہیں، اس مقام کے تقدس کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں خون نہ بہایا جائے، اور جو اس میں داخل ہوجائے اس کو قتل نہ کیا جائے، مگر نوفل پر اس وقت انتقام کا بھوت سوار تھا، اس نے ایک نہ سنی اور حرم میں داخل ہوکر خزاعہ کے لوگوں کو قتل کرڈالا، کچھ لوگ جان بچاکر بُدیل بن ورقاء کے گھر میں داخل ہوگئے اور اس سے بنوبکر کے مظالم کی شکایت کی، کیوں کہ قاتلین؛ قریش مکہ کے حلیف تھے اس لئے وہ اس

جھگڑے کے دوران ہتھیار وغیرہ سے ان لوگوں کی مدد کرتے رہے، اس طرح عملاً قریش نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کئے ہوئے معاہدے کو توڑ دیا۔(۱)

مکہ مکرمہ جانے کی تیاری

ان واقعات کے کچھ عرصے بعد آپ ﷺ نے مکہ فتح کرنے کا عزم فرمایا، اگرچہ آپ نے اپنا ارادہ کسی پر ظاہر نہیں کیا، بلکہ خاموشی کے ساتھ خود بھی سفر کی تیاری میں مشغول ہو گئے اور اپنے جاں نثار صحابہ سے بھی فرمایا کہ وہ جنگ کے لیے اپنا ساز و سامان درست کریں، اس سفر کو آپ نے اس قدر خفیہ رکھا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی اس کا پتہ نہیں تھا، ایک روز وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئے، وہ اس وقت رسول اللہ ﷺ کا سامان تیار کر رہی تھیں، بعض روایات میں ہے وہ گیہوں صاف کر رہی تھیں، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: بیٹی! کیا تمہیں رسول اللہ ﷺ نے سفر کا سامان تیار کرنے کا حکم دیا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: جی ابا جان! پوچھا کہاں کا ارادہ ہے، انہوں نے کہا: خدا کی قسم مجھے نہیں معلوم کہ آپ کہاں جانا چاہتے ہیں، کچھ دنوں کے بعد آپ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو بتلا دیا کہ مکہ مکرمہ کا قصد ہے، ہتھیار درست کر لیں اور سفر کا سامان تیار کر لیں، مگر اس کا اظہار کسی پر نہ کریں، ہمیں خفیہ طور پر یہاں سے نکلنا ہے اور اچانک ہی ان کے سروں پر پہنچنا ہے، اس کے بعد آپ نے دُعا فرمائی، اے اللہ اس سفر کو قریش کے مخبروں اور جاسوسوں سے اس وقت تک مخفی رکھ جب تک ہم وہاں نہ پہنچ جائیں۔(۲)

مدینہ منورہ سے روانگی

جنگی مصالح کے نقطۂ نظر سے رسول اللہ ﷺ نے اس سفر کو خفیہ رکھنے کا پورا پورا اہتمام فرمایا، یہاں تک کہ آپ کے قریب ترین لوگوں کو بھی یہ معلوم نہیں تھا کہ کہاں کا سفر درپیش ہے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے رفیق اور دوست، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کی محبوب ترین بیوی، لیکن یہ دونوں بھی نہیں جانتے تھے کہ اگلا سفر کہاں کا

(۱) المغازی للواقدی: ۲/۷۸۱، اصح السیر: ۲۴۴۔ (۲) دلائل البیہقی: ۵/۱۲، البدایہ والنہایہ: ۴/۲۸۳، سیرت ابن ہشام: ۴/۳۰۷۔

ہونے والا ہے، حالاں کہ عموماً بیویوں کو اور دوستوں کو سب کچھ پتہ ہوتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حال یہ تھا کہ وہ تیاری میں مصروف ہیں مگر جب ان سے کوئی پوچھتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں جانے والے ہیں تو آپ خاموش ہوجاتی ہیں، یا صاف کہہ دیتی ہیں کہ ہمیں تو آپ نے کچھ نہیں بتلایا، سفر کی تیاریوں کو دیکھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی حیران تھے، اپنی بیٹی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے معلوم کرنے کے لیے تشریف لاتے ہیں وہ کہتی ہیں ابا جان مجھے تو معلوم نہیں۔(۱)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ فوجی نقل وحرکت کو دشمنوں سے مخفی رکھنا چاہئے، اور اس حد تک مخفی رکھنا چاہئے کہ قریب ترین دوستوں اور بیویوں کو بھی کچھ معلوم نہ ہونا چاہئے، بعض اوقات وہ سادہ لوحی میں کچھ کہہ بیٹھتی ہیں، حالاں کہ ان کی نیت اچھی ہوتی ہے، مگر دشمن باخبر ہوجاتا ہے اور مشکلات کھڑی کردیتا ہے۔(۲)

مدینے سے روانگی سے کچھ پہلے آپ نے ایک سریّہ ابن اِضم کی طرف روانہ کیا، یہ ایک وادی ہے جس میں تین وادیاں بطحان، قضاۃ اور عقیق مدغم ہوجاتی ہیں، اس سریّے میں صرف آٹھ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین تھے، ابوقتادہ ربعی کی قیادت میں ان آٹھ افراد کو اس وادی میں بھیجا گیا تھا، مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ ان دنوں اس سریّے پر مرکوز ہے، ابوقتادہ اور ان کے ساتھیوں کو ذوی خشب پہنچ کر پتہ چلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بڑے کارواں کو لے کر مکہ مکرمہ کی طرف چل پڑے ہیں، یہ وادی شام کی طرف جانے والے راستے پر مدینے سے پینتیس میل دور ہے، اس اطلاع کے بعد انہوں نے واپسی کا فیصلہ کیا اور وادی قری کے مقام سقیا میں آکر آپ کے قافلے میں شامل ہوگئے۔(۳)

مدینے میں زبردست نگرانی

اس خیال سے کہ کوئی شخص سفر کا راز نہ کھول دے آپ نے مدینے کے مختلف علاقوں میں کچھ نگراں متعین فرمادئے جو آنے جانے والوں پر سخت نظر رکھتے تھے، خاص طور پر مکّے کی طرف جانے والوں پر ان کی خاص نگاہ رہتی تھی، حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کے

(۱) البدایہ والنہایہ: ۴/۲۸۳۔ (۲) القیادۃ العسکریۃ فی عہد الرسول ص: ۳۹۵۔ (۳) الطبقات الکبریٰ: ۲/۱۳۲۔

ذمے ان تمام نگرانوں کی نگرانی تھی، وہ ان کے درمیان گھومتے پھرتے تھے اور ہدایت دیتے رہتے تھے، غرض یہ کہ مدینے سے کوئی خبر باہر نہ نکلے اس کے لیے ہر ممکن تدبیر اختیار کی جا رہی تھی، جب خبروں کو مخفی رکھنے کے لیے انسانی تدبیریں اختیار کر لی گئیں تب آپ خدائے لم یزل ولا یزال کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوئے اور عرض کیا: یا اللہ! قریش کو اندھا اور بہرا کر دے، وہ ہمیں اچانک ہی دیکھیں اور اچانک ہی ہماری آوازیں سنیں۔(۱)

مدینے سے روانگی

ان تمام تیاریوں کے بعد مدینے سے روانگی کا آغاز ہوا، ہجرت کا آٹھواں سال تھا اور رمضان کی دس تاریخ تھی، آپ نے اپنے قائم مقام کے طور پر ابو رہم کلثوم بن حصین بن عتبہ بن خلف الغفاری رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا، آپ کے ساتھ دس ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین تھے، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام میمونہ رضی اللہ عنہا شریک سفر تھیں، کیوں کہ رمضان کا مہینہ تھا اس لئے آپ بھی روزے سے تھے اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی روزہ رکھا ہوا تھا، جب آپ مقام کَدِید میں پہنچے تو آپ نے پانی طلب فرمایا اور دن ہی میں سب کے سامنے پانی نوش فرما کر روزہ افطار کیا، تمام صحابہ نے بھی آپ کی تقلید کی، بخاری کی روایت کے مطابق یہ جگہ عسفان اور قدید کے درمیان واقع ہے، یہاں پانی کے چشمے تھے، حافظ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ جگہ مُج اور عسفان کے درمیان ہے۔(۲)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ملاقات

جُحفہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات اپنے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے ہوگئی، وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ ہجرت کر کے مدینے آ رہے تھے، چچا کو دیکھ کر آپ کو بے حد مسرت ہوئی، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کافی عرصہ قبل مسلمان ہو چکے تھے، لیکن انہوں نے مصلحتاً اپنا اسلام لوگوں سے چھپا رکھا تھا، مکہ مکرمہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی حیثیت

(۵) مغازی الواقدی ص: ۷۹۷، البدایہ والنہایہ: ۲۸۲/۴۔ (۶) صحیح البخاری: ۱۴۶/۵، رقم الحدیث: ۴۲۷۹، مسلم شریف: ۷۸۵/۲، رقم الحدیث: ۱۱۱۳۔

رسول اللہ ﷺ کے خبر رساں کی تھی، اور وہ آپ کے ہی حکم سے وہاں موجود تھے، قریش کی سرگرمیوں کی تمام تر اطلاعات حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہی کے ذریعے مدینے پہنچتی تھیں، اب وہ وقت آپہنچا تھا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی مدینے آجائیں، کیوں کہ قریش اب ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوگئے تھے، ان کا کس بل نکل گیا تھا، بہ ظاہر اب کوئی ایسی ضرورت نہیں تھی کہ ان کے متعلق خبریں دینے کے لیے حضرت عباس رضی اللہ عنہ وہاں رہیں، اس لئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنے اہل وعیال کو لے کر مدینے آگئے، اور اسی پر ہجرت کا سلسلہ بھی مکمل ہوگیا، آپ نے فرمایا: چچا جان! آپ کی یہ ہجرت آخری ہجرت ہے، جس طرح میری نبوت آخری نبوت ہے، روایات میں یہ بھی ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس سے پہلے ہجرت کی اجازت مانگی تھی، آپ نے جواب میں یہ لکھوایا تھا کہ ابھی آپ وہیں ٹھہریں، اللہ تعالیٰ آپ پر ہجرت کے سلسلے کو ختم کرے گا جس طرح مجھ پر نبوت کا سلسلہ ختم فرمایا ہے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر والوں کو مدینے بھیج دیا اور خود رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ مکے کی طرف روانہ ہوئے۔(۱)

ابوسفیان بن حارث اور عبداللہ ابن ابی امیہ کا قبولِ اسلام

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک مقام آتا ہے ابوا، وہاں آپ ﷺ سے ملاقات کے لیے اور اسلام قبول کرنے کے مقصد سے دو شخص حاضر خدمت ہوئے، ان میں سے ایک آپ کے چچا حارث بن عبد المطلب کے بیٹے ابوسفیان تھے، انہوں نے حضرت سعدیہ حلیمہ رضی اللہ عنہا کا دودھ پیا تھا، اس لئے وہ آپ کے دودھ شریک بھائی بھی تھے، دوسرے آپ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبد المطلب کے بیٹے عبداللہ ابن ابی امیہ تھے، یہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے سوتیلے بھائی بھی تھے، ان دونوں حضرات سے آپ کا قریبی رشتہ تھا، لیکن جب انہوں نے باریابی کی اجازت چاہی تو آپ نے ملاقات سے انکار کردیا، کیوں کہ ان دونوں نے مکے میں آپ ﷺ کو سخت تکلیفیں پہنچائیں تھیں، ابوسفیان آپ کی ہجو میں اشعار کہا کرتے تھے، آخر الذکر بھی حضور کے سخت مخالف تھے۔

(۱) البدایہ والنہایہ: ۴/۲۸۶۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا قافلے میں موجود تھیں، جب انہیں پتہ چلا کہ ان کا سوتیلا بھائی عبداللہ بن امیہ نادم ہو کر آیا ہے، اور حضور کے سامنے حاضر ہو کر اسلام قبول کرنا چاہتا ہے تو انہوں نے ان دونوں کی سفارش کی، عرض کیا: یارسول اللہ! ابوسفیان آپ کے چچا کا لڑکا ہے اور عبداللہ آپ کی پھوپھی کا لڑکا ہے اور آپ کا برادر نسبتی ہے، آپ نے فرمایا: مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں ہے، میرے چچا کے لڑکے نے میری ذات پر حملے کئے ہیں، اور میری پھوپھی کے لڑکے اور میرے برادر نسبتی نے بھی مکے کے اندر مجھے برا بھلا کہنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، ابوسفیان کے ساتھ ان کا ایک چھوٹا بیٹا بھی تھا، ابوسفیان نے بارگاہ رسالت میں کہلوایا کہ اگر مجھے باریابی کی اجازت نہ دی گئی تو میں اپنے اس بیٹے کے ساتھ ریگستان کی طرف نکل جاؤں گا، ہم دونوں بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر جائیں گے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو مشورہ دیا کہ وہ رسول اللہ کے سامنے سے گزریں اور یوسف علیہ السلام کے سامنے ان کے بھائیوں نے جو بات کہی تھی وہ کہیں کہ ہم خطا کار ہیں، گنہ گار ہیں، اللہ نے آپ کو غالب کیا ہے، آپ جو چاہیں کریں، ان دونوں نے اسی طرح کہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ.(۱) ''آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہوگی، اللہ تمہیں معاف کرے، وہ سارے رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے''۔

غرضیکہ یہ دونوں حاضر خدمت ہوئے، ماضی کی غلطیوں پر ندامت کا اظہار کیا، معافی چاہی اور اسلام قبول کیا، اسلام قبول کرنے کے بعد ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں اشعار کہے، اور اسلام لانے سے قبل جو شعر انہوں نے ہجو میں کہے تھے ان پر شرمندگی کا اظہار کیا، بعد میں یہ نہایت جاں نثار صحابی ثابت ہوئے، آپ کا بے حد احترام کرتے تھے، انہوں نے آپ کے سامنے کبھی سر نہیں اٹھایا اور نہ کبھی آپ سے آنکھ ملا کر بات کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے متعلق یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں امید ہے کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ ہمارے لیے ہمارے چچا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے قائم مقام

(۱) یوسف:۹۲۔

ثابت ہوں گے، غزوۂ حنین میں انہوں نے ثابت قدمی اور دلیری کا مظاہرہ کیا، اور آپ کا ساتھ نہیں چھوڑا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جنت کے جوانوں کا سردار بھی کہا ہے، عبداللہ ابن ابی امیہ رضی اللہ عنہ بھی نہایت مخلص اور وفادار رہے، غزوۂ طائف میں شہادت کے مرتبے پر فائز ہوئے۔(۱)

ابوسفیان بن حرب کی آمد اور قبول اسلام

مکہ مکرمہ کے قریب ایک وادی ہے جس کا نام اب وادی فاطمہ ہے، اس زمانے میں اسے مَرّ الظہران کہا جاتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عظیم الشان قافلہ مکے میں داخل ہونے سے قبل یہاں ٹھہرا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو تازہ تازہ ہجرت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قافلے میں شامل ہوئے تھے یہ سوچ کر بڑے مضطرب اور پریشان تھے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طاقت کے بل پر مکّے میں داخل ہوئے تو قریش تو ختم ہی ہو جائیں گے، وہ کہتے ہیں کہ رات میں جب اکثر لوگ آرام کر رہے تھے اور کچھ پہرا دے رہے تھے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کا خچر لیا اور اس پر سوار ہو کر گھومنے نکلا، دل میں یہ خیال بھی تھا کہ اگر کوئی شخص آتا جاتا مل گیا تو میں اس کے ذریعے قریش کو یہ پیغام بھجوا دوں گا کہ محمد تمہارے سروں پر آ پہنچے ہیں، اب تمہاری خیر نہیں، اگر تم اپنی بقا چاہتے ہو تو یہاں آ کر معافی مانگ لو، اور امن حاصل کر لو، ابھی وقت ہے، اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکّے میں داخل ہو گئے تو پھر تمہیں کوئی نہ بچا سکے گا، میں آپ کے خچر پر بیٹھا گھوم رہا تھا کہ میں نے کچھ آوازیں سنیں، ابوسفیان اور بُدیل بن وَرقا آپس میں بات چیت کر رہے تھے، ابوسفیان کہہ رہا تھا کہ نہ میں نے اتنا بڑا لشکر کبھی دیکھا ہے، اور نہ اتنی آگ ایک وقت میں کسی ایک جگہ جلتی ہوئی دیکھی ہے، بُدیل نے کہا: خدا کی قسم یہ خزاعہ کا لشکر ہے، شاید وہ اپنے خلاف ہونے والے حملوں سے مشتعل ہو کر یہاں جمع ہوئے ہیں اور مکّے پر حملہ کرنا چاہتے ہیں، ابوسفیان نے کہا بنو خزاعہ نہ اتنی بڑی تعداد میں ہیں، اور نہ ان میں اتنا دم ہے کہ مکّے پر حملہ کر سکیں، عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ابھی ان کی گفتگو یہیں تک پہنچی تھی کہ میں نے ابوحنظلہ کہہ کر اسے

(۱) المستدرک للحاکم: ۳/۴۳، ۴۴، المجمع للہیثمی: ۶/۱۶۵، ۱۶۷، سیرت ابن ہشام: ۴/۳۰۹، ۳۱۰۔

آواز دی، اس نے میری آواز پہچان لی، کہنے لگا، ابوالفضل یہ تم ہو، میں نے کہا: ہاں، کہنے لگا تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں، تم یہاں کیا کر رہے ہو، میں نے اس سے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر ہے، قریش کے برے دن آگئے ہیں، اگر لوگوں نے تمہیں یہاں پھرتے ہوئے دیکھ لیا تو وہ تمہاری گردن اڑا دیں گے، ابوسفیان گھبرا کر کہنے لگا تم ہی کوئی تدبیر بتلاؤ، میں کیا کروں، میں نے کہا فی الحال تو تم میرے خچر پر بیٹھو، چناں چہ وہ میرے پیچھے بیٹھ گیا، ہمارا خچر جب کسی الاؤ کے پاس سے گزرتا لوگ ہمیں دیکھتے، ایک دوسرے سے پوچھتے یہ کون ہے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر پہچان کر کہتے کہ یہ تو آپ کے چچا ہیں، آپ کے خچر پر سوار ہو کر گھوم رہے ہیں، ایک الاؤ کے پاس عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے، ہمیں دیکھ کر وہ کھڑے ہوگئے اور پوچھنے لگے یہ شخص کون ہے، اس سے پہلے میں کوئی جواب دیتا انہوں نے ابوسفیان کو پہچان کر کہا یہ تو دشمن خدا ابوسفیان ہے، اللہ کا شکر ہے کہ اس نے بغیر کسی محنت مشقت کے اس کو ہمارے حوالے کر دیا، یہ کہہ کر وہ تیزی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے کی طرف بھاگے تاکہ آپ سے اجازت لے کر ابوسفیان کی گردن اڑا دیں، مگر میں نے عجلت سے کام لیا، ہم دونوں ساتھ ہی ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ ابوسفیان ہے، اللہ نے کسی مشقت کے بغیر ہی اس پر ہمیں قابو دے دیا ہے، آپ مجھے اس کو قتل کرنے کی اجازت دیں، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے اس کو پناہ دے دی ہے، اس کے باوجود عمر غصے میں بولتے رہے، اور ابوسفیان کو قتل کرنے کی اجازت مانگتے رہے، میں نے جھلا کر کہا اے عمر! اگر بنی کعب کا کوئی شخص ابوسفیان کی جگہ ہوتا تو تم اس طرح کی باتیں نہ کرتے، تم جانتے ہو کہ اس کا تعلق بنی عبد مناف سے ہے، اس لئے تم اس طرح بڑھ بڑھ کر بول رہے ہو، عمر رضی اللہ عنہ نے تحمل سے جواب دیا، عباس! ذرا ٹھہرو، خدا کی قسم آج کے دن تمہارا اسلام لانا مجھے اپنے باپ خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ عزیز ہے، کیوں کہ آپ حضور کے چچا ہیں، اور آپ کے اسلام سے حضور کو انتہائی خوشی ملی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے دل سے یہ غلط فہمی نکالنا تھا کہ ابوسفیان کو

قتل کرنے کی اجازت مانگنے کا تعلق خاندانوں کی برتری یا رشتے داری ہے وہ کہنا چاہتے تھے کہ یہ خالص اسلام سے محبت کا تقاضا ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا فی الحال تو آپ اسے اپنے ساتھ لے کر جائیں اور صبح کو اسے لے کر میرے پاس آئیں، پھر دیکھیں گے کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے، چناں چہ میں ابوسفیان کو اپنے خیمے میں لے آیا، وہ رات بھر میرے پاس ہی رہا، صبح کو میں اسے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے اس سے فرمایا: افسوس! ابوسفیان، کیا ابھی بھی وہ وقت نہیں آیا کہ تو اس بات کا اعتراف کرلے کہ اللہ ایک ہے اور اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، ابوسفیان نے کہا، آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، آپ کتنے حلیم، بردبار اور مشفق انسان ہیں، خدا کی قسم مجھے یہ یقین ہوگیا ہے کہ اگر اللہ کے سوا بھی کوئی معبود ہوتا تو وہ ہماری مدد ضرور کرتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: افسوس! ابوسفیان، کیا تمہیں اب بھی یہ یقین نہیں آیا کہ میں اللہ کا رسول ہوں، ابوسفیان نے کہا: آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، آپ کتنے متحمل مزاج، کتنے مہربان اور کتنے کریم النفس انسان ہیں، خدا کی قسم اس سلسلے میں مجھے ابھی تک کچھ تردد ہے، میں نے ابوسفیان سے کہا: کم بخت، اس سے پہلے کہ تیری گردن اڑا دی جائے تجھے کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوجانا چاہئے، چناں چہ اس نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگیا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابوسفیان کے مسلمان ہونے کے بعد میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس شخص کو فخر ومباہات بہت زیادہ پسند ہے، آپ اسے کوئی ایسا امتیاز عطا فرمادیں کہ معاشرے میں اس کی ناک اونچی رہے، آپ نے فرمایا: جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائے گا وہ محفوظ و مامون ہوگا، جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے گا وہ بھی حفظ وامان میں ہوگا، جو شخص مسجد حرام میں داخل ہوجائے گا اس سے بھی کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا، جب میں ابوسفیان کو لے کر چلنے لگا آپ نے مجھ سے فرمایا کہ جب ہم یہاں سے کوچ کریں تو تم اسے لے کر کسی پہاڑی کے اوپر کھڑے ہوجانا اور اسے دکھانا کہ یہ اللہ کا لشکر کس طرح فاتحانہ شان کے ساتھ مکے کی طرف بڑھنے والا ہے، چناں چہ میں

اس کو لے کر پہاڑی پر چڑھ گیا اور اسے دکھانے لگا کہ کس شان کے ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا یہ عظیم الشان لشکر مرّ الظہر ان سے نکل کر مکے میں داخل ہو رہا ہے۔(۱)

ابوسفیان رضی اللہ عنہ حیرت زدہ رہ گئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو لے کر ایک اونچی جگہ کھڑے ہو گئے، لشکر اسلام قبیلہ در قبیلہ گزر رہا تھا، جب بھی کوئی قبیلہ سامنے سے گزرتا ابوسفیان پوچھتے: ابوالفضل! یہ کون لوگ ہیں، وہ کہتے یہ قبیلہ بنو سُلیم ہے، ابوسفیان کہتے مجھے اس قبیلے سے کیا لینا دینا، اتنے میں دوسرے قبیلے کے لوگ گزرتے، وہ پوچھتے یہ کون سا قبیلہ ہے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ بتلاتے کہ یہ قبیلہ مزنیہ ہے، وہ کہتے، میرا اس سے کیا واسطہ، اسی طرح قبیلے گزرتے رہے، اور وہ اسی طرح معلوم کرتے رہے، یہاں تک کہ ایک بڑا جم غفیر گزرا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان لوگوں کے درمیان تھے، یہ مہاجرین اور انصار پر مشتمل ایک فوجی دستہ تھا، تمام لوگ سر سے پاؤں تک زرہیں پہنے ہوئے تھے، یہ دل کش منظر دیکھ کر حضرت سفیان رضی اللہ عنہ کی زبان سے بے ساختہ کلمۂ تحسین نکلا، انہوں نے پوچھا اے عباس! یہ لوگ کس قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں، انہوں نے جواب دیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین وانصار کے جھرمٹ میں تشریف لے جا رہے ہیں، مہاجرین کا علم حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے تھام رکھا تھا، اور انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا، روایات میں ہے کہ ابوسفیان کو دیکھ کر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو جوش آ گیا اور وہ زور زور سے کہنے لگے: **اليوم يوم الملحمة، اليوم تستحل الكعبة.** آج کا دن لڑائی کا دن ہے، آج کعبے میں قتل وقتال جائز ہوگا، اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گزرے، ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو قتل وقتال کا حکم دیا ہے، انہوں نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا جملہ بھی نقل کیا، اور عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ صلہ رحمی میں سب سے بڑھ کر ہیں، میں آپ کو اللہ کا اور قرابتوں کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ قتل وقتال نہ ہونے دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(۱) سیرت ابن ہشام: ۳۱۰/۴، ۳۱۱، دلائل النبوۃ للبیہقی: ۳۲/۵۔

اے ابوسفیان! سعد نے غلط کہا، آج کا دن رحم کا دن ہے، اور خانہ کعبہ کی عظمت کا دن ہے، آج خانہ کعبہ کو غلاف پہنایا جائے گا، اس کے بعد آپ نے حکم دیا کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے جھنڈا لے کر ان کے بیٹے قیس بن سعد کو دے دیا جائے، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے اس اعلان سے کچھ مہاجر صحابہ کو بھی تکلیف پہنچی تھی کیوں کہ قریش سے بہ ہر حال ان کی قرابت داری تھی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ وغیرہ نے بھی اپنی تشویش کا اظہار کیا تھا، ایک قریشی خاتون نے بھی اپنے اشعار کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ ادھر مبذول کرائی تھی، اس کے نتیجے میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے جھنڈا لے کر انہی کے بیٹے کو دے دیا گیا، اس طرح مہاجرین بھی مطمئن ہوگئے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بھی دل شکنی نہیں ہوئی، کیوں کہ جھنڈا بہ ہر حال ان کے گھر ہی تھا۔

مسلمانوں کے اس عظیم الشان لشکر کو دیکھ کر ابوسفیان رضی اللہ عنہ اس اعتراف پر مجبور ہوئے کہ طاقت کا اس قدر زبردست مظاہرہ میں نے کبھی نہیں دیکھا، انہوں نے اس کا اعتراف کرتے ہوئے کہا: اے عباس رضی اللہ عنہ! تمہارا بھتیجہ تو بڑا بادشاہ بن گیا ہے، عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، نہیں! یہ بادشاہت نہیں ہے، نبوت ہے۔

ابوسفیان رضی اللہ عنہ مسلمانوں سے پہلے مکے پہنچ گئے، ان کا مقصد قریش کو یہ بتلانا تھا کہ محمد اپنے لاؤلشکر کے ساتھ یہاں آچکے ہیں، تمہارے اندر یہ طاقت نہیں کہ تم ان کا مقابلہ کرسکو، البتہ تم میں سے جو میرے گھر میں داخل ہوجائے گا وہ محفوظ رہے گا، یہ سن کر ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ غصے میں تلملاتی ہوئی آئی اور اس نے ابوسفیان کی مونچھیں پکڑ کر کھینچیں، اور کہنے لگی تیرا ناس ہو، کم بخت، تو یہ کیا کہہ رہا ہے، پھر اس نے لوگوں سے کہا کہ اے کنانہ کے بیٹو اسے قتل کردو، یہ لوگوں کو بزدلی پر اکسا رہا ہے، ابوسفیان نے کہا ان باتوں کو چھوڑو، تم محمد کا مقابلہ نہیں کرسکتے، بہتر ہوگا کہ میرے گھر میں پناہ لے لو، لوگوں نے کہا کم بخت تیرے گھر میں کتنے آدمی سما جائیں گے، ابوسفیان نے کہا جس نے اپنے گھر کا دروازہ بند کرلیا وہ بھی محفوظ ہے، جو مسجد حرام میں داخل ہوگیا وہ بھی محفوظ ہے، یہ سن کر لوگ اپنے گھروں کی طرف بھاگے، بعض لوگوں نے بیت اللہ میں پناہ لی، کچھ کتابوں میں یہ

واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا اعلان سن کران کی بیوی ہندہ بنت عتبہ باہر نکلی اور اپنے شوہر کی داڑھی پکڑ کر کہنے لگی کم بخت تو یہ کیا بکواس کر رہا ہے، پھر اس نے اپنے خاندان کے لوگوں کو آواز دی کہ وہ اس بوڑھے کو قتل کر دیں، ابوسفیان نے اپنی بیوی سے کہا کہ میری داڑھی چھوڑ دے، میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تو مسلمان نہ ہوئی تو تیری گردن ماردی جائے گی، اگر تو چاہتی ہے کہ تیری جان بچ جائے تو میرے گھر میں داخل ہو جا۔(۱)

مکہ مکرمہ میں داخلہ

اب وہ وقت آپہنچا کہ آپ فاتحانہ شان کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوں، یہ وہی شہر ہے جہاں سے آپ نے اپنے ہی قبیلے کنبے کے لوگوں کے مظالم سے تنگ آکر رات کی تاریکی میں خاموشی کے ساتھ ہجرت کی تھی، یہ آٹھ سال پہلے کی بات ہے، اس وقت کون یہ کہہ سکتا تھا کہ جس شخص کو اس شہر سے نکلنے پر مجبور کیا جارہا ہے وہ ایک دن فاتح بن کر یہاں آئے گا، اس وقت یہاں کے لوگ خوف کے مارے کونوں کھدروں میں چھپے ہوئے ہوں گے، موت کے خوف سے ان کے چہرے پیلے پڑ گئے ہوں گے، حالاں کہ انہیں یقین دلا دیا گیا تھا کہ جو لوگ حرم میں داخل ہو جائیں گے، یا فلاں گھر میں چلے جائیں گے، یا اپنے گھروں میں بند ہو کر بیٹھ جائیں گے انہیں کچھ نہیں کہا جائے گا، اس کے باوجود موت ان کی آنکھوں کے سامنے رقص کر رہی تھی، معافی کے اعلان کے باوجود انہیں یہ خیال بھی آتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ کئے گئے ناروا سلوک کا آج دل کھول کر بدلہ لیں گے، مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا، فتح مکہ کا یہ مرحلہ نہایت پُرامن حالات میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ سترہ رمضان المبارک کو مقام ذی طوی میں پہنچ گئے، یہاں ٹھہر کر آپ نے مکہ مکرمہ میں داخلے کی ترتیب بنائی، فوج کے تین حصے کئے، ایک حصے کی کمان خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے سپرد کی، اور دوسرے حصے کا جھنڈا

(۱) شرح معانی الآثار: ۳/ ۳۱۹، رقم الحدیث: ۴۵۵۰، الاصابہ: ۵/ ۲۵۴، صحیح مسلم: ۳/ ۸۶، رقم الحدیث: ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، سیرت ابن ہشام: ۴/ ۳۱۱، ۳۱۲۔

زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیا، آپ اسی دستے میں تھے، ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو پیادہ فوج کا امیر مقرر فرمایا، یہ وہ لوگ تھے جن کے پاس نہ اسلحہ تھا اور نہ سواری تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ جو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین تھے وہ کَدَاء کی جانب سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، یہ مکے کا بالائی حصہ ہے جو حجون کی طرف جا کر نکلتا ہے، اس جگہ قریش کا قبرستان تھا، یہاں اب بھی قبرستان ہے جسے جنت المعلی کہا جاتا ہے، اسی جگہ آپ کے لیے ایک خیمہ نصب کیا گیا، آپ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وہ کُدی کی طرف سے مکے میں داخل ہوں، کدی مکّے کا نشیبی حصہ تھا، آپ نے ان سے یہ بھی فرمایا کہ کسی سے کوئی تعرض نہ کیا جائے لیکن اگر کوئی تمہارے ساتھ مزاحمت کرے تو اس کو کھیتی کی طرح کاٹ کر رکھ دینا، آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مجھ سے کوہ صفا پر آ کر ملنا، ان کے ساتھ بنوسلیم، بنوغفار، مزنیہ اور جہنیہ وغیرہ قبائل تھے۔(۱)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ آپ کے حکم کے مطابق کدی کی جانب بڑھے، عکرمہ بن اُبی جہل، صفوان بن امیہ اور ربیع اور سہل بن عمرو نے خندمہ میں قریش کے چند غنڈوں کو متعین کر دیا تھا، انہوں نے کرز بن جابر الفہری رضی اللہ عنہ اور خنیس بن خالد بن ربیعہ رضی اللہ عنہ اور مسلمہ بن المیلا رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا، یہ دونوں حضرات باقی لوگوں سے الگ دوسرے راستے پر چل رہے تھے کہ یہ واقعہ پیش آیا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو وہ اس جگہ پر جسے خندمہ کہا جاتا تھا پہنچے اور ان غنڈوں کو پکڑ کر قتل کرنا شروع کیا، بارہ مشرکین اور ایک روایت کے مطابق چوبیس مشرکین مارے گئے۔(۲)

اس ایک واقعے کے سوا ٹکراؤ کا کوئی دوسرا واقعہ پیش نہیں آیا، زیادہ تر لوگ گھروں میں دروازے بند کر کے بیٹھ گئے، کچھ لوگوں نے مسجد حرام میں پناہ لی، آپ اپنے خیمے سے نکل کر اونٹنی پر سوار ہوئے، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، ہزاروں کی تعداد میں انصار اور مہاجرین آپ کے ساتھ تھے، خوشی اور مسرت کے جذبات ہر دل میں موج زن تھے، اور ہر چہرہ ان احساسات وجذبات کا آئینہ بنا ہوا تھا، اگر کوئی دنیادار

(۱) زاد المعاد: ۳/۲۹۳۔ (۲) سیرت ابن ہشام: ۴/۳۱۵، سیرت حلبیہ: ۳/۱۸۳۔

بادشاہ ہوتا تو وہ اس موقع پر خدا جانے کیا کیا کرتا، کچھ نہ کرتا تو کم از کم فاتحانہ شان وشوکت سے مفتوحہ شہر میں قدم رکھتا، مگر آج کے دن آپ کی شان ہی جداگانہ اور منفرد تھی، آپ پر تواضع اور خشیت کا اس قدر غلبہ تھا کہ فرطِ تواضع سے آپ کی گردن جھکی ہوئی تھی، اور اس قدر جھکی ہوئی تھی کہ آپ کی ریش مبارک کجاوے کی لکڑی سے لگ رہی تھی، حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جس وقت آپ اونٹنی پر سوار ہوکر مکے میں داخل ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا یہ وہ فتح ہے جس کا وعدہ اللہ نے مجھ سے کیا تھا، اس کے بعد آپ نے یہ سورت تلاوت فرمائی: اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ: (۱)

مکے میں داخلے کا یہ عظیم الشان تاریخی واقعہ بیس رمضان المبارک سن آٹھ ہجری کو پیش آیا، آپ نے سیاہ عمامہ باندھ رکھا تھا، آپ کے ساتھ اونٹنی پر سوار اشراف قریش میں سے کوئی نہیں تھا بلکہ آپ نے اپنے پیچھے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کو بٹھا رکھا تھا، یہ اس بات کی علامت تھی کہ خاندانی عزت ووقار اور سربلندی اسلام میں کوئی معنی نہیں رکھتی، اس موقع کی منظرکشی کرتے ہوئے شیخ محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ’’جس وقت مسلمانوں کا لشکر جرّار مکے کی جانب رواں دواں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سر مبارک پر سیاہ رنگ کا عمامہ باندھے اپنی اونٹنی پر سوار تھے، تواضع اور خشیت کا یہ حال تھا کہ آپ کا سر مبارک جھکا جاتا تھا، یہاں تک کہ وہ کجاوے سے جالگا تھا، یہ عظیم الشان جلوس جو حرم کے قلب میں پہنچنے کے لیے بے تاب تھا اس کے جوان آپ کے اشارے کے منتظر تھے، اگر آپ اشارہ فرمادیتے تو مکہ مکرمہ میں کوئی چیز محفوظ نہ رہ پاتی، یہ عظیم فتح طویل ماہ وسال پر مشتمل ماضی کے ہولناک واقعات بھی یاد دلا رہی تھی، کیسے یہاں سے کدھیڑے گئے تھے اور کس طرح آج فاتح بن کر واپس آئے ہیں، اس روشن صبح کو اللہ رب العزت نے کتنے بڑے اعزاز سے نوازا ہے، آپ جب بھی اس انعام ربانی کا تصور فرماتے آپ کی گردن مبارک تواضع اور خشیت سے اور جھک جاتی۔ (۲)

(۱) المعجم الاوسط للطبرانی: ۶/۸۵، رقم الحدیث: ۵۸۷۱۔ (۲) فقہ السیرۃ ص: ۳۷۹۔

خانۂ کعبہ میں داخلہ

جب سب لوگ اطمینان سے اپنی اپنی جگہوں پر مقیم ہوگئے، تب آپ خانۂ کعبہ کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے، اس سے پہلے آپ کا علم جو ایک روایت کے مطابق سفید اور دوسری روایت کے مطابق سیاہ تھا جون میں مسجد فتح کے قریب لہرایا گیا تھا، اس علم کا نام عقاب تھا۔(۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے بیت اللہ کا طواف کیا، آپ کے دست مبارک میں ایک چھڑی تھی، خانۂ کعبہ کے اردگرد تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے، آپ اپنی چھڑی سے ایک ایک بت کی طرف اشارہ فرماتے اور وہ اوندھے منہ زمین پر گرجاتا، اس وقت آپ کی زبان مبارک پر یہ آیت تھی: وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا. (۲) ''اور کہو کہ حق آن پہنچا اور باطل مٹ گیا، اور باطل ایسی ہی چیز ہے جو مٹنے والی ہے''۔ یہ عجیب وغریب منظر تھا، تمام معبودان باطلہ زمین پر گر رہے تھے، خدا کی وحدانیت اور عظمت کا اس سے زیادہ مؤثر منظر شاید ہی کبھی دیکھا گیا ہو کہ سینکڑوں برسوں تک جن بتوں کو حقیقی معبود سمجھ کر پرستش کی گئی وہ ایک چھڑی کے اشارے سے زمیں بوس ہوگئے، آج ان بتوں کو پوجنے والے بھی یہ ماننے پر مجبور ہوگئے کہ واقعی مٹی، پتھر اور لکڑی کے یہ بے جان پتلے مکھی تک اڑانے پر قادر نہیں ہیں، کسی کی حاجت روائی تو کیا کریں گے، جو لوگ آج بھی خدائے وحدہ لاشریک کے وجود کے معترف نہ ہوسکے وہ انا پرستی میں مبتلا تھے، ان کے دلوں پر مہر لگادی گئی تھی، ان کی عقلیں سلب کرلی گئیں تھی، ورنہ آج کا منظر ہر بھٹکے ہوئے انسان کو راہِ راست پر لانے کے لیے کافی تھا۔

خانۂ کعبہ کے اندر بھی تصویریں تھیں، ابوالانبیاء حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی خود ساختہ تصویریں دیواروں پر معلق تھیں، ان کے ہاتھوں میں جوئے کے تیر تھمائے گئے تھے، آپ نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا: اللہ ان لوگوں کو ہلاک کرے، انہیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ ان حضرات نے کبھی جوئے کے تیر نہیں چلائے، خانۂ کعبہ میں

(۱) صحیح البخاری: ۱۴۶/۵، رقم الحدیث: ۴۲۸۰، سیرت حلبیہ: ۱۸۶/۳۔ (۲) الاسراء: ۸۱۔

داخل ہونے سے قبل آپ نے دیواروں سے تمام تصویریں ہٹوادیں، ایک کبوتری کا مجسمہ بھی کعبے کے اندر موجود تھا جو لکڑی سے بنا ہوا تھا آپ نے وہ بھی تڑوا کر پھنکوادیا، اندرونی دیواروں کو اور فرش کو زم زم کے پانی سے دھویا گیا، اس کے بعد آپ اندر تشریف لے گئے۔(۱)

طواف اور استلام

آپ اونٹنی پر سوار ہو کر حرم شریف میں داخل ہوئے، اسی حالت میں آپ نے پہلے حجر اسود کو استلام کیا، کیوں کہ آپ اونٹنی پر سوار تھے اس لئے آپ نے اپنی چھڑی کے اشارے سے استلام کیا، اس کے بعد طواف کیا، طواف کے بعد آپ کوہ صفا پر تشریف لائے اور خانۂ کعبہ کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو گئے، یہاں آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور دعا مانگی، (۲) طواف سے فارغ ہو کر آپ خانۂ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ حضرات نے خانہ کعبہ کے اندر کی دیواروں کو تصویروں سے پاک کر دیا تھا، آپ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر اندر گئے، بیت اللہ میں چاروں طرف گھوم پھر کر آپ نے تکبیرات بلند کیں، اس کے بعد نماز پڑھی، حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں حضور کے باہر تشریف لانے کے فوراً بعد بیت اللہ کے اندر داخل ہوا، وہاں اس وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ موجود تھے میں نے بلال رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کہاں پڑھی تھی، انہوں نے اُس جگہ کی طرف اشارہ کر دیا جہاں آپ نے نماز پڑھی تھی، مگر میں ان سے یہ پوچھنا بھول گیا کہ آپ نے کتنی رکعت نماز پڑھی تھی، تاہم دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے دو رکعت نماز پڑھی تھی، آپ نماز کے بعد دیر تک بیت اللہ کے اندر رہے، باہر تمام صحابہ اور دوسرے لوگ آپ کا انتظار کر رہے تھے، آپ کے نکلنے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بیت اللہ کی طرف دوڑ پڑے۔(۳)

(۱) صحیح البخاری: ۵/ ۱۴۸، رقم الحدیث: ۴۲۸۸۔ (۲) صحیح مسلم باب فتح مکہ: ۳/ ۱۴۰۵، رقم الحدیث: ۱۷۸۰، سنن ابی داؤد: ۲/ ۱۷۵، رقم الحدیث: ۱۸۷۲۔ (۳) صحیح البخاری: ۵/ ۱۴۸، رقم الحدیث: ۴۲۸۹۔

باب کعبہ پر خطبہ

نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کا دروازہ کھول دیا، باہر صحنِ حرم میں لوگوں کا ہجوم تھا، ان میں صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین بھی تھے، اور قریش کے لوگ بھی تھے، سب لوگوں کو مشرکین کے بارے میں آپ کے فیصلے کا انتظار تھا کہ آپ انہیں قتل کرنے کا حکم دیتے ہیں، یا قیدی بنا کر اپنے ساتھ لے جاتے ہیں، یا معاف کر دیتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبے کی چوکھٹ پر کھڑے ہو گئے، آپ کے دونوں ہاتھ دروازے کے دونوں پٹوں پر رکھے ہوئے تھے، اسی حال میں آپ نے حاضرین کے سامنے ایک مختصر اور بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا، خطبے کا متن یہ ہے۔

عن ابنِ عُمَرَ، أَنَّ رسول الله صلى الله عليه وسلم خَطب الناسَ يومَ فتح مَكَّة، فقالَ: يَا أَيُّها الناسُ إنَّ اللهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعَاظُمَهَا بِآبَائِهَا، فَالنَّاسُ رَجُلَانِ: بَرٌّ تَقِيٌّ كَرِيْمٌ عَلى اللهِ، وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ هَيِّنٌ عَلَى اللهِ، والنَّاسُ بَنُو آدمَ، وَخَلقَ اللهُ آدمَ مِنْ تُرَابٍ.(۱)

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن لوگوں سے خطاب فرمایا: (اس میں) یہ ارشاد فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے اندر سے جاہلیت کی خو بو، اور آباواجداد پر فخر وغرور کا خاتمہ کر دیا ہے، اب بس دو طرح کے انسان ہیں، نیک، پرہیزگار، اللہ کے نزدیک مکرم ومعزز، دوسرا بدکار، بدبخت، خدا کے نزدیک ذلیل وخوار، تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور اللہ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا ہے"۔

بعض کتابوں میں اس دن کے خطبے کے یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں:

لا اله الا الله وحده لا شريك له صدق وعده ونصر عبدهٗ وهزم الاحزاب وحده. الأكل ماثرة أو دم، أو ما يدعى فهو تحت قدمي هاتين الاسدانة البيت وسقاية الحاج ألا وقتيل الخطاء شبه العمد بالسوط والعصا ففيه الدية مغلظة من الابل اربعون منها فى بطونها اولادها. يا معشر

(۱) سنن الترمذی: ۵/۳۸۹، رقم الحدیث: ۳۲۷۰۔

قریش ان اللّٰہ قد اذھب عنکم نخوۃ الجاھلیۃ وتعظمھا بالآباء الناس من ادم وادم من تراب.(۱)

”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندے کی مدد کی، اس نے دشمنوں کے تمام گروہوں کو تنہا شکست دی، آج زمانہ جاہلیت کی ہر قابل فخر بات، خون کا انتقام یا مال کا دعوی سب میرے قدموں کے نیچے ہے، (یعنی سب باطل ہے) سوائے بیت اللہ کی نگہداشت اور حاجیوں کو پانی پلانے کا کام (یہ واقعی قابل فخر کام ہیں اور آگے بھی باقی رہیں گے) یاد رکھو! اگر کوئی شخص غلطی سے لاٹھی ڈنڈے یا کوڑے کی مار سے مرجائے وہ قتلِ شبہ عمد ہے، اس کی دیت مغلظہ ہے یعنی سو اونٹ، ان میں چالیس اونٹنیاں گیابھن ہوں گی، اے قریش! اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کے غرور اور آباواجداد پر فخر کرنے کو لغو قرار دیا ہے، تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں، اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے ہیں۔

اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ، اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ.(۲)

ثم قال: یا معشر قریش ماترون انی فاعل بکم؟ قالوا: خیراً اخ کریم وابن اخ کریم. قال فانی اقول لکم کما قال یوسف لاخوتہ لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء.

”اے لوگو! حقیقت یہ ہے کہ ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں مختلف قوموں اور خاندانوں میں اس لئے تقسیم کیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو، یقین رکھو، اللہ ہر چیز کا جاننے والا اور ہر بات سے باخبر ہے“۔

اس کے بعد آپ نے قریش سے دریافت فرمایا: اے قریش کے لوگو! تمہارا کیا

(۱) سیرۃ المصطفی: ۳/ ۲۸، ۲۹۔ (۲) الحجرات: ۱۳۔

خیال ہے، میں آج تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں، انہوں نے کہا: آپ بھلائی کا معاملہ کریں گے، آپ کریم النفس بھائی اور کریم النفس بھائی کے بیٹے ہیں، آپ نے فرمایا: میں تم سے وہ بات کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی: لَا تَثْرِیبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ. ''آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہوگی'' پھر فرمایا: اذھبوا فانتم الطلقاء. جاؤ تم سب آزاد ہو۔(۱)

عام معافی کا اعلان

چند افراد کو چھوڑ کر تمام اہالیانِ مکہ کو معاف کر دیا گیا، حالاں کہ ان تمام لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعلان کے بعد کہ وہ اللہ کے نبی اور اس کے رسول ہیں آپ کو طرح طرح کی اذیتیں دی تھیں، اذیتیں دینے کا یہ سلسلہ ایک دو برس نہیں بلکہ تیرہ برس تک مسلسل چلتا رہا تھا، ایک وقت وہ آیا کہ اہل مکہ کے مظالم سے تنگ آکر آپ اپنے مخلص اور وفا دار ساتھیوں کے ساتھ ہجرت کر کے مدینے تشریف لے گئے، اس سے بڑھ کر تکلیف دہ بات کوئی دوسری نہیں ہوسکتی کہ آدمی کو اپنا وطن چھوڑ کر جانا پڑے، لیکن جب آپ فاتحانہ شان کے ساتھ مکہ مکرمہ میں دس ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ داخل ہوئے تو آپ کے دل میں انتقام کا کوئی جذبہ نہیں تھا، بدلہ لینے کی کوئی خواہش نہیں تھی، لوگ صحن حرم میں منتظر کھڑے تھے کہ دیکھیں آپ ہمارے متعلق کیا فیصلہ کرتے ہیں، بیت اللہ کے اندر سے تشریف لاکر آپ نے حاضرین سے دریافت فرمایا: لوگو! تم مجھ سے کس طرح کے سلوک کی توقع کرتے ہو، لوگوں نے عرض کیا: ہم تو خیر کی امید رکھتے ہیں، کیوں کہ آپ بذات خود شریف انسان ہیں، اور شریف انسان کے بیٹے ہیں، یعنی خود بھی اعلاظرف ہیں، کریم النفس ہیں، اور آپ جن کی اولاد ہیں وہ بھی ان صفات کے حامل انسان تھے، آپ نے ان کے اترے ہوئے چہرے دیکھے، اور بلا کسی توقف کے یہ اعلان فرمادیا، آج بدلے کا دن نہیں ہے، بدلہ اور انتقام تو دور کی بات ہے آج تو ملامت کا دن بھی نہیں ہے کہ جو تم ہمارے ساتھ کر چکے ہو ہم تمہیں اس پر سخت سست کہیں اور تمہیں تمہارے مظالم کی یاد دلاکر

(۱) سیرت ابن ہشام: ۴/۳۱۹، زاد المعاد: ۳/۲۹۵، السنن الکبری للبیہقی: ۹/۱۹۹، رقم الحدیث: ۱۸۲۷۵۔

تمہیں شرمندہ کریں، اس لئے جاؤ آج تم آزاد ہو۔

اس معافی کا وسیع مفہوم تھا، اس کا مطلب یہ تھا کہ تمہاری جان بھی محفوظ ہے، تمہارا مال بھی محفوظ ہے، جو مکانات تمہارے پاس ہیں وہ تمہارے رہیں گے، جن زمینوں کے تم مالک بنے بیٹھے ہو حسب سابق وہ تمہاری ملکیت میں رہیں گی، حتی کہ ہمارے جانے کے بعد جن غیر منقولہ جائدادوں پر تم نے غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے وہ بھی ہم تم سے نہیں لے رہے ہیں، تمہاری مرضی تم اسلام قبول کرو یا نہ کرو ہم تم پر کوئی جزیہ کوئی ٹیکس بھی نہیں لگا رہے ہیں، علماء نے لکھا ہے کہ شہر مکہ کے ساتھ جو معاملہ کیا گیا وہ دوسرے شہروں سے مختلف تھا، حالاں کہ یہ بھی مفتوح ہوا اور وہ شہر بھی فتح کئے گئے، لیکن ان کے رہنے والوں سے کہا گیا کہ تم اسلام قبول کرو، ورنہ جزیہ ادا کر کے یہاں رہو، مکہ مکرمہ اپنے تقدس اور حرمت وتوقیر کی بنا پر جداگانہ نوعیت کے فیصلوں کا مستحق تھا، اس لئے آپ نے عمومی معافی کا اعلان فرمایا اور کسی پر کسی بھی نوعیت کی کوئی پابندی عائد نہیں کی۔

کوہِ صفا پر بیعت

فتح مکہ کا دن بڑی مصروفیت اور ہماہمی کا رہا، جیسا کہ عرض کیا گیا کہ مکہ میں داخل ہونے کے بعد آپ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے، آپ نے غسل فرمایا: پھر ایک سلام سے چار رکعتیں نماز تشکر ادا کی، یہ چاشت کا وقت تھا، پھر آپ حرم میں تشریف لائے، آپ نے اونٹنی پر بیٹھ کر طواف کیا، اس کے بعد آپ نے بیت اللہ کا دروازہ کھلوایا، اندر تشریف لے جانے سے پہلے بیت اللہ کے در ودیوار سے بت ہٹوائے، آب زم زم سے دیواریں اور فرش دھویا گیا، اس کے بعد آپ اندر تشریف لے گئے، نماز ادا کی، باہر تشریف لائے، خانہ کعبہ کی چوکھٹ پر کھڑے ہو کر آپ نے ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا: اس وقت صحن حرم لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، آپ نے باستثنائے چند تمام مشرکین مکہ کو معاف کردیا، ان مصروفیات میں ظہر کا وقت ہوگیا، حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ نے خانۂ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر ظہر کی اذان دی، آپ نے نماز پڑھائی، نماز کے بعد چند رؤساء مکہ سے صحن حرم میں کچھ گفتگو بھی فرمائی، پھر آپ کوہ صفا پر تشریف لے گئے، وہاں خانۂ کعبہ کی

طرف اپنا چہرۂ مبارک کر کے کھڑے ہوئے اور دیر تک دعا میں مشغول رہے، دعا کے بعد آپ کوہِ صفا پر ہی بیٹھ گئے، یہاں مرد وزن کی بیعت کا سلسلہ شروع ہوا۔

لوگ الگ الگ یا ٹولیاں بنا کر حاضر ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کرتے، روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اسی دن حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے بھی اسلام قبول کیا، اسود بن خلف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے فتح مکہ کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ لوگوں کو بیعت کر رہے ہیں، اس وقت آپ سمرہ رضی اللہ عنہ کے گھر کے پاس تشریف فرما تھے، مرد بھی آتے، عورتیں بھی آتیں اور آپ کے دست مبارک پر بیعت کرتیں اور کلمۂ شہادت پڑھ کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتیں، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اسلام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ پر ایمان لانا، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کلمۂ شہادت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ (۱) اسی دوران ایک شخص ڈرا سہما ہانپتا کانپتا حاضر ہوا، آپ نے اس سے فرمایا کہ ڈرو مت، میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں، میں تو ایک عورت کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کھایا کرتی تھی۔ (۲)

مُجاشع بن مسعود اپنے بھائی مجالد بن مسعود کو لے کر آئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں اپنے بھائی کو لے کر حاضر ہوا ہوں، آپ ان کو ہجرت پر بیعت فرمالیجئے، آپ نے فرمایا: ہجرت انہی لوگوں کے لئے تھی جو ہجرت کر چکے ہیں، میں نے عرض کیا: اب ہم آپ سے کس بات پر بیعت کریں، آپ نے فرمایا: اسلام پر اور جہاد پر۔ (۳) بخاری شریف میں یہ روایت موجود ہے اور اس کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے کہ فتح مکہ کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **لا هجرة بعد الفتح ولكن جهادٌ ونيةٌ وإذا استنفرتم فانفروا.** ''فتح کے بعد ہجرت باقی نہیں رہی، لیکن جہاد اور نیت باقی ہے، اگر تم راہِ خدا میں نکلنا چاہو تو نکلو'' (۴) اس روایت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ہجرت جو مکہ مکرمہ سے کی جاتی تھی اب اس کی

(۱) مسند احمد: ۲۴/۱۶۱، رقم الحدیث: ۱۵۴۳۱، مستدرک حاکم: ۳/۳۳۵، رقم الحدیث: ۵۲۸۳۔ (۲) ابن ماجہ: ۲/۱۱۰۱، رقم الحدیث: ۳۳۱۲۔ (۳) صحیح البخاری: ۴/۵۰، رقم الحدیث: ۲۹۶۲۔ (۴) صحیح البخاری: ۴/۱۵، رقم الحدیث: ۲۷۸۳۔

ضرورت باقی نہیں رہی ہے؛ کیوں کہ اب اس شہر کی حیثیت بدل چکی ہے، اللہ نے اسلام کو سربلندی عطا فرمادی ہے اور لوگ جوق درجوق اس دین میں داخل ہورہے ہیں، البتہ دارِ کفر سے دارِ اسلام یا دارِ امن کی طرف ہجرت کرنے کا سلسلہ قیامت تک باقی رہے گا، اگر کوئی شخص کسی ایسی جگہ رہ رہا ہو جہاں وہ اپنے دینی شعائر پر آزادی کے ساتھ عمل نہیں کرسکتا اسے چاہئے کہ وہ اس جگہ کو چھوڑنے کی کوشش کرے، یہ بھی ہجرت ہی ہے اگرچہ مقام ومرتبے میں اور اجر وثواب میں اس ہجرت سے کم ہے جو اسلام کے ابتدائی دنوں میں مکے سے حبشے اور مدینے کی طرف کی گئی، یہ ایسا ہی ہے جیسے جہاد اور انفاق فی سبیل اللہ کی مشروعیت ابھی بھی باقی ہے، لیکن اگر یہ دونوں عمل فتح مکہ سے قبل کئے گئے ہیں تو ان کا اجر وثواب فتح مکہ کے بعد کئے جانے والے اعمال کے مقابلے میں زیادہ ہے، اس سلسلے میں قرآن کریم کی یہ آیت بہ طور دلیل پیش کی جاسکتی ہے: وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ لَا يَسْتَوِىْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ. (۱) ’’اور تمہارے لئے کون سی وجہ ہے کہ تم اللہ کے راستے میں خرچ نہ کرو، حالاں کہ آسمانوں اور زمین کی ساری میراث اللہ ہی کے لئے ہے، تم میں سے جنہوں نے (مکہ کی) فتح سے پہلے خرچ کیا اور لڑائی لڑی، وہ (بعد والوں کے) برابر نہیں ہیں، وہ درجے میں ان لوگوں سے بڑھے ہوئے ہیں جنہوں نے (فتح مکہ کے) بعد خرچ کیا، اور لڑائی لڑی، یوں اللہ نے بھلائی کا وعدہ سب سے کر رکھا ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے‘‘۔

روایات میں ہے کہ مردوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام پر اور اللہ ورسول کی اطاعت پر بیعت لی، مردوں کے بعد عورتیں حاضر خدمت ہوئیں، آپ نے ان کو بھی بیعت فرمایا، قریش کی جو خواتین اس وقت بیعت کے لئے حاضر ہوئیں ان میں یہ چند نام قابل ذکر ہیں: ام ہانی رضی اللہ عنہا بنت ابی طالب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ، ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت

(۱) الحدید: ۱۰۔

عاص بن امیہ عمرو بن عبدود عامری کی بیوی، اروی بنت ابی العیص، عتاب بن اُسید کی پھوپھی، عاتکہ بنت ابی العیص، ہند بنت عتبہ اہلیہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ والدہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے بیعت کرتے ہوئے مصافحہ نہیں فرمایا، یعنی اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں نہیں دیا، کیوں کہ آپ کسی غیر عورت کو چھوتے نہیں تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ کبھی کسی (نامحرم) عورت کے ہاتھ سے مس نہیں ہوا۔(۱) آپ خواتین سے صرف زبانی کلمات کے ذریعے بیعت فرمایا کرتے تھے، آپ کا ارشاد تھا کہ میرا ایک عورت سے کچھ کہنا ایسا ہی ہے جیسے میں سو عورتوں سے کچھ کہہ رہا ہوں۔(۲) بعض اوقات آپ خواتین کو رومال کا ایک سرا پکڑا دیتے اور اس کا دوسرا سرا خود تھام لیتے، اس طرح ان کو بیعت فرماتے، کبھی ایسا ہوتا کہ کسی پیالے میں پانی بھروا لیتے اور اس میں اپنا دست مبارک داخل فرماتے، پھر خاتون سے فرماتے کہ وہ اس پیالے میں اپنا ہاتھ ڈال کر اس کو گیلا کرے۔(۳)

بہ ہر حال آپ نے آج کے دن متعدد خواتین کو بیعت فرمایا اور ان سے وہ الفاظ کہلوائے جو عورتوں کی بیعت کے سلسلے میں نازل شدہ آیت کریمہ میں موجود ہیں، ارشاد ربانی ہے: يَآيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (۴) ''اے نبی! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کے لئے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہیں کریں گی، اور چوری نہیں کریں گی، اور زنا نہیں کریں گی، اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی اور نہ کوئی ایسا بہتان باندھیں گی جو انہوں نے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان گھڑ لیا ہو، اور نہ کسی بھلے کام

(۱) صحیح البخاری: ۶/ ۱۵۰، رقم الحدیث: ۴۸۹۱، صحیح مسلم: ۳/ ۱۴۸۹، رقم الحدیث: ۱۸۶۶۔ (۲) البدایہ والنہایہ: ۴/ ۳۱۹۔
(۳) تفسیر قرطبی: ۱۸/ ۷۱۔ (۴) الممتحنۃ: ۱۲۔

میں تمہاری نافرمانی کریں گی تو تم ان کو بیعت کرلیا کرو، اور ان کے حق میں اللہ سے مغفرت کی دعا کیا کرو، یقیناً اللہ بہت بخشنے والا بہت مہربان ہے"۔

رؤساءِ مکہ کا قبول اسلام

فتح مکہ کے دن اور اس کے بعد بھی مکہ مکرمہ کے ذمہ دار لوگوں، اور مختلف قبیلوں اور خاندانوں کے سربراہوں نے اسلام قبول کرنے کے لئے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضری دی، اور اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہوئے، ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جنہوں نے مکی زندگی میں آپ ﷺ کی کوئی مخالفت نہیں کی تھی، نہ کبھی آپ کو کوئی تکلیف پہنچائی تھی نہ کبھی برا کہا تھا، بس وہ اس وقت اسلام کی دعوت پر لبیک نہ کہہ سکے تھے، اور وہ لوگ بھی شامل تھے جن کا کام ہی حضور ﷺ کی مخالفت کرنا تھا، اگر بات صرف مخالفت ہی کی ہوتی تب بھی کوئی حرج نہ تھا، مخالفت دشمنی میں تبدیل ہوئی اور دشمنی ظلم وستم تک لے گئی، آج مکہ فتح ہو گیا، آپ چاہتے تو اپنے مخالفین سے اور دشمنوں سے دل کھول کر بدلہ لیتے، لیکن دو چار لوگوں کے علاوہ آپ نے سب کو معاف فرمادیا، یہ دو چار بھی وہ لوگ ہیں جنہوں نے فتح کے بعد کے حالات میں بھی تعنت اور سرکشی کا راستہ اختیار کئے رکھا، اگر وہ چاہتے تو آپ انہیں بھی معاف فرمادیتے، کیوں کہ آپ کے دل میں بندگانِ خدا کے لئے رحم ہی رحم تھا، شفقت ہی شفقت تھی، جو لوگ بھی نادم ہو کر معافی کے خواستگار ہوئے آپ نے انہیں معاف فرمادیا، کٹر سے کٹر دشمن کو معافی دے دی، اور اس کی معذرت قبول فرمالی، بلکہ آپ نے اس کے ساتھ حسن سلوک بھی کیا، ذیل میں چند اہم لوگوں کے قبول اسلام کے واقعات پیش کئے جارہے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو مکہ مکرمہ کی اہم شخصیات میں شمار کئے جاتے تھے، معاشرے پر ان کے گہرے اثرات تھے اور وہ لوگ سماجی زندگی میں نہایت معتبر سمجھے جاتے تھے۔

فتح مکہ کے بعد دوسرا خطبہ

فتح مکہ کے دن رسول اکرم ﷺ نے کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر ایک اور خطبہ ارشاد فرمایا، اس سے قبل ایک خطبہ آپ نے باب کعبہ پر ارشاد فرمایا تھا، یہ دونوں خطبے نہایت مہتم

بالشان ہیں، اور فقہاء نے ان سے بے شمار مسائل کا استنباط کیا ہے، پہلے خطبے میں آپ نے عالی نسبی پر اور خاندانی وجاہت پر فخر کرنے کی مخالفت فرمائی تھی اور دیت مغلظہ اور دیت غیر مغلظہ کی تعیین فرمائی تھی، اور تمام مشرکین مکہ کو معاف فرما کر عفو ودرگزر کی ایک اعلا مثال قائم کی تھی، دوسرے خطبے کا مرکزی موضوع مکہ مکرمہ کی حرمت اور اس کا تقدس ہے، اس کے ضمن میں کئی اور باتیں بھی ارشاد فرمائی ہیں، جن سے محدثین اور فقہاء نے مختلف مسائل میں استدلال کیا ہے۔

دوسرا خطبہ ارشاد فرمانے کی وجہ یہ ہوئی جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ فتح کے بعد بنوخزاعہ کے ایک شخص نے بنولیث کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا، شارحین حدیث نے قاتل اور مقتول دونوں کے نام لکھے ہیں اور وجہ قتل بھی بیان کی ہے، قبیلۂ خزاعہ کے جس شخص نے قتل کیا اس کا نام خراش بن امیہ خزاعی تھا اور اس نے جس شخص کو قتل کیا اس کا نام ابن الاثوع الہذلی تھا، اس کا تفصیلی واقعہ ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سیرت میں ابن اسحاق کے حوالے سے لکھا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ احمر نامی ایک شخص بڑا بہادر تھا، اگر اس کے قبیلے پر حملہ ہوتا تو لوگ اسے پکارتے، وہ پکار سن کر شیر کی طرح دھاڑتا ہوا اٹھتا، اور حملہ آوروں کے سامنے ڈٹ کر کھڑا ہو جاتا، پھر اس کے سامنے کوئی ٹھہر نہیں سکتا تھا، ایک دن قبیلۂ ہذیل کے کچھ لوگوں نے احمر پر جب کہ وہ سو رہا تھا حملہ کر دیا اور اسے ہلاک کر ڈالا، قبیلۂ خزاعہ کے لوگوں کے لیے یہ ایک زبردست نقصان تھا، اتفاق سے فتح کے موقع پر خزاعہ والوں کو وہ شخص نظر آ گیا جس نے احمر کو قتل کیا تھا، ابھی تک اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، خزاعہ کے لوگوں نے اسے گھیر لیا اور اس کے پیٹ میں تلوار گھونپ کر اسے قتل کر دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی گئی، آپ سخت ناراض ہوئے، لوگوں کو کوہِ صفا پر جمع کیا، اور حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا: **إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ مَكَّةَ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ والْأَرْضَ، فَهِيَ حَرَامٌ بِحَرَامِ اللّٰهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي وَلَا تَحِلُّ لِأَحَدٍ بَعْدِي، وَلَمْ تَحْلِلْ لِي إِلَّا سَاعَةً مِنَ الدَّهْرِ، لَايُنَفَّرُ صَيْدُهَا، وَلَا يُعْضَدُ شَوْكُهَا، وَلَا يُخْتَلَى خَلَاهَا، وَلَا تَحِلُّ لُقَطَتُهَا إِلَّا لِمُنْشِدٍ. فَقَالَ**

الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ: إِلَّا الإِذْخِرَ يَارَسُولَ اللّٰهِ، فَإِنَّهُ لَا بُدَّ مِنْهُ لِلْقَيْنِ وَالْبُيُوتِ، فَسَكَتَ ثُمَّ قَالَ: إِلَّا الإِذْخِرَ، فَإِنَّهُ حَلَالٌ.(۱)

''اللہ تعالیٰ نے جس دن زمین وآسمان پیدا کئے اسی دن سے مکے کو حرمت والا قرار دیا، وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ حرمت کی وجہ سے تاقیامت حرمت والا رہے گا، مجھ سے پہلے بھی کسی کے لئے حلال نہیں ہوا اور نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال رہے گا، میرے لئے صرف ایک گھڑی بھر حلال ہوا، لہٰذا مکے کے جانور کو نہ چھیڑا جائے، وہاں کا درخت نہ کاٹا جائے، وہاں کی گھانس نہ کاٹی جائے، وہاں کی پڑی ہوئی چیز بھی اٹھانا جائز نہیں، البتہ جو اس پڑی ہوئی چیز کے مالک کو ڈھونڈتا ہے اس کے لئے جائز ہے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے (یہ احکام سن کر) عرض کیا: یارسول اللہ! اذخر گھانس کاٹنے کی اجازت دے دیجئے، سناروں اور گھروں کے لئے اس کی ضرورت پیش آتی ہے، یہ سن کر آپ خاموش رہے پھر فرمایا اذخر کی اجازت ہے''۔

بخاری ہی کی دوسری روایت میں یہ خطبہ ان الفاظ میں ہے: إن الله حبس عن مكة القتل أو الفيل الخ.(۲) ''بے شک اللہ تعالیٰ نے مکّے سے قتل کو یا فیل (ہاتھی) کو روک دیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان مکّے والوں پر مسلط کئے گئے ہیں، مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں، نہ میرے بعد حلال ہے، یاد رکھو میرے لئے بھی ایک گھڑی دن کے لئے مکہ حلال ہوا، مگر اب حرام ہے، یہاں کے کانٹے کا کاٹنا بھی حرام ہے، یہاں کے درخت نہ کاٹے جائیں، یہاں کی پڑی ہوئی چیز نہ اٹھائی جائے، ہاں اگر کوئی شخص وہ چیز اٹھا کر اس کے مالک تک پہنچانا چاہے اس کے لئے جائز ہے، جس کا کوئی عزیز مارا جائے اسے دو میں سے ایک کا اختیار ہے یا تو دیت لے یا قصاص، یعنی قاتل مقتول کے وارثوں کے حوالے کیا جائے، اتنے میں یمن والوں میں سے ایک شخص آیا اس نے عرض کیا یارسول اللہ آپ نے جو باتیں بیان فرمائیں وہ مجھے لکھ کر دے دیں، آپ نے فرمایا: اسے لکھ کر دے دو، قریش کے ایک شخص نے عرض کیا: اذخر کے کاٹنے کی تو اجازت دیجئے،

(۱) صحیح البخاری: ۵/۱۵۳، رقم الحدیث: ۴۳۱۳۔ (۲) صحیح البخاری: ۱/۳۳، رقم الحدیث: ۱۱۲۔

کیوں کہ ہم اسے گھروں اور قبروں میں استعمال کرتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا اذخر معاف ہے، اذخر معاف ہے''۔

بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے سو اونٹ اس شخص کی دیت ادا فرمائی جس کو خزاعہ والوں نے قتل کر دیا تھا۔(۱)

صنم خانوں کا انہدام

مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کے اطراف میں قائم مشہور صنم خانوں میں رکھے ہوئے بتوں کو توڑنے کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی قیادت میں سرایا روانہ فرمائے، مکہ مکرمہ میں بھی آپ نے یہ اعلان فرمایا: من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الآخر فلا یدعن فی بیتہ صنماً.(۲) ''جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے گھر میں کوئی بت باقی نہ چھوڑے''۔ چناں چہ لوگوں نے اپنے اپنے گھروں سے پتھر اور لکڑی سے تراشے ہوئے چھوٹے اور بڑے بتوں کو توڑ کر پھینک دیا، اس طرح تمام مکہ بتوں سے پاک ہوگیا، اس کے بعد آپ نے مکہ مکرمہ کے اطراف میں واقع قبائل کی طرف توجہ فرمائی، بعض مقامات پر بڑے بڑے بت ایستادہ کئے گئے تھے، لوگ ان کا طواف کرتے تھے اور ان کے آگے سجدہ ریز ہوا کرتے تھے، آپ نے صحابہ کو بھیج کر وہ تمام بت گرا دئے، اس طرح اس سرزمین کو بتوں کی پوجا سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پاک کر دیا۔

خالد بن ولید نے عزّیٰ بت توڑا

رمضان المبارک کی چھبیس تاریخ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تیس گھڑ سواروں کو بھیجا کہ وہ وادیٔ نخلہ میں جا کر عزّیٰ نامی بت کو توڑ کر آئیں، وہ حکم کی تعمیل کر کے واپس آگئے، آپ نے ان سے دریافت فرمایا: تم نے وہاں کچھ دیکھا، انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم نے کچھ نہیں دیکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) سیرت ابن ہشام: ۴/۳۴۴۔ (۲) أخبار مکہ للأزرقی: ۱/۱۲۳۔

نے فرمایا: تب تم نے اس بت کو نہیں توڑا، یہ بات سن کر خالد بن ولید دوبارہ وہاں گئے، وہ تلوار نیام سے نکال کر کھڑے ہی ہوئے تھے کہ اچانک ایک کالی عورت نکلی جو برہنہ بدن تھی اور اس کے سر کے بال بکھرے ہوئے تھی، بت خانے کا پجاری اس عورت کو دیکھ کر چیخنے چلانے لگا، حضرت خالد نے تلوار کی ضرب سے اس کے دو ٹکڑے کر دئے، واپس مکہ پہنچ کر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پورا واقعہ عرض کیا، آپ نے فرمایا وہ عزّیٰ تھی، آج کے بعد تمہارے دیار میں اس کی پرستش نہ ہوگی، بطن نخلہ میں بنو کنانہ کی رہائش تھی، بنو شیبان اس بت خانے کے خادم تھے، یہ علاقہ اس وقت مکّے سے ایک رات کے فاصلے پر تھا، اب مکّے میں شامل ہو چکا ہے، یہ وہ جگہ ہے جہاں طائف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی پر جنوں کے ایک قافلے نے قرآن کی سماعت کی تھی۔(۱)

ہُذَیل کا بت سُواع

اس بت کو توڑنے کے لئے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا گیا، یہ جگہ مکہ مکرمہ سے تین میل کے فاصلے پر تھی، جس وقت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے، سُواع کا خادم اور پجاری وہاں موجود تھا، اس نے پوچھا: تم یہاں کس لئے آئے ہو، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمہارے اس بت کو توڑنے کے لئے آیا ہوں، اس نے پورے اعتماد سے کہا کہ تم اس کو توڑ نہیں سکتے، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیوں! پجاری نے کہا: سواع معبود تمہیں ایسا کرنے ہی نہیں دے گا، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: حیرت ہے تم اب تک معبودانِ باطلہ کی پرستش پر مصر ہو، جب کہ نہ یہ دیکھتے ہیں اور نہ سنتے ہیں، یہ کہہ کر وہ اس کے قریب گئے اور اسے پاش پاش کر دیا، کچھ بھی نہ ہوا، انہوں نے مجاور سے پوچھا: بتلاؤ کیا ہوا، تمہارے بت نے کوئی مزاحمت کی، خود کو ٹوٹنے سے بچایا، ہمیں کچھ ہوا، پجاری یہ منظر دیکھ کر مسلمان ہو گیا، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے بت کے نیچے خزانہ بھی تلاش کرنے کی کوشش کی، مگر انہیں کچھ نہ ملا۔(۲)

(۱) زاد المعاد: ۳/ ۳۰۰، ۳۰۱، طبقات ابن سعد: ۲/ ۱۴۵، ۱۴۶۔ (۲) زاد المعاد: ۳/ ۳۰۱، طبقات ابن سعد: ۲/ ۱۴۷۔

قُدَید کا بت مَنات

مکہ مکرمہ سے ایک سو پچاس کلو میٹر کے فاصلے پر وادیِ قُدَید واقع ہے، یہاں کے بت کدے میں مَنات نامی بت رکھا ہوا تھا، اَوس، خزرج اور عسفان وغیرہ قبائل کی عقیدتیں اس بت سے وابستہ تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس سواروں کے ساتھ حضرت سعد بن زید اشہلی رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا، یہ لوگ وہاں پہنچے بت کے پاس ایک پجاری موجود تھا، اس نے آمد کی وجہ پوچھی، سعد نے کہا کہ ہم منات کو توڑنے کے لئے آئے ہیں، اس نے کہا: تم جو چاہو کرو، سعد آگے بڑھے، جیسے ہی اس کے قریب پہنچے ایک ننگی کالی عورت جس کے بال بکھرے ہوئے تھے سامنے آگئی جو سینہ کوبی کر رہی تھی اور شور مچا رہی تھی، سعد نے تلوار کے ایک ہی وار سے اس عورت کے دو ٹکڑے کر دئے، پھر منات کی طرف گئے، اس کو گرا کر پاش پاش کر دیا، مگر اس کے خزانے میں بھی کچھ نہ ملا۔(۱)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بنی جُذیمہ میں

شوال المکرّم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سو افراد پر مشتمل ایک دستہ بنو جزیمہ کی طرف روانہ کیا، یہ خالص دعوتی مہم تھی، ان حضرات کو قتال کا حکم نہیں دیا گیا تھا، بنو جزیمہ مکہ مکرمہ کے نشیب میں مشرق کی جانب رہائش پذیر تھے، بعض حضرات نے انہیں بنی عبد القیس کی ایک شاخ قرار دیا ہے اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ بنی کنانہ کی اولاد میں سے ہیں۔

لوگوں نے خالد بن ولید اور ان کے ساتھیوں کو دیکھا تو ہتھیار نکال کر کھڑے ہو گئے، خالد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سارا مکہ ایمان لا چکا ہے، تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ ہتھیار پھینک دو اور اسلام لے آؤ، ان میں ایک شخص تھا جدم، اس نے اپنی قوم کو آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ہے، یہ شخص یا تو ہمیں گرفتار کر کے لے جائے گا یا ہمیں قتل کر دے گا، خدا کی قسم میں تو ہتھیار نہیں رکھوں گا، بنو جزیمہ کے کچھ افراد نے اسے

(۱) زاد المعاد: ۳/۳۰۱، طبقات ابن سعد: ۲/۱۴۷۔

سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ حرکت مت کرو، اس سے بلا فائدہ ہمارا خون بہے گا، لوگ اسلام لا چکے ہیں، جنگ ختم ہو چکی ہے، لوگ امن کے ماحول میں زندگی گزار رہے ہیں، لوگوں کے سمجھانے سے وہ بھی ہتھیار رکھنے پر راضی ہو گیا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، لیکن وہ لوگ اسلام کا اقرار ٹھیک سے نہ کر سکے اور اَسْلَمْنَا (ہم نے اسلام قبول کیا) کے بجائے انہوں نے صَبَأْنَا صَبَأْنَا (ہم نے اپنا دین بدل لیا) کہا، قریش اسلام قبول کرنے والے کے لئے اسلم کے بجائے صبأ کا لفظ بولا کرتے تھے، اس لئے یہ لوگ بھی صبأنا کہنے لگے اور یہ سمجھے کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان کے اس لفظ کو قبولِ اسلام کے لئے کافی نہ سمجھا، اور ان کے اس عمل کو تعنت اور سرکشی پر محمول کیا، ردّعمل کے طور پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان کو ساتھیوں کے حوالے کر دیا کہ ہر شخص ایک ایک قیدی اپنے پاس رکھے اور جہاں موقع ملے اسے قتل کر دے۔

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ حضرات نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی یہ بات نہیں مانی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے کی خبر ہوئی تو آپ بہت ناراض ہوئے اور فرمایا: اللّٰهم إني ابرأ اليك مما صنع خالد. ''اے اللہ میں خالد کی اس حرکت سے براءت کا اظہار کرتا ہوں''۔

اس واقعے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بنو جزیمہ کے پاس بھیجا، انہوں نے تحقیق کر کے ایک ایک فرد کی دیت ادا کی، دیت ادا کرنے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ کافی مال لے کر گئے تھے، تمام مقتولین کی دیت ادا کرنے کے بعد بھی کافی مال بچ رہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ مال بھی انہی لوگوں میں تقسیم کر دیا، واپس آ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی کارگزاری سنائی تو آپ بے حد خوش ہوئے اور فرمایا: اصبت واحسنت تم نے درست فیصلہ کیا، تم نے اچھا کیا۔(۱)

(۱) صحیح البخاری: ۵/۱۶۰، رقم الحدیث: ۴۳۳۹، فتح الباری: ۸/۵۷، ۵۸، عمدة القاری: ۲۲/۳۰۰۔

فتح مکہ ایک عظیم کامیابی

فتح مکہ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کا ایک اہم ترین غزوہ ہے اور اس میں ملنے والی کامیابی تمام کامیابیوں سے بڑھ کر ہے، اس کے ذریعے پورے جزیرۃ العرب میں اور اس سے متصل علاقوں میں مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی اور اسلام کی اشاعت کا کام آسان ہو گیا، فتح مکہ کے ذریعے جو نتائج حاصل ہوئے انہیں مختصراً اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے۔

۱- فتح مکہ کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ اس کے ذریعے اللہ کا گھر بتوں سے پاک ہو گیا، سینکڑوں سال سے یہاں بتوں کی پوجا ہو رہی تھی، حرم کے اطراف میں بڑے بڑے بت رکھے گئے تھے، خود خانۂ کعبہ کے اندر تین سو ساٹھ بت تھے، ہر قبیلے کا اور ہر بڑے گھرانے کا مخصوص بت تھا، ان کی تعداد دن بہ دن بڑھ رہی تھی، حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے بیت اللہ کی تعمیر اللہ کی عبادت کے لئے کی تھی، ان کی اولاد نے اور ان کے ماننے والوں نے اس کو شرک کی آماج گاہ بنا دیا، فتح مکہ سے بیت اللہ اپنے اصل اور بنیادی مقصد کی طرف واپس آیا، اس سے بڑی کامیابی اور کونسی ہو سکتی ہے۔

۲- مکہ صدیوں سے عرب کا تجارتی، مذہبی اور سیاسی مرکز بنا ہوا تھا، اور اس مرکز پر مشرکین قابض تھے، اس فتح کے ذریعے عرب کے سب سے بڑے دینی، تجارتی اور سیاسی مرکز پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا، مشرکین کی طاقت ریزہ ریزہ ہو گئی، اسلام اور مسلمانوں کا بول بالا ہوا، جو لوگ اسلام کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا تھے اور مسلمانوں کو کم زور سمجھنے کی غلطی کر رہے تھے اس فتح نے ان کی غلط فہمی بھی دور کر دی، کل تک قریش ایک بڑی طاقت سمجھے جاتے تھے، آج رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کو تمام طاقتوں کا مرکز ومحور سمجھا جانے لگا۔

۳- فتح مکہ کے بعد قریش اور عرب کے دوسرے قبائل نے اسلام قبول کیا، جو لوگ کل تک قبائلی نظام کا پابند تھے اور ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے تھے وہ ایک خدائی نظام کے پابند ہو گئے، جو لوگ کل تک مختلف گروہوں میں تقسیم تھے وہ رسول اکرم ﷺ کی قیادت میں ایک قوم بن گئے، کل تک جو قافلہ چند نفوس پر مشتمل تھا آج وہ لاکھوں افراد کے قافلے

میں تبدیل ہو گیا، یہ بھی عجیب بات ہے کہ یہ عظیم فتح کسی جنگ کے بغیر حاصل ہو گئی۔

غزوۂ حنین

یہ غزوہ بھی تاریخ اسلام کا نہایت معرکۃ الآراء غزوہ ہے، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں حنین کے لوگوں کے ساتھ اوطاس کے مقام پر ہوا، حُنین طائف کے قریب ایک جگہ ہے، مکہ مکرمہ سے اس کا فاصلہ ستائیس کلو میٹر ہے، عرب کا مشہور ادبی اور ثقافتی میلہ ذوالمجاز وادیِ حنین کے آس پاس ہی منعقد ہوا کرتا تھا، وادی حنین کے اطراف میں قبیلۂ ہوازِن اور قبیلۂ ثقیف کی بڑی بڑی آبادیاں تھیں۔

غزوۂ حنین کا پس منظر یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد قبیلۂ ہوازن اور قبیلۂ ثقیف کو یہ ڈر ستانے لگا کہ مکہ تو مسلمانوں کے قبضے میں جا چکا ہے اور وہاں کے لوگوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت تسلیم کر لی ہے، اب یقینی طور پر محمد اور ان کے رفقاء ہم سے لڑنے کے لئے آئیں گے، بہتر یہ ہوگا کہ ان کے آنے سے پہلے ہم خود ان پر یلغار کر دیں، مشورہ ہوا اور یہ دونوں قبائل اس بات پر متفق ہو گئے کہ مسلمانوں پر حملہ کر دیا جائے، مالک بن عوف النصری کی قیادت میں تیاریاں شروع ہو گئیں، یہ ایک نوجوان شخص تھا اور نہایت جذباتی بھی تھا، اس نے فیصلہ کیا کہ ان کے ساتھ عورتیں اور بچے بھی چلیں گے، بلکہ جانور بھی ساتھ ہوں گے تاکہ کوئی شخص مال اور اولاد کو چھوڑ کر میدان جنگ سے فرار نہ ہو سکے، مالک بن عوف نے ہوازن اور ثقیف کے ساتھ بنو سعد، بنو نصر، بنو حشیم کو بھی متحد کر دیا تھا، ان لوگوں نے اپنے ساتھ دُرَید بن الصَّمة کو بھی لیا۔ حالاں کہ یہ شخص بوڑھا ہو چکا تھا، اور بینائی سے بھی محروم تھا، کہتے ہیں اس کی عمر ڈیڑھ سو سال سے تجاوز کر چکی تھی، مگر نہایت عقل مند، صاحبِ رائے اور تجربہ کار شخص تھا، اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ اس کو ساتھ رکھا جائے اور حسب ضرورت اس کے مشورے پر عمل کیا جائے، وادئ اوطاس میں پہنچ کر یہ قافلہ رکا، درید نے پوچھا یہ کونسی جگہ ہے، اسے بتلایا گیا کہ یہ جگہ وادی اوطاس ہے، درید نے کہا کہ یہ جگہ جنگ کے لئے بہت اچھی ہے، نہ بہت سخت ہے کہ چلنا دوبھر ہو، نہ اتنی نرم ہے کہ زمین میں پاؤں دھنسیں، مگر میں یہ کیسی آوازیں سن رہا ہوں، اونٹ بلبلا رہے ہیں، گدھے ہنہنا رہے ہیں،

بکریاں ممنارہی ہیں، اور بچے رورہے ہیں، اسے بتلایا گیا کہ مالک بن عوف کے حکم پر عورتوں، بچوں اور مویشیوں کو ساتھ لے لیا گیا ہے، اس نے کہا مالک بن عوف کو بلاؤ، مالک آیا، درید نے اس سے کہا کہ قوم کی قیادت اس وقت تیرے ہاتھ میں ہے اور یہ ایک فیصلہ کن وقت ہے، میں یہ کیسی آوازیں سن رہا ہوں، اس نے جواب دیا: میں نے اس خیال سے بچوں کو اور مویشیوں کو ساتھ لے لیا ہے تا کہ کوئی شخص ان کو چھوڑ کر فرار نہ ہوسکے، درید نے کہا شکست خوردہ لوگ یہ سب کچھ کہاں دیکھتے ہیں، اگر تمہیں فتح ہوئی تو مردوں اور تلواروں کے زور پر ہوگی، اور شکست ہوئی تو عورتیں اور بچے تمہیں مصیبت میں ڈال دیں گے، اس لئے میری رائے یہ ہے کہ عورتوں اور بچوں اور مویشیوں کو کسی محفوظ جگہ پر چھوڑ دے، پھر مرد گھوڑوں پر سوار ہوکر آگے بڑھیں، اگر فتح ہوئی تو یہ اہل وعیال تمہیں مل جائیں گے اور شکست ہوئی تو تم بچو نہ بچو تمہارے بیوی بچے تو بچ جائیں گے، مالک نے کہا درید! تم بوڑھے ہوچکے ہو، تمہاری عقل سٹھیا گئی ہے، حالاں کہ قوم کے لوگ درید کی رائے سے متفق تھے مگر مالک نے یہ کہہ کر انہیں اپنا ہم نوا کرلیا کہ اگر تم نے میری رائے سے اتفاق نہ کیا تو میں خودکشی کرلوں گا۔(۱)

اوطاس میں دشمنوں کا پڑاؤ

مالک بن عوف کی فوج اوطاس میں پہنچ کر ٹھہر گئی، یہ بھی ایک وادی ہے، مکہ مکرمہ سے اس کا فاصلہ تقریباً پندرہ کلومیٹر ہے، جس غزوے کا یہ ذکر ہے اس کو غزوۂ حنین بھی کہا جاتا ہے، کیوں کہ اس میں وادی حنین کے اطراف میں رہنے والے قبائل نے شرکت کی تھی، اس کو غزوۂ اوطاس بھی کہا جاتا ہے کیوں کہ یہ جنگ وادی اوطاس میں لڑی گئی، اسے غزوۂ ہوازن بھی کہا گیا ہے کیوں کہ اس جنگ میں بنی ہوازن پیش پیش تھے۔

دشمن مکہ مکرمہ پر حملہ کرنے کے ارادے سے نکلا، ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکے ہی میں قیام پذیر تھے، قبائل ہوازن وثقیف کی سرگرمیوں کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپ نے تحقیق حال کے لئے حضرت عبد اللہ بن اَبی حدرد الاسلمی رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا،

(۱) سیرت ابن ہشام: ۴/ ۳۳۹، ۳۴۰۔

ابو حدرد اوطاس پہنچے، کچھ وقت ان لوگوں کے ساتھ رہے اور مکمل معلومات لے کر واپس مکے آئے، مالک کا لشکر تقریباً بیس ہزار افراد پر مشتمل تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ مکے میں دشمن کا انتظار کرنے کے بجائے بہتر یہ ہوگا کہ ان کا مقابلہ ان کے ٹھکانے پر ہی کیا جائے، آپ کو بتلایا گیا کہ صفوان بن امیہ کے پاس آلات حرب بہت ہیں، آپ نے ان سے سو زرہیں عاریۃً طلب فرمائیں، وہ ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، انہوں نے سو زرہیں اور ان سے متعلق ضروری ساز وسامان رسول اللہ کی خدمت میں پیش کر دیا، آپ دس ہزار صحابہ کو جو مدینے سے آئے تھے اور دو ہزار اہل مکہ کو جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے ساتھ لے کر حنین اور اوطاس کی طرف روانہ ہوئے، شوال کی پانچ تاریخ تھی۔(۱)

دشمن کا اچانک حملہ

مخالف فوج کے قائد؛ مالک نے اپنے لوگوں سے کہا کہ جب تمہاری نظر مسلمانوں پر پڑے تو تم اپنی اپنی کاٹھیاں (لکڑی کی بنی ہوئی نشست گاہیں) توڑ کر پھینک دینا، اور دشمن پر یک بارگی حملہ کرنا، اس نے حالات کا جائزہ لینے کے لیے بھی کچھ لوگوں کو مکے کی طرف بھیجا تھا، وہ لوگ اس حالت میں واپس مالک کے پاس پہنچے کہ ان کا پورا بدن خوف کی وجہ سے کانپ رہا تھا، مالک نے پوچھا: تمہارا یہ حال کیسے ہوا، انہوں نے بتلایا کہ کچھ سفید پوش لوگ ابلق گھوڑوں پر سوار ہیں، ان کو دیکھ کر ہی ہماری یہ حالت ہوئی ہے۔

مسلمانوں کا لشکر پانچ شوال کو مکے سے روانہ ہوا، دس شوال کو اوطاس کے قریب پہنچ گیا، سہ پہر کا وقت تھا، آپ نے ظہر کی نماز جماعت سے ادا فرمائی، مخبروں نے آکر بتلایا کہ دشمن اپنے مویشیوں سمیت حنین کی پہاڑیوں میں چھپا ہوا ہے، آپ یہ سن کر مسکرائے اور فرمایا یہ سب کچھ مسلمانوں کو مال غنیمت میں مل جائے گا ان شاء اللہ، ۱۳/شوال کا واقعہ ہے کہ سونے سے قبل آپ نے گھاٹیوں پر پہرے دار متعین فرمائے تا کہ دشمن شب خوں نہ مار سکے، اگلے دن صبح کو دشمن سے مڈبھیڑ ہونے کی پوری توقع تھی،

(۱) البدایہ والنہایہ: ۴/۳۲۴، سنن الصغیر للبیہقی: ۲/۳۱۰، رقم الحدیث: ۲۱۱۹، المستدرک للحاکم: ۳/۵۱، رقم الحدیث: ۴۳۶۹۔

مسلمانوں کو مکمل یقین تھا کہ دشمن کو شکست ہوگی، غالب گمان یہ تھا کہ دشمن بغیر لڑے ہی پسپا ہو جائے گا، مسلمانوں کی یہ امید اور یہ گمان غلط نہ تھا کیوں کہ آج تو خیر بڑی تعداد میں مسلمان دشمن کو روکنے کے ارادے سے نکلے تھے، انہوں نے تو اس وقت بھی کامیابی کا علم لہرایا تھا جب ان کی تعداد دشمن کے مقابلے میں بہت کم تھی اور وسائل بھی انتہائی محدود تھے۔

اپنی طاقت اور تعداد کو دیکھ کر بعض مسلمانوں کی زبان پر یہ الفاظ آ گئے ''آج ہم افراد کی کمی کی وجہ سے ناکام ہونے والے نہیں ہیں'' مگر اللہ تعالیٰ کو یہ تکبر، غرور اور اعجابِ نفس پسند نہیں آیا، پہلے ہی مرحلے میں مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے، ان کا شیرازہ بکھر گیا۔(۱)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ جس وقت وادی حنین میں پہنچے، اور وہاں سے تہامہ کی ایک وادی میں اترے تو ہم پر چاروں طرف سے تیر برسنے لگے، ابھی صبح ہی ہوئی تھی کہ یہ افتاد آ پڑی، دراصل دشمن کے لوگ پہلے ہی پہاڑوں پر چڑھ گئے تھے اور انہوں نے گھاٹیوں میں، غاروں میں اور دو پہاڑوں کے درمیان قدرتی راستوں میں اپنی کمین گاہیں بنالی تھی، خدا کی قسم ہم بالکل بے خبر تھے، ہمارے آدمی پرسکون انداز میں بلاخوف وخطر وہاں سے گزر رہے تھے کہ اچانک زبردست حملہ ہوا، مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور جس کا جدھر سینگ سمایا اُدھر بھاگ گیا، سراسیمگی کا عالم یہ تھا کہ بھاگنے والے ایک دوسرے پر گرے پڑ رہے تھے، اونٹ بھی ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے اور بھاگ رہے تھے، غرض یہ کہ قیامت کا منظر تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ثبات قدمی

ذرا ہی دیر گزری تھی کہ بارہ ہزار افراد کا زبردست لشکر کائی کی طرح چھٹ گیا، صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں کھڑے رہ گئے، اور آپ کے ساتھ چند دوسرے افراد جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابوسفیان بن الحارث رضی اللہ عنہ، حضرت فضل بن عباس، حضرت ربیعہ بن الحارث، حضرت

(۱) السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ: ۲/۴۹۷۔

اسامہ بن زید، حضرت ایمن ابن ام ایمن، حضرت قثم بن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر بن عبدالمطلب، حضرت عقیل بن ابی طالب، حضرت عبداللہ ابن مسعود وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین، ان تمام حضرات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد دیکھا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ پر ڈٹے رہے، آپ نے دائیں طرف مڑ کر بھاگتے ہوئے لوگوں کو آواز دی کہ اے لوگو! کہاں بھاگے جا رہے ہو، اِدھر میری طرف آؤ، میں اللہ کا رسول ہوں، میں محمد ابن عبداللہ ہوں، مگر حضور کی یہ آواز صدا بہ صحرا ثابت ہوئی، حضور اس دن سفید بغلہ پر سوار تھے، حضرت عباس نے دائیں جانب سے اس کی لگام تھام رکھی تھی، اس افراتفری اور انتشار کے باوجود آپ پر کوئی اضطراب نہیں تھا۔(۱)

ایک طرح سے یہ شکست تھی، بہ ظاہر ایسا نہیں لگتا تھا کہ جو لوگ بھاگ رہے ہیں وہ واپس آکر پھر جنگ میں حصہ لیں گے، قرآن کریم نے اس صورتِ حال کی ان الفاظ میں منظر کشی کی ہے: وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئاً وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ.(۲) ''اور حنین کے دن جب تمہاری تعداد کی کثرت نے تمہیں مگن کر دیا تھا، مگر وہ کثرت تعداد تمہارے کچھ کام نہ آئی، اور زمین اپنی وسعتوں کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی، پھر تم نے پیٹھ دکھا کر میدان سے رخ موڑ لیا''۔

نصرتِ الٰہی کا نزول

مسلمانوں کو یہ ایک جھٹکا دیا گیا تھا، کیوں کہ انہیں اپنی تعداد کی کثرت پر ناز تھا، اور وہ یہ دعوی کر رہے تھے کہ اب ہم اس لئے شکست نہیں کھا سکتے کہ ہماری تعداد کم ہے، اللہ رب العزت کو یہ دعوی ناپسند ہوا، اور پہلے ہی مرحلے میں ان کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا، لیکن جلدی ہی صورت حال بدل بھی گئی، اسی سورت کی دوسری آیت صورت حال کی تبدیلی کی ان الفاظ میں عکاسی کرتی ہے: ثُمَّ أَنزَلَ اللّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنزَلَ جُنُوداً لَّمْ تَرَوْهَا وَعذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُواْ وَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ.(۳)

(۱) مسند احمد بن حنبل: ۳/۳۹۷، رقم الحدیث: ۱۳۹۷۶، سیرت ابن ہشام: ۴/۴۴۳، ۴۴۴۔ (۲) التوبہ: ۲۵۔ (۳) التوبہ: ۲۶۔

’’پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل کی، اور ایسے لشکر اتارے جو تمہیں نظر نہیں آئے اور جن لوگوں نے کفر اپنا رکھا تھا اللہ نے ان کو سزا دی اور ایسے کافروں کا یہی بدلہ ہے‘‘۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب لوگ بھاگ گئے تو میں حضور کے بغلے کی باگ تھامے ہوئے تھا، آپ لوگوں کو پکار رہے تھے، اور فرما رہے تھے:

انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب

’’میں جھوٹا نبی نہیں ہوں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں‘‘، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے عباس لوگوں کو آواز دو، میں بھاری جسامت والا آدمی تھا اور میری آواز بھی نہایت بلند تھی، میں نے پوری قوت سے چلا کر کہا، اے گروہ انصار، اے درخت کے نیچے بیعت کرنے والو! کہاں جارہے ہو، ادھر آؤ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آؤ، جواب میں تمام لوگ لبیک لبیک کہتے ہوئے پلٹ پڑے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر جمع ہونے لگے، عجلت کا حال یہ تھا کہ جو شخص اونٹ پر چڑھ کر نہ آپارہا تھا وہ اس سے کود کر ہماری طرف دوڑتا، جب سو آدمی وہاں جمع ہوگئے تو جنگ شروع ہوگئی، خزرج کے لوگ بہادری اور ثبات قدمی کے ساتھ لڑنے والے تھے، آپ نے ان کے جوہر دیکھے تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا اب تنور گرم ہوا ہے۔

ٹھیک اس وقت جب دونوں طرف سے تیروں کی بارش ہورہی تھی آپ اپنی سواری سے نیچے اترے، ایک مٹھی خاک لی اور شاھت الوجوہ پڑھ کر دشمن کی طرف پھینک دی، دشمن کا کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں میں مٹی نہ پڑی ہو، تمام لوگ بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلمانوں کو فتح مل گئی، روایات میں ہے کہ مٹی پھینک کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انھزموا ورب محمد۔ ’’محمد کے رب کی قسم، انہوں نے شکست کھائی‘‘ ایک صحابی ہیں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ وہ کہتے ہیں کہ کفار کی شکست سے پہلے میں نے آسمان سے ایک سیاہ رنگ کی چادر اترتے ہوئے دیکھی، یہاں تک کہ وہ ہمارے اور دشمن کے بیچ میں آکر ٹھہر گئی، میں نے دیکھا کہ اس چادر میں سے سیاہ رنگ کی چیونٹیاں نکل رہی ہیں، تھوڑی

ہی دیر میں پوری وادی ان چیونٹیوں سے بھر گئی، مجھے یقین ہے کہ یہ ملائکہ تھے جو دشمن کو شکست دینے کے لئے آسمان سے اترے تھے، دشمن کو الٹے پاؤں بھاگتے ہوئے دیکھ کر مسلمانوں نے ان پر حملہ کردیا، ذرا سی دیر میں صورت حال تبدیل ہوگئی، کہاں تو مسلمان سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ رہے تھے اور کہاں قبیلۂ ہوازن اور قبیلۂ ثقیف کے بہادر تیر کھا کھا کر گر رہے تھے، ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور مسلمانوں نے ان کو گرفتار کرنا شروع کردیا، جو بھاگ سکے وہ بھاگ گئے، کچھ لوگ طائف کی طرف بھاگ گئے ان میں مالک بن عوف بھی تھا، کچھ نخلہ اور کچھ دوسرے اوطاس کی طرف چلے گئے، تنہا بنی ثقیف کے ہی ستر آدمی مارے گئے، اس قبیلے کا جھنڈا ذوالخمار نے اٹھا رکھا تھا وہ بھی مارا گیا، اس کے بعد علم عثمان بن عبداللہ بن ربیعہ نے تھاما وہ بھی قتل ہوا، اس کے قتل کی خبر سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشی کا اظہار کیا اور فرمایا خدا نے اس کو دور کیا، وہ قریش سے بڑی دشمنی رکھتا تھا، مفرورین اور مقتولین کے اونٹ اور بکریاں بڑی تعداد میں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔(۱)

مسلمانوں کے فرار کی اصل وجہ اور نومسلموں کا ردعمل

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے کسی شخص نے سوال کیا کہ غزوۂ حنین میں آپ لوگ بھاگ گئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا چھوڑ دیا تھا، انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس بات کے شاہد ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان حالات میں بھی پیچھے نہ ہٹے اور اپنی جگہ پر ڈٹے رہے، ہماری ہزیمت کی وجہ یہ ہوئی کہ جو لوگ ہمارے آگے آگے چل رہے تھے وہ ناتجربہ کار تھے اور غیر مسلح بھی تھے، دوسری طرف ہوازن کے جنگ جو بڑے تیرانداز تھے، انہوں نے ہمارے ہراول دستے پر اچانک حملہ کردیا، ان کے تیر ایک ساتھ آتے تھے اور کوئی خالی نہ جاتا تھا، ان حالات میں انتشار پیدا ہونا فطری عمل تھا، وہ ہوا اور مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔

البتہ اس وقتی ہزیمت سے کچھ لوگوں کو باتیں بنانے کا موقع مل گیا، یہ وہ لوگ تھے جو ابھی ابھی مسلمان ہوئے تھے، اسلام ان کے دلوں میں پوری طرح راسخ نہیں ہوا تھا،

(۱) صحیح مسلم: ۳/ ۱۳۹۸، رقم الحدیث: ۱۷۷۵، مسند احمد بن حنبل: ۳/ ۲۹۶، رقم الحدیث: ۱۷۷۵، زاد المعاد: ۳/ ۳۴۰۔

ابوسفیان بن حرب بھی انہی لوگوں میں سے تھے، سیرۃ حلبیہ کے مؤلف نے لکھا ہے کہ اس وقت تک ان کا اسلام شک کے دائرے میں تھا، حافظ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کچھ اسی طرح کی بات کہی ہے، انہوں نے مسلمانوں کو بھاگتے ہوئے دیکھ کر کہا کہ اب یہ لوگ یعنی مسلمان سمندر سے پہلے رکنے والے نہیں ہیں، گویا یہ لوگ سمندر میں کود کر جان دینے والے ہیں، خدا کی قسم ہوازن تو غالب آچکے، صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ کے بھائی نے کہا لو بھائی! محمد کا سحر تو ختم ہوگیا، صفوان نے اپنے بھائی کو ڈانٹتے ہوئے کہا: تیرے منہ میں خاک، خاموش رہ، خدا کی قسم اگر قریش کا کوئی شخص میرا رہنما ہو یہ بات میرے لئے اس سے بہتر ہے کہ غیر قریشی میری قیادت کرے۔(۱)

ایسے ہی لوگوں میں ایک شیبہ ابن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، انہوں نے مسلمانوں کو شکست خوردہ ہوکر بھاگتے ہوئے دیکھا، انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ مسلمان رسول اللہ کو چھوڑ گئے ہیں، ان کے دل میں آیا کہ آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے انتقام لینے کا سنہرا موقع ہے، غزوۂ احد میں ان کا باپ قتل ہوگیا تھا، اسی وقت سے ان کے دل میں انتقام کی آگ سلگ رہی تھی، مسلمان تو ہوگئے تھے لیکن دل میں بدلہ لینے کی خواہش بھی پنہاں تھی، خود کہتے ہیں کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادے سے ان کی طرف بڑھا، لیکن مجھ پر غشی سی طاری ہوگئی، اور میں ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکا، تب مجھے یہ احساس ہوا اور میرا یہ احساس یقین میں بدل گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدا کی طرف سے حفاظت کی جارہی ہے۔(۲)

مشرکین کو شکست

کچھ ہی دیر گزری تھی کہ مسلمان پھر پلٹ کر میدان کارزار میں آگئے، گھمسان کی جنگ چھڑ گئی، دونوں طرف سے تیر برسنے لگے، تلواریں چمکنے لگیں، آسمان سے اللہ کی مدد اتری، مشرکین شکست کھا کر بھاگ گئے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ میدان جنگ کی منظر کشی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حُنین گئے، جب جنگ چھڑی تو ابتدا میں ہمیں شکست ہوئی، میں نے

(۱) سیرۃ حلبیہ :۳/ ۲۲۸۔ (۲) سیرت ابن ہشام :۴/۳۴۴۔

دیکھا کہ ایک مشرک ایک مسلمان پر غالب آگیا ہے میں نے پیچھے سے اس کی گردن کی رگ پر تلوار ماری اور اس کی زرہ کاٹ دی، اب وہ میری طرف متوجہ ہوا اور مجھے اس زور سے دبایا کہ مجھے موت کی آہٹ سنائی دینے لگی، اس کے بعد وہ مر گیا، اس طرح میں اس کے قبضے سے آزاد ہو گیا، اس واقعے کے بعد مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نظر آگئے، میں نے ان سے پوچھا: یہ کیسے ہو گیا، مسلمانوں کو شکست کیسے ہوگئی، انہوں نے کہا اللہ کو یہی منظور تھا۔

اس کے بعد مسلمان دوبارہ پلٹ کر آئے، اور فتح حاصل کی، فتح کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرمایا کہ جس شخص نے کسی مشرک کو قتل کیا، اس کا مال متروکہ اسی شخص کو دیا جائے گا جس نے اسے قتل کیا ہوگا، بشرطیکہ وہ اس کا ثبوت بھی فراہم کردے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان متعدد مرتبہ کیا، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں یہ اعلان سن کر کھڑا ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! اگر میں نے قتل کیا تو میرے حق میں کون گواہی دے گا، اتنے میں ایک شخص کھڑا ہوا، اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! ابوقتادہ سچ کہتے ہیں، انہوں نے ایک شخص کو قتل کیا تھا، اس کا چھوڑا ہوا مال میرے پاس ہے، اب آپ ان کو میرے حق میں راضی کردیں کہ وہ اپنا حق مجھ سے نہ لیں، اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں، خدا کی قسم! نہیں، اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر اللہ اور اس کے رسول کے لیے لڑتا ہے، اللہ کے رسول کبھی نہ چاہیں گے کہ وہ اس کا حق تمہیں دے دیں، چناں چہ مقتول کا سامان ابوقتادہ کو دے دیا گیا، ابوقتادہ کہتے ہیں کہ میں نے اس مال سے قبیلۂ بنی سلمہ میں ایک باغ خریدا، اسلام لانے کے بعد یہ پہلا مال تھا جو میں نے ذخیرہ کیا تھا۔(۱)

اس جنگ کے دوران ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ قبیلۂ ہوازن کا ایک بھاری جسامت والا شخص سرخ اونٹ پر سوار تھا، اس کے ہاتھ میں کالا جھنڈا تھا، اگر وہ اپنے دشمن پر قابو پالیتا تو وہ جھنڈا اس کے بدن میں بھونک دیتا، ورنہ اپنے پیچھے والوں کے لئے اسے اٹھائے رکھتا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ اس کے پیچھے لگ گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ

(۱) صحیح البخاری: ۱۵۴/۵، رقم الحدیث: ۴۳۲۱۔

نے اس کے اونٹ کے کونچ پر وار کیا، جس سے اونٹ گر گیا، وہ موٹا آدمی بھی زمین پر گر گیا، انصاری صحابی نے اس کی پنڈلی پر ضرب لگائی، جس سے وہ دو ٹکڑے ہوگئی۔ (۱)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے ایک مشرک کے کاندھے پر تلوار سے وار کیا، وہ ایک مسلمان کے اوپر چڑھا بیٹھا تھا، کچھ ہی دیر میں مشرک مر گیا، جنگ کی صورت حال پوری طرح مسلمانوں کے قابو میں آگئی، مسلمان جس طرح چاہتے مشرکوں کو قتل کرتے، بعض مسلمان ان کے بچوں کو بھی قتل کرنے لگے، آپ نے انہیں منع فرمایا، اس دن بانوے مشرک مارے گئے، تنہا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بیس کافروں کو مارا، ان سب کا مال واسباب ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو ملا۔ (۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت ام سُلیم رضی اللہ عنہا ایک خنجر لئے ہوئے تھیں، کسی نے حضور سے کہا کہ ام سُلیم کے پاس ایک خنجر ہے، آپ نے ان سے پوچھا تم خنجر کا کیا کروگی، عرض کیا: اگر کوئی کافر میرے قریب آیا تو میں اس کا پیٹ پھاڑ دوں گی، آپ یہ سن کر ہنسنے لگے، انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہم ان لوگوں کو قتل نہ کردیں جو حال ہی میں مسلمان ہوئے ہیں، عین حملے کے وقت انہوں نے آپ کو تنہا چھوڑ دیا، کیا وہ لوگ منافق نہیں ہیں، کیا انہیں قتل نہ کردینا چاہئے، آپ نے فرمایا: ام سلیم! اللہ ہمارے لئے کافی ہوا، اس نے ہم پر احسان کیا ہے۔ (۳)

جس وقت مشرکین میدان چھوڑ کر بھاگ رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر پر سوار ان کا پیچھا کر رہے تھے، افراتفری کا عالم تھا، مشرکین خوف زدہ تھے اور بدحواسی کا شکار تھے، حضرت ابوالسائب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے یزید بن عامر السُّوائی نے جو اس دن مشرکین کی طرف سے لڑ رہے تھے اور بعد میں مسلمان ہوگئے تھے بتلایا کہ اس روز پوری قوم بے حد دہشت زدہ تھی، میں نے ان سے خوف ودہشت کی کیفیت پوچھی، انہوں نے ایک کنکری اٹھائی، اور اسے زور سے طشت میں پھینکا، اس سے ٹن یا ٹک کی آواز نکلی، یزید بن عامر نے کہا بس ہمارے دل خوف کی وجہ سے اسی طرح دھڑک رہے تھے۔ (۴)

(۱) مسند احمد بن حنبل: ۲۷۳/۲۳، رقم الحدیث: ۱۵۰۲۷۔ (۲) سنن ابوداؤد: ۷۱/۳، رقم الحدیث: ۲۷۱۸، الدارمی: ۱۶۱۴/۳، رقم الحدیث: ۲۵۲۷۔ (۳) صحیح مسلم: ۱۴۴۲/۳، رقم الحدیث: ۱۸۰۹۔ (۴) المعجم الکبیر للطبرانی: ۲۳۷/۲۲۔

علامہ واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب المغازی میں لکھا ہے کہ معرکہ حنین میں مشرکین کو زبردست جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا، عین جنگ میں ان کے بانوے افراد مارے گئے، بھاگتے ہوئے جو لوگ قتل ہوئے ان کی تعداد شمار کرنا مشکل ہے، صرف بنی مالک کے تین سو آدمی قتل کیے گئے، بنی نصر، بنی رئاب کے بھی سینکڑوں قتل کئے گئے، حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق قیدیوں کی تعداد چھ ہزار تھی، مکہ مکرمہ میں جو مکانات لکڑی سے بنے ہوئے تھے وہ سب قیدیوں سے بھر گئے تھے، اموال غنیمت میں چار ہزار اوقیہ چاندی، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زیادہ بکریاں، گھوڑے، گدھے اور گائیں تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تمام اموال غنیمت جعرانہ میں جمع کئے گئے تاکہ طائف سے واپس آکر مال غنیمت کے طور پر ان کی تقسیم عمل میں آئے۔ (۱)

غزوۂ طائف

حنین میں شکست کھانے کے بعد قبیلۂ ہوازن اور ثقیف کے لوگ طائف کی طرف بھاگ گئے تھے، اور وہاں جا کر ایک قلعے میں محصور ہو گئے تھے، ہوازن کا سردار مالک بن عوف نصری بھی ان کے ساتھ تھا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو حکم دیا کہ وہ ان بھگوڑوں کا پیچھا کریں، آپ خود بھی حنین سے طائف کی طرف روانہ ہوئے، اس سے پہلے آپ نے یہ حکم دیا تھا کہ غزوۂ حنین میں جو مال واسباب بہ طور غنیمت حاصل ہوا ہے اور جو لوگ قیدی بنائے گئے ہیں ان سب کو جعرانہ میں بہ حفاظت رکھا جائے، طائف سے واپسی پر ان کی تقسیم عمل میں آئے گی، دوسرا حکم حضرت طفیل بن عمرو الدوسی رضی اللہ عنہ کے لیے تھا کہ وہ ذو الکفین نامی بت کو گرا آئیں، یہ بت لکڑی کا بنا ہوا تھا اور قبیلۂ دوس میں کسی بلند مقام پر نصب تھا، اصلاً یہ بت عمرو بن حممۃ کی ملکیت تھا، آپ نے حضرت طفیل دوسی سے فرمایا کہ تم اپنے قبیلے میں جاؤ اور اس بت کو تباہ کرنے میں اپنے لوگوں کی مدد لو، اور جلد از جلد طائف پہنچ کر ہم سے ملو۔

حضرت طفیل حکم کی تعمیل میں فوراً ہی روانہ ہو گئے، دوس پہنچنے کے بعد انہوں نے

(۱) کتاب المغازی: ۳/۹۱۳، طبقات ابن سعد: ۲/۱۵۲۔

اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر اس بت کو آگ لگادی، اس وقت حضرت طفیل رضی اللہ عنہ یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

يَا ذَا الْكَفَّيْنِ لَسْتُ مِنْ عِبَادِكَ

مِيْلَادُنَا أَكْبَرُ مِنْ مِيْلَادِكَ

إِنِّي حَشَوْتُ النَّارَ فِي فُؤَادِكَ

''اے ذوالکفین! میں تیرہ بندہ نہیں ہوں، ہماری پیدائش تیری پیدائش سے بڑھ کر ہے، میں نے تیرے دل میں آگ لگادی ہے''۔ ذوالکفین کا کام تمام کرکے ایک منجنیق اور ایک دبّابہ لے کر اپنے چار سو ساتھیوں کے ساتھ حضرت طفیل رضی اللہ عنہ طائف پہنچ گئے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس کاروائی میں صرف چار دن لگے۔(۱)

طائف پہنچنے سے پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر اور قیام نخلہ یمانیہ میں ہوا، پھر قرن میں ٹھہرے، پھر ملیح ہوتے ہوئے بحرۃ الغار میں آکر ٹھہرے، یہاں آپ نے ایک مسجد بنوائی، اس علاقے میں ایک مقام لیہ کہلاتا تھا، اس جگہ مالک بن عوف کا قلعہ تھا، آپ نے حکم دیا کہ اس قلعے کو منہدم کردیا جائے، یہاں سے آپ نے طائف کی طرف رخ فرمایا، طائف میں آپ نے قلعہ کے قریب قیام فرمایا۔

مالک بن عوف نصری اپنے شکست خوردہ ساتھیوں کے ساتھ طائف کے قلعے میں داخل ہو چکا تھا، اس نے کئی سال کا غلہ اور خورد ونوش کا دوسرا سامان قلعے میں ذخیرہ کرلیا تھا، قلعے کے آہنی دروازے بند تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مقدمۃ الجیش پر مقرر فرمایا، مسلمانوں کو قلعے کے قریب دیکھ کر دشمن نے تیر برسانے شروع کردئے، بنو ثقیف تیر اندازی میں بڑے ماہر تھے، دشمن کی تیر اندازی سے بارہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین شہید اور بہت سے زخمی ہوگئے، یہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو لے کر قلعے سے کچھ دور وہاں چلے گئے جہاں اس وقت مسجدِ طائف بنی ہوئی ہے، یہ مسجد ٹھیک اس جگہ بنی

(۱) الروض الانف: ۱/۲۳۵، امتاع الاسماع: ۱/۳۹۵۔

ہوئی ہے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ محترمہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور دوسری زوجۂ محترمہ ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنے اپنے خیموں میں قیام پذیر تھیں، ان دونوں خیموں کے درمیان جو جگہ تھی آپ اسی میں نماز باجماعت ادا فرماتے تھے، بعد میں جب بنوثقیف مسلمان ہوئے تو عمرو بن امیہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے اس جگہ مسجد بنادی۔

مسلمانوں کی کاروائی

بنوہوازن اور بنوثقیف کو یہ گمان تھا کہ ہم قلعے میں بند ہیں، اس کی اونچی فصیلوں پر ہمارے جنگ جو مقرر ہیں جو تیر اندازی کر کے مسلمانوں کو قلعے کے قریب نہیں آنے دے رہے ہیں، ان کے پاس کئی سال کا غلہ موجود ہے، مسلمان کب تک یہاں ٹھہریں گے، آخر پریشان ہوکر خود ہی یہاں سے چلے جائیں گے، بہ ظاہر وہ اس وقت اپنے گمان میں صحیح تھے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے انہیں للکارا بھی کہ آؤ اور قلعے سے نکل کر آمنے سامنے کی لڑائی لڑو، مگر انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں اترنے کی ضرورت نہیں ہے، ہمارے پاس کھانے پینے کا سامان موجود ہے، جب یہ ختم ہوجائے گا تب قلعے سے نکل کر دُو بہ دُو جنگ کریں گے۔

مسلمانوں نے اولاً منجنیق (توپ) میں رکھ کر قلعے کی طرف پتھر پھینکے، اس حملے کو دشمن نے اپنی تیر اندازی سے ناکام کردیا، بلکہ تیر لگنے کی وجہ سے مسلمانوں کو سخت جانی نقصان اٹھانا پڑا، اس کے بعد کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین دبابہ (ٹینک) میں بیٹھ کر قلعے کی دیوار تک پہنچے اور اس میں نقب لگانے کی کوشش کرنے لگے، یہ دیکھ کر دشمنوں نے اوپر سے آگ کی سلاخیں پھینکنی شروع کردیں، مسلمانوں کی یہ تدبیر بھی ناکام ہوگئی۔

اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو حکم دیا کہ وہ انگوروں کے باغات کاٹ کر انہیں ویران کردیں، دشمنوں نے مسلمانوں کو اپنے باغات کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو بلبلا اٹھے اور قرابت داری کا واسطہ دے کر کہنے لگے کہ آپ لوگ ایسا نہ کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ کی رضا کے لئے اور قرابت داری کے خیال سے اپنا فیصلہ واپس لیتا ہوں، آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ طائف کے تمام بت خانوں

کو گرادیں اور ان میں رکھے ہوئے بتوں کو توڑ دیں، انہوں نے حکم کی تعمیل کی، بت خانوں کو گرا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، آپ نے بے حد مسرت کا اظہار فرمایا اور بہت دیر تک تنہائی میں ان سے گفتگو فرمائی، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو اس سے بڑا تعجب بھی ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب

قلعے کا محاصرہ بہ دستور جاری تھا، بعض مؤرخین نے محاصرے کی مدت اٹھارہ دن اور بعض نے سترہ دن لکھی ہے، ایک رات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ کی خدمت میں دودھ سے لبریز ایک پیالہ پیش کیا گیا، ایک مرغ نے آکر اس میں چونچ ماری جس سے دودھ گر گیا، صبح کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا یہ خواب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سنایا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میرا گمان ہے کہ ابھی یہ قلعہ فتح نہ ہوگا، آپ نے فرمایا: میرا بھی یہی خیال ہے، اس سلسلے میں آپ نے حضرت نوفل بن معاویہ دیلمی رضی اللہ عنہ سے بھی مشورہ کیا، انہوں نے بھی یہی عرض کیا کہ شاید ابھی یہ قلعہ فتح نہ ہو پائے، اس مشورے کے بعد آپ نے واپسی کا ارادہ فرمالیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ہوئی تو وہ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ قلعہ کا محاصرہ ختم کر کے واپسی کا ارادہ فرمارہے ہیں، آپ نے فرمایا: ہاں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: کیا میں یہ اعلان کردوں کہ لوگ کوچ کریں، آپ نے فرمایا: ہاں کردو۔

واپسی کا اعلان

بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین واپسی کے اعلان سے مایوس نظر آئے، ان کی دلی خواہش تھی کہ قلعہ فتح کر کے واپسی ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا یہ جذبہ دیکھا تو فرمایا، ٹھیک ہے، کل جنگ کرو، چناں چہ اگلے دن پھر جنگ ہوئی، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے جنگ لڑی، جی جان سے لڑی، لیکن نتیجہ کچھ بھی نہ نکلا بلکہ الٹا نقصان ہی ہوا، شام کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا: ان شاء اللہ! کل یہاں سے واپس چلیں گے، اس واضح

اعلان کے بعد کوئی کچھ نہ بولا، بلکہ سب خوشی کے ساتھ واپسی پر آمادہ ہو گئے، اگلے دن صبح سویرے قافلوں کی روانگی کا عمل شروع ہوا، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا: یارسول اللہ! ثقیف کے لیے بددعا فرمادیں، آپ نے فرمایا: بددعا نہیں، میں ان کے لئے دعا کروں گا، آپ نے یہ دُعا فرمائی: اے اللہ! ثقیف کو ہدایت دیجئے اور ان کو مسلمان کر کے میرے پاس بھیجئے، اس کے بعد آپ جعرانہ تشریف لے گئے۔

معافی کا اعلان

قلعے کے محاصرے کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان بھی کرایا کہ کوئی غلام قلعے سے نکل کر میرے پاس آیا تو وہ آزاد ہے، یہ اعلان سن کر قلعے سے بیس غلام نکل کر باہر آ گئے، آپ نے ان سب کو آزاد کر دیا، آزاد کرنے کے بعد ان کو مختلف صحابہ کے حوالے فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ وہ ان کا خیال رکھیں، ان کی خبر گیری کریں، ان کو دین سکھلائیں، سب سے پہلے ایک غلام قلعے سے نکلے، اس وقت صبح نمودار ہو رہی تھی، صحابہ نے ان کا نام ابوبکرہ رضی اللہ عنہ رکھ دیا، بکرہ دن کے اول وقت کو کہتے ہیں، ابوبکرہ حارث بن کلدہ کے غلام کے تھے، قلعے سے غلاموں کا نکلنا اور مسلمانوں میں شامل ہو جانا دشمنوں پر بڑا شاق گزرا، وہ لوگ ان کی واپسی چاہتے تھے، بنوثقیف نے اسلام قبول کرنے کے بعد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ وہ ہمارے غلام ہمیں واپس فرمادیں، آپ نے ارشاد فرمایا: اب وہ غلام نہیں ہیں بلکہ اللہ رب العزت کے آزاد بندے ہیں، ان کو دوبارہ غلام نہیں بنایا جاسکتا۔(۱)

جعرانہ میں تقسیم غنائم

طائف کا غزوہ شوال پانچ ہجری میں ہوا، کئی دن کے محاصرے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واپسی کا فیصلہ فرمایا، حنین کی جنگ میں جو اموال غنیمت حاصل ہوئے تھے وہ سب جعرانہ میں محفوظ کر دئے گئے تھے، کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اموال غنیمت کی نگرانی پر بھی مامور

(۱) الطبقات الکبریٰ: ۲/۱۵۸، تاریخ الطبری: ۲/۱۷۲، مسند احمد بن حنبل: ۲۹/۱۷، رقم الحدیث: ۱۷۵۳، الکامل فی التاریخ: ۲/۲۶۶۔

تھے، طائف سے چل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پانچ ذی قعدہ کو جعرانہ تشریف لائے، دس دن سے زیادہ مدت تک آپ نے قبیلۂ ہوازن کے لوگوں کا انتظار کیا کہ شاید وہ عورتوں اور بچوں کو چھڑانے کے لیے آئیں، لیکن جب وہ لوگ نہیں آئے تو آپ نے خمس رکھ کر باقی تمام مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم فرمادیا۔

تقسیم سے پہلے آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے فرمایا کہ خمس کے علاوہ تمہارے مال غنیمت میں میرا کچھ نہیں ہے، اور وہ خمس بھی تمہارے ہی کام آنے والا ہے، میں اس مال غنیمت میں سے ایک سوئی بھی نہیں لے سکتا، اگر تم نے اس میں سے کچھ لیا ہو خواہ وہ ایک سوئی یا اس کا معمولی دھاگہ ہی کیوں نہ ہو، اسے چاہئے کہ وہ واپس لے آئے، مال غنیمت میں خیانت کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور اس کی سزا جہنم کی آگ ہے، قیامت کے روز یہ خیانت بڑی مصیبت کی صورت میں سامنے آئے گی، بعض حضرات صحابہ نے معمولی ضرورتوں کے لئے کوئی چیز اٹھالی تھی وہ لے کر آئے اور کہنے لگے یارسول اللہ! یہ تو بہت معمولی سی چیز ہے، ہم نے ضرورت کے لیے بلا اجازت لے لی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس مال میں میرا جو حق ہے وہ میں معاف کرتا ہوں، کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہر شخص سے اس کا حق معاف کرانا ہوگا، آپ نے فرمایا: بالکل یہی کرنا ہوگا، یہ سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین ڈر گئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اس سے تو نہ لینا ہی بہتر ہے، چناں چہ جس نے بھی جو چیز بلا اجازت اٹھائی تھی وہ واپس رکھ دی، حالاں کہ بادیٔ النظر میں وہ چیزیں بہت معمولی تھیں، حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ایک سوئی اور کچھ دھاگہ لے گئے تھے اور یہ چیزیں انہوں نے کسی کو دے دی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ باتیں سن کر وہ دوڑے دوڑے گئے اور اس شخص سے سوئی دھاگا واپس لے کر آئے، اور اسے مال غنیمت کے نگرانوں کے حوالے کیا۔

مال غنیمت کی تقسیم شریعت کے مقرر کردہ ضابطے کے مطابق اس طرح ہوئی کہ ہر پیدل فوجی کو چار اونٹ اور چالیس بکریاں دی گئیں اور ہر سوار کو بارہ اونٹ اور ایک سو بیس بکریاں دی گئیں۔(۱)

(۱) زاد المعاد: ۳/۳۴۲۔

ہوازن کا وفد جعرانہ میں

غنائم کی تقسیم کے بعد قبیلۂ ہوازن کا ایک گیارہ رکنی وفد حاضر خدمت ہوا، آپ اس وقت تک جعرانہ ہی میں تھے، تمام لوگوں نے اسلام قبول کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی، وفد کے لوگوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! ہم خاندانی لوگ ہیں، ہم پر جو افتاد پڑی ہے اس سے آپ بہ خوبی واقف ہیں، ہماری درخواست ہے کہ ہمارے ساتھ احسان کا معاملہ فرمائیں، اللہ آپ کو اس کی جزا دے گا، اس وفد میں رضاعی رشتے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچازاد بھائی زُہَیر بن صُرَد اُبوصُرَد بھی تھا، یہ شخص اپنے قبیلے کے خطیب کی حیثیت سے شہرت رکھتا تھا، اس نے کھڑے ہوکر عرض کیا: یارسول اللہ! جو لوگ قیدی بنا کر لائے گئے ہیں ان میں آپ کی خالائیں بھی ہیں، اور وہ خواتین بھی ہیں جنہوں نے آپ کو گود میں کھلایا ہے اور آپ کی پرورش کی ہے، اگر ہم شام کے بادشاہ حارث بن عمرو ابوشمر وغسانی کو یا عراق کے بادشاہ نعمان بن منذر کو دودھ پلاتے، پھر ہم پر وہ مصیبت نازل ہوتی جس میں ہم مبتلا ہیں اور ہم ان بادشاہوں سے رحم وکرم کی درخواست کرتے تو وہ ہمارے ساتھ اچھا معاملہ کرتے، آپ تو بہ ہر حال ان سے بہتر ہیں، اور ہماری اچھی کفالت کرنے والے ہیں۔

زہیر کی تقریر سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہیں اپنی عورتیں اور بچے زیادہ عزیز ہیں یا مال واسباب زیادہ پیارا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے ہمیں دو میں سے ایک کو چننے کا اختیار دیا ہے، ہمیں مال نہیں چاہئے، بس ہمارے اہل وعیال ہمیں واپس کردیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو میرے پاس اور بنی عبدالمطلب میں سے کسی کے پاس ہے وہ میں تمہیں واپس کرتا ہوں، لیکن جو دوسرے مسلمانوں کے پاس جاچکا ہے اس کے بارے میں میرا مشورہ یہ ہے کہ جب میں لوگوں کو نماز پڑھا کر فارغ ہوجاؤں تو تم لوگ کھڑے ہوکر کہنا کہ ہم اپنے بچوں اور عورتوں کے سلسلے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا سفارشی بناتے ہیں، اس کے بعد میں ان سے کہوں گا اور تمہارا مطالبہ پورا کرانے کی کوشش کروں گا۔

رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھائی، نماز کے بعد ہوازن کے لوگ کھڑے ہوئے، انہوں نے اسی طرح کہا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا، آپ نے فرمایا: جو میرے اور بنی عبدالمطلب کے پاس ہے میں تمہیں واپس کرتا ہوں، یہ سن کر مہاجرین نے کہا کہ ہم بھی واپس دیتے ہیں، انصار نے بھی واپس کرنے کی بات کہی، البتہ اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں اور بنی تمیم اس پر راضی نہیں ہیں، عیینہ بن حصن نے کہا کہ میں اور بنی فزارہ بھی واپس نہیں کریں گے، عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی اور اپنے قبیلے بنو سُلیم کی طرف سے یہی اعلان کیا، بنو سلیم نے کہا کہ ہم تو رسول اللہ کو واپس کردیں گے، عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ نے بنو سلیم سے کہا کہ تم میری توہین کررہے ہو۔

اس واقعے کے بعد رسول اکرم ﷺ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے، آپ نے پہلے خدائے ذوالجلال کی حمد وثنا بیان کی، پھر فرمایا: یہ تمہارے بھائی تائب ہوکر ہمارے پاس آئے ہیں، میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ ہمیں ان کے قیدی واپس کردینے چاہئیں، تم میں سے جو شخص ایسا کرسکتا ہے وہ کرے ہم اسے آئندہ مال غنیمت میں سے زیادہ حصہ دے کر خوش کردیں گے، بعض روایات کے مطابق آپ نے فرمایا کہ ہم ہر انسان کے بدلے چھ حصے دیں گے۔

آپ کے اس ارشاد کے بعد تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے بہ خوشی اپنے اپنے قیدی واپس کردئے۔(۱)

غزوۂ حنین وطائف کے اثرات

تاریخ اسلام میں حنین وطائف کے غزوات کو بڑی اہمیت حاصل ہے، ایک تو اس لئے کہ ان غزوات کے ساتھ ہی مشرکین مکہ کے ساتھ مسلمانوں کی جنگوں کا خاتمہ ہوگیا، گویا یہ آخری جنگیں تھیں جو رسول اکرم ﷺ نے مشرکین مکہ کے ساتھ لڑیں اور ان میں کامیابی حاصل کی، دوسرے یہ کہ ان دونوں غزووں میں مسلمانوں کی کامیابی نے مشرکین

(۱) صحیح البخاری: ۳/۹۹، رقم الحدیث: ۲۳۰۷، البدایہ والنہایہ: ۴/۳۵۴، مسند احمد بن حنبل: ۳۱/۲۳۰، رقم الحدیث: ۱۸۹۱۴۔

کے حوصلے پست کر دیئے، ان کے سامنے اس کے سوا کوئی راستہ باقی نہ بچا کہ یا تو وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول کرلیں اور مسلمان ہو جائیں یا پھر مکہ چھوڑ کر کہیں اور جا بسیں، دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین سے کوئی انتقام نہیں لیا، بلکہ ان کے ساتھ حسن سلوک فرمایا، قبیلۂ ہوازن سے جو مال غنیمت حاصل ہوا وہ بعض مشرکین کو اور بہت سے نومسلموں کو محض ان کی تالیف قلب کے لئے دیا گیا اور زیادہ سے زیادہ دیا گیا، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت سے مشرکین کے دل اسلام اور مسلمانوں کے لئے نرم پڑ گئے اور انہوں نے از خود حاضر خدمت ہو کر اسلام قبول کرلیا، مالک بن عوف رضی اللہ عنہ کا قصہ لکھا جا چکا ہے کہ آپ نے اس کے قیدی بھی واپس کر دیئے، اس کا مال بھی لوٹا دیا اور اپنے پاس سے سو اونٹ بھی اسے دیئے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے قبیلۂ ثقیف سے خود جنگ لڑی، حالاں کہ اس قبیلے نے اسے اپنے قلعے میں پناہ دے رکھی تھی، مگر جب وہ دل سے مسلمان ہوا تو دشمنان اسلام کے خلاف اس کے دل میں وہی جذبہ پیدا ہوا جو دوسرے مسلمانوں کے دلوں میں موجود تھا۔

حنین وطائف کی فتح کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ مکہ مکرمہ کے اطراف میں جو بت کدے اور صنم خانے تھے وہ سب ان کے عبادت گزاروں اور معماروں نے خود ہی گرا دیئے یا مسلمانوں نے جا کر ان کو تباہ کر دیا، قبیلۂ ہوازن نے اسلام قبول کرنے کے بعد اہل طائف کا اسی قدر ناطقہ بند کیا کہ عاجز آ کر وہ لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔

فتح مکہ صرف مکہ تک محدود تھی، حنین وطائف کے غزوات میں کامیابی سے اطراف مکہ بھی مسلمانوں کے زیر نگیں آگئے، اس طرح اسلامی مملکت کا دائرہ وسیع ہو گیا، اس سے قبل اسلام عملاً مدینہ منورہ تک محدود تھا، پھر مکہ مکرمہ فتح ہوا، اور اب آس پاس کے قبائل بھی اس مملکت کا حصہ بن گئے، آنے والے سال میں ان غزوات میں فتح وکامیابی کے نتائج اس طرح ظاہر ہوئے کہ جو قبائل ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے ان کے وفود کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا، اور انہوں نے کسی دباؤ کے بغیر اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا۔

سریہ قُطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ

اسی سال کے دوسرے ماہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس افراد کا ایک دستہ تشکیل دے کر بنو خثعم کی طرف بھیجا جو تبالہ کے ایک حصے میں مقیم تھا، اس دستے کی قیادت قُطبہ بن عامر کر رہے تھے، ان لوگوں کے پاس دس اونٹ تھے، یہ لوگ تیزی کے ساتھ سفر کرتے ہوئے متعلقہ قبیلے کے قریب جا پہنچے، ایک شخص ان کے ہاتھ لگا، اس سے پوچھ گچھ کی، پہلے تو وہ گونگا بہرا بن گیا، پھر اچانک بولنے لگا، اور زور درزور سے چیخ کر اپنے قبیلے والوں کو آگاہ کرنے لگا، مسلمانوں نے اس کو قتل کر دیا، جب رات کا کچھ حصہ گزر گیا اور یہ یقین ہو گیا کہ قبیلے کے لوگ سو گئے ہوں گے، تب اس دستے نے ان پر یلغار کر دی، وہ بھی لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گئے، دونوں فریقوں میں دیر تک جنگ ہوئی، دونوں طرف کے لوگ زخمی ہوئے، اس جنگ میں قطبہ بن عامر شہید ہو گئے، بالآخر فتح مسلمانوں کو ہوئی، بہت سے مرد، خواتین اور بچے قیدی بنا کر مدینے لائے گئے، اونٹ بکریاں بھی کافی ہاتھ آئیں، دشمن نے پیچھا کیا، لیکن جس وادی سے مسلمان قیدیوں کو لے کر گزر رہے تھے اس وادی میں اچانک سیلاب آگیا، قبیلۂ خثعم کے لوگ حسرت اور مایوسی سے دیکھتے رہ گئے، مسلمان وادی سے محفوظ گزر گئے۔(۱)

سریہ ضحّاک بن سفیان الکلابی رضی اللہ عنہ

ماہ ربیع الآخر میں ایک سریہ جس کی قیادت حضرت ضحّاک بن سفیان الکلابی رضی اللہ عنہ کر رہے تھے بنو کلاب روانہ ہوا، اس دستے میں اُصَیْد بن سلمہ بھی تھے، زُجّ کے مقام پر مڈبھیڑ ہوئی، مسلمانوں نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، انہوں نے انکار کیا، اب جنگ کے سوا کوئی راستہ نہ تھا، چناں چہ دونوں طرف سے تلواریں نکل آئیں، اور تیروں کی بارش ہونے لگی، جنگ جاری تھی کہ اُصَیْد کی ملاقات اپنے والد سلمہ سے ہو گئی، ان کا باپ گھوڑے پر سوار تھا، بیٹے نے باپ کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، اور یہ وعدہ کیا کہ وہ انہیں حفاظت کے ساتھ یہاں سے نکال کر لے جائیں گے، مگر باپ نے بیٹے کی پیش کش

(۱) زاد المعاد: ۳/۳۷۳، الطبقات الکبریٰ: ۲/۱۶۲۔

ٹھکرا دی، سلمہ نے گھوڑے کو تلوار ماری، گھوڑا زمین پر گر گیا، سلمہ بھی پانی میں جا پڑا، اُصَیدْ نے باپ کو بھاگنے نہیں دیا، اور اس وقت تک اسے پانی میں روکے رکھا جب تک کسی دوسرے نے آکر اس کو قتل نہیں کر دیا، اُصَیدْ نے اپنے باپ کو خود قتل نہیں کیا۔(۱)

سریّہ عَلقمہ بن مُجزِّز المُدلِجی

اسی مہینے کے آخر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ حبشہ کے کچھ لوگ جدہ آئے ہوئے ہیں، یہ لوگ رہزن تھے اور مکہ آنے جانے والے قافلوں کو لوٹنے کے ارادے سے جدہ آئے تھے، آپ نے علقمہ بن مُجزِّز کی قیادت میں تین سو مسلمانوں کو جدہ بھیجا تاکہ وہ انہیں اسلام کی دعوت دیں، انہوں نے مسلمانوں کی آمد کی خبر سنی تو فرار ہو گئے، مسلمان ان کی تلاش میں سمندر میں دور تک گئے، کچھ لوگ جزیروں تک بھی پہنچے، مگر ان کا سراغ نہیں ملا، واپسی کے سفر میں کچھ لوگوں نے چاہا کہ وہ جلد از جلد مدینے اپنے گھر پہنچ جائیں، علقمہ رضی اللہ عنہ نے ان کو واپسی کی اجازت دے دی، حضرت حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ بھی انہیں میں تھے، جلد واپسی کے خواہش مند لوگوں کا امیر انہی کو مقرر کیا گیا، ان کے مزاج میں ظرافت تھی، ایک دن راستے میں انہوں نے آگ جلوائی اور اپنے ہم سفر ساتھیوں سے کہا کہ آگ میں کود پڑو، ساتھیوں نے گریز کیا، انہوں نے پوچھا کیا میں تمہارا امیر نہیں ہوں، لوگوں نے کہا: بالکل آپ ہمارے امیر ہیں، انہوں نے کہا، ہمارا حکم مانو، بعض سادہ لوح حضرات آگ میں کودنے کے لئے آمادہ ہو گئے، جنہیں دوسرے ساتھیوں نے روکا، حضرت حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تو مذاق کر رہا تھا، مدینے پہنچنے کے بعد یہ قصہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں لایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ امیر کی اطاعت نیکی کے کاموں میں ہے، اگر کوئی گناہ کا حکم دے تو اس کی اطاعت مت کرو، اگر تم آگ میں کود جاتے تو قیامت تک اس میں سے نہ نکلتے۔(۲)

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کا بھی گزرا ہے، خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ دونوں واقعات الگ الگ ہیں، یا ایک ہی سریّے سے تعلق رکھتے ہیں۔

(۱) زاد المعاد: ۳/۳۷۴۔ (۲) زاد المعاد: ۳/۳۷۴۔

سریّہ جَرِیر بن عبد اللہ البجلی رضی اللہ عنہ

اس غزوے کے تعلق سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب المغازی میں تین روایات ذکر فرمائی ہیں، ان تینوں کا خلاصہ یہ ہے کہ یمن کے علاقے میں جہاں قبیلۂ خثعم آباد تھا ایک بت ذو الخلصہ نامی گھر میں رکھا ہوا تھا، اس گھر کو وہ لوگ کعبہ کہا کرتے تھے، اس بت کی پرستش کرتے، تقرب کے لیے اس کے آگے جانور ذبح کرتے اور اس پر پھول چڑھاتے، ایک صحابی ہیں حضرت جریر بن عبد اللہ البجلی رضی اللہ عنہ، ان کا تعلق یمن کے اسی علاقے سے تھا، ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے جریر! کیا تم ذی الخلصہ سے مجھے راحت نہیں پہنچاؤ گے؟ آپ کا مقصد یہ تھا کہ تم وہاں جاؤ اور اس مصنوعی کعبے کو گرا کر آؤ تا کہ مجھے اس سے خوشی حاصل ہو اور بت کدے کی تباہی سے میرے دل کو راحت ملے، صحابی رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا: کیوں نہیں! یارسول اللہ! میں تعمیل حکم کے لیے تیار ہوں، مگر میرے ساتھ دِقّت یہ ہے کہ میں گھوڑے کی پیٹھ پر جم کر نہیں بیٹھ سکتا، راوی کہتے ہیں کہ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر مارا اور میرے لیے یہ دعا فرمائی! اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْهُ وَاجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًا ''اے اللہ! اس کو ثابت قدم رکھ اور اس کو ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والا بنا'' حضرت جریر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دُعا کے بعد پھر کبھی میں گھوڑے سے نہیں گرا۔

بہ ہر حال حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ اپنی قوم احمس کے ڈیڑھ سو آدمیوں کو لے کر یمن کی طرف روانہ ہوئے، لمبی مسافت طے کرنے کے بعد یہ حضرات ذو الخلصہ نامی عمارت تک جا پہنچے، انہوں نے اس میں رکھے ہوئے بت توڑے اور اس عمارت کو نذر آتش کیا، اس کارروائی سے فارغ ہونے کے بعد حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک ساتھی حضرت ابواَرطاۃ رضی اللہ عنہ کو یہ خوش خبری لے کر مدینے بھیجا کہ ذو الخلصہ تباہ ہو چکا ہے، اور اب اس کا کوئی نام ونشان باقی نہیں بچا، ابواَرطاۃ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو رسول برحق بنا کر

مبعوث فرمایا میں وہاں سے اس وقت تک نہیں چلا جب تک میں نے ذوالخلصہ کو اس حال میں نہیں چھوڑا جیسے وہ خارش زدہ اونٹ ہو" حضرت اَرطاۃ رضی اللہ عنہ نے اس نام نہاد عمارت کو خارش زدہ اونٹ سے اس لئے تشبیہ دی کہ اہل عرب اپنے خارش زدہ اونٹوں پر تارکول مل کر انہیں سیاہ کردیتے تھے، ذوالخلصہ نامی عمارت بھی جل کر تارکول کی طرح سیاہ ہوگئی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ خبر سن کر بے حد مسرور ہوئے، آپ نے قبیلۂ احمس کے سواروں اور پیادوں کے لیے پانچ مرتبہ برکت کی دُعا فرمائی۔(۱)

سریّہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

ربیع الآخر میں ایک سریّہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی قیادت میں قبیلۂ طَیٔ کی طرف روانہ ہوا، اس میں ایک سو پچاس انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سو اونٹوں اور پچاس گھوڑوں کے ساتھ شامل ہوئے، ایک سیاہ اور ایک سفید جھنڈا لشکر کے افراد اٹھائے ہوئے آگے آگے چل رہے تھے، قبیلۂ طَیٔ کا ایک شخص حاتم طائی اپنی سخاوت میں دور دور تک شہرت رکھتا تھا، اگرچہ یہ شخص اب زندہ نہیں تھا، مگر اس کے بیٹے بیٹیاں اور خاندان کے دوسرے لوگ طَیٔ میں تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حاتم کے قبیلے پر رات کے وقت حملہ کیا اور فُلس نام کے اس بت کو توڑ پھوڑ کر پھینک دیا جو قبیلے کے لوگوں نے ایک نمایاں جگہ پر کھڑا کر رکھا تھا، قبیلے کے لوگ کوئی خاص مزاحمت نہ کرسکے، بہت سے لوگ فرار ہوگئے، کچھ گرفتار ہوئے، بہت سے مویشی ہاتھ لگے، گرفتار شدہ گان میں حاتم طائی کی بیٹی سفانہ بھی تھی۔

ایک روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبیلۂ طَیٔ کے محروسین کے معائنے کے لئے تشریف لائے، حاتم طائی کی بیٹی سفانہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو عرض کیا کہ میرا باپ مرگیا ہے، اور میرا بھائی غائب ہوگیا ہے، آپ چاہیں تو مجھے آزاد کردیں، میرے دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دیں، میرے والد بھوکوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے، ضرورت مندوں کی مدد کرتے تھے، اور سلام کو رواج دیا کرتے تھے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سفانہ کا یہ انداز گفتگو

(۱) صحیح البخاری: ۴/۶۲، رقم الحدیث: ۳۰۲۰۔

پسند آیا، آپ نے حکم دیا کہ اس خاتون کو رہا کر دیا جائے، آپ نے اہل کرم کو عزت دینے میں کبھی کمی نہیں کی، سفانہ کو رہائی پا کر بہت زیادہ خوش ہوئی، اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی اللہ آپ کی اس بھلائی کو قبول کرے، آپ کو کسی کمینے کا محتاج نہ بنائے اور اگر کسی عزت دار آدمی کی کوئی نعمت چھن جائے تو آپ کے ذریعے اسے واپس دلا دے، سفانہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاطفت آمیز گفتگو، اور کریمانہ اخلاق سے بے حد متاثر ہوئی، اس نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا، آپ نے اسے کچھ کپڑے دئے، ایک سواری دی اور بہت سامان دے کر اسے رخصت کیا۔(۱)

غزوۂ تبوک

غزوۂ تبوک بھی بڑی اہمیت کا حامل غزوہ ہے، یہ غزوہ اس اعتبار سے بھی اہم ہے کہ یہ آخری غزوہ ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ حیثیت سپہ سالار شرکت فرمائی، یہ ایک ایسا عجیب وغریب جنگی معرکہ تھا جو کسی جنگ کے بغیر ہی اختتام پذیر ہو گیا، مسلمانوں کا مقابلہ اس زمانے کی سب سے بڑی طاقت روم کے بادشاہ سے تھا جو تقریباً آدھی دنیا پر حکومت کر رہا تھا، قیصر روم جنگ کی تیاریاں ہی کرتا رہ گیا اور مسلمان اس کے سر پر جا پہنچے، اللہ تعالیٰ نے دشمن کے دل میں مسلمانوں کا ایسا خوف اور رعب پیدا کیا کہ وہ اپنے گھر میں دبک کر بیٹھ گیا، بیس دن تک مسلمانوں کی فوج اپنے حریف کا انتظار کرتی رہی، مگر وہ نہیں آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوے کے لیے طائف سے واپسی کے چھ ماہ بعد رجب سن نو ھجری میں تشریف لے گئے۔

غزوے کا نام

تبوک حجاز کے شمال میں وادیٔ قری اور شام کے درمیان ایک علاقے کا نام ہے، اُن دنوں یہ علاقہ قبیلۂ قضاعہ کا مسکن تھا اور اس پر روم کی حکومت تھی، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس علاقے میں ایک چشمہ تبوک کے نام سے تھا، بعد میں یہ پورا علاقہ اسی نام سے معروف ہو گیا، مسلم شریف میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

(۱) أسد الغابہ: ۷/۱۴۳۔

ارشاد فرمایا: ''تم لوگ کل ان شاء اللہ چشمۂ تبوک پر پہنچ جاؤ گے، تمہارا اس جگہ پہنچنا چاشت کے وقت ہوگا، جب تک میں وہاں نہ پہنچ جاؤں اس وقت تک کوئی شخص اس کے پانی کو ہاتھ نہ لگائے''۔(۱) علاقے کے نام کی مناسبت سے یہ غزوہ بھی تبوک کی طرف منسوب ہوکر مشہور ہوا، غزوۂ تبوک کا دوسرا نام غزوۂ عُسرہ بھی ہے، عُسرت کے معنی ہیں، دشواری، ان دنوں مسلمان معاشی مشکلات سے دوچار تھے، گرمی کا زمانہ تھا، قحط سالی تھی اور لوگ بھوک سے پریشان ہورہے تھے، ان حالات میں غزوے کے لئے روانگی عمل میں آئی، سورۂ توبہ کی اس آیت میں ایسے ہی مشکل حالات کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے: لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ.(۲) ''حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے رحمت کی نظر فرمائی ہے نبی پر، اور اُن مہاجرین وانصار پر جنہوں نے ایسی مشکل گھڑی میں نبی کا ساتھ دیا، جب کہ قریب تھا کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل ڈگمگا جائیں پھر اللہ نے ان کے حال پر توجہ فرمائی، یقیناً وہ ان کے لیے بہت شفیق اور بڑا مہربان ہے''۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب المغازی میں جس جگہ غزوۂ تبوک کے متعلق روایات جمع کی ہیں وہاں یہ عنوان قائم کیا ہے۔ "باب غزوة تبوك وهي غزوة العسرة" ''غزوۂ تبوک کا بیان جسے غزوۂ عسرت بھی کہتے ہیں''، اس باب کے ذیل میں انہوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بھی نقل فرمائی ہے کہ مجھے میرے ساتھیوں نے جو غزوۂ تبوک یعنی غزوۂ عسرت کی فوج میں شامل ہوکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جانے والے تھے سواریاں مانگنے کے لیے آپ کے پاس بھیجا۔(۳) اس غزوے کا نام غزوۂ عسرت اسی لئے رکھا گیا کہ مسلمان ان دنوں معاشی پریشانیوں میں مبتلا تھے، اس پر مستزاد یہ کہ موسم انتہائی گرم تھا، جہاں جانا تھا وہ جگہ مدینہ منورہ سے بہت دور تھی، تبوک کا فاصلہ مدینہ منورہ سے سات سو اٹھتر (۷۷۸) کلومیٹر ہے، یہ سفر طویل ہی نہیں تھا بلکہ اس اعتبار سے دشوار گزار بھی تھا کہ اونٹ اور گھوڑے تعداد میں کم تھے، کھانے

(۱) صحیح مسلم: ۴/۱۷۸۴، رقم الحدیث: ۷۰۶۔ (۲) التوبۃ: ۱۱۷۔ (۳) صحیح البخاری: ۶/۲، رقم الحدیث: ۴۴۱۵۔

پینے کی چیزیں بھی مقدار میں بہت کم تھیں، پینے کا پانی بھی ٹھیک سے میسّر نہیں تھا، کھجور کی فصل پکنے کے قریب تھی، مدینے کے اکثر باشندے کھجور کی فصل تیار ہونے کے منتظر رہتے تھے، اسی پر ان کی معاش کا انحصار تھا، ابھی تک فصل کٹی نہیں تھی، اکثر لوگ خالی ہاتھ تھے، بے سروسامانی کی اس حالت میں محض اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے صحابہ کی یہ مخلص جماعت نکل کھڑی ہوئی تھی، معمر بن عقیل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجاہدین اس حال میں مدینے سے نکلے کہ نہ ان کے پاس ضرورت کے مطابق سواریاں تھیں، اور نہ زاد راہ تھا، اوپر سے موسم انتہائی گرم تھا، جب پیاس کی شدت ہوتی تو اونٹ ذبح کرتے اور اس کی اوجھڑی میں جو پانی جمع ہوتا اس سے اپنی پیاس بجھاتے۔(۱) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی اس وقت کی منظر کشی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شدید گرم موسم میں تبوک کے لیے روانہ ہوئے، ایک جگہ ہم ٹھہرے ہوئے تھے، اسی دوران ہمیں شدید پیاس محسوس ہوئی، خیال ہوا کہ شاید پیاس کی شدت سے ہماری گردنیں ہمارے دھڑ سے جدا ہوجائیں گی، پیاس سے بے چین ہوکر ہم میں سے کوئی شخص پانی کی تلاش میں باہر نکلتا اور وہ اس حال میں واپس آتا گویا اب زندہ نہیں بچے گا، کچھ لوگ اپنے اونٹ ذبح کرتے اور اس کی اوجھڑی نچوڑ کر پیتے، اور ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے اس کو اپنے پیٹ پر رکھ لیتے۔(۲)

اس غزوے کا ایک تیسرا نام بھی ہے اور وہ ہے ''الفاضحہ'' یہ نام علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب شرح المواہب اللدنیہ میں تحریر فرمایا ہے، الفاضحہ نام اس لیے رکھا گیا کہ اس غزوے نے منافقین کی حقیقت کھول کر رکھ دی تھی، جو کچھ ان کے دل میں تھا وہ ان کی زبانوں پر آگیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور مسلمانوں کے تئیں ان کے دلوں میں جو کینہ موجود تھا اور جو حسد چھپا ہوا تھا اور جو دشمنی پوشیدہ تھی وہ سب کھل کر سامنے آگئی تھی۔(۳)

(۱) فتح الباری: ۹/۱۷۴۔ (۲) مجمع الزوائد: ۶/۱۹۴۔ (۳) شرح المواہب اللدنیہ: ۳/۶۲۔

غزوۂ تبوک کا پس منظر

رسول اللہ ﷺ کو متواتر یہ خبریں مل رہی تھیں کہ قیصر روم؛ ہرقل کا ایک بڑا لشکر شام کی سرحد پر واقع عینِ تبوک پر جمع ہورہا ہے، ہرقل کا ارادہ مدینے پر حملہ کرنے کا ہے، اس نے اس حملے کی زبردست تیاری کی ہے، یہاں تک کہ اس نے اپنے فوجیوں کو ایک سال کی تنخواہ بھی دے دی ہے، یہ خبریں ان نبطیوں کے ذریعے ملیں جو شام سے تیل فروخت کرنے کے لیے مدینے آیا کرتے تھے، ایک صحابی حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مدینے کے آس پاس رہنے والے عیسائیوں نے ہرقل کو لکھ کر بھیجا تھا کہ مسلمانوں کے نبی محمد ﷺ وفات پا چکے ہیں، یہاں کے لوگ قحط کی وجہ سے بھوکوں مر رہے ہیں، ان پر حملہ کرنے کا اس سے بہتر وقت دوسرا نہیں ہوسکتا، چناں چہ ہرقل نے چالیس ہزار کا لشکر مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا، اس کا مقدمۃ الجیش مقام بلقاء تک پہنچ گیا، اسی اثناء میں تیل فروشوں کے ذریعے آپ ﷺ کو اس کی خبر ملی، آپ نے فیصلہ فرمایا کہ اس سے پہلے کہ وہ لوگ یہاں پہنچیں ہمیں خود پیش قدمی کرنی چاہئے اور اُن کا مقابلہ اُن کے گھر میں داخل ہوکر کرنا چاہئے۔

رومیوں کے ساتھ جنگ کے لیے جانے کا وقتی سبب تو یہ تھا جو بیان کیا، مگر حقیقی اور اصل سبب یہ تھا کہ قبائل عرب سے فارغ ہونے کے بعد یہ ضروری تھا کہ دوسری اقوام کو بھی اسلام کی دعوت دی جائے، اگر وہ انکار کریں تو ان سے جہاد کیا جائے، اس سے پہلے بھی اسلامی فوج نے ارض شام کی طرف کوچ کیا تھا، اس کی تفصیل غزوۂ موتہ کے بیان میں گزر چکی ہے، غزوۂ موتہ میں مسلمانوں کا حریف؛ امیر شام شرحبیل غسانی تھا، یہ جنگ بغیر کسی نتیجے کے ختم ہوگئی تھی اس لئے ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ غسان کے لوگ کسی بھی وقت مدینے پر حملہ کردیں گے، یوں بھی رومیوں کی سلطنت کا دائرہ دن بہ دن وسیع ہوتا جارہا تھا، اس کا دیرینہ حریف ایران پے در پے شکست کھا رہا تھا، سن سات ہجری میں رومیوں نے ہرقل کی قیادت میں ایرانیوں کو زبردست شکست دی تھی، وہ لوگ ایرانیوں کی زمین میں دور

تک داخل ہو گئے تھے اور ان سے اپنا وہ صلیب واپس لینے میں کامیاب ہو گئے تھے جس پر ماضی میں کسی وقت ایرانیوں نے قبضہ کر لیا تھا، ایرانیوں پر غلبہ پانے کے بعد اب ان کی نظر مسلمانوں کی طرف اٹھ رہی تھی، اس لئے مسلمانوں کو ہر وقت یہ دھڑ کا لگا رہتا تھا کہ غسانی کسی بھی وقت مدینے پر حملہ آور ہو سکتے ہیں۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ایک انصاری دوست سے یہ طے کر رکھا تھا کہ ایک دن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر رہوں گا، اور ایک دن تم موجود رہنا، دونوں اپنی اپنی باری پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنیں گے اور رات میں ایک دوسرے کو بتلائیں گے، ان دنوں ہم لوگ آپس میں کہتے رہتے تھے کہ غسان کسی بھی وقت ہم پر حملہ کر سکتے ہیں، ایک دن میرا ساتھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا، فارغ ہو کر رات میں وہ میرے گھر آیا، اس نے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا، اور پوچھا کہ کیا آپ سو رہے ہیں، میں گھبرا کر اٹھا، باہر نکلا، میرے ساتھی نے کہا کہ ایک بہت بڑا واقعہ پیش آ گیا ہے، میں نے پوچھا: کیا ہوا، کیا غسانی آ گئے، اس نے کہا: نہیں! بلکہ واقعہ اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے، یہ سن کر میں نے کہا: حفصہ تو ناکام ہوئی اور خسارے میں پڑ گئی، (دوسرے دن) میں صبح کی نماز پڑھ کر فارغ ہوا میں نے اپنے کپڑے پہنے، اور حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا، وہ رو رہی تھی، میں نے پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سب کو طلاق دے دی ہے، اس نے کہا: میں نہیں جانتی، البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے الگ تھلگ اس اوپر کے کمرے میں ہیں، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام کے پاس آیا، اور اس سے کہا کہ آپ سے میرے لیے اجازت مانگو، وہ گیا، اس نے واپس آ کر مجھ سے کہا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہارے لئے اجازت مانگی تھی مگر آپ خاموش رہے، یہ سن کر میں مسجد میں منبر کے پاس آ کر بیٹھ گیا، وہاں کچھ اور لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے، ان میں سے بعض رو بھی رہے تھے، میں پھر غلام کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ عمر کے لیے اجازت مانگو، وہ اندر گیا، پھر میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں نے آپ کے لیے اجازت مانگی تھی مگر آپ یہ سن کر خاموش رہے، میں واپس جانے لگا،

اچانک اس نے مجھے آواز دی اور کہا کہ اے عمر! اندر چلے جاؤ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمھیں اجازت دے دی ہے، میں اندر داخل ہوا، میں نے سلام کے بعد عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے، آپ نے فرمایا نہیں!(۱)

یہ ایک طویل روایت ہے، ہم نے جس مقصد کے لیے اس روایت کا انتخاب کیا ہے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ہے کہ کیا غسانی آگئے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مدینے میں عام طور پر یہ بات شہرت رکھتی تھی کہ غسان یعنی رومی کسی بھی وقت مدینے پر حملہ کرسکتے ہیں، طلاق کی حقیقت صرف اتنی ہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض بیویوں سے ناراض ضرور ہوئے، لیکن آپ نے کسی کو طلاق نہیں دی، البتہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین یہی سمجھتے رہے تھے کہ آپ نے طلاق دے دی ہے، ہم نے یہ طویل روایت اختصار کے ساتھ نقل کی ہے، اس کا یہ حصہ بہ طور خاص نقل کیا ہے جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ سوال "یارسول اللہ! کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے"، اور آپ کا یہ ارشاد "نہیں!" موجود ہے، تاکہ یہ بات واضح ہوجائے کہ آپ نے اپنی بیویوں میں سے کسی کو طلاق نہیں دی تھی، البتہ شہد کھانے کے معاملے میں آپ ان سے ناراض ضرور ہوئے تھے، شہد کا واقعہ قرآن کریم کی سورۂ تحریم میں موجود ہے۔

بہ ہر حال مسلمانوں کے دلوں سے رومیوں کے حملے کا خوف نکالنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ ان کی طرف پیش قدمی کر کے خود ہی حملہ کردیا جائے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ رومیوں کی طرف پیش قدمی کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرضیت جہاد کی اس ترتیب پر عمل کرنا چاہتے تھے جس کا سورۂ توبہ کی اس آیت میں حکم دیا گیا ہے، یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَکُمْ مِنَ الْکُفَّارِ وَلْیَجِدُوْا فِیْکُمْ غِلْظَةً وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ.(۲) "اے ایمان والو! اُن کفار سے لڑو جو تمہارے آس پاس رہتے ہیں، اور ان کو تمہارے اندر سختی پانی چاہیے"، آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے مفسر قرآن مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ سابقہ آیات میں

(۱) صحیح البخاری: ۷/ ۲۸، رقم الحدیث: ۵۱۹۱، صحیح مسلم: ۲/ ۱۱۰۵، رقم الحدیث: ۱۴۷۹۔ (۲) التوبۃ: ۱۲۳۔

جہاد کی ترغیب تھی، مذکورہ بالا آیت میں یہ تفصیل بتلائی گئی ہے کہ کفار تو ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، ان سے جہاد وقتال میں ترتیب کیا ہونی چاہئے، کفار میں سے جو لوگ تم سے قریب ہوں پہلے ان سے جہاد کیا جائے، قریب ہونا مقام کے اعتبار سے بھی ہو سکتا ہے کہ جائے سکونت سے قریب رہنے والے جو کفار ہیں وہ جہاد میں مقدم کئے جائیں اور رشتے، نسب اور تعلقات کے اعتبار سے بھی جو قریب ہوں وہ دوسروں سے مقدم کئے جائیں، کیوں کہ اسلامی جہاد درحقیقت انہی کی خیر خواہی کے تقاضے سے ہوتا ہے، اور خیر خواہی اور ہم دردی میں رشتے دار اور تعلق والے مقدم ہوتے ہیں، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے، وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ. (۱) یعنی "اپنے قریبی عزیزوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں" چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کی تعمیل فرمائی اور سب سے پہلے اپنے خاندان کے لوگوں کو جمع کر کے کلمۂ حق پہنچایا، اسی طرح مقامی قُرب وبُعد کا اعتبار کر کے مدینے کے قرب وجوار کے کفار بنو قریظہ، بنو نضیر اور اہل خیبر کو دوسروں پر مقدم کیا گیا، اس کے بعد باقی عرب سے قتال ہوا، اس سے فارغ ہونے کے بعد سب سے آخر میں کفار روم سے قتال کا حکم ہوا جس کے نتیجے میں غزوۂ تبوک کا واقعہ پیش آیا۔ (۲)

صحابہ کو امداد و معاونت کی ترغیب

کیوں کہ سفر دور دراز کا تھا، اور جہاد اس زمانے کی سب سے بڑی فوجی طاقت اور مکانی وسعت رکھنے والی مملکتِ روما سے تھا، قحط سالی کا زمانہ تھا، کھجور کی فصل پکنے کی قریب تھی، اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین خالی ہاتھ تھے، موسم بھی سخت تھا، ان حالات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قبائل عرب سے فوجی اور مالی معاونت طلب فرمائی، اور مدینے کے تمام مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اس جہاد میں نکلیں، نہ صرف نکلیں بلکہ مالی امداد بھی کریں، یہ حقیقت ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے کبھی دریغ نہیں کیا، جب بھی رسول اللہ نے کسی معاملے میں ان سے مالی یا جسمانی مدد چاہی بے سروسامانی کے باوجود انہوں نے مدد کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اس موقع پر بھی ایسا ہی ہوا، جس

(۱) الشعراء: ۲۱۴۔ (۲) البدایہ والنہایہ: ۳/۵، تفسیر معارف القرآن: ۴/۴۹۳، ۴۹۴۔

کے پاس جو کچھ دینے کے لیے تھا وہ لے کر حاضر خدمت ہو گیا۔

روایات میں ہے کہ حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ اپنا تمام مال لے کر حاضر ہوئے، اس کی قیمت چار ہزار دینار تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے دریافت فرمایا کہ اے ابو بکر رضی اللہ عنہ! کیا تم گھر کا تمام سامان لے آئے یا گھر والوں کے لیے بھی کچھ چھوڑ کر آئے ہو، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے گھر والوں کے لیے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آدھا مال لے کر آئے، انہیں خیال ہوا کہ آج میں ابو بکر رضی اللہ عنہ سے سبقت لے جاؤں گا، خود فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا، میں نے اپنا آدھا مال لا کر پیش کر دیا، اور دل میں سوچنے لگا کہ آج میں ابو بکر رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھ جاؤں گے، ویسے تو وہ ہمیشہ ہی مجھ سے آگے رہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا: اے عمر رضی اللہ عنہ! تم نے اپنے گھر والوں کے لیے کتنا مال چھوڑا ہے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اتنا ہی مال گھر والوں کے لیے چھوڑا ہے، جتنا مال آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے، اتنے میں ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنا سارا مال لے کر آ گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بھی یہی پوچھا کہ گھر والوں کے لیے کتنا چھوڑا، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے گھر والوں کے لیے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے، میں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں آپ سے کبھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔(۱)

تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے اپنی اپنی حیثیت اور گنجائش کے مطابق اس کار خیر میں حصہ لیا، جس کے پاس جو کچھ دینے کے لیے تھا وہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا، کسی نے کھجوریں، کسی نے ستو، کسی نے سواری، کسی نے زرہ، کسی نے تلوار، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اس معاملے میں بھی بازی لے گئے، عبد الرحمٰن بن خباب روایت کرتے ہیں کہ میں اس مجلس میں حاضر تھا جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ عسرت کے لیے لوگوں کو صدقہ کرنے کی ترغیب دے رہے تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اعلان

(۱) سنن ابی داؤد: ۲/۱۲۹، رقم الحدیث: ۱۶۷۸۔

کیا: یارسول اللہ! میں سو اونٹ ان کے ساز وسامان کے ساتھ پیش کروں گا، آپ نے لوگوں کو پھر ترغیب دی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دوبارہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں دوسو اونٹ ساز وسامان کے ساتھ پیش کروں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترغیب دینے کا سلسلہ جاری رکھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تیسری مرتبہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میرے ذمے تین سو اونٹ ہیں، اور ان کا ساز وسامان بھی، یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے اور فرمایا: آج کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کو کوئی عمل نقصان نہیں پہنچائے گا، یہ بات آپ نے دومرتبہ ارشاد فرمائی۔(۱) ایک اور صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ اس مجلس کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ایک ہزار دینار لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ انہیں اپنے دست مبارک سے الٹ پلٹ کرتے رہے، پھر فرمایا: آج کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کو کوئی عمل نقصان نہیں پہنچائے گا، اے اللہ! میں عثمان رضی اللہ عنہ سے راضی ہوا تو بھی راضی ہو جا، یہ بات آپ نے کئی مرتبہ ارشاد فرمائی۔(۲)

نادار صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی حالت

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے پاس کچھ بھی نہ تھا نہ سواری تھی، نہ زادِ راہ تھا، مگر ان کے دل میں جہاد کا شوق تھا، یہ حضرات اس درخواست کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ ہمیں سواری عطا فرما دیجئے، ہم بھی جہاد کے لئے جانا چاہتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے پاس تمہیں دینے کے لیے کوئی سواری نہیں ہے، یہ سن کر وہ حضرات روتے ہوئے واپس ہوئے، قرآن کریم کی یہ آیت ایسے ہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی۔

وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ.(۳) ''اور نہ ان

(۱) سنن الترمذی: ۵/ ۶۲۵، رقم الحدیث: ۳۷۰۰۔ (۲) مسند احمد بن حنبل: ۳۴/ ۲۳۱، رقم الحدیث: ۲۰۶۳۰۔ (۳) التوبۃ: ۹۲۔

لوگوں پر کوئی گناہ ہے جو آپ کے پاس آئے کہ آپ ان کو (جہاد میں) جانے کے لیے کوئی سواری عطا فرمائیں، آپ نے ان سے کہا کہ میرے پاس کوئی سواری نہیں جس پر تم کو سوار کرسکوں، (یہ سن کر) وہ لوگ اس حال میں واپس گئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اس غم کی وجہ سے کہ ان کے پاس خرچ کے لیے کوئی چیز نہیں ہے"۔

ان نادار صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین میں حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ اور حضرت ابویعلی عبد الرحمٰن بن کعب رضی اللہ عنہ بھی تھے، یہ دونوں حضرات بھی روتے ہوئے واپس ہوئے، راستے میں یامین بن عمرو نضری رضی اللہ عنہ مل گئے، انہوں نے رونے کی وجہ پوچھی، ان دونوں حضرات نے جواب دیا کہ ہم جہاد میں جانا چاہتے ہیں، مگر نہ ہمارے پاس کوئی سواری ہے اور نہ رسول اللہ کے پاس ہے، غم اس بات کا ہے کہ ہم اس غزوے میں شرکت سے محروم رہ جائیں گے، یہ سن کر حضرت یامین رضی اللہ عنہ بھی افسردہ ہوگئے، انہوں نے ایک اونٹ خرید کر ان دونوں کو دیا اور زادراہ بھی مہیا کیا۔(۱)

ایک اور صحابی ہیں حضرت علبہ بن زید رضی اللہ عنہ، یہ صحابی گھر پہنچے، غم سے نڈھال تھے، رات ہوئی، تہجد کی نماز پڑھی، اور روتے ہوئے یہ دُعا کی، اے اللہ! تو نے جہاد کا حکم دیا ہے، میں جانا چاہتا ہوں لیکن تو نے مجھے اتنا مال عطا نہیں کیا کہ میں تیرے رسول کے ساتھ وہاں جاسکوں، اور تیرے نبی کے پاس بھی اتنا نہیں ہے کہ وہ میرے لیے سواری کا انتظام کرسکیں، جو مال مجھے ملے گا وہ میں مسلمانوں پر صدقہ کردوں گا، فی الحال تو میری یہ جان ہے میں اسی کو صدقہ کرتا ہوں، صبح کو وہ لوگوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، آپ نے فرمایا، آج رات جس شخص نے صدقہ کیا ہے وہ کھڑا ہوجائے، کوئی بھی کھڑا نہیں ہوا، آپ نے دوبارہ یہی بات ارشاد فرمائی، علبہ بن زید رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، آپ نے فرمایا خوش ہوجاؤ، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے تمہارا صدقہ مقبول صدقات کی فہرست میں لکھا گیا ہے۔(۲)

ایک طرف تو غربت اور ناداری کا یہ حال، دوسری طرف شوق کا یہ عالم، چند

(۱) تفسیر کبیر: ۳۸۱/۲، ۳۸۲، شرح المواہب اللدنیہ: ۶۳/۳۔ (۲) زادالمعاد: ۳۸۶/۳، ۳۸۷۔

منافقین کو چھوڑ کر، یا چند ایسے لوگوں کو چھوڑ کر جن کو کوئی مجبوری تھی سب ہی لوگ جہاد میں شرکت کی تمنا رکھتے تھے، حالاں کہ موسم سخت تھا، سفر لمبا تھا، پھر مقابلہ قیصر روم کی فوج سے تھا، منافقین ان کو سفر کی طوالت، موسم کی شدت اور دشمن کی طاقت سے ڈرا رہے تھے اور کہہ رہے تھے لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ (گرمی میں مت نکلو) اس کے باوجود صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے دلوں سے جہاد کا جذبہ کم نہ ہوتا تھا، حقیقت یہ ہے کہ اسی جذبے نے اسلام کی آب یاری کی، اسی جذبے نے اس نئے دین کو دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچایا، کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو کسی عذر کے بغیر جہاد میں نہیں گئے، قرآن کریم نے ان کو متخلفین کہا ہے، ان کا انجام کیا ہوا؟ اس سوال کا جواب بعد میں دیا جائے گا۔

منافقین کا حال

غزوۂ تبوک اس لحاظ سے بھی نہایت اہمیت کا حامل ہے کہ اس موقع پر منافقین کا ایک گروہ پوری طرح بے نقاب ہو کر سامنے آ گیا، قرآن کریم کی سورۂ توبہ میں متعدد آیات ایسے ہی منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جو خود بھی غزوۂ تبوک میں نہیں گئے اور دوسرے سادہ لوح مسلمانوں کو بھی روکتے رہے، پہلے تو انہوں نے ان غریب مسلمانوں کو برا بھلا کہا جو محنت مزدوری کر کے اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پال رہے تھے، اس غربت اور افلاس کے باوجود وہ یہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی آمدنی میں سے کچھ پیش کر دیں، خواہ وہ معمولی ہی کیوں نہ ہو، منافقین ایسے مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے کہ تمہارے پاس خود تو کھانے کے لیے کچھ نہیں ہے اور صدقہ دینا چاہتے ہو، سورۂ توبہ کی آیت اناسی اور بیاسی میں کہا گیا ہے کہ ایسے منافقین کے لیے سخت ترین عذاب ہے جو غریب مسلمانوں کا محض اس لئے مذاق بنا رہے ہیں کہ وہ اپنی کمائی کا کچھ حصہ اس غزوے کی مد میں پیش کرنا چاہتے ہیں، یہاں اللہ رب العزت کی ناراضگی کا عالم یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا جا رہا ہے کہ ان کو قیامت کے دن دردناک عذاب دیا جائے گا، آپ ان کے لیے مغفرت کی دُعا کریں یا نہ کریں، اگر آپ ستر مرتبہ بھی دعائے مغفرت کریں

گے اللہ قبول نہیں کرے گا۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اللہ کی طرف سے ہمیں صدقے کا حکم دیا گیا، اور ہمارا حال یہ تھا کہ ہم محنت مزدوری کرتے تھے، ہمارے پاس کچھ جمع نہ تھا اور نہ ہماری کچھ زیادہ آمدنی تھی، بس جو کچھ تھوڑا بہت کماتے تھے اسی میں سے نکالتے تھے، چناں چہ ابو عقیل رضی اللہ عنہ نے آدھا صاع (تقریباً پونے دو سیر) صدقہ پیش کیا، ایک اور شخص آیا اس نے کچھ زیادہ دیا، منافقین ان کا مذاق اڑانے لگے کہ کتنی حقیر اور معمولی سی چیز صدقے میں لے کر آئے ہو، اللہ کو ایسی معمولی چیزوں کی ضرورت نہیں ہے، اگر کوئی شخص کچھ زیادہ پیش کرتا تھا تو اس پر ریاکاری، شہرت اور نام ونمود کی طلب کا الزام لگاتے تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ.(۱)

منافقین کا حال یہ تھا کہ وہ خود بھی مختلف حیلے بہانے بنا کر غزوے میں جانے سے بچ رہے تھے اور دوسروں کو بھی روک رہے تھے، اور ان سے کہہ رہے تھے کہ تم اتنی شدید گرمی میں ہرگز جانے کا ارادہ نہ کرو، اللہ رب العزت نے اس بات کا جواب دیا: قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا.(۲) ''آپ کہہ دیجیے کہ جہنم کی آگ اس سے بھی زیادہ گرم ہے''۔
رسول اللہ ﷺ مخلص اور جاں نثار صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ غزوے میں تشریف لے گئے، آپ کے جانے کے بعد یہ منافقین خوشی سے اچھلنے کودنے لگے کہ دیکھو ہم نے حیلے بہانے کر کے کس طرح اپنی جان بچائی ہے، اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ تمہاری خوشی چند روزہ ہے بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے کہ تمہاری ہنسی رخصت ہو جائے گی اور تم دھاڑیں مار مار کر روؤ گے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دنیا چند روزہ ہے، اس میں تم جتنا چاہو ہنس لو، اور خوش ہو لو، پھر جب یہ دنیا ختم ہو گی اور تم اللہ کے پاس جاؤ گے تب تمہارا رونا شروع ہوگا جو کبھی ختم نہ ہوگا۔(۳)

(۱) التوبۃ:۷۹، صحیح مسلم:۲/۷۰۶، رقم الحدیث:۱۰۱۸۔ (۲) التوبۃ:۸۱۔ (۳) تفسیر مظہری:۴/۲۷۴۔

منافقین کے بہانے بھی کتنے گھٹیا تھے، اس کا اندازہ جد بن قیس منافق کے اس بہانے سے بہ خوبی لگایا جاسکتا ہے، جس وقت غزوۂ تبوک کے لیے جانے کی تیاری چل رہی تھی، رسول اللہ ﷺ نے جد بن قیس سے فرمایا: کیا تو اس سال بنو اصفر کے ساتھ مقابلے کے لیے نہیں جائے گا؟ اس نے کہا: یارسول اللہ! کیا آپ مجھے فتنے میں پڑنے سے بچالیں گے، میری قوم یہ بات اچھی طرح جانتی ہے کہ مجھ سے زیادہ عورتوں کو پسند کرنے والا کوئی دوسرا نہیں ہے، مجھے ڈر ہے کہ میں بنی اصفر کی عورتوں کو دیکھ کر ان پر لٹو نہ ہوجاؤں، آپ ﷺ نے یہ کہہ کر اس سے اعراض فرمایا: ٹھیک ہے تو نہ جا، اس پر قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی ''ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ مجھے نہ جانے کی اجازت دے دیں، اور مجھے فتنے میں نہ ڈالیں، آگاہ رہئے کہ یہ تو فتنے میں پڑ ہی چکے ہیں، بلاشبہ دوزخ کافروں کو گھیرنے والی ہے۔(۱)

اسی دوران رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر ملی کہ بعض مسلمان نما منافق سُوَیلم یہودی کے گھر جمع ہورہے ہیں، آپ نے صحابہ کو بھیج کر اس یہودی کے گھر میں آگ لگوادی، کیوں کہ وہاں رسول اللہ ﷺ کے خلاف سازشیں ہورہی تھیں اور سیدھے سادھے مسلمانوں کو غزوے سے روکنے کی کوششیں کی جارہی تھیں۔(۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی نہیں گئے

حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی بن اَبی طالب رضی اللہ عنہ کو جانے والوں کی فہرست میں شامل نہیں فرمایا بلکہ انہیں حکم دیا کہ وہ مدینے ہی میں رہیں، اور یہاں رہ کر اپنے گھر والوں کا، اور تمام ازواج مطہرات کا خیال رکھیں، ان کی خبر گیری کرتے رہیں، سفر طویل تھا، ضرورت تھی کہ گھروں کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی معتبر شخص مدینے میں رہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ معتبر اور بھروسے کے لائق کوئی دوسرا شخص نہیں ہوسکتا تھا، وہ آپ کے چچازاد بھائی تھے، پھر آپ کے داماد بھی تھے، اور داماد ہونے کی حیثیت سے تمام ازواج مطہرات کے لیے اولاد کے درجے میں تھے، وہ بلا تکلف گھروں میں آمد ورفت رکھ

(۱) سورۂ توبہ: ۴۹۔ (۲) الصراع بین الصلیبین ص: ۱۲۱۔

سکتے تھے، اس لئے ان کو مدینے میں رہنے کا حکم دیا گیا، منافقین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نشانے پر رکھ لیا اور کہنا شروع کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی رضی اللہ عنہ کو اس لئے ساتھ نہیں لے گئے کہ اب وہ جسمانی طور پر بھاری پڑ گئے ہیں، لڑنا ان کے بس کا نہیں رہا، بعض منافقوں نے یہ بھی کہا کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں علی رضی اللہ عنہ کی وہ قدر و منزلت نہیں ہے جو پہلے تھی، یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہتھیار اٹھائے اور تبوک کی طرف چل دیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت جُرف میں ٹھہرے ہوئے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! منافقین کا خیال ہے کہ آپ نے مجھے اس لئے اپنے ہمراہ نہیں لیا کہ میں جسمانی طور پر بھاری ہو گیا ہوں اور اب آپ کے دل میں میرے لیے وہ جگہ نہیں رہی جو پہلے تھی، آپ نے فرمایا: وہ جھوٹے ہیں، میں نے تمہیں اپنے گھر والوں کے پاس ان کا خیال رکھنے کے لیے چھوڑا ہے، تم واپس جاؤ اور اپنے اور میرے گھر والوں کا خیال رکھو، کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تمہیں مجھ سے وہی نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰ کے ساتھ تھی، لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ سن کر مدینے واپس چلے گئے۔ (۱)

تبوک کے لیے روانگی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رجب نو ہجری میں مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، تیس ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین آپ کے ساتھ تھے، لشکر میں دس ہزار گھوڑے تھے، ثنیۃ الوداع کے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر میں ترتیب قائم کی، مقدمۃ الجیش، میمنہ اور میسرہ تشکیل دیے، جھنڈے لے کر چلنے والے متعین فرمائے، چناں چہ سب سے بڑا جھنڈا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا، دوسرا بڑا جھنڈا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو دیا، اوس کا جھنڈا اُسید بن حُضیر رضی اللہ عنہ کے اور خزرج کا ابودُجانہ رضی اللہ عنہ کے حوالے فرمایا، تبوک میں فوج کی نگہبانی کی ذمہ داری عباد بن بشیر رضی اللہ عنہ کو دی، چناں چہ وہ ہر وقت لشکر کی قیام گاہوں کے چکر لگاتے رہتے تھے، راستے کی رہ نمائی کا کام حضرت علقمہ بن الفغواء الخزاعی رضی اللہ عنہ کے سپرد

(۱) صحیح البخاری: ۶/۳، رقم الحدیث: ۴۴۱۶، کتاب المغازی، زاد المعاد: ۳/۳۸۳۔

ہوا، انہیں تبوک کا راستہ اچھی طرح معلوم تھا، وہ کئی بار اس راستے سے گزر چکے تھے۔(۱)

قوم ثمود کی بستیاں

تبوک جاتے ہوئے مسلمانوں کا لشکر حجر سے گزرا، بہت سے لوگ بستی میں داخلہ ہو گئے، حضرت ابو کبشہ الانصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کے لیے جاتے ہوئے جب ہم مقام حجر سے گزرے تو لوگ جلدی سے ان بستیوں میں داخل ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی، آپ نے سب کو جمع کیا، راوی کہتے ہیں کہ میں بھی آیا، آپ اپنی اونٹنی کی لگام تھامے ہوئے تھے اور شدید غصے کے عالم میں فرما رہے تھے کہ تم ایسی جگہ کیوں جا رہے ہو جہاں کے رہنے والوں پر اللہ کا عذاب آیا تھا، ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں یہ مکانات دیکھ کر حیرت ہو رہی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ نہیں ہے کہ تم میں سے ایک شخص تمہیں گزرے ہوئے زمانے کی باتیں بتلا رہا ہے اور آنے والے وقت کی خبریں سنا رہا ہے، سیدھے رہو اور راہ راست پر ڈٹے رہو، اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی کہ تمہیں بھی عذاب میں مبتلا کر دے، ایسی قوم بھی پیدا ہوگی جو اپنے دفاع میں کچھ بھی نہ کر سکے گی۔(۲) حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تبوک جاتے ہوئے قوم ثمود کی بستی الحجر میں اترے، انہوں نے وہاں کے کنوؤں سے پانی لیا اور اس سے آٹا گوندھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو پانی تم نے ان کنوؤں سے لیا ہے اسے پھینک دو، اور جو آٹا اس پانی سے گوندھا ہے اسے اپنے اونٹوں کو کھلا دو، اور اس کنویں سے پانی لو جس سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔(۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا: ان لوگوں کے گھروں میں داخل مت ہونا جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا، ہاں اگر داخل ہونا ہی ہے تو پھر روتے ہوئے اور خوف وخشیت سے لرزتے ہوئے داخل ہو، مبادا یہ عذاب تم پر نہ آجائے اس کے بعد آپ نے اپنی اونٹنی کو ہنکایا اور تیزی کے ساتھ آگے بڑھ گئے یہاں تک کہ قوم ثمود کی بستیاں پیچھے رہ گئیں۔(۴)

(۱) شرح المواہب اللدنیہ: ۳/۷۲، طبقات ابن سعد: ۲/۱۶۶، سبل الہدی والرشاد: ۵/۶۵۲۔ (۲) الفتح الربانی: ۲۱/۱۹۵۔ (۳) صحیح البخاری: ۴/۱۴۹، رقم الحدیث: ۳۳۷۹۔ (۴) صحیح البخاری: ۴/۱۴۹، رقم الحدیث: ۳۳۸۰۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقام حجر سے گزرے تو آپ نے اپنے چہرۂ مبارک پر کپڑا ڈال لیا اور سواری کو تیز کر دیا اور فرمایا کہ ظالموں کے گھروں میں داخل نہ ہو، مگر روتے ہوئے (۱) روایات میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص تنہا باہر نہ نکلے، سب لوگوں نے اس حکم کی تعمیل کی، مگر بنی ساعدہ کے دو شخص باہر نکل گئے، ایک کسی ضرورت سے گئے تھے، اور ایک اپنے اونٹ کی تلاش میں نکلے تھے، جو صاحب کسی ضرورت سے نکلے تھے وہ راستے میں بے ہوش ہو گئے، ان کے لئے حضور نے دُعا کی وہ اچھے ہو گئے، دوسرے شخص کو ہوا نے اٹھا کر جبل طیٔ پر پھینک دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا کہ میں نے منع کیا تھا کہ کوئی شخص تنہا باہر نہ نکلے، جس شخص کو جبل طیٔ پر ہوا نے پھینکا تھا اس کو قبیلے کے لوگوں نے مدینہ منورہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔ (۲)

لشکر اسلام تبوک میں

تبوک پہنچنے سے ایک دن پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے ارشاد فرمایا کہ کل تم ان شاء اللہ تبوک کے چشمے پر سورج نکلنے کے بعد پہنچو گے، خبردار کوئی بھی شخص اس وقت تک چشمۂ آب سے پانی نہ پئے اور نہ اس میں ہاتھ ڈالے جب تک میں وہاں نہ پہنچ جاؤں، سوء اتفاق سے دو شخص پہلے وہاں پہنچ گئے اور انہوں نے پانی بھی استعمال کر لیا، جس وقت آپ چشمے پر تشریف لائے تو وہاں پانی کی ایک پتلی سی دھار بہہ رہی تھی، آپ نے پوچھا کیا کوئی شخص یہاں پہلے پہنچا ہے، اور کیا کسی شخص نے اس چشمے سے پانی لے کر پیا ہے، ان دونوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم سے یہ حرکت سرزد ہوئی ہے، آپ نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا، اس کے بعد آپ نے چشمے سے کچھ پانی لیا، اس سے چہرۂ مبارک دھویا اور اس پانی کو چشمے کے اندر ڈال دیا، دیکھتے ہی دیکھتے چشمہ ابل پڑا، سب نے پانی پیا، اور ضرورت کے لیے برتنوں میں بھی لیا، آپ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے جو آپ کے قریب میں تھے فرمایا: اے معاذ! اگر تمہاری عمر زیادہ ہوئی تو تم دیکھو گے کہ اس پانی سے یہاں کے تمام باغات سیراب ہوں گے۔ (۳)

(۱) سیرت ابن ہشام: ۴/۴۰۳۔ (۲) صحیح مسلم: ۴/۱۲۳۔ (۳) زاد المعاد: ۳/۳۹۰۔

ایلہ کے بادشاہ کی حاضری

تبوک میں قیام کے دوران ایک اہم واقعہ یہ پیش آیا کہ ایلہ نامی بستی کا حاکم حاضر خدمت ہوا، اس نے مصالحت کی درخواست پیش کی، آپ نے اس کی درخواست منظور فرمالی، اسی طرح جربا اور اُذرُح والے بھی مصالحت کے لیے حاضر ہوئے، انہیں اسلام کی دعوت دی گئی، انہوں نے اسلام قبول کرنے کے بجائے جزیہ دینا منظور کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک فرمان بھی لکھ کر دیا، اس کا مضمون یہ تھا: ''اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے، یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یُحَنّہ بن رُوبَہ کے لیے اور ایلہ والوں کے لیے امان نامہ ہے، ان کی کشتیاں، ان کے مسافر جو خشکی میں سفر کر رہے ہوں یا سمندر میں وہ خدا اور اس کے رسول کی ذمہ داری میں ہیں، اسی طرح وہ لوگ بھی اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری میں ہیں جو اہل شام، اہل یمن یا اہل بحر میں سے ان کے ساتھ ہیں، اگر کوئی ان کے ساتھ خلافِ معاہدہ پیش آئے گا تو وہ اپنے آپ کو اور اپنے مال کو نہیں بچا پائے گا اور وہ اسی کا ہو جائے گا جو اس کو لے گا، جو راستہ بھی خشکی کا یا پانی کا ان کی طرف جاتا ہو اس کو روکنے کی اجازت نہیں ہوگی۔(۱)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ دومۃ الجندل میں

تبوک میں قیام کے دوران رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو چار سو بیس سواروں کے ساتھ دومۃ الجندل روانہ فرمایا، اِن دِنوں وہاں ایک عیسائی شخص اُکَیدِر بن عبدالملک کی حکومت تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اُکَیدِر تمہیں گائے کا شکار کرتے ہوئے ملے گا، خالد بن ولید وہاں پہنچے، رات کا وقت تھا، ہر طرف چاندنی بکھری ہوئی تھی، اُکَیدِر اور اس کی بیوی دونوں محل کے بالاخانے پر بیٹھے ہوئے تھے، اتفاقاً اُدھر ایک گائے نکل آئی اور محل کے دروازے سے سر ٹکرانے لگی، اکیدر کی

(۱) زادالمعاد: ۳/۳۹۱۔

بیوی نے اپنے شوہر سے کہا کہ کیا تو نے کبھی یہ منظر دیکھا ہے، آسمان پر چاند روشن ہے، رات پرسکون ہے، اور شکار تیرے دروازے پر ہے، اکیدر نے کہا واقعی یہ بڑا خوب صورت منظر ہے، بیوی نے کہا کہ پھر ایسا بہترین موقع کون چھوڑ سکتا ہے، بیوی کے اُکسانے پر اکیدر بالا خانے سے اتر کر نیچے آیا، گھوڑے پر زین کسی، کچھ لوگوں کو جن میں اس کا سگا بھائی حسّان بھی تھا اپنے ساتھ لیا اور باہر نکل گیا، ابھی کچھ ہی دور گئے ہوں گے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنے شہ سواروں کے ساتھ مل گئے، انہوں نے اُکیدر کو گرفتار کرلیا، حسّان کو قتل کردیا، اس نے سونے کے تاروں سے بنا ہوا جو کرتا پہن رکھا تھا وہ اتار کر اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ کردیا، بعد میں اکیدر کو لے کر مدینہ منورہ اس وقت پہنچے جب آپ تبوک سے واپس تشریف لا چکے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُکیدر کو جزیہ دینے کی شرط پر چھوڑ دیا، وہ واپس چلا گیا۔(۱)

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے ابن سعد کے حوالے سے یہ واقعہ اس طرح بھی لکھا ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ چار سو بیس سواروں کے ساتھ دومۃ الجندل پہنچے، اور اکیدر سے کہلوایا کہ اگر وہ شہر کے دروازے کھول دے تو وہ اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرنے سے پہلے قتل نہیں کریں گے، اس نے دروازہ کھول دیا، اور بہ طور مصالحت جزیہ دینا قبول کرلیا، اکیدر نے دو ہزار اونٹ، آٹھ سو جانور، چار سو زرہیں، اور چار سو تیر کمان حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے حوالے کیے، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے پہلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ الگ کیا، پھر تمام مال غنیمت ساتھیوں میں تقسیم کردیا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اکیدر کو لے کر مدینہ منورہ پہنچے، آپ نے اس کی مصالحت قبول فرمالی، اور دومۃ الجندل کی حکمرانی کی تحریر لکھ کر اسے دے دی۔(۲)

(۱) زاد المعاد: ۳/۳۹۲۔ (۲) زاد المعاد: ۳/۳۹۲۔

آخری غزوہ

غزوۂ تبوک رسول اللہ ﷺ کا آخری غزوہ تھا، اس کے بعد آپ کسی غزوے میں تشریف نہیں لے گئے، اور نہ آپ نے کسی جنگی مہم میں شرکت فرمائی، بلکہ کوئی سریا بھی روانہ نہیں کیا گیا، نو برسوں میں کل انتیس، ستائیس یا پچیس غزوات ہوئے، آپ ﷺ نے ان تمام غزوات میں بہ نفس نفیس شرکت فرمائی، بلکہ سات غزوات میں تو دشمنوں کے ساتھ دو بہ دو جنگ بھی کی، غزوات کے علاوہ تقریباً ساٹھ سرایا بھی بھیجے گئے، اس طرح ان جنگوں کی تعداد تقریباً پچاسی ہوتی ہے، ان میں سے بیشتر میں تو کوئی جنگ ہی نہیں ہوئی، بلکہ جیسے ہی دشمنوں کو مسلمانوں کی آمد کا علم ہوا وہ جنگلوں میں جا چھپے یا پہاڑوں اور غاروں میں جا کر روپوش ہو گئے، اور جو جنگیں ہوئیں ان میں بھی جانبین کے مقتولین کی تعداد ایک ہزار اٹھارہ سے متجاوز نہیں ہوئی، یہ ان جنگوں کا حیرت انگیز پہلو ہے کہ اتنی جنگیں ہوئیں لیکن خون بہت کم بہا، جان و مال کی بربادی بہت کم ہوئی، عورتوں پر، بچوں پر، کمزوروں پر، بوڑھوں پر، بیماروں پر کوئی ظلم نہیں ڈھایا گیا، عمارتیں تباہ نہیں کی گئیں، باغات اور کھیتوں پر بلڈوزر نہیں چلائے گئے، اس کے مقابلے میں یورپ کی مہذب اور ترقی یافتہ اقوام کی جنگوں کا حال دیکھ لیجئے، پہلی جنگ عظیم میں جو ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک صرف چار سال جاری رہی چونسٹھ لاکھ انسانی جانیں ضائع ہوئیں، عمارتوں کی تباہی اس سے الگ ہے، دوسری جنگ عظیم میں جس کا سلسلہ ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۵ء تک سات برس تک چلا تقریباً چھ کروڑ انسان قتل کئے گئے، اور جو خانماں برباد ہوئے ان کی تعداد الگ ہے، فلسطین کا حال دیکھ لیجئے، اسرائیل نے امریکہ اور برطانیہ جیسے ملکوں کے ساتھ مل کر غزہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی، ہزاروں بچے اور بڑے شہید ہو گئے، تقریباً تمام بڑی رہائشی عمارتیں، اسکول، ہسپتال، اور تجارتی کمپلیکس کھنڈر بن گئے، یہ قومیں اپنے آپ کو مہذب کہتی ہیں، ان کا دعوی ہے کہ وہ حقوق انسانی کی علم بردار ہیں، ان کو چاہئے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی جنگوں کے آئینے میں اپنا چہرا دیکھیں اور یہ دیکھیں کہ ان کے قول و عمل میں کس قدر تضاد ہے، اور انسانیت کے لیے ہمدردی کے ان کے دعوے کتنے کھوکھلے ہیں۔

مولانا ندیم الواجدی کی اہم تالیفات

عربی زبان سے متعلق

☆ معلم العربیہ تین حصے ☆ عربی بولئے
☆ عربی میں خط لکھئے ☆ عربی میں ترجمہ کیجئے
☆ التعبیرات المختارة ☆ خطب الجمعة والعیدین
☆ کیف تخطب باللغة العربیة ☆ عربی، انگلش، اردو بول چال
☆ انگلش بولنا سیکھئے ☆ جدید عربی زبان ایسے بولئے
☆ عربی زبان کے قواعد: نئے اسلوب میں
☆ القاموس الموضوعی (تین زبانوں میں موضوعاتی ڈکشنری)

دیگر موضوعات پر

☆ احیاء العلوم (اردو ترجمہ چار جلدوں میں) ☆ آئینۂ افکار ☆ نگارشات
☆ نئے ذہن کے شبہات اور اسلام کا موقف ☆ رشحات قلم ☆ خدا رحمت کند
☆ مسلمانوں کی ملی اور سیاسی زندگی ☆ ہمارے مدارس؛ مزاج اور منہاج
☆ اسلام؛ حقائق اور غلط فہمیاں ☆ اسلام اور ہماری زندگی
☆ رمضان؛ نیکیوں کا موسم بہار ☆ رمضان کیسے گزاریں اُردو
☆ رمضان کیسے گزاریں ہندی ☆ آج رات کی تراویح اُردو
☆ آج رات کی تراویح ہندی ☆ آزادی سے جمہوریت تک......
☆ پھر سوئے حرم لے چل ☆ ملت اسلامیہ کا دھڑکتا ہوا دل
☆ قرآن کریم کے واقعات ☆ لہو پکارے گا آستیں کا
☆ تین طلاق؛ عوام کی عدالت میں ☆ انسانی مسائل؛ اسلامی تناظر میں
☆ قیامت کی نشانیاں اور مولانا وحید الزماں خاں کے نظریات
☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفرِ معراج ☆ عمرہ؛ فضائل و مسائل اور دعائیں (اردو، ہندی)
☆ حج؛ فضائل و مسائل اور دعائیں (اردو، ہندی)
☆ شب برأت اور شب قدر ☆ عید الاضحیٰ؛ تاریخ، فضائل، مسائل اور خطبے
☆ آسان اور مکمل؛ قواعد النحو ☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی مہمات
☆ سیرت نگاری اور سیرت کی کتابیں
☆ بے مثال شخصیت اور باکمال استاذ (شیخ الحدیث حضرت مولانا واجد حسین دیوبندیؒ کے حالات زندگی)

دارالکتاب دیوبند

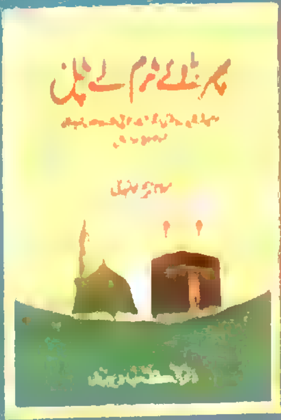

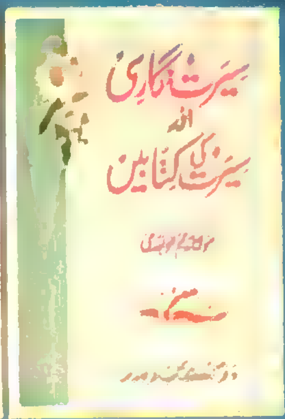

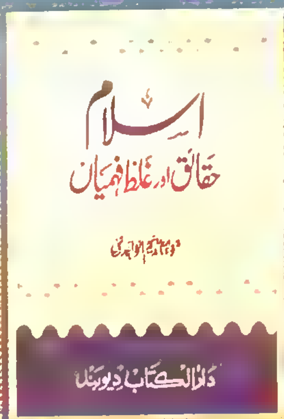

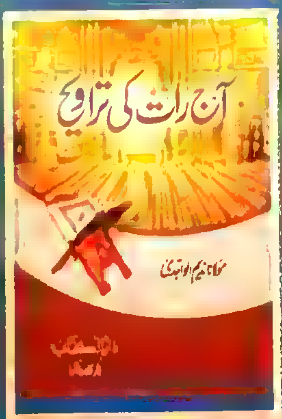

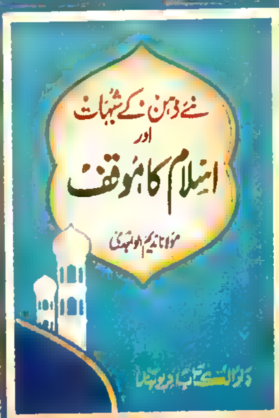

دار الکتاب دیوبند

DARUL KITAB

DEOBAND, DIST. SAHARANPUR, U.P. (INDIA) PIN-247554
Mobile: 9412557658, 9997520332 Phone: 01336-222558
Email : nadimulwajidi@gmail.com